خطباتِ قائدِ اعظمؒ

تدوین و تہذیب

رئیس احمد جعفری (ندوی)

شعاعِ ادب لاہور۔۸

خطباتِ قائدِ اعظمؒ

تدوین و تہذیب

رئیس احمد جعفری (ندوی)

شعاعِ ادب لاہور-۸

خطباتِ قائدِ اعظمؒ

بار اول ۔	ایک ہزار
ناشر ۔	محمد حلیم
مطبوعہ ۔	اشرف پریس لاہور
قیمت ۔	بارہ روپے

فون نمبر ٦٤٣٨١
دسمبر ١٩٦١ء

قائدِاعظم کے معتمد رفیقِ کار

خواجہ ناظم الدّین

کے نام

کعبہ سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

قائدِ اعظم کا پیام

جو دونی فطرت سے نہیں لائقِ پرواز
اس مرغکِ بے چارہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیّاد
اس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

پاکستان کا الہام

ہو بندۂ آزاد اگر صاحبِ الہام
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
اس کے نفسِ گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاکِ چمنستان شرر آمیز
شاہیں کی ادا ہوتی ہے بلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز!
اس مردِ خود آگاہ و خدا مست کی صحبت
دیتی ہے گداؤں کو شکوہِ جم و پرویز

اقبال

فہرست عنوانات

عنوانات | | صفحہ

صفحہ

عنوانات

سنہ ۱۹۴۰ء

سنہ ۱۹۴۱ء

عنوانات — صفحہ

عنوانات	صفحہ

سنہ ۱۹۴۶ء

عنوانات | صفحہ

سنہ ۱۹۴۷ء

سنہ ۱۹۴۸ء

عنوانات — صفحہ

مختصرات

سنہ ۱۹۴۷ء

عنوانات

سنہ ۱۹۴۸ء

"قائدِ اعظم اکیڈمی" کیوں نہیں؟

جنابِ صدرِ مملکت کی خدمتِ گرامی میں

ایک التجا

مجھے نہیں معلوم یہ سطریں جنابِ صدرِ مملکت کی نظروں سے گزر سکیں گی یا نہیں لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایک بہت بڑی کوتاہی کی طرف ان کی عنانِ توجہ مبذول کراؤں۔

قائدِ اعظم، ملتِ اسلامیہ کے اس آخری دور میں سب سے بڑے لیڈر تھے، اُنہوں نے ہمیں ایک تخیل دیا، ایک مقصد دیا، ایک منزل متعین کی، اور اس منزل تک پہنچا بھی دیا۔ دُنیا میں ایسے قائد بہت کم ہوئے ہیں کہ کسی مقصدِ جلیل کو لے کر اُٹھے ہوں، اور اپنی زندگی ہی میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہوں، یہ سعادت قدرت نے قائدِ اعظم ہی کی قسمت میں لکھی تھی۔

تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں قائدِ اعظم نے بہت سی تقریریں کیں بہت سے بیانات دیئے۔ بہت سی پریس کانفرنسیں منعقد کیں متعدد مواقع پر مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت اور ترجمانی، خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کی۔

تقسیم ہند سے قبل کے قائداعظم کے ارشادات بڑی آسانی سے اخبارات کے فائلوں سے، اور مرکزی اسمبلی کی رپورٹوں سے فراہم ہو سکتے تھے، اور تقسیم ہند کے بعد یعنی پاکستان کے عالمِ وجود میں آنے کے بعد ان کی حیثیت صرف قائداعظم کی نہ تھی بلکہ گورنر جنرل کی بھی تھی، ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی تقریر کرتے، بیان دیتے، یا سوال و جواب میں حصہ لیتے، اور اس کا مستند ریکارڈ سرکاری طور پر نہ لیا جاتا۔

لیکن کتنے حیرت، افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ تقسیم ہند سے قبل کی تقریروں اور بیانوں کا کیا ذکر، گورنر جنرل کی حیثیت سے انہوں نے جو تقریریں ارشاد فرمائیں۔ جو بیانات دیئے، جن پریس کانفرنسوں کو شرفِ تخاطب عطا فرمایا، جن غیر ملکی نمائندگانِ صحافت کو انٹرویو دیا، ان کا ریکارڈ بھی سکریٹریٹ میں موجود نہیں ہے۔

میں نے جب "خطباتِ قائداعظم" کی تدوین و ترتیب کا کام شروع کیا، تو کراچی میں حکومت پاکستان کے محکمۂ اطلاعات، اور محکمۂ مطبوعات وغیرہ کا مسلسل چکر لگایا، افسرانِ متعلقہ سے شرفِ نیاز حاصل کیا، لیکن سب نے تہی دامانی کا اعتراف ——— ندامت کے ساتھ ——— فرمایا، اور ایک صاحب نے تو یہ تک فرما دیا کہ ہمارے پاس قائداعظم کی تقریروں کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے! اور اخبارات میں جو شائع ہوئی ہیں، انہیں سرکاری نقطۂ نظر سے ہم مستند نہیں تسلیم کرتے۔

یہ انتہائی رنج دہ اور افسوسناک صورت حال ہے، نہ جانے سابق حکومتیں اس اہم ترین فریضہ سے کیوں غافل رہیں، لیکن موجودہ حکومت سے جس نے بہت سے قابلِ فخر اور یادگار کارنامے انجام دیئے ہیں، میں توقع کرتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے اس اہم ترین کام پر متوجہ ہوگی۔

بلکہ میری تجویز تو ایک اور ہے، اور میں صدر مملکت کی سلامتی طبع سے اُمید رکھتا ہوں کہ اگر اُن تک یہ پہنچ گئی تو وہ ضرور اسے بروئے کار لائیں گے، میری تجویز یہ ہے کہ جلد از جلد "قائد اعظم اکیڈیمی" قائم کی جائے، اس اکیڈیمی میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہو، جو اردو و انگریزی کی بہترین سیاسی کتابوں پر مشتمل ہو،

اصحاب قلم کی ایک جماعت ہو جو تحریک خلافت سے لے کر قیام پاکستان تک کے تمام واقعات اپنے مشاہدات، تاثرات، تجربات اور نظریات کی روشنی میں قلمبند کر ڈالے اور اس طرح مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں، اور سیاسی زندگی سے متعلق مستند، معتبر اور مفصّل ذخیرہ فراہم ہو جائے۔

ساتھ ہی ساتھ ایک "قائد اعظم میوزیم" بھی قائم کیا جائے، جس میں نہ صرف قائد اعظم کے خطوط اور تحریریں فراہم کی جائیں، بلکہ ہر بڑے مسلمان لیڈر کے خطوط اور اسکی تحریریں جمع کی جائیں اور انہیں ترتیب و تہذیب کے بعد شائع کیا جائے۔

"قائد اعظم اکیڈیمی" ان زعماء کی سوانح عمریاں بھی مرتب کرائے جنہوں نے مسلمانوں کو سربلند کرنے میں نمایاں حصّہ لیا ہے، اور ان لوگوں کی ایک مکمل اور مستند فہرست مرتب کرے جنہوں نے تحریک خلافت اور مسلم لیگ اور دوسری ملی تحریکوں میں جیل کی سزائیں بھگتی ہیں، جائیدادیں نیلام کرائی ہیں، اور تباہی و بربادی کو لبیک کہا ہے،

اتنے بڑے کام کو حکومت ہی شروع کر سکتی ہے، اور اسی کو شروع کرنا چاہیئے، بے زری کی مجبوری مجھ جیسے لوگوں کی عناں گیر ہو سکتی ہے، لیکن ممالک اسلامیہ میں سب سے بڑے ملک اور دنیا کی بڑی حکومتوں میں ساتویں بڑی حکومت، اس طرح کا کوئی عذر نہیں کر سکتی۔

ہندوستان و پاکستان کے مختلف مقامات، کلکتہ، بمبئی، دہلی، لکھنؤ، الہ آباد، پٹنہ لاہور، پشاور، کراچی اور دوسرے مقامات سے ابھی کافی مواد فراہم ہو سکتا ہے، لیکن

اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی، تو یہ قیمتی اور گراں بہا مواد ضائع ہو جائے گا، اور مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ ضائع بھی ہو چکا ہے۔

یہ صرف میری ذاتی اپیل نہیں ہے، بلکہ ملت اسلامیہ کے دل کی آواز ہے اور میں امید کروں کہ اس پکار پر حکومت اور صدر مملکت توجہ فرمائیں گے:

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

رئیس احمد جعفری

حرفِ آغاز

پاکستان کیوں اور کیسے؟

۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس، دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ پٹنہ میں منعقد ہوا، صدر اجلاس قائدِ اعظم تھے۔ اور صدر مجلس استقبالیہ عزیز ملت سید عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ایٹ لا تھے، عزیز ملت متحدہ ہندوستان کے ان چند رہنماؤں میں تھے، جن کا اخلاص، جن کی دیانت، اور جن کے جذبہ قومی و ملی کے دوست سے زیادہ دشمن معترف تھے، وہ کسی دور میں بھی تنگ دل نہ تھے، اُن کی شرافت، عالی ظرفی اور اولوالعزمی کا سب کو اعتراف تھا، انہوں نے زندگی بھر شادی نہیں کی، پٹنہ کے چوٹی کے بیرسٹروں میں تھے، مسلمانوں سے زیادہ ان کے مؤکل ہندو تھے، اُنہوں نے بلا مبالغہ لاکھوں روپیہ کمایا، اُن کی آمدنی ہزار ہا ماہوار سے متجاوز تھی، لیکن یہ سارا روپیہ وہ ملک قوم اور ضرورت مند اشخاص پر خرچ کر دیتے تھے، کل کے لئے بچا کر رکھنا ان کے اصول اور قناعت کے خلاف تھا۔

عزیز ملت نے بڑا معرکہ آرا خطبۂ استقبالیہ ارشاد فرمایا، انہوں نے مسلمانانِ ہند کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"ہندوستان کے بدقسمت مسلمان مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد حیران اور پریشان

تھے، ان کا چہرہ پژمردہ اُن کی جبیں غم آلودہ اور اُن کی آنکھیں عرصہ تک ڈبڈبائی ہوئی رہیں، پہلے یہ انگریزوں سے مرعوب یا متنفر ہوکر بہت سی تحریکوں سے علیحدہ رہے، اور کوئی عملی قدم اپنی اصلاح و ترقی کے لئے نہیں اُٹھایا، مگر کچھ عرصے بعد زمانے کے تغیرات کو محسوس کرکے اُنہوں نے بھی جدوجہد شروع کی ہے ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ نے کانگریس کے دوش بدوش آزادیٔ ہند کا مطالبہ کیا اور برادران وطن کے ساتھ باہمی سمجھوتہ کرکے اس کے حصول کی طرف متوجہ ہوئی۔

مسلمانوں نے اس امر کو ہمیشہ محسوس کیا کہ آزادیٔ ملک کے لئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے (پہلی) جنگِ عظیم سے پہلے اور اس کے بعد ہندوستان میں آزادی کی جو تحریکیں اُٹھیں ان میں مسلمان آگے آگے رہے، ان مسلمانوں نے جلیانوالا باغ میں گولیاں کھائیں۔ پنجاب کے مارشل لاء میں سخت سے سخت سزائیں بھگتیں نیز خلافت اور سوراج کی متحدہ تحریک میں ہزاروں کی تعداد میں جیل خانہ گئے۔

سچ تو یہ ہے کہ ۲۱-۱۹۲۰ کی تحریکیں مسلمانوں ہی کی مرہونِ احسان ہیں، لیکن ملک کی بدقسمتی سے ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ نے متحدہ قومیت کی بنیاد کو ہلا ڈالا، ہندو مسلم اتحاد کے لئے یہ نقطۂ انحراف ثابت ہوا، اس رپورٹ نے کانگریسی ذہنیت کو بے نقاب کردیا انہیں وجوہ سے مولانا محمد علی نے بھی اس کی شدید مخالفت کی، اور اُن کی ہمنوائی میں سارے ہندوستان نے بھی صدائے احتجاج بلند کی، اس رپورٹ سے مسلمانوں کو یہ خطرہ بلکہ یقین ہوا کہ کانگریس ایک دہری حکومت ہندوستان میں قائم کرنا چاہتی ہے، جس میں انگریزوں کے فوجی اور خارجی اختیارات تو برقرار رہیں گے۔ لیکن ملکی اور انتظامی اختیارات کانگریس کے ہاتھوں میں آئیں گے، اور غریب مسلمان دہرا غلام بن جائے گا، کلکتہ کنونشن کے موقع پر جب جناح اور مولانا محمد علی مرحوم نے مسلمانوں کی طرف سے اس رپورٹ میں کچھ ترمیموں کی خواہش ظاہر کی

تو ہندو رہنماؤں نے اُن کے مطالبے کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا"

آگے چل کر عزیز ملت نے سیاسیاتِ ہند کا جائزہ لیتے ہوئے، اور کانگرس کے نعرۂ قومیت متحدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"مسلمان متحدہ قومیت کی تحریک کے صرف اس پہلو کو تسلیم کر سکتا ہے، جو ملک کے لئے آزادی اور اختیارات حاصل کرنے میں مددگار اور ہندوستان کے معاشی مسائل کے حل کرنے میں معاون ہو، لیکن وہ اسے کسی طرح قبول نہیں کر سکتا کہ اپنی قومی انفرادیت کو ہندوستان کی متحدہ قومیت میں مدغم کر دے"۔

پاکستان کا تخیل ذہن و دماغ میں گردش کر رہا تھا، اور ایک سال بعد یہ تخیل مسلمانانِ ہند کا نصب العین بننے والا تھا، لیکن ابھی تک اس تخیل کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی، اب تک قائدِ اعظم اور مسلمانانِ ہند اس بات کے جویا تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

عزیزِ ملت نے فرمایا:۔

"مسلم لیگ کا نصب العین خواہ مخواہ کسی کی مخالفت پر مبنی نہیں ہے مسلم لیگ اس نوع کے سیاسی و معاشی پروگرام کا ساتھ دے گی جس کے اصول اسلامیان ہند اور دوسری قوموں کے لئے مفید ہوں، وہ کاشت کاروں کو زمینداروں کی زیادتی اور ناانصافی سے پریشان اور بدحال نہ ہونے دے گی، اور ناقابلِ عمل وعدوں سے ان کو خوش کر کے پھر انہیں مایوس نہ کرے گی۔"

مسلم لیگ یہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی البشرطیکہ کانگریس ان کے جائز شکایات رفع کر دیتی، اپنے اس خطبہ میں عزیز ملت نے فرمایا:۔

"یوں تو مسلمانوں کے عام شکایات کی ایک طویل فہرست ہے، جس کا تذکرہ یہاں ناممکن ہے پھر بھی بعض ایسے اہم مسائل ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔

ودیا مندر اسکیم مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے بالکل ناموزوں ہے، اس کے نام ہی میں فرقہ وارانہ ذہنیت پائی جاتی ہے۔"

لیکن یہ اسکیم جبراً کانگرسی حکومتوں نے عمومی طور پر، اور سی، پی کی حکومت نے خصوصی طور پر نافذ کر دی ایسد صاحب نے کہا۔

سی، پی صوبہ متوسط کے وزیر اعظم مسٹر شکلا کے ایک بیان کے مطابق بھی لفظ مندر قصداً خاص ایک غرض سے ابتدائی تعلیم گاہوں کے لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ اس لفظ سے ہندو بچوں کے مذہبی جذبات میں جوش پیدا ہو حالانکہ سرکاری درسگاہ میں تعلیم پانے کے مستحق صرف ایک ہی قوم کے افراد نہیں ہوتے، بلکہ مسلمان اور دیگر غیر ہندو بھی ہوتے ہیں مشترکہ تعلیم گاہوں میں اس طرح کا نام اختیار کرنے اور رواج دینے کی مطلق گنجائش نہیں تھی۔ یہ بالکل ناقص نامکمل اور بعض حیثیتوں سے قدامت پرستانہ اور دقیانوسی اسکیم ہے اور مسلمان بچوں کے قومی مزاج کے صریحاً خلاف اور مضر ہے۔

بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر مسلمانوں کو صدمہ اور رنج پہنچایا گیا ہے، اس نغمہ میں بُت پرستی کا تخیل ہے اور اس کی تصنیف مسلمانوں سے منافرت پر مبنی ہے۔ ایسی صورت میں کسی مشترکہ جلسہ یا تعلیم گاہوں میں اس ترانے کو جاری کرنے یا اس کی نغمہ سرائی پر اصرار کرنا مسلمانوں کو دکھ دینا اور برہم کرنا ہے۔

اردو ہندی کا قضیہ بھی نہایت ہی تلخ اور مضر صورت اختیار کر رہا ہے، اردو جو ہندو اور مسلمانوں کی کوششوں کی زندہ یادگار ہے، کچھ عرصہ سے سیاسی اختلافات کی وجہ سے تعصب کا شکار ہو رہی ہے، اور آج کانگریسی وزارتوں میں حکمرانہ اقتدار کے ماتحت مٹائی جا رہی ہے۔

اُردو ہمہ گیر حیثیت اور عام مقبولیت حاصل کر چکی ہے، برما کے دشوار گذار جنگلوں میں اردو اسکول قائم ہیں، سرحد کا پٹھان، سندھ کا کاشتکار، بمبئی کا تاجر اور بنگلور کا بساطی بھی

اردو جانتا سمجھتا، بولتا اور لکھتا ہے مختصر یہ کہ ہندوستان کے ہر قصبہ میں یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے، اس لحاظ سے یہ زبان نہ صرف صوبائی خلیجوں کو پاٹ کر بلکہ سمندر اور پہاڑ کو عبور کر کے ایک ہمہ گیر حیثیت حاصل کر چکی ہے، جو ہندی زبان کو نصیب نہیں، اردو ادب کی تاریخ گواہ ہے کہ ہندوؤں نے بھی اس زبان کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ماضی کا ذکر جانے دیجئے۔

آج بھی سر تیج بہادر سپرو، منشی دیانارائن نگم، پنڈت برجموہن، دتاتریہ کیفی اور ڈاکٹر تاراچند کے زریں خدمات کو کون بھلا سکتا ہے، خود ہمارے صوبے کے ممتاز فاضل اور علم دوست ڈاکٹر سچتانند سنہا (وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی) نے جن کی سخن فہمی اور اردو دانی کا ہر شخص معترف ہے، چند دن ہوئے اپنے لڑکے کی تقریب شادی کے سلسلہ میں جو دعوت نامہ تقسیم کیا ہے وہ اردو زبان اور رسم الخط سے تعصب برتنے اور بیر رکھنے والوں کے لئے سبق آموز ہے رقعہ کی عبارت حسب ذیل ہے:-

"بفضل خدا میرے نور نظر راؤ ہاکرشن سلمہ کی برات بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۲۹ء شام کے تین بجے میرے مکان سے آنریبل جسٹس سکھ دیو پرشاد ورما کی کوٹھی پر جائے گی اور بعد واپسی برات اسی رات کے آٹھ بجے غریب خانہ پر دعوت طعام ہے امید ہے کہ آنجناب تقریب اور کھانے میں شرکت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

(الملتمس سچتانند سنہا)"

اب سر تیج بہادر سپرو کی صدارتی تقریر کو ملاحظہ فرمائیں، جو ۱۸ دسمبر ۱۹۳۸ء کو یوم اردو کے جلسہ کے موقع پر الہ آباد میں کی گئی، انہوں نے فرمایا کہ:-

اردو ہم ہندو مسلمانوں کی وراثت مشترکہ ناقابل تقسیم ہے، یہ ہمارے اتحاد کی سب سے بڑی یادگار ہے، ہم کئی صدی سے یہ زبان بولتے چلے آئے ہیں،

میرے باپ دادا، میرے بچے سب یہی زبان بولتے

ہیں اور کسی حال میں بھی اُسے چھوڑ نہیں سکتے، جو لوگ اس میں غیر مانوس ثقیل سنسکرت اور عربی الفاظ خواہ مخواہ داخل کرتے ہیں۔ وہ زبان کو خواہ مخواہ خراب کر رہے ہیں، اور جو لوگ اس بناء پر مروجہ اور مانوس الفاظ نکال کر بھدّے اور نئے الفاظ داخل کرنا چاہتے ہیں کہ دیہات والے سمجھ سکیں ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ دُنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں جس کی شہری اور دیہاتی بولی میں فرق نہ ہو، یہ ساری خرابی اس وجہ سے ہے کہ ہماری زبان کو سیاسی مسئلہ بنا لیا گیا ہے، زبان لیجسلیٹو اسمبلی میں نہیں بن سکتی، وہ مجلس قانون ساز ہے، زبان ساز نہیں، یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ کون لفظ خارج کرنے کے قابل اور کون داخل کرنے کے لائق ہے۔ یہ کام ڈاکٹر عبدالحق جیسے اہلِ زبان اور علم دوست کا ہے۔

میں اس زبان کے لئے اُردو ہی کا لفظ پسند کرتا ہوں، جب کوئی میرے سامنے ہندوستانی کا لفظ کہتا ہے تو میرے دل کو تکلیف ہوتی اور مجھے صدمہ ہوتا ہے۔

حکومت نے کچہریوں کے لئے اُردو کی منظوری تو دے دی ہے، لیکن اس وقت تک اس کی حیثیت کاغذی حکم سے جو زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اردو زبان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک طرف ہندوستان میں اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر سے اس کا گہرا تعلق ہے تو دوسری طرف اسی کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے پرانے رشتۂ اتحاد کی یادگار قائم ہے۔ اردو کے ساتھ دشمنی کرنی اسلامی تہذیب کلچر اور ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ دشمنی کرنی ہے"۔

سید صاحب نے کانگرس سے مسلمانوں کے شکایات کا دفتر جو بے انتہا وسیع تھا در جہ مختصر کر کے بیان کیا، پھر بھی ابھی ختم نہیں ہوا، کانگرس قربانی تک کی اجازت اپنے صوبوں میں نہیں دے رہی تھی:۔

"آج انتہائی دُکھ کے ساتھ مجھے اس تلخ حقیقت کا اعلان کرنا پڑتا ہے کہ کانگریسی حضرات نے کراچی کے بنیادی حقوق کے طے شدہ اعلان کو طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنا دیا، آج قربانی کے مسئلہ میں رسم و رواج کی ایسی قید لگائی جا رہی ہے کہ مسلمان اپنے فرائض کو برت نہیں سکتا

یہ فرائض رواج پر منحصر نہیں اور نہ اکثر جگہوں میں رواج کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہاں قربانی عام طور سے گھروں کے اندر کی جاتی ہے، اور اگر چوکیدار کو اس کی اطلاع بھی ہوتی تو عام طور پر ہندو چوکیدار اور ہندو پولیس افسران کے ہونے کے باعث بہت سے علاقوں کی قربانیوں کا اندراج تھانے کے رجسٹر میں نہیں ہوتا، اور پولیس کی مصلحت بھی زیادہ تر یہی ہے کہ کم سے کم جگہوں کے متعلق قربانیوں کا اندراج ہو۔"

سید صاحب بہار کے رہنے والے تھے، وہیں کے حالات سے واقف تھے، اس لئے مثالیں بھی زیادہ تر بہار کی پیش کیں، ورنہ درحقیقت سارے ہندوستان میں کیفیت یہی تھی:۔

"دفعہ ۱۴۴ کا تیر کانگریسی وزارت کے ترکش سے جس تیزی اور کثرت سے مسلمانوں پر چلا ہے اس کی کوئی مثال نہیں، اسی طرح امن عامہ کا بہانہ کرکے متفرق جگہوں پر مسلمانوں کو اپنے شعائر اور حقوق کے ادا کرنے سے جس طرح روکا گیا ہے اس کا تذکرہ بھی ناقابلِ بیان ہے،

صوبے کے کئی اضلاع میں مسلمانوں پر متعصب برادرانِ وطن کے ہاتھوں مقامی افسران اور خاص کر مسلمان افسران کی کمزوریوں اور حکومت کی پالیسی کی وجہ سے جو مظالم ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ حد درجہ المناک ہیں، کیا میں کانگرسی وزارت سے امید کروں کہ وہ اب بھی تدبیر اور ہوشمندی کا ثبوت دے کر مسلمانوں کے صبر و تحمل کا ناجائز امتحان نہ لے گی۔"

کانگرس نے پنڈت نہرو کی قیادت میں پہلے "مسلم ماس کینٹکٹ" کا دام بچھایا، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی، تو اس نے شیعوں اور سنیوں کے مابین مومنوں (پارچہ بافوں) اور عام مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کرنے کی سعی شروع کردی، سید صاحب اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

"کانگرس نے پہلے ماس کنٹیکٹ کے ذریعہ مسلمانوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، مگر جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو اب ذات کی بنا پر ان کے بکھرے شیرازہ کو ٹکڑے

ٹکڑے کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتی ہے، اور کچھ ناسمجھ مسلمان اس کا شکار بھی ہو رہے ہیں، کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کا واحد سیاسی اور قومی ادارہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں "۔

یہ تھے مسلمانوں کے جائز شکایات، جنہیں کانگریس نے رفع نہیں کیا، اور بالآخر مجبور ہو کر مسلم لیگ کو اپنی آخری منزلِ مقصود "پاکستان" قرار دینی پڑی،

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ قائدِ اعظم کے دور میں کبھی بھی رجعت پسند جماعت نہیں رہی، وہ اپنی ترقی پسندی میں کانگرس سے بھی دو قدم آگے رہی، اپریل ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہوا، اس میں مسلم لیگ کا جو منشور اور پروگرام مرتب ہوا وہ یہ تھا:۔

۱۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت،

۲۔ تشدد آمیز قوانین کے تنسیخ کی سعی،

۳۔ ان تمام قوانین کی مخالفت جو ہندوستان کے مفاد کے لئے مضر ہوں، افراد کے اساسی حقوق پر اثر انداز ہوں یا ملک میں اقتصادی تصرفات کا دروازہ کھولیں۔

۴۔ نظم و نسق کے خرچ کو کم کر کے معتدبہ رقوم تعمیری ادارات پر صرف کرنا

۵۔ ہندوستان کا فوجی خرچ گھٹانا اور فوج کو ہندوستانی بنانا۔

۶۔ صنعتوں کو فروغ دینا،

۷۔ کرنسی مبادلہ اور قیمتوں کو ملک کے اقتصادی فائدے کے مطابق منظم کرنا۔

۸۔ دیہاتی آبادی کی اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی فلاح کی کوشش کرنا۔

۹۔ زراعتی قرضے میں تخفیف کے قوانین بنانا،

۱۰۔ ابتدائی تعلیم کو عام اور لازمی بنانا۔

۱۱۔ اردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت کرنا۔

۱۲۔ مسلمانوں کی حالت کو عمومی حیثیت سے بہتر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

۱۳۔ محاصل کے بوجھ کو کم کرنا۔

۱۴۔ ملک میں صحیح رائے عامہ اور عام سیاسی بیداری پیدا کرنا مسلم لیگ پارٹی، مجالس آئین ساز میں کانگرس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے گی۔ اور اس کے پروگرام میں مسلم اقلیت کے مفاد کی حفاظت کے سوا اور کوئی فرقہ وارانہ بات نہ ہوگی۔

متذکرہ صدر پروگرام کے مطابق انتخابی مہم شروع کی گئی جمعیت العلماء نے بھی مسلم لیگ کی تائید کی۔

مولانا حسین احمد مدنی نے بعض امیدواران ممبری کی تائید میں اعلانات شائع کیے[1]۔

ہندوؤں کی عام ذہنیت کو دیکھ کر مسلم سیاست والوں کا ایک معقول طبقہ شروع ہی سے دو قومی نظریہ کا قائل تھا، اس لئے جداگانہ انتخابات کا علمبردار تھا، لیکن جہاں تک قائد اعظم مولانا محمد علی اور دوسرے بزرگ سیاست والوں کا تعلق تھا، وہ جب تک بالکل مایوس نہیں ہو گئے، دو قومی نظریہ کے مخالف رہے،

دسمبر ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سر ابراہیم رحمت اللہ کی صدارت میں بمقام آگرہ منعقد ہوا، جس میں متعدد تجویزیں پیش اور منظور ہوئیں۔

پانچویں تجویز مولوی رفیع الدین صاحب بیرسٹر پٹنا[2] نے پیش کی کہ لوکل باڈیز میں جداگانہ انتخاب نافذ کیا جائے۔

مولانا محمد علی صاحب نے ترمیم پیش کی کہ تجویز کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا جائے، ترمیم کی تائید مسٹر محمد علی جناح اور مظہر الحق[3] صاحب نے کی، رضا علی[4] صاحب نے ترمیم کی مخالفت

---

[1] اس تحفظ کیساتھ کہ خالص مذہبی امور میں جمعیت العلماء اور مجتہدین کرام کی رائے کو خاص وقعت دی جانی تجویز ہوئی۔ [2] بمبئی کے نڈر، بیباک اور مخلص زعیم جو بمبئی کے عرصہ تک وزیر بھی رہے۔

[3] بہار کے سراپا ایثار زعیم، بہت بڑے کانگرسی راجندر پرشاد انہی کے تربیت یافتہ ہیں

[4] سر رضا علی مرحوم

کی طویل بحث کے بعد رائے شماری ہوئی اور ترمیم گر گئی، اور پہلی تجویز منظور ہوئی تھی۔
لیکن جب آخر کار ہر قسم کی سعی مصالحت کی ناکامی اور کامل مایوسی کے بعد مسلم لیگ نے پاکستان کی تجویز منظور کی، تو پہلے تو اس کا مذاق اڑایا گیا، لیکن جلد ہی اہل فکر و نظر اس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے، چنانچہ ایک انگریز اہل قلم پیٹر لوئس کا ایک مضمون "دو ہندوستان" کے نام سے "کنٹمپریری ریویو" اور "ایسٹرن ٹائمز" میں ۲ راگست ۱۹۴۰ء کو چھپا اس کا ایک حصہ یہ ہے:-

"پاکستان کوئی جدید تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ وہ سب سے کم ہنگامہ خیز اور پرانی اسکیم ہے جس کی مختلف اہل قلم نے ہندوستان کے نقشے کو نئے طور پر بنانے کی کوشش کی ہے، اگر تعداد اور قوت کے پیمانے سے اندازہ لگایا جائے تو صاف صاف وجوہ کی بناء پر مسلمان ہندوستان میں سب سے زیادہ گھنے طریقہ پر آباد ہیں، اور سب سے زیادہ مضبوط ہیں اور اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کے محتاج نہیں ہیں، اور یہ لوگ ملک کے ایک مسلسل ٹکڑے میں جس میں پنجاب کشمیر شمالی مغربی صوبہ اور اس کی آجنسیاں، سندھ، بلوچستان، خیرپور اور بہاولپور شامل ہیں گنجان طور پر آباد ہیں۔

انہیں سات اجزاء سے مل کر پاکستان وجود میں آئے گا جس کا فیڈرل یا ڈومینین دارالحکومت لاہور ہوگا، اور کراچی اس کا ہوائی مستقر اور سمندری بندرگاہ ہوگا۔

اس کا رقبہ اسٹر کا ۵ ۷ گنا ہوگا اور اسپین، زکوسلیویا، آسٹریلیا، البانیہ، بلجیم ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، لیتھونیا اسٹر کے مجموعی رقبہ کے برابر ہوگا، اس کی آبادی البانیا، آسٹریلیا زیکوسلیویا، لیتھونیا اور سوئٹزرلینڈ کی مجموعی آبادی کے برابر ہوگی۔ (متذکرہ ممالک اتنے چھوٹے نہیں ہیں جو سوائے جرمنی کے دوسروں کے نزدیک اس قابل نہ ہوں کہ ان کو حکومت خود اختیاری کا حق دیا جائے) مگر اس طور پر صرف ہندوستانی آبادی کے ۱/۴ حصہ اور اسکے رقبہ کے ۱/۳ حصہ کا انتظام ہوگا، اور بقیہ حصہ جس کو ڈومینین آف ہندوستان کے نام سے

موسوم کیا جاوے گا، اس کے بعد بھی سوائے چین کے ہر ملک سے زیادہ اس کی آبادی ہوگی "

آگے چل کر متعدد متعلقہ مسائل پر بحث کرنے کے بعد یہ مقالہ نگار لکھتا ہے :-

کشمیر جو رقبہ کے لحاظ سے پاکستان کا بڑا جزو ہے، اس کی آبادی بہت کم ہے، یہ ایک ہندو ریاست ہے اور اس پر ایک ہندو خاندان حکومت کرتا ہے، مگر اس کی نوّے فی صدی ستم رسیدہ رعایا مسلمان ہے، حیدرآباد (دکن) جہاں ایک مسلمان خاندان ایک بڑی ہندو اکثریت پر حکمرانی کرتا ہے، اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہندوستان کے فیڈریشن میں شامل ہو جائے گا تو پھر کشمیر کے پاکستان میں شامل ہونے میں کیا حرج ہے۔ ؟"

مقالہ کے آخر میں اس تجربہ کار سیاست دان اور منجھے ہوئے اہل قلم نے حالات کا پورا تجزیہ کرنے کے بعد لکھا ہے :-

"موجودہ ہندوستان کا اتحاد ایک ہمہ گیر مصنوعی حکومت کی عائد کردہ مصنوعی کیفیت ہے یہ اتحاد ایک اچھی چیز ہے، اگر نہ اس ملک کے قدرتی حالات کے موافق ہے، اور نہ یہاں کے باشندوں کے فطری مذاق اور ان کی تاریخ کے مطابق ہے، برطانیہ ہندوستان پر صرف اس وجہ سے قبضہ حاصل کر سکا کہ یہ بہت سے حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا، اس نے اس کا بڑا حصہ مسلمان مغلوں سے لیا، اس کے بعد انہوں نے طرح طرح کے ہندو سرداروں سے جنگ کی، کبھی انگریزوں نے ہندوؤں کی حمایت سے اور کبھی مسلمانوں کی امداد سے فتح حاصل کی ملک میں کبھی گلگت سے ٹرای وندرم تک اور کوئٹہ سے کلکتہ تک یک جہتی قائم نہ ہو سکی، اور اگر کسی نے سارے ملک میں امن و اماں یکساں طور پر قائم کیا تو وہ حکومت برطانیہ ہے جس نے بہت سے آپس کے تنازعات اس دور میں ختم کر دیئے، اور شاید ہمیشہ کے لئے، مگر ہندو اور مسلمانوں کا باہمی بنیادی اختلاف قائم ہے اور قائم رہے گا، برطانیہ کا یہ فرض تو ہرگز نہیں کہ وہ ایک تہذیب کو دوسری تہذیب کے مسخر کرنے پر مجبور کرے، اگر اب وہ غیر ملکی قوت جس کی بدولت یہ شیرازہ بندی ہو سکی تھی؛ جانے والی ہے مگر قبل اس کے کہ اس کی عدم موجودگی کے بعد فسادات اپنی پوری طاقت سے

اُٹھ کھڑے ہوں جس کے آثار اس وقت پائے جاتے ہیں، اور پراگندہ کرنے والے رجحانات کی ابتدا ار ہوں ہی ہے ہندوستان کو نہایت منصفانہ طریقے پر فریقین میں تقسیم کر دیا جاوے۔ اور ان حریفوں کو اسے پھر دے دیا جاوے جن سے برطانیہ نے اس ملک کو لیا تھا، اور جن کی امداد سے اُس نے ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ اس ملک سے بیدخل کیا تھا، نو سال قبل مہاتما گاندھی کی ایک گفتگو مانچسٹر گارجین میں شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے افسوس کے ساتھ، مگر بغیر جذبات سے متاثر ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"ممکن ہے کہ آزادی کی وجہ سے میرے ملک میں خانہ جنگیوں کی ابتدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے ایک نہ ایک قوم تباہ ہو جائے، اگر اس طرح کا امکان ہے اور اگر ایسی حالت میں دو برائیوں کے درمیان ہم کو انتخاب کرنا ہے، تو جو برائی ذرا کم ہو، اس کو ہمیں پسند کرنا چاہیئے، اور ہم کو اس کا فیصلہ اس وقت کر لینا چاہیئے، ہماری یہ گذارش ہے کہ دو حکومتیں قائم ہونی چاہیئے جن کی آبادی ایک درجہ تک مذہباً اور تمدنی طور پر یکساں ہو، بجائے اسکے کہ ایک حکومت سارے ہندوستان کے لئے قائم ہو، جس کی وجہ سے سارا ہندوستان خانہ جنگی کا اکھاڑا بن جاوے اور اس پر غیر ملکی حکومت کی لعنت رہے۔!"

پاکستان کی تحریک نے خود مسلمانوں میں بھی طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر دیئے تھے، چنانچہ رسالہ جامعہ میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں پاکستان کی افادیت کو چیلنج کیا گیا تھا، سید حسن ریاض صاحب ایڈیٹر "منشور" دہلی نے اُس کا پر مغز، مدلل اور حقیقت آفرین جواب دیا، جو خاصا طویل ہے میں صرف اس کے بعض حصوں پر اکتفا کرونگا "معترض کی رائے میں ذرائع آمد ورفت اور وسائل خبر رسانی کی ترقی کے بعد ملکوں کی طبعی تقسیموں اور طبقات الارض کی تفریقوں کی اہمیت بہت کم ہو گئی ہے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ براعظم ماسوائے روس رقبہ میں ہندوستان کے برابر ہے، ذرائع آمد ورفت و وسائل

خبر رسانی کی ترقی کے لحاظ سے ہندوستان کو یورپ سے دور کی نسبت بھی نہیں، جہاں پر یورپ میں دو لاکھ میل سے زیادہ لمبی ریلوے لائن ہے، ہندوستان میں ریلوں کی لمبائی ۴۱ ہزار میل کے قریب ہے، لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود یورپ کی تقسیم ۲۶ جغرافیائی قطعوں میں ہو چکی ہے۔ جہاں پر جدا جدا قومی حکومتیں قائم ہیں۔ دریائے ڈینیوب مشرقی یورپ کی سب سے بڑی تجارتی شاہراہ ہے اور نصف درجن کے قریب ملکوں میں سے گذرتا ہے، جو اسے اپنی تجارت و وسائل آمد و رفت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ملک سیاسی طور پر جدا ہیں، لہٰذا وسائل آمد و رفت کسی ملک کے مخصوص محل وقوع کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتے، پاکستان حقیقت میں ایک قدرتی خطہ زمین ہے، جو طبعی و جغرافیائی طور پر ہندوستان سے بالکل جدا ہے، دریائے سندھ اور اسکے معاون اس سرزمین کو سیراب کرتے ہیں، اس کی قدرتی حد بندی جنوب مشرق کی طرف ریگستان راجپوتانہ و دریائے جمنا کرتے ہیں۔ این ڈبلیو آر ریلوے کی شاخیں، اس سرزمین کے اطراف و جوانب پھیلی ہوئی ہیں۔ بیرونی ملکوں سے بحری تجارت کراچی کی بندرگاہ سے ہوتی ہے، اس سرزمین کے تجارتی شہروں کا جو براہ راست تعلق کراچی بندرگاہ سے ہے، وہ کسی اور دوسری بندرگاہ سے نہیں ہو سکتا،

پاکستان کی جداگانہ ہستی کے جواز میں دوسری دلیل امتیاز نسل ہے، لیکن اسے آپ نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ دنیا میں کوئی خاص نسل رکھنے والے لوگوں کا وجود نہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر فلسطین میں عرب و یہودی، آئرلینڈ میں آئرش اور السٹر کے بسنے والے وسطی یورپ میں سلافی اقوام، جنوبی یورپ میں لاطینی اقوام وغیرہ کیوں نسلی امتیاز کی بناء پر جدا قوموں میں منقسم ہیں، آئرلینڈ کے باشندے مذہباً عیسائی ہیں، صدہا سال سے ایک ہی ملک میں آباد ہیں، سب انگریزی طرز کی زبان بولتے ہیں، لیکن مخصوص نسلی امتیاز کی بناء پر جدا حکومتوں میں منقسم ہیں، السٹر کے رہنے والے اپنے آپ کو انگریزی نسل سے منسوب کرتے ہیں۔ اور بقیہ آئرلینڈ کے رہنے والے اپنی قدیم سلٹک نسل پر فخر کرتے ہیں، کیا اس سے

انکار ہو سکتا ہے کہ پولز روسی، زیچ، سرب، کروٹ، بلغار سب سلافی النسل اقوام ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے مخصوص نسلی امتیاز کو قائم رکھتی ہیں، قوموں کی تشکیل میں نسلی امتیاز کے جذبہ نے ہمیشہ نمایاں حصہ لیا ہے۔

آپ نے مذہب کے اختلاف کو بنیادی حیثیت دی ہے، اس سے مجھے اتفاق ہے، لیکن زبان کے اختلاف کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا ہے کہ اس کی وجہ بھی مذہبی اختلاف ہے، کیا بنگال میں جہاں مسلمان آبادی کا ۵۵ فی صدی ہیں مذہبی اختلاف کے ہوتے ہوئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ایک ہی نہیں ہے، اگر یہ درست ہے تو مذہب زبان کے اختلاف کا باعث نہیں، پاکستان کے لوگ چونکہ نسل کے لحاظ سے بقیہ ہندوستان سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے زبان کا اختلاف اس کا لازمی نتیجہ تھا، بقیہ ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان ہی ایسی سرزمین ہے، جہاں پر کہ اردو سب باشندوں کے لئے مشترک زبان ہے، اور اس کا اثر و رسوخ نہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، یہاں پر ہندو اخبارات و رسائل کثرت سے اردو میں شائع ہوتے ہیں، پرائمری اور مڈل کلاس میں ذریعۂ تعلیم اردو ہے، سرکاری دفاتر میں اردو کو درباری زبان کا درجہ حاصل ہے، بقیہ ہندوستان کے مانند یہاں بنگالی، مرہٹی، گجراتی تامل وغیرہ مختلف زبانوں سے مقابلہ کا کوئی خطرہ نہیں۔"

پاکستان کے ذرائع اور وسائل کا ذکر کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں :۔

"پاکستان کے قدرتی ذرائع بہت وسیع اور غیر محدود ہیں، براعظم ہند میں پاکستان ہی ایک ایسا حصہ ہے، جہاں موجودہ آبادی سے تین گنا زیادہ آبادی سما سکتی ہے، کشمیر پنجاب اور سندھ میں بڑے وسیع قطعاتِ الارضی زیر کاشت لائے جا سکتے ہیں، پاکستان کے جنگلات اس کی عماراتی اور صنعتی ضروریات کے لئے کافی ہیں، چراگاہوں میں مویشی کثرت سے پالے جا سکتے ہیں، معدنیات کی بھی بہتات ہے، جو بوقتِ ضرورت ملک کی صنعت و حرفت کو فروغ دے سکتی ہیں، بجلی کی طاقت اس قدر وافر مقدار میں پیدا کی جا سکتی ہے، جس سے سینکڑوں کارخانے اور کلیں چل سکیں ——

ذرائع آمدنی میں ریلوے کی آمدنی ای آئی، آر کے بعد ہندوستان کے ہر دوسری ریلوے لائن سے زیادہ ہے۔ پاکستان میں زمین وآبپاشی کی آمدنی بنگال، یو، پی، مدراس ہر ایک سے زیادہ ہے علیحدگی کی صورت میں انکم ٹیکس ومحصول بندرگاہ کی آمدنی جو خزانہ مرکزی میں جمع ہوتی ہے براہ راست پاکستان کی آمدنی میں شمار ہوگی، اور یہ زائد آمدنی صوبہ سرحد وبلوچستان کے اخراجات کی کفیل ہوسکتی ہے، پاکستان میں وسائل دولت کو ترقی دینے کے لئے مزدوروں کی کمی نہیں، قومی حکومت کے قیام سے صنعت وحرفت کو لازمی فروغ ہوگا۔

غرض یہ تھے وہ حالات جب پاکستان کی تحریک عالم وجود میں آئی، اور یہ تھے وہ امکانی وسائل جو اس کے قیام کے بعد اس کی صلاح وفلاح اور فروغ وترقی میں ممد ومعاون ہوسکتے تھے پاکستان کے راستے میں بہت سے روڑے اٹکائے گئے، لیکن اسے بننا تھا، اور بالآخر وہ بن کر رہا، اب یہ اہل پاکستان کا فرض ہے کہ اس کے وسائل وذرائع سے فائدہ اٹھائیں، اور اسے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا ہمدوش بنادیں۔

رئیس احمد جعفری۔

ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلے ہوئے وسیع براعظم کے چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے کسی ایک متحدہ مرکزی حکومت کے ہر تین نمائندوں میں سے صرف ایک مسلمان ہوگا بالفاظ دیگر ہندو راج اپنی پوری قہرمانیت کے ساتھ مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے گا، اور ہر رطب و یابس پر مسلمان آمنا وصدقنا کہنے پر مجبور رہوں گے۔

بمبئی ——

۳ جنوری ۱۹۴۱ء

ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں، زبان و ادب، فنِ لطیفہ و فنِ تعمیر، نام و نسب، شعورِ اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے، بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لئے تیار ہے۔

ایسوشی ایٹڈ پریس امریکہ
یکم جولائی ۱۹۴۲ء

"اقلیتیں جہاں بھی ہوں ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا، میں نے ہمیشہ یقین کیا ——— اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان غلط نہیں ——— کوئی حکومت اور کوئی مملکت اپنی اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتی، کوئی حکومت ناانصافی اور جانب داری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی، اقلیت کے ساتھ ظلم و تشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی، امن و مساوات کا احساس پیدا کرنا ہر انتخابی طرزِ حکومت کی بہترین آزمائش ہے، اس خصوص میں ہم دنیا کے کسی متمدن ملک سے پیچھے نہیں رہ سکتے، مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے ملکی خطوں کی اقلیتوں کو ہماری روایات

ثقافت اور اسلامی تعلیم سے نہ صرف انصاف وصداقت ملے گی بلکہ اُنہیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا، ہم مول تول نہیں کرتے، ہم لین دین کے عادی نہیں، ہم صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں اور صرف تدبر اور عملی سیاست پر اعتماد رکھتے ہیں"———

مدراس ———

اپریل ۱۹۴۱ء

۱۹۱۳ء

جب مسٹر جناح بہت بڑے نیشنلسٹ اور کانگریسی تھے

●

بے خبر خود راز خود نشناختہ!
ممکنات خویش را نشناختہ!

●

جب کانگرس انقلاب کے نام سے ڈرتی تھی

ایک انقلابی تجویز!

۳۱ دسمبر ۱۹۱۳ء

مسلم لیگ کا ساتواں اجلاس دسمبر ۱۹۱۳ء میں بہ مقام آگرہ منعقد ہوا، سر ابراہیم رحمت اللہ صدر اجلاس تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان ابھی تحریک آزادی سے آشنا نہیں ہوا تھا، گاندھی جی جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے حقوق کے لئے لڑ رہے تھے، موتی لال الہ آباد میں وکالت کر رہے تھے، جواہر لال کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، راجندر پرشاد، پٹیل اور دوسرے زعماء کا سیاسی وجود اب تک پردۂ عدم میں تھا۔ کانگرس کے سالانہ جلسوں میں دب دب کر، ڈر ڈر کر، انگریزوں سے کچھ حقوق مانگے جاتے تھے، لیکن محمد علی جناح اس زمانہ میں بھی نڈر، بیباک اور زبردست انقلابی تھا مسلم لیگ کی سرکاری روئداد میں درج ہے۔

"محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ سکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل میں حسب ذیل تبدیلیاں کی جائیں

الف۔ سکریٹری کی تنخواہ انگریزی تخمینہ کے مطابق ہو

ب۔ کونسل کے نصف ممبر انتخاب کے ذریعہ مقرر ہوں۔

ج۔ نامزد ممبروں میں سے نصف غیر سرکاری ہوں۔

د۔ بقیہ نصف نامزد ممبر ایسے ہوں جو کم از کم دس سال تک

ہندوستان میں ملازم رہ چکے ہوں۔

ف۔ بلحاظ اختیارات کونسل مشاورتی ہو نہ کہ انتظامی

ع۔ میعاد عہدہ ۵ سال سے زیادہ نہ ہو۔

اس تجویز نے نہ صرف ہندوستان کے حصار سیاست میں جناح کی دھاک بٹھا دی۔ بلکہ برطانیہ کے ایوانِ شہی میں بھی لوگ چوکنا ہو گئے۔ کہ یہ من چلا سیاست دان کون ہے؟

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے

شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

اقبالؔ

۱۹۱۵ء

جب مسٹر جناح مسلمانوں کی ملّی انفرادیت کے قائل ہو چکے تھے۔

○

آسیا یک پیکرِ آب و گل است
ملّتِ "اسلامیہ" در آں پیکر دل است
از فسادِ او، فسادِ آسیا!
در کشادِ او، کشادِ آسیا!

کانگرس سے تعاون کے دور میں بھی قائداعظم کا اصرار

مسلمان جُداگانہ قوم ہیں!

۳۰-۳۱ دسمبر ۱۹۱۵ء

مسٹر جناح ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کے داعی، نقیب اور علمبردار تھے۔ لیکن اپنے نیشنلزم کے عہد عروج و شباب میں بھی، اُنھوں نے مسلم قوم کی انفرادیت اور جداگانہ حیثیت کے مطالبہ سے دست برداری نہیں اختیار کی، چونکہ اس وقت تک نہ ہندوؤں سے مایوسی ہوئی تھی، نہ کانگرس کی ذہنیت بے نقاب ہوئی تھی، لہٰذا پاکستان کا تصوّر بھی پیدا نہیں ہوا تھا مسٹر جناح کی ساری سرگرمیاں اس امر پر مرکوز تھیں کہ ہندو مسلم اتحاد عمل میں آئے، ہندوستان کا جو دستور بنے۔ وہ اکثریت کا بنایا ہوا نہ ہو۔ اس میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہوں، تمام ملکی معاملات میں وہ بے تامل ہندو اکثریت کا ساتھ دیں، اور امن و عافیت کی زندگی بسر کریں، اس مقصد کے حصول کی خاطر اُنھوں نے کسی طاقت سے ٹکر لینے میں تامل نہیں کیا، چنانچہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں انہوں نے لیگ کو سالانہ جلسہ بمبئی میں منعقد کرنے کی دعوت دی، یہ لیگ کا آٹھواں اجلاس تھا، صدر اجلاس مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا، پٹنہ منتخب ہوئے۔

مسٹر جناح کے یہ مساعی ان لوگوں کو ایک آنکھ نہ بھائے، جو حکومت برطانیہ کے جاں نثار اور وفادار تھے، کیونکہ یہ پہلی جنگِ عظیم کا زمانہ تھا، اور وہ انگریزی حکومت سے غیر مشروط تعاون کرنے پر تلے ہوئے تھے، ظاہر ہے مسٹر جناح ایسا نہیں کر سکتے تھے وہ اس زمانہ میں بھی انگریز اور ہندو دونوں سے برابر کا حصّہ طلب کرتے تھے۔

اجلاس بمبئی کی رپورٹ مسٹر (پھر سر) وزیر حسن نے بہ حیثیت سکریٹری تحریر

فرمائی تھی، جس کے اہم حصص درج ذیل ہیں، جن کے مطالعہ سے بہت سے عجیب غریب حقائق منکشف ہوں گے۔ رئیس احمد جعفری۔

"— مسلم لیگ کا یہ اجلاس ہر حیثیت سے غیر معمولی اجلاس تھا، ہندوستان کی سیاسی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے اکابر ایک جگہ جمع ہوئے، ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات بھول گئے تھے، اور اس محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون واشتراک عمل کر رہے تھے، کہ دشمنوں کے دل دہلنے لگے تھے، اس ہفتہ کانگریس کا اجلاس بھی بمبئی میں ہوا، کانگرس کے صدر لارڈ سنہا مسز اینی بیسنٹ اور دیگر کانگرسی لیڈران بھی شریک جلسہ تھے، ہندو والنٹیر کو مسلمان رضا کاروں کا ہاتھ بٹا رہی تھی، اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ہندوستانی بھی اب ایک مستقل قوم بن گئے ہیں

اس سال لیگ کے پنڈال کے دروازے پر نہایت مبارک کتبہ آویزاں تھا، جو اپنی نوعیت میں پہلی مثال تھا۔

"اتفاق طاقت ہے"

بدقسمتی سے پس پردہ چند ایسی طاقتیں بھی کام کر رہی تھیں جو خوشگوار منزل کو پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں، مسلمانوں میں ایک عجیب اختلاف رونما ہوگیا۔ یہ گروہ یہ چاہتا تھا کہ اس سال لیگ کا اجلاس ہی منعقد نہ ہو، اور دلیل پیش کی جاتی تھی کہ چونکہ ترک حکومت برطانیہ کے خلاف جنگ میں شریک ہیں اور مسلمانوں کا رشتہ ترکوں سے مذہبی اخوت کی بنا پر نہایت گہرا ہے، مبادا پبلک پلیٹ فارم سے کوئی ایسی بات نکلے، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کی برطانیہ کے ساتھ وفاداری پر شبہ ہو جائے اور جنگِ عظیم میں برطانیہ کو کوئی تکلیف محسوس ہو،

دوسرا گروہ اس پر مصر تھا کہ اجلاس تو ہو لیکن بمبئی میں نہ ہو، کیونکہ کانگرس کے ساتھ تعاون یا کسی قسم کا اشتراک عمل باغیانہ اقدام ہوگا، آخر صائب الرائے طبقہ کی رائے غالب آئی اور اجلاس ہوا اور بمبئی میں ہوا، لیکن کچھ بدمزگی ہو ہی گئی۔

اس سال اکابرین ملت اسلامیہ کا ایسا مجمع تھا کہ اپنی نوعیت میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا، مختلف صوبوں کے ڈیلی گیٹوں میں چند مشہور حضرات کے اسمائے گرامی۔

صوبہ۔ یو پی

آنریبل راجہ سر محمد علی صاحب محمود آباد[1]۔ آنریبل سید رضا علی صاحب مراد آباد[2]
آنریبل شیخ شاہد حسین صاحب لکھنؤ[3]۔ آنریبل سید وزیر حسن صاحب لکھنؤ[4]۔ خواجہ عبدالمجید صاحب بیرسٹر ایٹ لا علیگڈھ[5]، سید فضل الحسن حسرت موہانی صاحب علیگڑھ[6]
غلام حسین صاحب آف کامریڈ لکھنؤ[7]

صوبہ بمبئی

آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب[8]۔ آنریبل محمد علی جناح صاحب

صوبہ بنگالہ

آنریبل فضل حق صاحب کلکتہ[10]۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کلکتہ[11]
مولانا مجیب الرحمن صاحب ایڈیٹر مسلمان کلکتہ[12]۔ اکرم خاں صاحب ایڈیٹر محمدی۔ کلکتہ[13]

صوبہ مدراس

آنریبل نواب سید محمد صاحب مدراس[14]۔ یعقوب حسن سیٹھ صاحب مدراس[15]

صوبہ بہار

مظہر الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب بانکی پور[16]۔
مولوی محمد شفیع صاحب داؤدی مظفر پور[17]

صوبہ سرحد

اے بخاری صاحب پشاور

صوبہ پنجاب

سید محسن شاہ صاحب لاہور۔ مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری [18]

کانگریسی لیڈران میں سے چند معروف حضرات جو اس مسلم لیگ کے جلسہ میں شریک تھے،

سر ایس پی سنہا صاحب صدر کانگریس [19]۔ آنریبل ڈنشا واچھا صاحب [20]۔
آنریبل سر بیندر ناتھ بنرجی صاحب [21]۔ مسز اینی بسنٹ صاحبہ [22]
مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ [23]۔ آنریبل پنڈت مالویہ صاحب [24]
آنریبل بی، جی ہارنی مین صاحب [25] مسٹر ایم۔ کے گاندھی [26]

۲ بجے تک تمام ممبران لیگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ لیکن وزیٹر گیلری خالی تھی، جلسہ سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل مسٹر ایڈورڈس پولس کمشنر بمبئی نے پچاس سپاہی لاٹھیوں سے مسلح لیگ کے پنڈال کے سامنے ایک احاطے میں تیار رکھے تھے۔

اسکے بعد ہی فوراً مولوی عبدالرؤف [27] سکریٹری انجمن ضیاء الاسلام بمبئی جو وزیٹر گیلری میں تھے کھڑے ہوئے اور چلانے لگے کہ جلسہ مسلمانوں کا ہے نہ کہ ہندوؤں کا، اور اس کے بعد ایک شور وغوغا مچ گیا، لیکن فوراً ہی شور و شغب فرو ہو گیا۔

اسی ہنگامہ کے دوران میں سردار سلیمان، حاجی قاسم مٹھا [28] جو کہ ابتداء سے لیگ کے اجلاس کو بمبئی میں منعقد کرنے کے خلاف تھے، پلیٹ فارم کی طرف لپکے اور زور زور سے بولنے لگے۔ سردار صاحب کے پیچھے مولوی عبدالرؤف خاں صاحب پٹھان عبدالصمد خان صاحب [29]، اور دوسرے مسلمان بھی پلیٹ فارم کی طرف دوڑے۔ پٹھان عبدالصمد صاحب نے اعتراض کیا کہ کارروائی دوسری زبان میں نہ ہو، اردو میں ہو یا فارسی میں ہو

چند مسلمانوں نے پٹھان صاحب کو پلیٹ فارم پر چڑھا دیا، صدر صاحب نے اُن سے مصافحہ کیا، اور انہیں خاموش کیا اور انہیں یقین دلایا گیا کہ بقایا کارروائی اُردو میں ہوگی۔[۱۳]

سردار سلیمان نے فرمایا، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ کارروائی مسلم لیگ کی ہے مگر یہ سب کانگریسی ہیں۔

پھر چند مسلمان کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے پریسیڈنٹ کی شکل وصورت پر اعتراض کیا اور کہنے لگے کہ ہم کافر مسلمان پر کیسے بھروسہ کریں کہ جس کی داڑھی تک نہ ہو، سردار سلیمان صاحب کا غصہ اور بھی بڑھ گیا، اور فرمانے لگے کہ تم لیگ کو کانگریس میں ملا رہے ہو۔ اور کانگریسی لیڈروں کے حکم پر چل رہے ہو۔ لیگ کے اغراض ومقاصد کو تم نے خاک میں ملا دیا، اور لیگ کو تم تاریکی میں ڈبو رہے ہو۔ اور اس کو کانگریس میں تبدیل کر رہے ہو۔[۱۳]

اس قسم کا ہنگامہ کافی دیر تک قائم رہا۔ اور مخالفین کارروائی کو روکتے رہے مجبور ہو کر صدر نے جلسہ کی کارروائی ملتوی کر دی۔

آخر اجلاس بجائے پنڈال کے تاج محل ہوٹل میں منعقد کیا گیا، لیگ کے ممبر اور اخبار کے نمائندوں کے علاوہ کسی اور کو اجازت داخلہ کی نہ تھی۔

مسٹر محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ مندرجہ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے، جو اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ تیار کرلے اور کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ دیگر سیاسی جماعتوں سے بھی مشورہ کرے اور مسلمانوں کی ضروریات اور مفاد کا خاص طور پر اسکیم تیار کرنے میں خیال رکھے۔

مسٹر جناح نے توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کے کانسٹی ٹیوشن

میں نئی تبدیلیاں ہونے والی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ
ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں مسلم لیگ و کانگریس
خاص طور سے کوئی خاص، اسکیم تیار کریں، جس میں مسلمانوں کے
مفاد اور ضروریات کے تحفظ کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے
پھر وہ حکومت کی خدمت میں پیش کر دی جائے، کہ یہی
متحدہ ہند کے مطالبات ہیں[۳۲]

کمیٹی کے چند ممبران کے اسمائے گرامی

صوبہ یو۔پی

راجہ صاحب محمود آباد۔ آنریبل سید رضا علی صاحب مراد آباد۔ صاحب زادہ
آفتاب احمد خانصاحب علیگڈھ[۳۳]۔ ایم اے خواجہ صاحب بیرسٹر۔ علی گڈھ۔
منشی اطہر علی صاحب لکھنوی[۳۴]۔ ظہور احمد صاحب بیرسٹر الہ آباد[۳۵]
منشی شوکت علی۔ لکھنؤ[۳۶]۔ سید ظہور احمد لکھنوی[۳۷]۔ آنریبل سید وزیر حسن لکھنوی[۳۸]

صوبہ پنجاب

آنریبل نواب ذوالفقار علی خانصاحب لاہور[۳۹]۔ آنریبل میاں محمد شفیع صاحب[۴۰] لاہور
برکت علی صاحب لاہور[۴۱]۔ مسٹر غلام محی الدین قصور[۴۲]۔ آنریبل میاں فضل حسین صاحب لاہور[۴۳]
چودھری شہاب الدین صاحب لاہور[۴۴]۔ بابو نظام الدین صاحب امرت سر۔
مولانا ظفر علی خانصاحب آف زمیندار لاہور[۴۵]

صوبہ بنگالہ

آنریبل نواب سید نواب علی صاحب چودھری ڈھاکہ۔ مجیب الرحمن صاحب ایڈیٹر مسلمان کلکتہ
نواب ناصر حسین خانصاحب خیال۔ کلکتہ[۴۶]۔ آنریبل فضل حق صاحب کلکتہ۔
مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کلکتہ۔ مولوی محمد اکرم خان صاحب ایڈیٹر محمدی، کلکتہ

صوبہ بمبئی و سندھ

ہز ہائنس سر آغا خان صاحب - آنریبل سر ابراہیم رحمۃ اللہ صاحب
آنریبل محمد علی جناح صاحب بمبئی - عمر ثوبانی صاحب بمبئے[۳۷]

صوبہ مدراس

یعقوب حسن سیٹھ صاحب مدراس - آنریبل سید محمد صاحب مدراس
نواب غلام احمد صاحب کلامی میسور۔

صوبہ بہار و اڑیسہ

سر سید علی امام صاحب بانکی پور[۳۸] - مظہر الحق صاحب بیرسٹر بانکی پور
آنریبل محمد فخر الدین صاحب بانکی پور - نواب سرفراز حسین خاں صاحب پٹنہ
ڈاکٹر سید محمود صاحب بانکی پور۔

صوبہ سی، پی

خان بہادر ایس۔ اے ملک صاحب ناگپور

صوبہ سرحد

عبدالعزیز خانصاحب بیرسٹر پشاور

صوبہ برہما

حاجی محمد عبدالشکور جمال صاحب رنگون - حاجی احمد ملا داؤد صاحب رنگون

صوبہ دہلی

ڈاکٹر انصاری صاحب دہلی - مولانا محمد علی صاحب دہلی - حاذق الملک حکیم اجمل خانصاحب دہلی

اس تحریک کی تائید آنریبل فضل حق صاحب نے فرمائی اور فرمایا کہ کل کے واقعات سے میں ہرگز بددل نہیں ہوں، بلکہ جن حضرات کے نام کمیٹی میں پیش کئے گئے ہیں، وہ اپنی سیاسی قابلیت اور خلوص کی بنا پر مسلمانوں کے مخصوص لیڈر رہیں، اور انہیں

اللہ تعالےٰ نے اتنی اخلاقی جرأت دی ہے، کہ نیشنل کانگریس سے تبادلہ خیال کے موقع پر مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرنے میں ہرگز دریغ نہ کرینگے۔

اس کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے مزید تائید فرمائی۔

آنریبل سید آل نبی صاحب نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ فرقہ وارانہ اور جداگانہ نمائندگی کا اصول تمام لوکل باڈیز اور مجالس قانون ساز میں نافذ کیا جائے اور جاری رہے، مسٹر یعقوب حسن نے اس کی تائید کی، مولانا حسرت موہانی نے اس کی مخالفت کی کہ جب لیگ و کانگریس میں اتحاد پیدا کرنا مقصود ہے، تو یہی تجویز اتحاد کے منافی نہ ہو جائے

اس کے بعد مسٹر جناح نے مختصر سی تقریر کرتے ہوئے اس پہلو پر روشنی ڈالی محرکین سے اپیل کی کہ وہ اپنی ترمیمیں واپس لے لیں، ترمیمیں واپس لے لی گئیں اور تجویز کثرت رائے سے منظور ہو گئی

۱ے راجہ صاحب مرحوم ——— جنہیں بعد میں مہاراجہ کا خطاب ملا، برطانوی ہند میں یہ خطاب پہلی اور آخری مرتبہ ایک مسلمان کو ملا ——— بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، یوپی کے مسلمان تعلقہ داروں میں سب سے بڑے تھے اور اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی خدمت پر صرف کرتے تھے۔

۲ے سر رضا علی،

۳ے یہ بھی یوپی کے تعلقہ داروں میں تھے، لکھنؤ کا مشہور روزنامہ ہمدم انہی کی ملکیت تھا۔

۴ جو بعد میں سر کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ لکھنؤ چیف کورٹ کے چیف جج بھی بنے۔ ریٹائر ہونے کے بعد کانگریس میں شریک ہوگئے، اور مسلم لیگ کے حریف بن کر ۳۵ء کے انتخاب میں میدان میں آترے، لیکن بری طرح شکست کھائی۔

۵ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا، لندن میں جواہر لال کے ہم درس رہ چکے ہیں، اکٹر کانگرسی ہیں۔

۶ یہ ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر چلتے رہے، زندگی کی آخری سانس تک —— بعض جائز شکایات کے باوجود —— لیگ سے وابستہ رہے، تقسیم ہند کے بعد ہندوستان ہی میں رہے اور نعرۂ حق بلند کرتے رہے۔

۷ پنجاب کے رہنے والے محمد علی کے عاشق اور فدائی، ان کے انگریزی اخبار "کامریڈ" میں شریک ادارت تھے۔ جوانی میں انتقال ہوگیا۔ محمد علی نے بڑا دلدوز مرثیہ لکھا، ایک شعر سن لیجیے۔

ع ابھی مرنا نہ تھا غلام حسین

کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

۸ بمبئی کے بہت بڑے صاحبِ ثروت شخص تھے، آزاد خیال، محبِّ وطن، ملّت پرست مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ، جو پاکستان میں متعدد مناصب پر فائز ہو چکے ہیں، ان کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

۹ لیگ سے وابستگی ہمیشہ رہی۔

۱۰ کبھی اِدھر کبھی اُدھر، نتیجہ یہ کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔

۱۱ مولانا بھی شروع میں مسلمانوں کی اجتماعی تحریکوں میں برابر حصّہ لیتے رہتے تھے۔

۱۲ ان کے خدمات —— اختلاف فکر و نظر کے باوجود ——

ناقابلِ فراموش ہیں۔

۱۳؎ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ خدا عمر خضر دے، بنگال میں مسلم لیگ کے احیا، اور پھر مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی تجدید میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے،

۱۴؎ کانگرس کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔

۱۵؎ تحریک خلافت کے رہنما علی برادران کے علی گڑھ کے ساتھی۔

۱۶؎ لیگ، لیگ سے خلافت، خلافت سے کانگرس اور کانگرس سے مسلم کنونشن لیگ۔

پہنچا کہاں سے کہاں سلسلۂ درازِ عشق!!

۱۷؎ مخلص قومی کارکن تھے،

۱۸؎ اب انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر ہیں۔

۱۹؎ یہ پہلے ہندوستانی تھے، جنہیں بعد میں "لارڈ" کا خطاب ملا، یہ پہلے ہندوستانی تھے جو صوبۂ بہار کے گورنر بنائے گئے۔

۲۰؎ سابق صدر کانگرس۔

۲۱؎ کسی زمانے میں بڑے انقلاب پسند تھے، بنگال کے شاہِ بے تاج، آخر عمر میں انگریزوں کے وفادار ہو گئے تھے۔

۲۲؎ تحریک ہوم رول کی موجد۔

۲۳؎ ہندو مسلم اتحاد کی دل و جان سے ہمیشہ حامی رہیں۔

۲۴؎ پھر کانگرس سے کٹ کر مہاسبھا کے رکن رکین بن گئے۔

۲۵؎ قوم یہودی، وطن انگلستان، آزادئ ہند کے علمبردار، اس راستے میں بڑی تکلیفیں اُٹھائیں، مگر منہ نہ موڑا، علی برادران، قائداعظم، سید حسین اور بعض دوسرے مسلم رہنماؤں سے گہرے تعلقات تھے۔

۲۶ ابھی ابھی جنوبی افریقہ سے آئے تھے، غیر معروف اور گمنام ۔
۲۷ بڑے کٹر انیٹی کانگرس تھے، طویل عمر پائی، تقسیم ہند کے بعد بمبئی میں انتقال ہوا۔
۲۸ بمبئی کے چوٹی کے سرمایہ دار، اول درجہ کے سرکار پرست ۔ شورش پسندوں کے سرگروہ ۔
۲۹ بمبئی میں پٹھانوں کی خاص تعداد آباد تھی اس کے زعیم مطلق ۔
۳۰ اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی قومی زبان ہر دور میں اور بھارت کے ہر گوشے میں ہمیشہ اُردو ہی رہی ۔
۳۱ سر سلیمان قاسم مٹھا ابھی زندہ ہیں، عمر سو۱۰۰ کے لگ بھگ، لیکن زمانے کا انقلاب دیکھیے، تقسیم ہند سے کچھ پہلے سے کٹر کانگرسی بن گئے ۔ حالانکہ کانگرسی ہونے کے جرم میں اپنے ایک بیٹے کو ۲۲ء میں عاق کر دیا تھا ۔

میرے تغیرِ رنگ پر مت جا
انقلابات ہیں زمانے کے

۳۲ یہی بات قائداعظم اس وقت تک کہے گئے، جب تک بالکل مایوس نہ ہو گئے
۳۳ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پہلے وائس چانسلر ۔
۳۴ مخلص قومی کارکن تھے، مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انہی نے سر وزیر حسن کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں شکست فاش دی تھی ۔
۳۵ خلافت کے مخلص کارکن ،
۳۶ لکھنؤ خلافت کمیٹی کے صدر ،
۳۷ برسہا برس تک مسلم لیگ کے سکریٹری رہے ۔
۳۸ جو لیگ کے زینے پر چڑھ کر ہائی کورٹ کے جج بنے ۔ اور پھر اسی زینے کو گرا دیا ۔

۳۹؎ ہر قومی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔

۴۰؎ وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر بھی دو مرتبہ نامزد ہوئے، بیگم شاہنواز کے والد۔

۴۱؎ زندگی کے آخری سانس تک مسلم لیگ کے مخلص اور قائداعظم کے جاں نثار رہے۔

۴۲؎ اب سیاست سے کنارہ کش ہیں،

۴۳؎ پنجاب کا مردِ آہن۔

۴۴؎ پنجاب اسمبلی کے مستقل صدر۔

۴۵؎ لیگ سے مولانا کی وابستگی بھی بہت قدیم ہے۔

۴۶؎ اُردو کے مشہور اور صاحبِ طرز ادیب۔

۴۷؎ جنہوں نے خلافت کے انگورہ فنڈ میں اور کانگرس کے سوراج فنڈ میں ایک ایک لاکھ چندہ دیا، ساری دولت قوم پر لٹادی۔

۴۸؎ ہندوستان کے چوٹی کے قانون دان، مخلص مسلمان، حیدرآباد کے سابق وزیرِ اعظم آخر میں یہ بھی لیگ سے کٹ کر کانگرس میں شریک ہو گئے تھے۔

قلزمِ ہستی میں تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اقبالؔ

سنہ ۱۹۱۶ء

جب مسٹر جناح "سفیر صلح" تھے ـــــ

○

ہندو قیادت سے فلاح و صلاح کی امیدیں ـــــ

○

مرد رہرو را بہ منزل راہ نیست!
از مقاصد جان او آگاہ نیست

○

لکھنؤ کے اجلاس لیگ کا خطبۂ صدارت!

میثاق لکھنؤ!

کانگریس نے پہلی بار مسلمانوں کا وجود تسلیم کیا

۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۶ء

مسلم لیگ کا نواں اجلاس مسٹر جناح کی زیر صدارت بمقام لکھنؤ منعقد ہوا اس موقع پر وہ تجویز منظور ہوئی جو "میثاق لکھنؤ" کے نام سے تاریخ کا حصّہ بن چکی ہے۔

اس موقع پر قائداعظم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ۱۹۱۶ء میں بھی اُنہوں نے وہی کہا، جو ۱۹۴۶ء میں کہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۱۶ء میں وہ محبِ وطن اور سفیر صلح تھے اور ۱۹۴۶ء میں ملک کے دشمن اور اتحاد باہمی کے مخالف۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا۔ جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! اس عظیم الشان سالانہ اجلاس کے موقع پر اسلامی ہند کے نمائندگان کے سامنے ان حالات کا وسیع جائزہ لینا نامناسب نہ ہوگا، جن کے سانچے میں ہماری قسمت ڈھل رہی ہے۔ اس موقع پر ہمیں گذشتہ سال کی کارروائیوں پر نظر ڈالنی ہے۔ پچھلے سال کے تجربات کی روشنی میں ہمیں اپنی حیثیت کا امتحان کرنا ہے، اور مستقبل کے مقتضیات کے لئے ہمیں دانشمندانہ تیاری کرنی ہے، اور سب سے بڑھ کر یوں کہئے کہ ہمیں اپنی مرادوں کو بار آور دیکھنا ہے، انسانیت کے مقاصد مشترکہ کی خاطر شریف

اور بہادر انسانوں نے ہر زمانے میں مصائب برداشت کئے ہیں، اور وہی رُوح آج ہندوستان کے قلب کو گرما رہی ہے، سارا ملک آج اپنی قسمت کی آواز پر بیدار ہو رہا ہے اور پُرامید ہو کر آفاقِ نو کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ایقین و استقلال کی رُوح ہر طرف چھائی ہوئی ہے، چارسو حیاتِ نَو کے آثار ہویدا ہیں، اگر ہندی مسلمانوں نے وقت کی نبض کو نہ پہچانا اور اس نئی زندگی سے پُورا پُورا فائدہ نہ اُٹھایا اور اگر ملک کی آواز پر کان نہ دھرے تو وہ اپنی گذشتہ روایات سے غداری کے مجرم ہوں گے۔

ہندوستان کے مستقبل، ہندوستان کے اتحاد، کانسٹی ٹیوشن آزادی کی جدوجہد کا دارومدار بڑی حد تک انہی فیصلوں پر ہوگا، فیصلہ کے وقت آن پہنچا ہے۔ راہیں صاف طور پر کھلی ہیں، اور انتخابات ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اب ہمیں ہندوستان کی تعمیرِ نَو کا بیڑا اٹھانا ہے، ہندوستانی مسئلہ کے عملی حل کے لئے دو امور نمایاں طور پر آشکارا ہیں۔ اوّل یہ کہ ہندوستان میں مغربی طرز کی انگریزی حکومت نے مغربی تعلیم رائج کر کے ہمیں افکارِ مغرب سے روشناس کرایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے ذہنی اور اخلاقی احیاء کے لئے ایک زندہ اور عظیم الشان تحریک نے جنم لیا ہے، مختصر یہ کہ ایک طرف طاقت ور اور قابل انگریز افسروں کی جماعت ہے، جن کا طرزِ حکومت بظاہر مشفقانہ رنگ لئے ہوئے ہے اور جو کہ صرف برطانوی پارلیمنٹ کے روبرو اپنے اعمال کی جوابدہ ہے، دوسری طرف عوام ہیں جنہیں اپنے نصب العین کا پُورا پُورا علم ہو چکا ہے، اور وہ سیاسی آزادی کے لئے پُرامن طریق پر جدوجہد کر رہے ہیں، یہ ہے ہندوستانی مسئلہ چند الفاظ میں، انگریزی مدبّر کے سامنے یہ کام آن پڑا ہے، کہ وہ اس مسئلہ کا فوری پُرامن اور پائیدار حل تلاش کرے۔

اگر سیاسی اور معاشرتی گتھیوں کو سلجھانے کا کام جذبات کو الگ کر کے محض عقل کی روشنی سے لیا جانا ممکن ہوتا تو ہندوستان کے سیاسی ارتقار کے لئے ایک

یقینی اور پُر سلاست راہِ عمل کا دریافت کر لینا مشکل نہ تھا، لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسانی معاملات میں خالص منطق ہی اثر انداز نہیں ہوتی، ہم اپنی مشترکہ دنیاوی زندگی فرشتوں کے ساتھ بسر نہیں کرتے ہیں، بلکہ انسانوں کے ساتھ جو کہ جذبات تعصبات، ذاتی خصوصیات، اور لاتعداد خیالات بیم و رجا ترغیب و تحریص اور محبت و نفرت کے حامل ہوتے ہیں۔

ہندوستانی مسئلہ ان تمام عقدہائے گوناگوں سے مملو ہے، انگریزی عمالِ حکومت قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں، اور انتظامی تغیرات و سیاسی تجربات کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں اور ہندوستانیوں کو انتظامِ سلطنت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں، نیز اپنے اختیارات میں کمی پسند نہیں کرتے، حکومت کی مشنری کو حسبِ معمول آرام سے چلانا چاہتے ہیں، اور اپنے روزانہ فرائض کی ادائیگی سے مطمئن نظر آتے ہیں، ہندوستان کی پُر یقین و بے چین آوازیں انہیں پریشان و آزردہ خاطر کر دیتی ہیں، یہ سب کچھ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، لیکن یہ امور حلِ مشکلات کی راہ میں بہت بُری طرح حائل ہیں، اور عملاً طبقاتی جنگ کو ترقی دینے میں ممد ہیں، انہی اسباب کی بناء پر بعض غلط محض سیاسی مقولے رواج پا گئے، جو ہندوستانی محبِ وطن کو سناتے جاتے ہیں مثلاً :

۱۔ جمہوری مجالسِ مشرق میں بار آور نہیں ہو سکتیں، کیوں ؛ کیا ہندو مسلمان قبل ازیں جمہوریت سے ناآشنا تھے، دیہی پنچایت کیا تھی؟

اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات و ادبیات کس امر پر شاہد ہیں، دُنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو کہ اپنے مذہب میں بھی جمہوری نکتہ نگاہ رکھتے ہیں۔

۲ - بیورو کریسی ہی ہندوستان کے لئے مناسب طرزِ حکومت ہے، تاریخ عالم میں ہر قوم اس دور سے گزری ہے، چند سال ہوئے کہ ایک حد تک روس نے اس سے گلوخلاصی حاصل کر لی، فرانس اور انگلستان کو بھی بیورو کریسی کو شکست دینے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی اور اب چین و جاپان نے بھی جمہوری طرزِ حکومت کی بنیاد ڈالی ہے تو کیا ہندوستان ہمیشہ اسیر بلا رہے گا؟

۳ - (ا) ہندی تعلیم یافتہ طبقوں کے مفاد ہندی عوام کے مفاد سے متضاد ہیں۔

(ب) اگر انگریزی افسر علیحدہ کر دیئے جائیں تو تعلیم یافتہ طبقہ عوام پر ظلم کریگا لہٰذا ہمارے عوام کے مفاد انگریزی عمال کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ ان انگریزی عمال کے ہاتھوں، جن کا کوئی مفاد بھی ہمارے عوام کے ساتھ مشترک ہیں، اور یہ کہ ہمارے مفاد مخالف ہیں، لیکن کس لحاظ سے یہ کبھی نہیں بتایا گیا، یہ ناروا اور مکروہ خیال اسلئے پھیلایا جا رہا ہے کہ انگریزوں کا اجارہ تا دیر قائم رہے، لیکن خیال حقائق کی روشنی میں باطل ٹھیرتا ہے،

ہندوستان کے داخلی حالات کی نظیر بھی شاید تاریخ میں نہیں ملتی، اس وسیع برِ اعظم میں ۳۵ کروڑ سے زیادہ مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں جن کا تمدن بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، اور جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں یہ عظیم الشان سیاسی مجمع ایک ہی سیاسی ماحول میں رہ کر ذہنی اور اخلاقی ترقی کی منازل متفرقہ پر گامزن ہے، اس کا نتیجہ اختلافِ خیال ہے ہر ہندی قوم پرست جو ہندی قومیت کے مسئلہ پر غور کرتا ہے، اس کام کی مشکلات کا پورا پورا احساس رکھتا ہے، وہ صاف صاف ان مشکلات کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ ان مواقع سے گھبراتا نہیں، ان جملہ امور کے باوجود کوئی دلیل اور رنگ و نسل کے متعلق کوئی جعلی نظریہ اس حقیقت کو ہندی مسائل کے طالب علم کی نگاہوں سے اوجھل نہیں کر سکتا کہ ہندوستان ھی ھم سب کی

پہلی اور آخری منزل ہے، جلد یا بدیر ہندوستانی ضرور حکومت خود اختیاری حاصل کر کے رہیں گے، دُنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتی، اور یہ ایک اٹل بات ہے، انگریزی تدبر ابھی تک دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سیاسی بصیرت کھو بیٹھا ہو، اس لئے وہ مجبور ہو گا کہ ہندوستانی نظام حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرے یہ بالکل لازمی چیز ہے، اور ہو کر رہے گی، پھر آنکھیں کیوں بند کر لی جائیں اور اس کے خلاف کیوں صف آرائی کی جائے، کیوں نہ دیانتداری سے صاف صاف شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے جو فلسفۂ سیاست کے علم کی شیخی بگھارتا ہے اور مشرقی معاملات پر رائے دینے کا جنون رکھتا ہے، تو کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا کہ ہندوستانی ذہنیت کے لئے ہمیشہ ذہنی غلامی میں مبتلا رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ جب خدا نے ہندوستانیوں کو قدرتی اچھوت نہیں بنایا اور جب کہ قوانین فطرت ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، جبکہ وہ حال کی قومی ضروریات کا احساس اور مستقبل کے لئے بڑی بڑی امید رکھتے ہیں تو حکومت خود اختیاری سے کچھ کم ان کو مطمئن نہیں کر سکتا عدم صلاحیت کی ہرزہ سرائی اب ختم ہو جانی چاہیئے، قوانین فطرت اور اصول انسانیت مشرق میں مغرب سے مختلف نہیں ہیں۔

ہندوستانی ترقی کے رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ ہندی حکمرانوں سے مطالبہ کریں کہ وہ ہندوستان کا نصب العین متعین کریں اور پھر معیار مقررہ میں اُسے تیز رفتاری سے حاصل کریں۔

آج سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے، اور اگر ہے تو کس حد تک؟ اس وقت اس معاملہ کو کھٹائی میں نہیں ڈالا جا سکتا، آج ایک طرف

فیصلہ ہو جانا چاہیئے، اگر وہ آج اس قابل نہیں ہے تو اُسے حکومت، خود اختیاری کے قابل بنانا پڑے گا۔

کیا ہندوستان آزادی کے قابل ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ ہندوستانی نکتہ نگاہ سے اس کا صرف ایک ہی جواب ہے، ہمارے نقاد غالباً ایسے قبول نہ کرینگے، ہمارا بس یہی جواب، ہو گا کہ بس پیش قدمی کیجئے اور معاملہ کو ثبوت کی کسوٹی پر پرکھئے، بالآخر صلاحیت کا امتحان کیا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نگاہ کریں تو معلوم ہو گا کہ وہی قومیں آزادی کے قابل تصوّر کی گیئں، جنھوں نے کامیابی کے ساتھ آزادی کے لئے جنگ کی۔ لیکن آج دوسرے قسم کے زمانے سے گزر رہے ہیں، آج امن فتح مند ہوتا ہے، یہ پُر امن جہاد، جوش و خروش کے اوصاف میں ممتاز ہے، اور ہو گا ہم اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت پر ثابت کر دیں گے کہ ہم برطانوی سلطنت میں ایک مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہندوستان اس سے کسی کم سودے پر راضی نہیں ہو گا۔

تجدید ملی کا سب سے زیادہ پُر امید پہلو یہ ہے کہ ہندو مسلمان مشترکہ مقصد کے لئے متحد ہو رہے ہیں، بمبئی کی خوش نصیبی ملاحظہ ہو کہ گذشتہ دسمبر میں پہلی بار لیگ و کانگریس کا اجلاس اسی شہر میں ہوا، بڑی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد اس اتحاد کا مظاہرہ نظر آیا میں گزشتہ نزاعات کی تاریخ دہرانا نہیں چاہتا، لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں، کہ بمبئی میں لیگ کا اجلاس ہمارے اخلاف کے لئے خاص دلچسپ نتائج کا حامل ہو گا، آج پھر لکھنؤ کا تاریخی شہر جو کہ اسلامی ادب و تہذیب کا گہوارہ ہے، کانگریس اور لیگ کے متحدہ اجلاس کا منظر پیش کر رہا ہے۔ لیگ مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لئے وجود میں آئی ہے مسلمانوں نے تب تک کسی سیاسی تحریک

میں بھی عملی حصہ نہیں لیا تھا۔

اب قدرتی طور پر اصلاحات کے پُرزور مطالبات نے مسلمانوں کو بھی جگا دیا، اپنی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی، کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں اصلاحات مسلم قوم کے وجود کو ہی نہ محو کر دیں، لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ ہندی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کو برقرار رکھا جائے۔ اس اصول نے سیاسی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہماری قوم میں بڑی مقبولیت حاصل کی، ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں لیگ کا یہ عمومی نکتہ نگاہ اور مطمع نظر ہے کہ لیگ ملک کی عام ترقی کے لئے کانگرسی تحاریک کی تائید کرے گی، جن کی اساس حب وطن پر ہوگی۔ واقعہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اتحاد پر آمادگی میرے خیال میں اس ضرورت کا احساس دلاتی ہے کہ مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی انجمن کا وجود کس قدر قیمتی ہے۔ یہ خیال رہے کہ مسلمانوں کو سیاسی میدان میں آئے ہوئے صرف بیس ہی برس ہوئے ہیں۔ میں اپنی قومی زندگی میں پکا کانگرسی رہا ہوں اور فرقہ واری سے کبھی مجھے کوئی شغف نہیں رہا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مسلمانوں پر فرقہ واری کا الزام غلط ہے، جبکہ مسلمانوں کی یہ جماعت تیزی سے جادۂ ترقی طے کر رہی ہے، اور متحدہ ہندوستان کی تخلیق میں ایک اہم جزو ہے۔ میرے اور مسلمان قوم پرستوں کے لئے یہ بیحد خوشی کا مقام ہے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے خوشی خوشی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے، لیگ اور کانگریس کی مجالس منتخبہ کے متفقہ فیصلہ نے اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، لکھنؤ میں ہمارا متحدہ اجتماع ہوا کہ ہم اپنے اختلافات کا دائمی حل تلاش کریں اور مجھے بڑی مسرت ہے کہ ہندو مسلم

اتحاد کے بارے میں آخر کار فیصلہ ہو گیا، جس سے ہمارے ملک کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ مسلمانوں کی قومی حیثیت محفوظ ہونے کے بعد اگر کوئی میرا ہم قوم اپنے ہندو بھائی کی طرف دست اتحاد نہ بڑھائے تو مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اسی طرح میں اس ہندو محبِ وطن کے رویہ کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا جو کہ اپنے نیم رطل گوشت کے لئے جھگڑے، خواہ اس سے ملک کا تمام مستقبل ہی کیوں نہ مکدر ہو جائے۔

سب سے زیادہ پُر خطر مسئلہ کے حل کے بعد جو ہندوستان کی ترقی میں حائل تھا، اب ہم سیاسی اتحاد و معاونت کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نصف آئینی جنگ جیت لی ہے، ہم ہندو مسلمانوں کو اب یہ سبق فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ نیا ہندوستان اب قومی رضا کاروں کی ایک بالکل نئی جماعت کا مطالبہ کر رہا ہے، جو کہ وسیع القلب اور فراخ مشرب ہو، فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بالا ہو، جو کہ کمزوروں کی دستگیری کرے اور زبردست کے مقابلہ کی ہمت رکھتی ہو، جو روزانہ فرائض معمولی سے قطع نظر خدمت کے بلند نظریئے پر قائم رہے، ایسی جماعت قوم کو یقین، امید، آزادی اور طاقت کی دولت سے مالا مال کر سکتی ہے۔ آپ کو علم ہے کہ لیگ نے گزشتہ برس ایک مجلس کا انتخاب کیا تھا اور اسے اختیار دیا گیا تھا کہ کانگرس کی مقرر کردہ مجلس کے مشورہ سے اصلاحات کی ایک اسکیم تیار کرے وہ دستور تیار ہو گیا ہے۔ اور آپ کے فیصلہ کے لئے پیش کیا جائے گا۔

اس دستور کو قبول کرنے کے بعد آپ کا فرض ہو گا کہ آپ مطالبہ کریں کہ لیگ اور کانگرس متحدہ طور پر قابل وکلا کی امداد سے ہندوستان کے موجودہ آئین میں ترمیمات کرائیں۔ جب ہم نیا آئین خود مرتب کر لیں

اور لیگ اور کانگرس اُسے منظور کرلیں تو دونوں مجالس کے چیدہ چیدہ رہنماؤں کا ایک نمائندہ وفد مقرر کیا جائے، جو اس امر کی کوشش کرے کہ برطانوی پارلیمنٹ میں یہ دستور پیش کرکے اُسے پاس کرائے۔

سب سے پہلے یہ امر صاف الفاظ میں طے کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کی حیثیت سلطنت برطانوی میں کیا ہوگی، حکومت اس امر کو واضح اور مستند طور پر تسلیم کرلے کہ حکومت خود اختیاری ایسا مطمح نظر نہیں ہے، جو کہ کسی نامعلوم مستقبل میں ہندوستان کو حاصل ہوگا۔ بلکہ یہ حکومت کا ایک متعینہ مقصد ہے جو مناسب وقت میں ہندوستانیوں کو دیا جائیگا جنگ کے اختتام کے بعد حکومت اور لوگوں کی طرف سے اس بارے میں فوری اور موثر کارروائی ہونی چاہیئے۔

اگر حکومت ہند اور وزیر ہند کے مابین ہی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ چپکے چپکے ہو جائے تو یہ ملک کی بڑی بدنصیبی ہوگی، حکومت کو چاہیئے کہ وہ اپنی تجاویز شائع کرے تاکہ قوم اس پر رائے زنی کرسکے اور حکومت کا فرض کہ وہ پبلک کا اعتماد حاصل کرے، میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر لوگوں کو اس وقت مایوسی سے دوچار ہونا پڑا تو ملک کی آئندہ ترقی کے لئے یہ حادثۂ عظیم ہوگا۔

اب ہمیں قومی مفاد کی قربان گاہ پر اپنے ذاتی اختلافات کی بھینٹ چڑھا دینی چاہیئے۔ ہمیں اقوال و اعمال سے ثابت کر دینا چاہیئے کہ ہم مخلصانہ طور پر سچے اتحاد قومی کے لئے مضطرب ہیں، چند روز قبل میں نے بمبئی کرانیکل میں دیکھا کہ:۔

اعلیٰحضرت حضور نظام نے اپنی ریاست میں ہندو مسلم تنازع کا یوں فیصلہ کر دیا۔ ورنگل کے ہندو مسلمانوں میں مسجد کی ایک عبارت کے متعلق جو ہندو علاقہ میں تھی جھگڑا ہو گیا تھا، ہندو آبادی کے احتجاج کے باوصف فریق ثانی نے تعمیر کا کام جاری رکھا۔

ہندوؤں نے اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں درخواست گزاری تو حضور نظام نے دو مسلمانوں اور ایک ہندو پر مشتمل ایک مجلس مقرر کی جو اس معاملہ کی تحقیق کرے۔ مجلس کی رپورٹ ہندوؤں کے حق میں تھی اور حضور نظام نے اس کے مطابق فرمان جاری کئے۔

حضور نظام کا رویہ آصف جاہی خاندان کی درخشندہ روایات کے مطابق تھا۔ ہم ہند و مسلم برطانوی ہند میں کیوں نہ ان راہوں پر چلیں۔ اور کیوں نہ اس طریق سے اپنے اختلافات کا فیصلہ طلب کریں، جو کہ ریاست نظام میں اس قدر کامیاب ہوئے ہیں ؟

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں، ہر دم رواں ہے زندگی
اقبالؔ

سنہ ۱۹۲۵ء

ہندو مسلم فسادات کے دور میں بھی

جب مسٹر جناح قومیتِ متحدہ کے خواب دیکھ رہے تھے۔

اقبال

نوحہ خواں تھے

○

امتاں اندر اخوت گرم خیز

"ما" برادر با برادر در ستیز!

○

قومیت متحدہ کی تعمیر میں حصہ لینے کا عزم

ابھی اُمید باقی تھی!

۳۱ر دسمبر ۱۹۲۵ء

ہندو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی خلیج بڑھتی جا رہی تھی، ہندو مسلم فسادات روزمرہ کے واقعات بن گئے تھے، کانگریس نے سکوت اختیار کر لیا تھا، مجلس خلافت بے اثر ہوتی جارہی تھی، فرقہ پرستوں کی بن آئی تھی، ہندو مسلم اتحاد کا نام لینا اشتعال انگیزی کو دعوت دینا تھا۔

ان حالات میں لیگ کا سالانہ اجلاس سر عبدالرحیم[۱] کی صدارت میں بمقام علی گڑھ منعقد ہوا، جناب صدر نے جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا وہ بھی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا، اس اجلاس میں مسٹر جناح نے بھی شرکت کی تھی، وہ اب تک مایوس نہیں ہوئے تھے، وہ اب تک مشترک پروگرام کے حامی اور داعی تھے، انہوں نے ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"لازم ہے کہ پہلے ہم خود آپس میں کوئی فیصلہ کر لیں حکومت سے ہمارا صرف یہی مطالبہ ہے کہ موجودہ آئین کی نظر ثانی کرتے ہوئے ایک قانون مرتب کرنے کے لئے کوئی ایسی اسکیم بنائی جائے جس میں ہندوستان کی ترقی کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔"

ووٹنگ کے لئے جب اس تجویز کو پیش کیا گیا تو بہت بڑی تعداد کے ووٹ سے یہ پاس ہو گئی۔

ا؎ سر عبدالرحیم، بنگال کے ممتاز سیاست دانوں میں تھے، مسٹر جناح ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ سر عبدالرحیم عرصہ تک بنگال کے وزیر، پھر مرکزی اسمبلی کے صدر (۱۹۴۷ء) تک رہے، تقسیم ہند کے بعد کراچی آ گئے، کچہری روڈ پر سہروردی صاحب کے ہاں جو ان کے عزیز قریب تھے قیام تھا۔ یہیں انتقال ہوا۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں، اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی!

اقبالؔ

سنہ ۱۹۲۶ء

جب اکثریت اقلیت کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

○

جب مسٹر جناح کانگرس سے اشتراک و تعاون کے متمنّی تھے۔

○

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمیّد
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

○

سیاستِ ہند کا ایک تاریخی اور فیصلہ کُن موڑ!

دستِ تعاون جو جھٹک دیا گیا

۳۱ر دسمبر ۱۹۲۶ء

اس سال لیگ کا سالانہ اجلاس سرشیخ عبدالقادر کی زیر صدارت منعقد ہوا۔

اس سال اجلاس میں مسٹر جناح نے ایک بڑی اہم تجویز پیش کی، اور اپنی تقریر میں اس کے بعض نکات پر روشنی ڈالی،

تجویز یہ ہے :۔

لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے موجودہ آئین میں کچھ ترمیمات کی جائیں۔ اس لئے وہ حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ بغیر کسی پس وپیش کے فوراً ایک رائل کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ تحقیقات اور جانچ پڑتال کے بعد کمیشن کوئی ایسی اسکیم مرتب کرے جس کی رو سے ہندوستان میں بہت جلد ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی شرائط شامل ہوں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کسی قسم کا آئین مرتب کرنے کے وقت حسبِ ذیل اساسی اصولوں کے تحفظ کا خاص طور سے خیال رکھنا لازمی ہے۔

۱۔ ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی کافی نمائندگی کا سامان کیا جائے، اور کسی صوبہ کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر نہ تبدیل کیا جائے۔

۲۔ اقلیت کی نمائندگی کے لئے جداگانہ انتخابات قرار دیئے جائیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے

کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیرِ عمل لا سکے۔

۳۔ اگر کسی وقت میں علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے، تو اس وقت بنگال۔ پنجاب و شمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

۴۔ ہر جماعت کو اپنی مذہبی معاملات کے عقائد اور عبادت کرنے اور اشاعت تعلیمات میں مکمل آزادی ہونی چاہیئے۔

۵۔ اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بناء پر مخالفت کریں کہ یہ اُن کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانون یا تجویز پاس نہ ہو۔

لیگ ایک کمیٹی مقرر کرتی ہے۔ کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ ھندوستان کے دیگر سیاسی اداروں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے ایک اسکیم مرتب کر کے لیگ کی مجلس عاملہ کے پاس غور و خوض کرنے کے لئے بھیجے۔ جسے لیگ کی نظرِ ثانی کے بعد رائل کمیشن کے پاس بھیجا جائے گا۔ نیز لیگ ہر صوبہ میں اس قسم کی کمیٹیاں مقرر کرتی ہے۔ تاکہ وہ سب بھی آئینی اصلاحات کے متعلق ایک اسکیم مرتب کر کے سینٹرل کمیٹی کے پاس روانہ کریں۔

مسٹر محمد علی جناح نے اس تجویز کی تحریک کرتے ہوئے کہا، مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے بہت پریشان اور نالاں ہیں، ہندوؤں اور کانگریسیوں کا رویہ مسلمانوں کے بالکل مخالفانہ، مشترکہ انتخابات سے قومیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ کینیڈا میں جداگانہ انتخابات سے ملکی نظام میں کسی قسم کا خلل نہیں پہنچا، میری یہ تمنا ہے کہ کانگرس اور ھندو مہاسبھا کے لیڈر ہمیں بھی اپنا شریک کار بنائیں اور ہمارے ساتھ دوستانہ تعلق و ربط پیدا کریں، آج جس تجویز

کی میں نے تحریک کی ہے اس کی نقل کانگریس کے سکریٹری کے پاس بھیجی گئی ہے، لیکن لیگ سخت ناامیدی ہوئی۔ جب کہ کانگریس نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ خیر جو کچھ گذر گیا وہ گذر گیا۔ ہمیں چاہیئے کہ ماضی کو بالکل بھول جائیں، اور اپنے مطالبات کے حصول کے لئے آپس میں متفق ہو کر ایک مشترکہ پالیسی کے زیر عمل آجائیں۔

ڈاکٹر کچلو[1] نے اسی موقع پر یہ فرمایا کہ اگر ہندو ہماری تجاویز کے اصولوں کو تسلیم کرلیں تو دونوں فرقوں کی باہمی کشمکش فوراً دُور ہو جائے۔ چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اس لئے اُن کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو راضی کر کے اُن کے دلوں کو موہ لیں۔

---

[1] ڈاکٹر سیف الدین کچلو، جو علی برادران کے ساتھ مقدمۂ بغاوت میں ماخوذ اور سزایاب ہوئے۔ آل انڈیا خلافت کے صدر بھی منتخب ہوئے، مسلم لیگ کے سکریٹری بھی منتخب ہوئے، ہندوؤں کی تحریک سنگٹھن کے مقابلہ میں تحریک "تنظیم" انہی کے زرخیز دماغ کی پیداوار تھی، ۱۹۲۸ء تک لیگ میں شریک رہے، پھر کانگریس میں شامل ہو گئے، تقسیم ہند کے وقت یہ پنجاب کانگریس کے صدر تھے اور اپنے وطن امرت سر میں مقیم تھے، لیکن وہاں رہ نہ سکے، دلی چلے آئے، اب وہیں ہیں، کانگریس سے قطع تعلق کر چکے ہیں، اور امن کمیٹی کے روح رواں ہیں، کئی دفعہ روس بھی جا چکے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۷ء

جب مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے لئے وقفِ عمل تھے۔

جب مہاسبھا اور شدھی و سنگھٹن کی تحریکیں عروج پر تھیں۔

جب مسلمانوں کی قیادت عامہ ناکام ہو چکی تھی۔

○

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیّاری ہے، سلطانی بھی عیّاری

○

کانگرس سے اشتراک و تعاون کا دور!

ہندو مسلم اتحاد : میری دلی تمنا!

۳۱ دسمبر ۱۹۲۷ء

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے مسئلے پر ہندو مسلم اختلاف اور زیادہ بڑھ گیا ہے لیگ بائیکاٹ کی حامی ہے اسر شفیع مخالف ہیں۔ اختلاف کی سنگینی نے لیگ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ سر شفیع نے لاہور میں اجلاس کیا، جو "شفیع لیگ" کے نام سے موسوم ہوا، جناح صاحب نے کلکتہ میں طلب کیا، جسے "جناح لیگ" کے نام سے پکارا گیا۔ مسٹر جناح اعلی برادران کی رفاقت و معیت میں بائیکاٹ کے اس لئے حامی ہیں کہ کانگرس بھی بائیکاٹ پر تلی ہوئی ہے اور وہ کانگرس کے ساتھ مل کر متحدہ دستور ہند بنانے کے متمنی ہیں۔

لیگ کی روداد بتاتی ہے کہ:۔

صدر (مسٹر جناح) کی التجا پر پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنی تقریر میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی درخواست کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ صرف دو مسئلوں پر ہم لوگوں کے اندر تفرقہ پیدا ہو گیا ہے، اول کا تعلق گاؤ کشی کے ساتھ ہے اور دوم مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق ہے، کیا یہ ایسا مسئلہ ہے جسے ہم لوگ حل نہیں کر سکتے ہیں، آخر میں آپ نے یہ فرمایا کہ ہم لوگ اگر آج سے اپنے کو پہلے ہندوستانی اس کے بعد ہندو مسلمان سمجھیں تو چٹکی کے اشارے پر سوراج حاصل کر لیں گے۔

جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا کہ پنڈت جی نے جو آج دعوت دی ہے، اس سے میری خوشی کی حد نہیں ہے، میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلم اپنے اپنے اختلافات کو فراموش کر کے

آپس میں مل جائیں۔[1]

---

[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے کس درجہ آرزومند اور متمنّی تھے، اور ہر قیمت پر کانگرس کو تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

اقبالؔ

سنہ ۱۹۳۵ء

جب حکومتِ برطانیہ کانگرسی سامراج کے سامنے سرنگوں ہو رہی تھی۔
جب وفاق دے کر مسلمانوں کو اکثریت کا غلام بنانے کی تیاری ہو رہی تھی۔
کمیونل ایوارڈ،
جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ،
جب مسٹر جناح آمادۂ عمل ہو رہے تھے۔

○

... کہ فتنۂ دگرے در ضمیر ایام است

○

جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ پر قائدِ اعظم کی تقریر

مسئلہ دستورِ ہند

۷۔ فروری ۱۹۳۵ء

گول میز کانفرنس ختم ہو چکی ہے، پارلیمنٹ اور ہاؤس آف لارڈ کے مشترک ممبروں کی کمیٹی اپنی رپورٹ پیش کر چکی ہے جو "جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی" کی رپورٹ کے نام سے مشہور ہے، جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے جو سفارشات پیش کئے ان کا ماحصل یہ ہے!

۱۔ ہندوستان، صوبوں اور ریاستہائے ہند پر مشتمل کل ہند وفاق (آل انڈیا فیڈریشن) قائم کیا جائے۔

۲۔ صوبوں کو آزادی دی جائے، یعنی صوبائی وزارت بجائے گورنر کے صوبائی مجلس آئین کے سامنے جواب دہ ہو۔

۳۔ کمیونل اوارڈ نافذ کر دیا جائے۔

برطانوی حکومت کے ایماء سے حکومتِ ہند نے اُسے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا۔

مسٹر جناح نے اس موقع پر ایک معرکہ آرا تقریر ارشاد فرمائی جو اسمبلی کی روداد میں درج ہے۔ یہ تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کتنے بڑے ماہر آئین و دستور تھے اور اُن کی گرفت کتنی کڑی ہوتی تھی۔ جس سے سرکاری اور کانگرسی ممبران یکساں طور پر متوحش اور سراسیمہ ہو جایا کرتے تھے۔

یہ تقریر قائدِ اعظم کی یادگار تقریروں میں ہے:۔

(رئیس احمد جعفری)

مسٹر ایم اے جناح ۔
میں ایسے سنجیدہ اور اہم موقع پر ایوان کو ان غلط بیانیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو اس معاملہ میں میری حیثیت پر کئے گئے ہیں، اسٹیٹسمین جیسی حیثیت طور مرتبے کا روزنامہ اپنی ایک تازہ اشاعت (مورخہ ۲ فروری) میں لکھتا ہے :۔

"کانگرسی جماعت کی روح رواں نسلی عناد ہے۔ بے شک اُسے مسٹر جناح جیسے عارضی ساتھی ہمیشہ ملیں گے۔"

جناب! میں اپنی ساری قوت سے جو مجتمع کر سکتا ہوں اس کو رد کرتا ہوں (حزب الاختلاف کی نشستوں سے واہ وا) بہر حال میں کسی قوم سے کسی قسم کا نسلی عناد نہیں رکھتا (واہ، واہ!)

سر محمد یعقوب ۔ اس اخبار کو شرم آنی چاہیئے ۔

مسٹر جناح ۔ پھر یہ اخبار آگے چل کر لکھتا ہے :۔

مسٹر جناح جنہوں نے ایک "سرگرم گول میزئے" اور "وفاقی" کی حیثیت سے ابتدا کی تھی ——— ہاں مجھے اقرار ہے کہ میں ایک سرگرم گول میز یا ہی نہیں بلکہ میں کہہ سکوں تو ایک "سرگرم ترین" گول میز یا تھا۔ لیکن میں نے ایک سرگرم وفاقی کی حیثیت سے کبھی ابتدا نہیں کی ۔ میں نے آغاز ہی میں غلط یا صحیح طور پر جان لیا تھا کہ اس تجویز سے کبھی ہندوستان کی جائز تمناؤں کی تکمیل نہ ہو سکے گی ۔ پھر یہ اخبار لکھتا ہے کہ :۔

"اب وہ (یعنی میں) غیر مطمئن ہیں ۔ کیونکہ انہیں کانفرنس کی آخری نشستوں میں مدعو نہیں کیا گیا تھا"

کئی معزز اراکین ۔ شرم ، شرم ۔

مسٹر جناح ۔ میں ابتداء ہی سے اس تجویز کا سب سے زیادہ مخالف تھا

یہی وجہ تھی کہ مجھے کانفرنس کی آخری نشستوں میں مدعو نہیں کیا گیا۔ میں اسلئے مخالف نہیں ہوا کہ مجھے تیسری گول میز کانفرنس میں نہیں بلایا گیا۔ یہ جھوٹ یہ افترا پردازیاں اور یہ طنز کسی ایسے اخبار کے شایانِ شان تو نہیں جس کا نام —"آنریبل سر ہنری کریک ؔ"۔ مجھے توقع ہے کہ معزز رکن اس بازپرس میں مجھے شریک نہیں کرینگے گو وہ مسلسل میری ہی طرف دیکھ رہے ہیں اس معاملہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اپنے دوست کو یقین دلاتا ہوں کہ اُنہوں نے جو کچھ ابھی پڑھ کر سنایا میں نے اُسے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ آج پہلی مرتبہ اپنے معزز دوست سے اس کو سن رہا ہوں۔

سر محمد یعقوب ؔ۔ اب تو معزز ہوم ممبر نے سُن لیا۔ غالباً وہ مسٹر جناح سے اتفاق کریں گے۔

مسٹر جناح!۔ میں اب اس معاملہ کو یہیں چھوڑتا ہوں اور اپنی اس تنقید میں معزز ہوم ممبر کو شامل نہیں کرتا۔

اب میں اس مسئلہ کی طرف رجوع ہوتا ہوں جو اس ایوان کے زیر غور ہے۔ سب سے پہلے میں ان مباحث کا جائزہ لوں گا جو میرے معزز دوست مسٹر ولیسائی ؔ قائد حزبِ مخالف نے کئے ہیں میں اُن کی ترمیم سے متفق نہیں ہوں۔ وہ ایک قطعی انکار ہے اور بس۔

وہ اس تجویز کا کوئی بدل بھی نہیں پیش کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ ایک خالص نفی کی حیثیت ہے اور میں ایسی حیثیت قبول نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ایک ترمیم پیش کرنی پڑی۔ میری اس ترمیم کی رُو سے فرقہ وارعطیہ قابلِ قبول ہوگا۔ لیکن یاد رکھئے کب تک —— تاوقتیکہ متعلقہ فرقے اس کے ایک بدل پر متفق الرائے نہ ہو جائیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہندو دوست "فرقہ وار عطیہ" سے غیر مطمئن ہوں۔ لیکن میں ایوان کو بتا دوں کہ میرے مسلمان دوست بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ (واہ۔واہ) کیونکہ اس سے ان کے مطالبہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے میں بھی ذاتی طور پر فرقہ وار عطیہ سے مطمئن نہیں ہوں۔ (واہ۔واہ) پھر میں انفرادی طور پر کہتا ہوں کہ تاوقتیکہ ہم بطور خود اپنی ایک تجویز نہ تیار کرلیں۔ میری خودداری کو کبھی اطمینان نہ ہوگا۔

ایک معزز رکن۔ آپ کے کیا کہنے۔

"مجھے خدائی صفات سے متصف نہ کرو، انسانی کمزوریوں کو پیش نظر رکھو۔ میں اسے کیوں قبول کر رہا ہوں؟ اس کی پچھلی تاریخی تفصیلات میں گئے بغیر میں ایوان کو بتا دوں کہ میں اسے کیوں قبول کر رہا ہوں۔

ہم نے ایک سمجھوتے پر پہنچنے کی ہر امکانی کوشش کی، لیکن تاحال ہم کسی سمجھوتے پر پہنچنے کے قابل نہیں ہوئے۔ اب وہ (تجاویز) مجھے پسند ہوں یا نہوں میں نے اُسے قبول کرنے کی ٹھانی ہے، کیونکہ تاوقتیکہ میں اُسے قبول نہ کروں، کسی دستوری تجویز کا امکان نہ ہوگا۔

اس لئے اب برائے مہربانی اس افکار کی گفتگو کو ختم کر دیجئے ——————

کیا یہ خالص رنگ ونسل کا سوال ہے؟ کیا یہ خالص زبان کا سوال ہے؟ نہیں جناب! اقلیتوں کا سوال ہے۔ ایک سیاسی امر متنازعہ!

چند مسلم ارکان۔ تہذیب وثقافت کا سوال بھی ہے۔

کیا ہم دوسرے ملکوں میں اقلیتوں کے مسائل نہیں پاتے؟ اور کیا ان مسائل سے نمٹا اور انہیں حل نہیں کیا گیا؟ ———— اس مسئلہ سے بھی نمٹنا اور اُسے حل کرنا ہوگا!

ہو سکتا ہے کہ ایک اقلیت کا مذہب ملک کے دوسرے باشندوں سے ہو، اُن کی زبان علیحدہ ہو، اُن کی نسل جُداگانہ ہو، اُن کی تہذیب الگ ہو۔ ان مختلف عناصر —— مذہب، تہذیب، نسل، زبان، فنون اور ایسے ہی عناصر کا انفصال مملکت میں اقلیتوں کو ایک جُداگانہ وجود کے تحفظات کا متقاضی ہوتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ اس سوال کو ایک سیاسی مسئلہ کی طرح نمٹا اور حل کیا جائے نہ کہ گریز کیا جائے۔

اس کے بعد میرے معزز دوست نے ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ "پہلے حصول اور پھر تقسیم" میں بڑے ادب سے کہوں گا کہ اس میں بہت بڑا فریب مضمر ہے یہاں حصول اور تقسیم کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ہم کوئی قطعۂ زمین تو نہیں حاصل کر رہے اور نہ جان جوکھم میں ڈال کر قسمت آزمائی کر رہے ہیں جس کی حصہ رسدی یا مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئے۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو مجھے بتایا جائے کہ کیوں مہاتما گاندھی نے پست اقوام کے معاملہ میں مرن برت رکھ کر ہندوستان کے سارے رہنماؤں کی متفقہ رائے اور منظوری کے ساتھ میثاق پونہ کی تکمیل کی تھی ؟ (واہ، واہ) اُن سے پہلے حصول اور بعد تقسیم کیوں نہیں کہا گیا۔ (واہ، واہ) مہاتما گاندھی صحیح راہ پر تھے وہ جانتے تھے کہ یہ تمہاری نسل سے خارج کئے ہوئے ہندو ہیں۔ پانچ یا چھ کروڑ ہندو! وہ راستی پر تھے۔ اور میں اُن سے متفق ہوں! میں نے انگلستان میں اُن سے استدعا کی تھی، پہلے تو اُنہوں نے جواب دیا تھا کہ "نہیں میں ہندوؤں میں تفرقہ نہ ڈالوں گا۔ میں اسے کبھی قبول نہ کروں گا"۔ میں نے دوبارہ استدعا کی۔ مجھ پر یقین کیجئے کہ میں نے مہاتما گاندھی کے پاس مسلمانوں سے زیادہ پست اقوام کی وکالت کی ہے پہلے پہل وہ اپنی بات پر سختی سے قائم رہے، لیکن آخر کار اُنہوں نے حقیقت محسوس کر لی۔ میں

اپنے ہندو بھائیوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے پست اقوام کے تحفظ کو تسلیم کرکے اور انہیں تحفظات دے کر ان کا دل موہ لیا ہے۔ اور آج بھی وہ ان کے سدھار کے کام میں مصروف ہیں۔

آپ ہمیں بھی ایسی ہی گرمجوشی دکھائیے، ہم سے ہاتھ ملائیے۔ پھر ہم بھی تیار ہیں۔

اب میں اپنی ترمیم پر پہنچتا ہوں۔ جناب معزز قائد ایوان نے مجھ سے بڑی سختی برتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ قائد حزب اختلاف کی بے لاگ اور دیانتدارانہ ترمیم کو تو سمجھ سکتے ہیں لیکن انہوں نے کہا کہ میری ترمیم مکر و فریب

آنریبل سر این سرکار۔ (قائد ایوان) —— گمراہ کن اور پیچیدہ!

مسٹر جناح۔ انہیں دیکھ کر مجھے اس عدالت خفیفہ کی یاد آتی ہے جہاں ایک چھوٹا وکیل خراب مقدمہ پاکر فریق ثانی کو گالیاں دینے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح انہوں نے مجھے گالیاں دے کر ابتدا کی۔ انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کیوں گمراہ کن، کس طرح پیچیدہ اور کیونکر مکر و فریب سے مملو ہے۔

آنریبل سرکار۔ میں آپ کو تین بج کر تیس منٹ پر بتاؤں گا۔

مسٹر جناح۔ اوہ! ایسی چالاکیاں اس ایوان میں جائز نہ ہوں گی اگر وہ عدالت العالیہ میں جواب وہی کر رہے ہوتے تو اور بات تھی، میں چاہتا ہوں کہ حکومت اپنے تاش کے پتوں کو میز پر ڈال دے اور مجھے بتائے کہ کن وجوہ کی بنا پر میری ترمیم پر فریب گمراہ کن اور پیچیدہ ہے۔

آنریبل سرکار۔ وہی وجوہ جو میں نے بتائے ہیں۔

مسٹر جناح۔ آپ نے نہیں بتائے۔ یہ کہتے کیا ہیں؟ —— مسٹر جناح

کی ترمیم منظور ہو گئی تو کیا ہو گا؟ انہوں نے کہا۔

"وہ بنیاد کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُوپر کی منزل باقی رہے اور ہم سے خواہش کرتے ہیں کہ ہم اس کے دریچے اور شیشے بدل دیں۔

کیا یہی آپ کا جواب ہے؛ کیا آپ نے اپنے مسودہ کا مطالعہ کیا ہے؟۔ سوائے ایک کے یہاں کوئی ایسی بنیاد ہی نہیں ہے جس کے متعلق کوئی گفتگو کی جائے اور نہ کسی منزل کا نشان ہے۔ اگر کوئی منزل ہے تو وہ صرف رامبر کے دریچوں اور شیشوں والی کہانی کی فرضی منزل ہے۔ جائیے ایسی کہانیاں بچوں کو سنائیے! (قہقہہ) یہاں منزل کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں ایوان سے اس کی تشریح کروں گا پہلے ہم اس چیز کی تحقیق کر لیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؛

ہم پہلے صوبوں کے لئے ایک دستور مرتب کر رہے ہیں۔ اسکے بعد مرکزی حکومت کے لئے ایک تجویز مرتب کر رہے ہیں۔ یہ سب نچلی عمارت ہے۔ منزل ہے ہی نہیں۔ مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر میری ترمیم کا تیسرا جزو منظور ہو گیا تو سارا مسودہ گر جائے گا۔ لیکن مسودہ بجائے خود کیا ہے۔ جوائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ بجائے خود کیا کہتی ہے۔ وہ یہی تو کہتی ہے کہ جیسے ہی یہ مسودہ منظور ہو جائے، یا اُس کی منظوری کے فوراً بعد صوبہ وار خود مختاری سب سے پہلے معرض وجود میں آجائے گی۔ لیکن وفاق وجود میں نہ آئے گا۔ اس لئے ممکن ہے دو تین یا پانچ سال درکار ہوں۔

انہوں نے اس رپورٹ اور قرطاس ابیض میں اس کی صراحت کر دی ہے کہ جب صوبہ وار خود اختیاری پر کامل عمل درآمد شروع ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں۔ کچھ مشکلات ہوں گی اور کچھ دوسرے اختلافی مسائل ہوں گے

جنہیں سلجھانا ہوگا۔ والیانِ ریاست کی رضامندی حاصل کرنی ہوگی۔ اور اُسے ممکن الحصول بنانے کے ذرائع دریافت کرنے ہوں گے۔ اور ایسے بہت سے ایسے کام ہو سکتے ہیں۔ جنہیں انجام دینا ہوگا۔

لہٰذا وفاق کا وجود ابھی عدم میں ہے اور پارلیمان کے دونوں ایوان کی رائے کا محتاج ہے اور ان مختلف حالات کا رہینِ منت ہے۔ جن سے ابھی عہدہ برا ہونا ہے۔ ان حالات کے تحت میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس کو رد کر دیجئے ——————

یاد رکھئے کہ میں وفاق کی اس (مرکزی) تجویز پر زور دے رہا ہوں۔ میں ان خاص حالات کے پیدا ہونے تک انتظار کرنا نہیں چاہتا میں نے ان "خاص حالات" کو اپنی تحقیق کے دوران میں دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اسے رد کر دیجئے یہ تجویز بالکلیہ ناقص، اساسی طور پر مجہول اور قطعی ناقابلِ قبول ہے۔

پھر مجھ سے کیوں کہا جاتا ہے کہ پورا مسودہ گر جائے گا؟ یہی میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔ خیر میں آپ کو ضرور بتاؤں گا کہ میں کیوں مرکزی تجویز کی مخالفت کرتا ہوں

والیانِ ریاست کے اپنے پیش کردہ شرائط اور اصول جو صریحاً برطانوی ہند کے اہم مفادات کے لئے ضرر رساں ہیں، ان کے (وفاق میں) داخلے کو جائز قرار دیتی ہے۔ شاید یہ سمجھا جائے کہ میں والیان ریاست کا مخالف ہوں، میں کسی شخص کا مخالف نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں والیان ریاست سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ میں نے بار بار اس کا اظہار کیا ہے کہ میں کل ہند وفاق کا مخالف نہیں ہوں، اور معزز ہوم ممبر نے بجا طور پر کہا تھا کہ مہاتما گاندھی بھی کل ہند وفاق سے اختلاف نہیں رکھتے۔ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے ؟

جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں کل ہند وفاق کا مخالف نہیں تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ مجھے ہر ایسی کل ہند وفاقی تجویز کا پابند کر دیں گے۔

جو آپ کی بنائی ہوئی ہو، خواہ وہ کتنی ہی مجہول اور کتنی ہی ناقابلِ فہم کیوں نہ ہو؟
——— کیا یہی استدلال ہے؟ سوال یہ نہیں ہے کہ آیا ہم کُل ہند وفاق سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اس کل ہند وفاق کی نوعیت کیا ہے؟

میں اس ایوان میں اس کا اظہار کرتا ہوں کہ میں کل ہند وفاق کی ہر ایسی تجویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں جو میرے خیال میں برطانوی ہند کا مفاد اپنے اندر رکھتی ہو۔ اور اگر وہ اتنی بہتر ہو کہ اس کے قابلِ قبول ہونے کا مجھے اطمینان ہو جائے۔ تو اس سے مجھے بڑی مسرت ہوگی۔

میں جانتا ہوں کہ والیان ریاست کے ناقابلِ قبول شرائط کے مدِ نظر کسی ایسے وفاق کی تعمیر ناممکن ہے جو اس کے نام کے شایانِ شان ہو۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اس طرح چلنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہم چار سال سے اسی طرح چل رہے ہیں۔ ایک طرف والیان ریاست نے اپنا قطعی اور آخری ارادہ ظاہر کر دیا ہے ——— بس اس قدر اس سے زیادہ نہیں، دوسری طرف حکومت برطانیہ اپنے تحفظات پر جمی ہوتی ہے ——— ایک آہنی دیوار! اسی کو قبول کرنا ہوگا ——— میں ان دونوں کے درمیان ہوں، اور تم ان چیزوں کو قبول کر کے اُسے وفاق کا نام دے رہے ہو!

جہاں تک معزز ہوم ممبر کا تعلق ہے میں ان کے ہر اس لفظ کو تسلیم کرتا ہوں جو انہوں نے اپنے خلوص کے بارے میں کہے ہیں، میں ان کی اپیل کی قدر کرتا ہوں اور ان کے اندازِ تکلم اور تاثر کو بھی محسوس کرتا۔ میں ان سب کے لئے ان کا مشکور ہوں میں جانتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کہا اس پر ان کا ایقان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اسے لے لو اور کر دیکھو" پھر انہوں نے پوچھا۔

"جب چاروں کی طرف تاریکی تھی تو (موسیٰ علیہ السلام) پر کیا گزری
وہ بھی تو تاریکی میں تھے۔"

یہ صحیح ہے، لیکن کیا آج یہاں روشنی ہے؛ کیا اسی کو روشنی ہے؟ کیا اسی کو روشنی کہتے ہیں؛ میں کہتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) ابھی تاریکی ہی میں ہیں۔

آنریبل ہنری کریک۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ہم نے نہیں بلکہ کانگریسی جماعت نے شمع گل کر دی ہے۔

مسٹر جناح۔ جب ہوم ممبر کے مفید مطلب ہوتا ہے یا جب حکومت کے مفید مطلب ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کانگریس سارے ہندوستان کی نمایندگی کرتی ہے، اور جب انہیں موزوں معلوم ہوتا ہے تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ کانگریس باغی ہے اور اس ملک کی محض اقلیت ہے۔ میرا کون مقام ہے؛ (چند مسلم اراکین اور باقی ماندہ نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان سبھوں کا کیا موقف ہے؛ —— درحقیقت یہ کوئی جائز استدلال نہیں ہے چونکہ میرے چند اہلِ ملک کہتے ہیں اس لئے تم اس دستور کو ہندوستان میں نافذ کرنا چاہتے ہو اور اسی دلیل کی بنا پر مجھے بھی قبول کر لینا چاہیئے؟ —— کیا میں پلٹ کر تم سے پوچھ نہ بیٹھوں گا کہ مسٹر چرچل، لارڈ لائڈ، سر مائیکل اڈوائر، سر ریجنالڈ کریڈوک اور ایسے ہی دوسرے اشخاص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؛ اگر مجھے ان اشخاص کے کہنے پر یقین کرنا پڑے اور میں انہیں سچ مان لوں تو کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گا کہ:۔

"میں ابھی انگریزوں کا کان پکڑ کر انہیں ہندوستان سے باہر کر دوں گا
جس کے بعد سارا قصہ ہی پاک ہو جائے گا۔"

لیکن برطانوی حکومت نے اس دستور کو مجھ پر نافذ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔

حالانکہ وہ میری طرح پورے طور پر واقف ہے کہ یہ موجودہ دستور سے بھی بدتر ہے
نہ کسی صوبہ سے مشورہ لیا گیا اور نہ پوچھا گیا کہ آیا وہ والیان ریاست یا برطانوی حکومت کے مجوزہ شرائط پر ایک وفاقی جزو کی حیثیت سے منسلک رہنے پر تیار ہے؟

میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ تجویز ہی ناقابلِ عمل ہے۔ یہ درحقیقت کسی شخص کو بھی مطمئن نہیں کرتی۔ مجھ پر یقین کیجیے، اس کا انجام تلخیوں اور بدمانیوں پر ہوگا۔ اور نام نہاد وفاقی مقننہ میں تکرار اور کج بحثیوں پر ہوگا۔ میں والیانِ ریاست سے اس پر غور کرنے کی اپیل کرتا ہوں کیا وہ ایک صحیح حل پر تیار ہیں؟

ان سے ایک اور اپیل —— کیا یہی ذمہ داری ہے جو انہوں نے مرکز کو دی ہے اور جس کو مشروط کرکے وہ وفاق میں شریک ہونے کو تیار تھے؟ والیانِ ریاست نے کہا تھا کہ اگر مرکز کو ایک "حقیقی اور معنوی" ذمہ داری ملے تو بیشک ہم شرکت کے لئے تیار ہیں۔ کیا یہ حقیقی اور معنوی ذمہ داری ہے؟ اس میں اٹھانوے فی صد تحفظات ہیں اور دو فی صد ذمہ داری! میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس پہلو پر غور کریں۔ آئیے اب تحفظات پر ایک نظر ڈالیں اور سمجھیں دیکھیں کہ کیا ہے میں آئین کے مختلف دفعات کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ صرف دو جملوں میں اس کا خلاصہ کردوں گا۔

رزرو بینک، زر، مبادلہ —— بے تعلق

ریلوے بورڈ —— بے تعلق رہن میں پھنسا ہوا۔ اب کیا باقی ہے؟ مالیاتی رسمی خود اختیاری! (قہقہہ) اور کیا رہ جاتا ہے؟

ملکی بچاؤ خارجی معاملات —— وقف

مالیات —— سر سے پیر تک رہن

میں غرق - اب ہمارا موازنہ اور تھوڑا سا پس ماندہ، لیکن اس میں بھی کیا ہے ؛ گورنر جنرل کی خصوصی ذمہ داریاں ——— ان کے موازنوں اور اندازوں کے اختیارات ——— قانون سازی میں ان کے اختیار مداخلت ——— ان کے غیر معمولی اختیارات ——— ان کی مخصوص ذمہ داری ——— جناب انہوں نے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے ؛ یہ مجلس وضع قوانین آخر کیا کرتی رہے گی ؟

معزز ہوم ممبر نے پوچھا ہے کہ ہم تا چند اس موجودہ حقیر اور ناقابل برداشت دستور پر قناعت کرتے رہیں گے ؛ میں کہتا ہوں کہ میں بھی موجودہ دستور ناقابل برداشت ہے، لیکن کیا آپ کو لارڈ ریڈنگ کے الفاظ یاد ہیں ؟

موجودہ دستور میں زیادہ اختیارات ہیں اور وہ دستور جو آپ مجھے اس وقت دے رہے ہیں موجودہ دستور سے زیادہ حقیر اور ناقابل برداشت ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا کہنے والے ہیں ——— بلکہ میرا خیال ہے کہ ابھی کسی نے کہا تھا کہ قائد حزب اختلاف مسٹر ونسٹن چرچل کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور شاید میرے متعلق بھی یہی کہا جائے کہ میں بھی مسٹر ونسٹن چرچل کی روش اختیار کر رہا ہوں، کیونکہ وہ بھی اس تجویز کو رد کرنا چاہتے ہیں - اس طرح ہم مشترکہ طور پر مسٹر چرچل سے مصافحہ کر رہے ہیں -

آنریبل ہنری کریک - آپ یہی تو کر رہے ہیں -

مسٹر جناح - لیکن پوری بصیرت کے ساتھ کر رہا ہوں -

آنریبل سرکار - آپ کسی لمحہ میں بھی بدل جائیں گے - چرچل کبھی نہیں بدلیں گے

مسٹر جناح - خواہ لا ممبر بدل جائیں یا میں بدل جاؤں - اس کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے - مجھے تو اظہار رائے کئے جانا ہے - یہ لمحات بہت نازک اور بہت اہم

ہیں مجھے اپنی رائے ظاہر کرنی ہے اور پوری ذمہ داری سے کرنی ہے۔ شرح و وضاحت کے ساتھ کرنی ہے۔ لا ممبر کی اس دھمکی کی بھی مجھے کوئی پروا نہیں کہ میرا مسودہ گر جائے گا۔ حالانکہ وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے (قہقہہ) ہندوستان کی پوری حکومت بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی! وہ محض بنتے ہیں، اور اس سے فائدہ؟

میں ان سے کوئی اپیل نہیں کروں گا۔ جیسا کہ ہوم ممبر نے بجا طور پر کہا ہے کہ نہ تو اس ملک کی حکومت کو اور نہ ہی اس ملک کے باشندوں کو آخری فیصلے کا اختیار ہے۔ آخری فیصلہ (برطانوی) پارلیمان کرے گی۔ میں اپنی رائے کا اظہار پارلیمان ہی کے فائدے کے لئے کر رہا ہوں۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میری کیا رائے ہے۔ جس کے بعد نتائج بھی بھگتنے ہوں گے۔ اب اگر ہوم ممبر نے یہ کہا ہے کہ "آپ مسٹر چرچل کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔" تو میرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ہمارے متعلق غلط فہمی میں رہنا چاہتے ہی ہیں تو رہیں، اگر آپ ہمیں بدنام کرنا ہی چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ ہم مسٹر چرچل سے متفق نہیں ہیں، مسٹر چرچل کا نقطہ نظر یہ ہے کہ میں مرکز میں یہ تجویز ہی نہیں چاہتا۔ میں تو تم سے یہ کہتا ہوں کہ ہندوستانی رائے کے ساتھ اس کی ساری ہیئت ترکیبی پر نظر ثانی کر کے میرے ملک میں ایک ذمہ دار حکومت قائم کرو۔ (پرشور تالیوں کی طویل گونج) یہ ہے وہ فرق ہمارے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جناب! پھر (تجویز کے نفاذ سے) اس متبرک اعلان کی سراسر خلاف ورزی ہوتی ہے جو وائسرائے نے کیا تھا۔ جو اس وقت لارڈ ارون تھے اور آج لارڈ ہیلی فاکس ہیں۔ اور جیسا کہ مسٹر شاستری نے کہا کہ انہوں نے اپنے نام کی تبدیلی کے ساتھ اپنے خیالات بھی بدل دیئے ہیں (قہقہہ) لیکن یہ اُن کا ذاتی اور شخصی اعلان نہیں تھا، بلکہ ہز مجسٹی کی حکومت کی جانب سے تھا، وہ اعلان کیا تھا؛

"ہز مجسٹی کی حکومت انہیں تجاویز کو پارلیمان میں پیش کرے گی۔ جن کو عام اتفاق کا اعلیٰ ترین معیار حاصل ہوگا۔"

میں آپ کے ضمیر سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس کو عام اتفاق کا اعلیٰ ترین معیار حاصل ہے؛ میرا مطلب ہندوستانی اتفاق رائے سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قدامت پرستوں کے عام اتفاق کا اعلیٰ معیار اسے حاصل ہو، لیکن اعلان کا یہ مقصد نہیں ہے۔

ہم سے ابتدائی منازل میں کہا جاتا تھا کہ ہم ہندوستان کو مساوی حصہ دار بنانے والے ہیں لیکن جناب! کچھ عرصہ ہوا یہ لفظ "معدوم" ہو گیا ہے۔ کیا حصہ داری کے یہی طور ہیں۔ لفظ حصہ داری اور لفظ تعاون کے معنی ہمارے انگریز دوستوں کے نزدیک یہ تھے: "تم ہمارے کہنے پر چلو تو ——— ہم تمہیں حصہ دار کہیں گے ———

ہمارے ہر فعل و قول پر سر تسلیم خم کردو ——— ہم اسے تمہارا تعاون اور خیر اندیشی کہیں گے" یہ ہے خیر اندیشی! یہ ہے تعاون۔

اس کا خارج از امکان ہونا تو ابتدا ہی سے ثابت تھا۔ اب یہ ایک شر انگیز چکر بن گیا ہے۔ صوبہ وار خود اختیاری، وفاق، پھر مرکز میں ذمہ داری، ایسی ذمہ داری کہ اگر تم اس جزو کو قبول نہ کرو تو نہ مرکزی ذمہ داری باقی رہے گی نہ صوبہ وار خود اختیاری سارا معاملہ ہی دگرگوں ہو جائے گا۔ ایسی ہیئت ترکیبی کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے؛ اسی لئے میں نے اپنی ترمیم کے تیسرے جزو میں واضح اور قطعی طور پر اسکا اظہار کر دیا ہے کہ میں اس تجویز کو قبول نہیں کرتا۔ اور میں ہز مجسٹی کی حکومت سے کہتا ہوں کہ ہندوستانی رائے کے ساتھ اس کی ساری ہیئت ترکیبی پر نظر ثانی کرے۔

میرے دوست مسٹر مودی کہتے ہیں کہ اس منزل پر (حکومت سے) کیوں نہ کہہ

دیا جائے کہ ہم اسمیں یہ تبدیلیاں اور اصلاحات چاہتے ہیں - میں اس کا جواب دے
سکتا ہوں وہ یہ ہے بلکہ ایوان بھی مجھ سے اتفاق کرے گا - کیونکہ اس کا مستند
حوالہ موجود ہے کہ ہم نے پہلی گول میز کانفرنس میں جو تجاویز پیش کیں اور جو مشورے
دیئے اس کا انجام سینکے رپورٹ کی صورت میں ہوا - میں نے اس میں بہت سے اہم
نقاط کو عملاً رد کر دیا تھا - دوسری گول میز کانفرنس میں ہم نے دوبارہ اپنی سفارشات
پیش کیں - اس مرتبہ پہلے سے زیادہ کانٹ چھانٹ ہوئی - اس موقع پر خاص بات یہ
ہوئی کہ جہاں وہ سمجھتے کہ ہماری مجوزہ رائیں ہمیں کسی قدر فوقیت دے رہی ہیں یا منفعت
پہنچا رہی ہیں تو اس کے ساتھ وہ بڑی جزم و احتیاط سے ایک نہ ایک تحفظ وضع کر کے
اس طرح چسپاں کر دیتے تھے، کہ تھوڑی بہت افادیت جو ہمیں پہنچ سکتی تھی وہ مفلوج
ہو کر رہ جاتی تھی -

تیسری کانفرنس سب سے گئی گذری تھی - اس کے بعد جوائنٹ پارلیمنٹری کی تشکیل
عمل میں آئی - چند ہندوستانی حضرات اس کمیٹی سے اشتراک عمل کر رہے تھے - میں
ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا - کہ وہ محب وطن نہیں تھے - وہ ایسے
اشخاص تھے جن کی میں عزت کرتا ہوں، خواہ میرا ان کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو
انہوں نے وہاں امکانی کوششیں کیں - آخر کار جب اُن کی ساری کوششیں ناکام
ہوئیں تو انہوں نے ایک یادداشت مرتب کی - جس میں ہندو مسلمان، پارسی اور دوسرے
فرقوں نے متفقہ طور پر کہا تھا کہ کم از کم ان اصلاحات کو روبہ عمل لایا جائے - یہ
اصلاحات اعتدال پسندی کی ایک مثال تھے، لیکن ان کا کیا انجام ہوا ؟ آج وہ مشترکہ
یادداشت کہاں ہے ؟ ردی کی ٹوکری میں!

کچھ تحفظات کے بارے میں ———— یہ کہا جاتا ہے، بلکہ میرا خیال ہے
کہ معزز لا ممبر نے کہا ہے کہ ———— یہ تحفظات کبھی استعمال نہیں کئے

جائیں گے جناب! اس وقت میرے سامنے وزیر ہند کی تقریر موجود ہے میں اسے سنانا نہیں چاہتا۔ لیکن اس میں وزیر ہند نے کہا ہے کہ یہ تحفظات استعمال کئے جائینگے بلکہ وہ کہتے ہیں ـــــــ "یاد رکھو ان کی پُشت پر کیا ہے، حکومت کا سارا کارخانہ اور ساری فوج ہمارے پیچھے ہے۔ یہ تحفظات ضرور استعمال کئے جائیں گے"

پھر یہ کہنے سے کیا حاصل کہ تحفظات کا استعمال نہ ہوگا۔

ایک اور امر جسے میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ سر جوزف بھور نے ایک اپیل کی ہے، یہ ایک شخصی اور انفرادی اپیل ہے۔ میں ان کی بڑی عزت کرتا ہوں اور ان کی رائے کو وقیع سمجھتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس تجویز کو کامیاب بنانا چاہیئے۔ خیر یہاں تک بھی غنیمت تھا، لیکن انہوں نے ابراہیم لنکن کا بھی حوالہ دیا ہے جو ایک بلند خیال اور عظیم المرتبت محب وطن تھا، جب انہوں نے ابراہیم لنکن کا حوالہ دیا تو مجھے شیطان کا انجیل کا حوالہ دینا" یاد آگیا۔ انہوں نے انجیل ختم نہیں کی۔ کیا ابراہام لنکن کے فرمودات اس عہد کا ماحول، اس کے پیش نظر حالات اور ہمارا ماحول اور ہمارے واقعات پیش نظر میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے؟

جہاں تک صوبہ داری تجاویز کا تعلق ہے وہ بلاشک وشبہ حال سے زیادہ ترقی یافتہ ترقی یافتہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے ایک امتیاز دینا چاہتا ہوں، میں اجمالی طور پر بتاؤں گا کہ وہ کس حد تک ترقی پذیر ہیں، سب سے پہلے حق رائے دہی پھر انتخاب کنندگان اور رائے دہندگان کی توسیع، یہی دستور کا سنگ بنیاد ہوتا ہے میری تحقیق میں یہ ترقی ہے۔ تمہاری صوبجاتی کابینہ منتخب اراکین پر مشتمل ہوگی اور مقننہ کو جواب دہ ہوگی۔ صوبہ داری دستور کا یہ ڈھانچہ یقیناً ایک ترقی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے بعض خدوخال قابل اعتراض ہیں۔ جن کی میں نے نشاندہی کردی ہے اور جو ایوان ثانی اور گورنر کے اختیارات پر مشتمل ہیں

میں آپ سے کہتا ہوں کہ ان اصلاحات کو روبہ عمل لائیے۔ اگر آپ یہ اصلاحات روبہ عمل لاسکے ——————"

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا ہے لیکن اُسے نفرت انگیز پایا ہے۔

مسٹر جناح۔ وہ کہتے ہیں "میں اُسے دوبارہ نہ دیکھوں گا۔ میں اس سے ہزار بار بیزار ہو چکا ہوں" اور دوسری طرف میں کہتا ہوں کہ:۔

"ہاں! میں نے اس (پیشکش) کی تحقیق کی ہے۔ جہاں تک صوبہ جات کا تعلق ہے یہ خراب ہے۔ اور مرکزی تجویز تو قطعی ناقص ہے۔ بہرحال میں یہیں نہیں رُک جاتا بلکہ تمہیں اس کی تردید میں ایک تجویز دیتا ہوں" کیونکہ میرا فرض ایک قطعی نفی کا خوگر ہوتا نہیں ہے —————— تم کہو گے "پھر تم کیا چاہتے ہو"؟

موسیٰ (علیہ السلام) ہمیشہ تاریکی میں رہنا نہیں چاہتے۔ موسیٰ (علیہ السلام) تم سے کہتے ہیں کہ تم نے یہ بدل پیش کیا ہے۔ اس کو لے کر آگے بڑھو" صوبہ داری تجویز کی اصلاح کرو مرکزی تجویز کو رد کردو، اور اس کی ساری ہیئت ترکیبی پر ہندوستانی رائے کے ساتھ اس مقصد سے نظرثانی کرو کہ برطانی ہند میں ایک کامل ذمہ دار حکومت قائم کرنا ہے۔ (تالیاں)

۱؎ گول میز کانفرنس کی کارروائیوں میں مسٹر جناح نے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تھا۔

۲؎ یعنی حامی وفاق،

۳؎ گول میز کانفرنس نے دستوری معاملات پر غور کرنے کے لئے متعدد ذیلی کمیٹیاں بنادی تھیں، چنانچہ مسئلہ وفاق پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹی بنی تھی اس کے

صدر لارڈ سینکے تھے، اور ممبران میں مسٹر جناح بھی تھے۔

لارڈ سینکے اور دوسرے ممبروں کے ذہن میں جو وفاق تھا، وہ مسٹر جناح کے وفاق سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر میں اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ جس پر لارڈ سینکے تلملا گئے۔ اور انہوں نے کہا، "مسٹر جناح آپ نے ہمارے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔

۴ے سر ہنری کریک پہلے حکومت ہند کے ہوم ممبر تھے۔ پھر پنجاب کے گورنر بنے ان کا شمار نہایت قابل اور ممتاز آئی سی ایس حضرات میں ہوتا تھا۔

۵ے علی گڑھ کے گریجویٹ تھے، مراد آباد وطن تھا۔ زیادہ تر سرکار کا ساتھ دیتے تھے، لیکن کبھی کبھی قوم پرور رہنماؤں کا ساتھ بھی دے جاتے تھے۔ کئی برس تک مرکزی اسمبلی کے نائب صدر رہے۔ ایک آدھ مرتبہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی کچھ عرصہ کے لئے رہے، پھر ریاست حیدرآباد میں مشیر اصلاحات ہو کر گراں قدر مشاہرے پر چلے گئے، وہیں انتقال ہوا۔

۶ے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی یعنی حزب اختلاف کے قائد۔

نہایت نیک اور شریف آدمی تھے، مساوات کی بنیاد پر انہوں نے ۴۴ء میں لیاقت علی خاں سے سمجھوتہ کر لیا تھا، جس پر ولبھ بھائی پٹیل نے طعنہ دیا۔ "تم نے ہندوؤں کو فروخت کر دیا!" اس جرم میں انہیں نئے انتخابات کے وقت ممبری کے لئے کانگرس کا ٹکٹ تک نہ ملا۔ کانگرسی لیڈروں کے برتاؤ سے یہ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ اسی غم میں دنیا سے گزر گئے۔

۷ے کمیونل اوارڈ میں اچھوتوں کو جداگانہ حق نیابت دیا گیا تھا۔ اس موقع پر گاندھی جی جیل میں تھے۔ انہوں نے مرن برت رکھنے کا اعلان کر دیا کہ اس طرح

تو ہندو قوم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ سر سپرو نے اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیدکر کو سبز باغ دکھا کر جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہونے پر آمادہ کر لیا، جسے برطانوی وزیر اعظم نے بھی مان لیا اور طوفان ٹل گیا۔

۸ حکومت ہند کے لا ممبر۔

۹ سر ہومی مودی، پارسی لیڈر، سینٹرل بینک آف انڈیا، اور بینک آف انڈیا کے ڈائرکٹر۔ کانگرس کے ساتھی۔ جس کا صلہ یہ ملا کہ آزادیٔ ہند کے بعد یہ یوپی کے گورنر بنا دیئے گئے۔

۱۰ سر جوزف بھور، عیسائی لیڈر جو وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ شریف اور مرنجان مرنج قسم کے آدمی تھے۔ بعد میں نواب صاحب بھوپال نے اسی تنخواہ پر جو حکومت ہند سے ملتی تھی اپنا مشیر بنا کر بھوپال بلا لیا۔ جہاں اُن کے انتقال کے وقت تک رہے۔

۱۱ کانگرس کے ذہین اور قابل لیڈر، عین عالم جوانی میں انتقال ہو گیا۔

ع خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

سنہ ۱۹۳۶ء

جب قائد اعظم نے مایوس ہو کر نعرہ لگایا :-

ملّتِ ما را اساسِ دیگر است

جب قائدِ اعظم کانگریس سے کہہ رہے تھے :-

تو چشم بستی و گفتی کہ ایں جہاں خواب است
کشائے چشم کہ ایں خواب، خوابِ بیداری است

مسلم لیگ کی تجدید واحیا کے موقع پر قائد اعظم کی تقریر!

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء

ایک طویل مدت گذر گئی!

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک جام

ہندوستان کی سیاست پلٹے کھاتی رہی، سائمن کمیشن آیا اور گیا، نہرو رپورٹ مرتب ہوئی منظور ہوئی اور دریا برد ہو گئی سول نافرمانی کی تحریکیں شروع ہوئیں ملتوی ہوئیں اور واپس لے لی گئیں، مسٹر جناح سیاست وطن سے بددل ہو کر ترک وطن کر کے لندن چلے گئے اور وہاں پریکٹس شروع کر دی، —— ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک یہ کچھ ہوا۔

لیکن حالات نے پھر پلٹا کھایا، مسٹر جناح کو، ان کے عقیدت مندوں، دوستوں اور قدر شناسوں نے اصرار کر کے واپس بلا لیا، ان سے اپیل کی کہ اگر وہ اپنی قوم سے محبت رکھتے ہیں تو واپس آئیں۔ اور اس ڈوبتی ہوئی ناؤ کو کنارے لگائیں مسلمان کبھی اتنے پراگندہ اور منتشر نہ تھے جتنے آج ہیں، نہ انگریز ان کی پرواہ کرتے ہیں، نہ ہندوؤں کی نظر میں وہ کوئی وقعت رکھتے ہیں، اگر انہیں منظم نہ کیا گیا تو وہ مٹ جائیں گے، غلام بنا لئے جائیں گے۔

یہ اپیل کارگر ہوئی اور مسٹر جناح واپس آ گئے، واپس آنے کے بعد انہوں نے لیگ میں نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ان کے حسب ایما اپریل ۱۹۳۶ء میں لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں طلب کیا گیا۔

سر کریم بھائی ابراہیم (بیرونٹ) مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، صدر اجلاس

سر وزیر حسن اور روح رواں مسٹر جناح۔

اس اجلاس میں، آئین ہند سے متعلق ایک تجویز کی تحریک کرتے ہوئے مسٹر جناح نے جو تقریر کی اس سے ان کے تیور اور عزائم کا اظہار ہوتا ہے۔

رئیس احمد جعفری

قائد اعظم نے فرمایا، اس آئین (انڈیا ایکٹ ۳۵ء) سے:

ہمیں صرف دو فی صدی ذمہ داری حاصل ہوتی ہے، اور بقیہ کے متعلق مکمل اختیار گورنر جنرل کو عطا کیا گیا ہے۔ گول میز کانفرنس میں ہندو مسلم سمجھوتے کے متعلق جو کوشش کی گئی تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کے قبل مسلمانوں نے اقلیت میں ہونے کے باعث ہندوؤں سے صرف اپنے چند حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کیا تھا ہندوستانیوں کو یہ مشورہ کہ جس طرح جرمن صلح نامہ ورسیلز کے ساتھ پیش آئے اور اسی طرح ہندوستانیوں کو بھی اس آئین کے ساتھ پیش آنا چاہئے لیکن کیا ہم بغاوت کردیں؟ نہیں یہ ناممکن صورت ہے، ترک موالات میں ہم لوگوں کو ناکامیابی ہو چکی ہے) اب صرف آئینی جنگ باقی رہ جاتی ہے لیکن اس کے لئے یہ ضرورت ہے کہ ہر جماعت متفق الرائے ہو جائے اور پہلو بہ پہلو ہو کر کام کرے۔ کانگرس بغیر مسلمانوں کی امداد کے اپنے مقصد میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمیں چاہیئے کہ اپنی تنظیم کر کے آزادی کے لئے قدم آگے بڑھائیں، اگر ہم کامیاب ہوئے تو کانگرس کو مجبوراً سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا!
تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا!
نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج!
اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا

اقبال

سنہ ۱۹۳۷ء

جب قائدِ اعظم نے برطانوی جمہوریت کے خلاف پرچمِ جہاد بلند کیا۔

○

جب قائدِ اعظم نے مسلمانوں کے جُداگانہ قوم ہونے کا اعلان کیا۔

○

جب قائداعظم نے مسلمانوں کو خود اعتمادی کا درس دیا۔

○

ترکِ شبنم بہر تسخیرِ یم است

○

لکھنؤ کے تاریخی اجلاس کا خطبۂ صدارت

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں قائد اعظم کا خطبہ!

اس خطبہ میں ان مظالم پر روشنی ڈالی گئی ہے جو کانگرسی وزارتوں نے انگریز گورنروں اور گورنر جنرل کی پشت پناہی کے بل پر مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔ لیگ کا یہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا تھا، لیگ کی تنظیم نو اور احیاء کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ لیگ نے آزادی کامل کی تجویز یہیں منظور کی تھی۔

رئیس احمد جعفری

خواتین وحضرات! آل انڈیا مسلم لیگ کی گزشتہ تیس سالہ زندگی میں یہ اجلاس بے حد اہم اور نہایت ضروری ہے۔

جس پروگرام اور پالیسی کی تشکیل کے لئے آپ کو دعوت دی گئی ہے اس پر مسلمانان ہند اور ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۲-اپریل ۱۹۳۶ء کو اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ رابطۂ عوام کی پالیسی اور پروگرام کو اختیار کیا تھا۔ لیگ نے رفتار زمانہ اور حالات گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق صوبجاتی آئین کے انتخابات کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا۔ اگرچہ یہ آئین قطعی طور پر غیر تسلی بخش ہے تاہم اس سے حتی الوسع بہرہ اندوز ہونے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں یہاں پر ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کی منظور شدہ قرارداد کو بجنسہٖ پیش کرتا ہوں:-

"اس ملک میں آئین جدیدہ کے مطابق جو پارلیمنٹری طرز حکومت رائج کیا جارہا ہے

اُس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مطابق ایسی جماعتیں معرضِ وجود میں آجائیں جن کی پالیسی اور پروگرام معین ہو اور وہ حلقہ ہائے انتخاب کے سیاسی رجحانات کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے۔ اور متقارب اغراض و مقاصد کی جماعتوں کے درمیان تعاون پیدا کر کے دستورِ حکومت کو حتی الامکان ملک کے لئے مفید بنا دے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی تقویت و استحکام اور صوبجاتی حکومتوں میں مناسب و مؤثر حصہ حاصل کرنے کے لئے ان کی ایسی جماعتی وحدت ضروری ہے جو کسی ترقی پسندانہ پروگرام کی حامل ہو۔ لہٰذا ان خیالات کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آنے والے صوبجاتی انتخابات میں انتہائی سرگرمی اور جد و جہد کے ساتھ شرکت کی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مسٹر جناح کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی صدارت میں ایک ایسا مرکزی انتخابی بورڈ قائم کریں جس کے ممبروں کی تعداد ۳۵ سے کم نہ ہو اور اس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ مختلف صوبجات میں صوبجاتی انتخابی بورڈوں کی تشکیل کے ساتھ ہی مرکز کے ساتھ اُن کا الحاق بھی کر سکے۔ اور ہر صوبے کے مخصوص حالات کے مطابق مندرجہ صدر مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مناسب ذرائع اور وسائل تجویز کئے جائیں؟

اس فیصلہ کے مطابق جون ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا ایک سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ معرضِ وجود میں آ گیا اور لیگ کی قرار داد و ہدایات کے مطابق مختلف صوبجات میں صوبجاتی بورڈ قائم ہو گئے، لیکن کسی سابقہ تیاری اور موجودہ تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور بالخصوص ایسے حالات میں صوبجاتی انتخابات میں مقابلہ کرنا بھی بیحد دشوار تھا جبکہ مسلمان بحیثیت تعداد اقلیت میں ہونے کے ساتھ ہی تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ اور اقتصادی لحاظ سے بالکل ناکارہ اور ناقابلِ ذکر ہوں۔ اُن کی

معاشرتی اور اقتصادی اصلاح پر کبھی توجہ نہ کی گئی ہو اور ہمارے مقابلے میں ملک کی ہمسایہ اقوام ایک باقاعدہ پروگرام کے ماتحت تنظیم و ترقی کی بے شمار منازل طے کر چکی ہوں۔ اور بالخصوص ہندو قوم اکثریت میں ہونے کے ساتھ ہی تربیت، ضبط، تعلیم، تجارت اور مالی اعتبار سے بہت آگے نکل چکی ہو۔

لیکن یہاں پر میں اس بات کا ذکر کر دینا نہایت ضروری خیال کرتا ہوں کہ انتخابات کے اختتام سے قبل چھ ماہ کا کام بہ اعتبار نتائج بیحد حوصلہ افزا ثابت ہوا اس لئے ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام صوبجات میں جہاں پارلیمنٹری بورڈ اور لیگی پارٹیاں بنائی گئی تھیں وہاں پر کم و بیش ساٹھ فی صدی لیگی امیدوار کامیاب ہو گئے۔ اور انتخابات کے اختتام کے بعد میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مدراس سے لے کر شمال مغربی سرحدی صوبے تک اب ہر صوبے میں ڈسٹرکٹ لیگیں قائم ہو چکی ہیں۔ گذشتہ اپریل سے مسلمانان ہند بہ تعداد کثیر لیگ کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ جونہی انہوں نے مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر متفق ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے۔ مسلم لیگ ہندوستان کے لئے مکمل نیشنل ڈیموکریٹک سیلف گورنمنٹ (قومی و جمہوری حکومت خود اختیاری) کی طلبگار ہے۔ نادان و نافہم عوام کے استعمال کے لئے مختلف النوع ترکیبات۔ مثلاً پورنا سوراج، حکومتِ خود اختیاری، مکمل آزادی، ذمہ دار حکومت، آزادی کا خلاصہ اور مستعمراتی درجہ وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جا رہی ہیں، بعضے ایسے لوگ بھی ہیں جو مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں۔ لیکن گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو ہاتھ میں لے کر مکمل آزادی کا تذکرہ بیکار ہے۔ جو لوگ زیادہ شدت کے ساتھ مکمل آزادی کا ذکر کر رہے ہیں وہی فی الحقیقت اس سے ناآشنا ہیں۔ کیا گاندھی ارون معاہدہ مطالبہ مکمل آزادی کے مطابق تھا، کیا صوبجاتی آئین پر عمل پیرا ہونے اور وزارتوں کو قبول کرنے سے قبل جو وعدے لئے جا رہے تھے وہ پورنا سوراج کے مطابق تھے؟ اور جب حکومت نے

یہ یقین نہ دلایا تو کیا عہدوں کو قبول کرنے اور اس صوبجاتی دستور پر عمل پیرا ہونے کی قرارداد جس کو حکومت برطانیہ نے تیار کر کے شاہی اقتدار کے بل پر اہلِ ہند پر مسلّط کر دیا تھا کانگرس پارٹی کے پروگرام۔ پالیسی اور اعلان کے مطابق تھا؟ کیا آئین کو تباہ کرنے کا مطلب اس پر عمل پیرا ہونا ہے؟ اس قسم کے کاغذی اعلانات، نعرے اور دعوے ہمیں کہیں بھی نہ لے جائیں گے ہندوستان کے لئے ایک کامل متحدہ محاذ اور دیانتِ مقصد کی ضرورت ہے اور اس کے بعد جب عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ سے اور عوام کے لئے ہوگی۔ تو اس کے نام کے متعلق ہمیں چنداں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ نام خواہ کچھ بھی ہو ہمیں تو کسی ایسے ہی نظامِ حکومت کی ضرورت ہے۔

کانگرس کے موجودہ لیڈروں نے خاص کر گزشتہ دس سال کے اندر ایسی ہندوانہ پالیسی اختیار کی ہے۔ جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے ذمہ دار ہے اور جب سے ہندوستان کے چھ صوبوں کے اندر انہوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر حکومتیں قائم کی ہیں اُنہوں نے اپنے قول، فعل اور پروگرام سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہرگز عدل و انصاف سے کام نہیں لیں گے۔ جہاں کہیں وہ اکثریت میں ہیں اور جہاں کہیں اُنہیں یہ مفید معلوم ہوا اُنہوں نے مسلم لیگی پارٹیوں کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا۔ اور اُن سے غیر مشروط حوالگی اور اُن کے مرتبہ معاہدات پر دستخط کرنے کا مطالبہ کیا۔

کانگرس کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنی پارٹی کو توڑ دو۔ اپنی پالیسی اور پروگرام کو ترک کر دو اور مسلم لیگ کا بالکل خاتمہ کر دو[1]۔ اور جہاں انہوں نے صوبہ سرحد کی طرح یہ محسوس کیا کہ اُن کی اکثریت موجود نہیں تو وہاں پر اجتماعی ذمہ داری کا مقدس اصول غائب ہو گیا اور کانگرس پارٹی کو کسی دوسری جماعت کے ساتھ تعاون کی اجازت دے دی گئی[2]۔ اگر کسی مسلمان نے منفرداً اپنے آپ کو کانگرس پارٹی کے حوالے کر کے اس کے عہد نامہ پر دستخط کر دیئے تو اس کو وزارت کا عہدہ عطا کر کے مسلمان وزیر کی حیثیت سے دکھایا گیا[3]۔ حالانکہ

ایسے مسلمانوں کو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں کی اکثریت کا اعتماد و اعزاز ہرگز حاصل نہ تھا ایسے لوگوں کو اُن کی "وفادارانہ" خدمات غیر مشروط حوالگی اور کانگرسی معاہدات پر غیر مشروط دستخط کرنے کے صلے میں مسلم وزراء کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان کو اُن کی غداری کے مطابق معاوضہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگی[4] بندے ماترم اس کا قومی ترانہ ہوگا[5] اور اس کو جبراً ہر جگہ مسلط کیا جائے گا۔ ہر کس و ناکس کو کانگرسی جھنڈے کی تعظیم و تکریم کرنی پڑے گی[6] ان قلیل و بے بضاعت اختیارات و ذمہ داری کی ابتدائی منزل میں ہی ہندوؤں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کے لئے ہے اور صرف کانگرس ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے قومیت کا بھروپ بھر لیا ہے۔ لیکن ہندو مہاسبھا بالکل بے نقاب ہوگئی ہے۔ مَیں یہ نہایت زور کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگرس کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعتی نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کے لئے سازگار حالات پیدا ہو کر برطانوی ملوکیت کی گرفت مضبوط نہ ہو جائے۔ میں نہایت جرأت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس باب میں حکومت برطانیہ کانگرس کو کھُل کھیلنے کی اجازت دے دے گی اور یہ کچھ اُس کے لئے کوئی بڑی بات بھی نہیں۔ بلکہ بیحد مفید ہے بشرطیکہ اس کے ملوکانہ اقتدار و مفاد پر کوئی اثر نہ پڑے اور اس کا حفاظتی نظم و نسق بدستور برقرار رہے۔ لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جس وقت کانگرس نے اہل ہند کے اندر زیادہ سے زیادہ اختلافات پیدا کر کے متحدہ محاذ کا کوئی امکان نہ چھوڑا تو انجام کار ایک نہایت خوفناک ردِ عمل شروع ہو جائے گا۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس قسم کی پالیسی سے جو تباہ کُن نتائج پیدا ہوں گے اُن کی ذمہ داری سے حکومت برطانیہ بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہ دے سکیگی یہ نہایت واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آئین کے ماتحت گورنروں اور گورنر جنرل کو اقلیتوں کی حفاظت کے لئے جو خاص ذمہ داری عطا کی گئی تھی وہ اسکے استعمال میں نہایت بُری طرح

ناکام رہے ہیں؎ اور مسلم وزراء کے تقرر کے معاملہ میں بھی وہ دستور حکومت اور حکومت برطانیہ کی خاص ہدایات کی خلاف ورزی میں کانگرس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں[8] حالانکہ جس وقت کانگرس پارٹی نے گورنروں کے مخصوص اختیارات کے استعمال کے متعلق حکومت برطانیہ سے یہ وعدہ حاصل کرنے کی کوشش کی کہ انہیں استعمال نہیں کیا جائے گا تو اس وقت وزیر ہند لارڈ زیٹ لینڈ نے ان اختیارات کے استعمال اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت پر بطور خاص زور دیا تھا[9] اسکے برعکس وہ مسلمانوں کو بطور مسلمان وزراء مقرر کرنے میں کانگرس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں حالانکہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ اسمبلیوں کے اندر یا باہر مسلمان نمائندوں کی حیثیت سے انہیں کوئی عزت حاصل نہیں۔ اگر اقلیتوں کی حفاظت کے لئے حکومت برطانیہ کی اختیار کردہ مقدس ذمہ داری کی انجام دہی میں گورنر بالکل بے بس اور نااہل ثابت ہوئے ہیں تو کیا ایسے سینکڑوں معاملات میں جو عوام کے علم میں نہیں آئیں گے یا اسمبلیوں اور روز مرہ کے نظم ونسق میں ان کے متعلق کسی کو علم بھی نہیں ہوگا وہ حفاظت کے فرائض انجام دے سکیں گے؟ اس معاملہ میں حالات زمانہ ہمیں کسی اور طرف اشارہ کر رہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ مسلمان ناخوشگوار سبق کو بہت جلد سیکھ لیں کہ ان حالات میں ان کا راستہ بالکل صاف ہے۔ انہیں یہ محسوس کر لینا چاہیئے کہ انہیں اپنے آپ کو باقی ہر قسم کے خیالات سے خالی الذہن ہو کر یکسوئی کے ساتھ منظم کرنے اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر لانے کا وقت آگیا ہے۔ میں اس سے قبل یہ اشارہ کر چکا ہوں کہ مسلمان باہم منقسم ہیں اور ان میں ایک ایسی جماعت موجود ہے جو اپنی نجات کے لئے حکومت برطانیہ کے سہارے کی منتظر ہے۔ اگر اب بھی انہیں تلخ تجربات سے سبق حاصل نہیں ہوا تو وہ اس کے بعد کبھی بھی بیدار نہ ہو سکیں گے۔ خدا انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کر سکیں۔ ایک دوسری جماعت وہ ہے جو کانگرس سے امداد وحمایت کی طلبگار ہے ان کے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ اُسے اپنی ذات پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اوپر اعتماد کرنا اور اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لینا سیکھیں

ہمیں ایسے راسخ العقیدہ، اہلِ ہمت اور اصحابِ عزم کی ضرورت ہے جو اپنے معتقدات کی حفاظت کے لئے تمام دُنیا کے مقابلے میں تن تنہا ڈٹ جانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں ہمیں طاقت اور عزم پیدا کرنا چاہیئے اور یہ طاقت و عزم مسلمانوں کے باہمی انضباط، اتحاد اور وحدت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گا۔

چونکہ کسی صاحبِ اختیار ہندو لیڈر کی طرف سے مفاہمت کے لئے کسی مخلصانہ خواہش اور دلچسپی کا اظہار نہیں ہو رہا اس لئے ہندوؤں کے ساتھ کسی سمجھوتے کا کوئی امکان نہیں معززانہ مفاہمت صرف مساوی الحیثیت جماعتوں کے درمیان ہی ممکن ہو سکتی ہے اور جب تک فریقین میں باہمی عزت اور احترام کا جذبہ پیدا نہ ہو کسی مفاہمت کے لئے کوئی ٹھوس زمین تیار نہیں ہو سکتی۔ کمزور فریق کی طرف سے دعوتِ مصالحت کا مطلب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنی کمزوری اور ضعف کا اقرار ہے اور وہ فریق ثانی کے غضب و سلب کا تختۂ مشق بننے کے لئے تیار ہے۔ حبِّ وطن، عدل، انصاف اور مروّت کی تمام اپیلیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کسی خاص سیاسی شعور کی ضرورت نہیں کہ جب تک تحفظات و مفاہمت کی پُشت پر طاقت موجود نہیں ہوگی وہ محض کاغذ کے پُرزے ثابت ہوں گے۔ سیاسیات کا مطلب طاقت ہے اور یہ نہیں کہ عدل، انصاف اور مروّت کی فریادوں پر بھروسہ کیا جائے۔ آپ اقوامِ عالم اور ان کے روزمرہ کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ چین، اسپین اور فلسطین کے اندوہناک واقعات پر غور کریں۔ میں آخر الذکر کا تذکرہ عنقریب کروں گا۔

کانگرس ہائی کمان مختلف آوازوں کے ساتھ بول رہی ہے۔ ایک حلقے کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر ہندو مسلم سوال اور اقلیتوں کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسرے بلند خیال طبقے کی رائے یہ ہے کہ اگر اس وقت غیر منظم اور بے بس مسلمانوں کے رُوبرُو چند ٹکڑے پھینک دیئے جائیں تو ان کو اپنا مطیع و منقاد بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ اس وقت کسی چیز کو

مُسلّط کیا جا سکتا ہے تو وہ یقیناً ایک افسوسناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ نے زندہ رہنے اور سیاسیاتِ ہند میں اپنا سِکّہ جمانے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کا جس قدر جلد احساس کر لیا جائے گا وہ تمام جماعتوں اور مفادوں کے لئے اسی قدر مفید رہے گا تیسرے حلقے کی رائے یہ ہے کہ اس ناقابلِ گذر تاریکی میں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن جوں جوں کانگرس کو طاقت اور قوت حاصل ہوتی جاتی ہے وہ سابقہ کورے چیکوں کو پُر کرنے کے وعدوں کو فراموش کرتی جا رہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان حالات پر غور کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند ایک ایسی متعین اور ہمہ گیر پالیسی کے ذریعہ سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کر لیں جس پر تمام ہندوستان میں نہایت وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کانگرسی مسلمانوں کی طرف سے غیر مشروط حوالگی کی تبلیغ بے حد خطرناک ہے یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور مسلمان قوم کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی بڑی غداری نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس پالیسی کو اختیار کر لیا گیا تو میں آپ کو بتا دوں کہ مسلمان اپنے مستقبل کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کر لیں گے اور ملک کی قومی زندگی اور حکومت میں وہ اپنے جائز حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔ صرف ایک چیز مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنی رُوحوں کو مسخر کر کے اپنی ان عظیم الشان روایات و اصول وحدت پر قائم ہو جائیں جو اُن کی سیاسی جماعت بندی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اگر مسلمانوں کو فرقہ پرست۔ ٹوڈی اور رجعت پسند کہا جاتا ہے تو آپ اسکی پروا نہ کریں اگر کوئی بدترین ٹوڈی اور مذموم ترین فرقہ پرست آج اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر کانگرس کے حوالے کر کے اپنے بھائیوں کو سب و شتم کا نشانہ بنا لے تو وہ قوم پرستوں کا تاجدار بن جاتا ہے۔ ان اصطلاحات الفاظ اور گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر احساسِ کمتری پیدا کر کے ان کو کمزور و بزدل بنایا جائے اور ہمارے اندر اختلافات پیدا کر کے ہمیں دُنیا میں بدنام کیا جائے۔

رُتبے کا معیار ہے جس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے ۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی طے شدہ اور معین پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و واجبات کی مؤثر حفاظت کی جائے ۔ لیگ کا بنیادی اور سب سے بڑا اصول ہے ۔ یہی اسکی زندگی کا نصب العین ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں سے کانگریس سخت ناراض ہو رہی ہے ۔ اور اس کے علاوہ ہے، کیا جس پر کانگرس کو اعتراض ہے؟ کانگرس بعینہ وہی کچھ کر رہی ہے، جس کے متعلق ہم نے آج سے دو سال قبل فیصلہ کیا تھا ۔ لیگ اس بات کی ہرگز اجازت نہ دے گی کہ حکومت برطانیہ یا اسمبلیوں کے اندر اور باہر کوئی دوسری جماعت اُن کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچا سکے ۔ کانگرس نے اپنے گزشتہ دعاوی کے باوجود مسلمانوں کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا ۔ یہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو حفاظت کا یقین دلانے میں سخت ناکام رہی ہے ۔ کانگرس کی طرف سے مسلمانوں میں رابطہ عوام پیدا کرنے کی فریب آلود کوشش کا مقصد بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ اُن میں اختلاف پیدا کر کے ان کو کمزور بنایا جائے اور ان کو اپنے قابلِ اعتماد لیڈروں سے برگشتہ کر دیا جائے ۔ یہ نہایت خطرناک تحریک ہے لیکن کوئی شخص اس سے گمراہ نہیں ہو سکتا ۔ مختلف النوع دلفریب دعووں اور نعروں کے باوجود اس قسم کی چالیں کامیاب نہ ہو سکیں گی ۔ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے بغیر کوئی دیانتدارنہ اور سیدھا راستہ نہیں ہو سکتا ۔ بھوک اور افلاس کے متعلق اس تمام شور کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں سوشلزم اور کمیونزم کا بیج بویا جائے حالانکہ وہ اسکے لئے تیار نہیں ۔ بحالاتِ موجودہ حکومت کے خلاف براہ راست کارروائی کی پالیسی مسلم لیگ کے نزدیک بالکل فضول اور خودکشی کے برابر ہے ۔ اس قسم کی دو کوششیں اب تک ناکام ہو چکی اور ان کے باعث لوگوں کو کافی مصیبت اور پریشانی کا مقابلہ کرنا پڑا ہے ۔ چنانچہ بیس سال کے تجربہ کے بعد ان کو ترک کرنا پڑا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر ایک زیادہ رجعت پسندانہ دستور مسلط کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ اب کانگرس

اس پر عمل پیرا ہے۔

ایک قرار داد کے ذریعہ سے گورنر جنرل سے یہ درخواست کرنا کہ وہ وزیرِ ہند کو ہمارے اس مطالبہ سے مطلع کردیں کہ حق رائے دہی بالغان کی بناء پر ایک مجلس دستور ساز کی معرفت ہندوستان کے آئندہ آئین کا خاکہ تیار کرایا جائے یہ بے خبری کی انتہا ہے اس سے یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اس قسم کا مطالبہ پیش کرنے والے واقعات وحقائق سے کس قدر ناآشنا ہیں۔ دستوری اسمبلی کے قیام کا حق صرف کسی والیٔ ملک یا تاجدار کو حاصل ہے۔ شاہی اختیار کی معرفت ایسے نمائندگانِ ملک کی ایک مخصوص جماعت منتخب کرلی جائے جو اپنی مرضی کے مطابق ملک کو دستور مرتب کردیں۔ اس کے بعد اُن کا کام ختم ہوجاتا ہے اور ان کا مرتبہ دستور ملک کے آئین حکومت کی حیثیت سے نافذ ہوجاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر حلقہ ہائے انتخاب کو معین کون کرے گا اور اس بناء پر معین شدہ حلقہ ہائے انتخاب نمائندوں کی کس قدر تعداد کو منتخب کرینگے۔ اور ایسے حلقہ ہائے انتخاب میں اقلیتوں کا حشر کیا ہوگا اور حلقہ ہائے انتخاب کے اندر یہ شعور کیونکر پیدا ہوسکے گا کہ انہیں اس وسیع و عریض ملک کے دستور مرتب کرنے والی مخصوص جماعت کو کس طرح منتخب کرنا چاہیئے۔ اور جماعت بھی وہ جماعت جس کو ترتیب دستور کا کُلی اختیار حاصل ہوگا؛ اس مشینری کو کون چلائے گا جو اس مخصوص جماعت کو انتخاب کرے گی؛ جس کو اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دستور کا اختیار حاصل ہوگا؛ اور انجام کار یہ کہ اس جماعت میں اقلیتوں کی حیثیت کیا ہوگی؛ کیا کانگرس کو واقعی یہ یقین ہے کہ وزیرِ ہند ان تمام مطالبات وضروریات کو پورا کردے گا۔ حالانکہ ابھی چند روز ہوئے کہ ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کے سب سے با اختیار اور بڑے نمائندے یعنی ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان کو مستقبل قریب میں فیڈریشن حاصل ہوجائے گی۔ اسکے علاوہ جب یہی وائسرائے ہندوستان آیا تھا تو اس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ فیڈریشن کی اسکیم بحیثیت مجموعی اس قدر اچھی

ہے کہ صوبجاتی آئین کے نفاذ کے بعد یہ بہت جلد رائج ہو جائے گی، اور اب گذشتہ ڈیڑھ سال کے تجربہ نے اُس کے اس یقین کو اور بھی پختہ اور مستحکم کر دیا ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ ایک معقول عرصے کے اندر فیڈریشن قائم ہو جائے گی۔

اگر ملک کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو تاحال کانگرس اس قابل نہیں کہ وہ عنانِ نظم و نسق سنبھال سکے۔ اور یہ حقایق کی نہایت دلچسپ تضحیک ہے کہ حکومت برطانیہ سے یہ توقع کی جائے کہ وہ دستوری اسمبلی قائم کرے گی۔ اور جہاں تک کانگرس کا سوال ہے وہ اس صلاحیت سے قطعی طور پر بے بہرہ ہے۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ کانگرس سب سے پہلے ملک کی تمام قابلِ ذکر جماعتوں اور مفادوں کو یکجا کر کے اپنے سائے تلے لے آئے۔ ورنہ ایک غیر ملکی حکومت سے جو اس وقت ملک کے اندر صاحبِ اختیار ہے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ فرقہ وار مسئلہ کے حل یا تمام جماعتوں کی طرف سے کانگرس کے اقتدار کے بغیر کوئی ایسا قدم اُٹھائے گی، بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ گاڑی کو گھوڑے کے آگے کھڑا کر دیا جائے۔ اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کا ایک تہائی حصہ ہندوستانی ریاستوں اور والیانِ ریاست پر مشتمل ہے اور ان کا نکتہ نگاہ بالکل مختلف ہے۔

بے کار کوششوں کے بجائے بہتر یہ ہے کہ کانگریس پوری یکسوئی کے ساتھ اس بات کو سمجھ لے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں جو فیڈرل سکیم پیش کی گئی ہے وہ رائج الوقت آئین کے مقابلہ میں بھی بدرجہا رجعت پسندانہ ہے۔ اس لئے اس کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ حکومت برطانیہ کے نمائندوں کی طرف سے اس کے نفاذ کے متعلق جو دعوے کئے جا رہے ہیں ان کو عملی جامہ پہننے نہ دیا جائے۔ اس باب میں کانگرس کیا کر رہی ہے؟ کیا اس کا یہ خیال ہے کہ وہ تنہا آپ پارٹی کی حیثیت سے اس کے نفاذ کو روک دے گی؟ یا کوئی اور فارمولا بنا لیا جائے گا اور کانگرس اس کو بھی صوبجاتی آئین کی طرح اپنے سرکردہ

لیڈروں کی مخالفانہ غوغا آرائی کے باوجود قبول کرلے گی؟

اب میں مسئلہ فلسطین کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں، اس کا تمام مسلمانانِ ہند پر نہایت گہرا اثر پڑا ہے۔ حکومت برطانیہ کی عام پالیسی یہی ہے کہ اس نے شروع سے لے کر آخر تک عربوں کو دھوکا دیا ہے۔ برطانیہ نے اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کیا، جو جنگِ عظیم کے دباؤ کے ماتحت کیا گیا تھا اور جس میں یہ کہا گیا تھا کہ عربوں کو مکمل آزادی کی گارنٹی دی جاتی ہے اور ایک بین الاعراب وفاق کی تشکیل کا اعلان کیا جاتا ہے۔ عربوں کی سریع الاعتقادی سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ عربوں کو جھوٹے وعدے دے کر ان کو استعمال کرنے کے بعد برطانیہ نے بدنام خلائق اعلان بالفور[12] کے ذریعہ سے اپنے آپ کو ان پر مسلط کر دیا اور یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن بنانے کی پالیسی کے بعد اب برطانیہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے اور رائل کمیشن کی سفارشات نے اس المناک داستان کا آخری باب لکھ دیا ہے[13] اور اگر اس کو نافذ کر دیا گیا تو عربوں کے اپنے وطن میں ان کی تمام تمناؤں اور آرزوؤں کا خون ہو جائے گا۔ اور اب ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم اصل واقعات پر غور کریں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ حالات پیدا کس نے کیے ہیں؟ یہ برطانوی مدبرین کی پیداوار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمیعتہ الاقوام رائل کمیشن کی سفارشات کی تائید نہیں کرے گی اور خدا کرے ان کی تائید نہ کی جائے اور اصل حالات کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عربوں کو ان کا صلہ دینے کے لئے یہ کوئی دیانتدارانہ کوشش ہے؟ میں حکومت برطانیہ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اس نے مسئلہ فلسطین کا جرأت، دلیری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہ کیا تو یہ حکومت برطانیہ کی تاریخ میں ایک جدید انقلاب کا دروازہ کھول دے گا میں صرف مسلمانانِ ہند کی نہیں بلکہ اس معاملہ میں مسلمانانِ عالم کی ترجمانی کر رہا ہوں اور تمام انصاف پسند اور فکرمند اصحاب اس بات میں میری تائید کریں گے جب میں یہ کہوں گا کہ اگر برطانیہ نے اپنے ان مواعید، عزائم اور اعلانات کو جو زمانہ قبل و بعد از جنگ تمام دنیا کے

دُنیا کے رو برُو غیر مشروط طور پر عربوں کے ساتھ کیئے گئے تھے پُورا نہ کیا تو اُس کا مطلب ہوگا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہا ہے۔ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ عربوں کے اندر نہایت شدید احساس پیدا ہو چکا ہے اور حکومت برطانیہ جھلا کر اور جوش میں آکر اعرابِ فلسطین کے خلاف نہایت سخت تشدد کے استعمال پر اُتر آئی ہے۔ مسلمانانِ ہندوستان عربوں کے اس منصفانہ اور جرأت آموزانہ جہاد میں اُن کی ہر ممکن امداد کریں گے۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے میں ان کو یہ پیغام بھیجنا چاہتا ہوں کہ اس منصفانہ جنگ میں وہ جس عزم ہمت اور حوصلے کے ساتھ لڑ رہے ہیں وہ انجام کار کامیاب ہو کر رہیں گے۔

مَیں ہندوستان کے ہر شہر، تحصیل، ضلع اور صوبے کے مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عوام کی بہبود و فلاح کے لئے تعمیری اور ترقی پسندانہ پروگرام بنائیں اور مسلمانوں کی معاشرتی اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لئے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کریں۔ مَیں ملک یا صوبوں کی فلاح و ترقی کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ تعاون سے قطعاً گریز نہیں کرتا ہیں آپ حضرات سے یہ درخواست اور اپیل کرتا ہوں۔ کہ تمام مرد، عورتیں اور بچے آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ ڈسٹرکٹ پراونشل اور آل انڈیا مسلم لیگ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بہت جلد بھرتی ہو جاؤ۔ اپنے آپ کو منظم کر کے اپنے اندر وحدتِ مقصد و خیال پیدا کرو اور اپنے آپ کو تربیت یافتہ اور ضبط آشنا سپاہیوں کی طرح آراستہ کرلو۔ اپنے اندر اخوت و رفاقت کے جذبات پیدا کرو۔ اپنے ملک اور قوم کے لئے وفا اور دیانتداری کے ساتھ بے لوث قربانیاں کرو۔ صنعت، مشقت اور قربانی کے بغیر کوئی فرد اور کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ملک کے اندر اس قسم کی طاقتیں موجود ہیں جو تمہیں پریشان اور سرگرداں کریں اور تمہیں ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنا پڑے اور انہی قربانیوں اور آگ کے امتحان سے نکل کر آپ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اور اس طرح اپنے معتقدات و عزائم پر سختی کے ساتھ قائم رہ کر ہی کوئی قوم اپنی سابقہ

سابقہ شاندار روایات کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جو تاریخ عالم میں ہندوستان کے نام کو روشن کر سکتی ہیں۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُن کی تقدیر اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے اور وہ ایک متحد، ٹھوس اور منظم طاقت کی حیثیت سے ہر خطرے اور ہر مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعہ سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے اب تمہیں اپنے اہم فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہیئے یہ نہایت اہم، ضروری اور نتیجہ خیز ہیں کسی فیصلہ سے قبل ایک ہزار بار غور کرو لیکن جس وقت کوئی فیصلہ ہو جائے تو اُس پر شخص واحد کی طرح جم جاؤ۔ آپ کو صداقت شعار اور وفادار رہنا چاہیئے۔ بس اسکے بعد کامیابی اور فتح آپ کے پاؤں چومے گی۔!

۱۔ چودھری خلیق الزماں اور نواب اسمٰعیل خاں کے سامنے مولانا آزاد نے یہی شرط رکھی تھی، جسے ان دونوں بزرگوں نے مسترد کر دیا تھا۔

۲۔ صوبہ سرحد اور آسام میں یہی ہوا۔

۳۔ مثلاً یو، پی میں حافظ ابراہیم بمبئی میں مسٹر نوری سی پی میں مسٹر شریف، اُن میں سے کوئی کبھی بھی کانگرسی نہیں رہا تھا، لیکن وزارت نے کانگرسی بنا دیا۔

۴۔ کانگرسی حکومتیں صوبوں میں اس پر عامل تھیں۔

۵۔ جس سے مسلمان سخت متنفر تھے، کیونکہ بنکم چندر چٹرجی نے مسلمانوں کی حکومت اور اقتدار کے خلاف جو ناول لکھا تھا۔ یہ ترانہ اس سے لیا گیا تھا۔ نیز اس میں دیویوں اور دیوتاؤں سے دعا کی گئی تھی، ظاہر ہے اس مشرکانہ نغمہ کو مسلمان نہیں اپنا سکتے تھے،

۶۔ مسلمانوں نے اسے اپنا قومی پرچم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

ے حالانکہ انہوں نے حلف اُٹھایا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔

۸ے کیونکہ یہ مسلم وزرا کسی کے حتیٰ کہ اپنے آپ تک کے نمائندے نہیں تھے۔

۹ے لارڈ زٹلینڈ، وزیر ہند۔

۱۰ے "مسلم ماس کینٹکٹ"

یعنی مسلم رابطۂ عوام تحریک یہ جواہرلال نہرو کی ایجاد تھی، لیکن چونکہ اس کی پشت پر عمل نہیں تھا، لہٰذا ناکام ہوئی۔

۱۱ے کانگرس نے اگر یہ صحیح راستہ اختیار کیا ہوتا تو بلاشبہ تعاونِ باہمی کی راہ نکل آئی ہوتی

۱۲ے لارڈ بالفور نے حکومت برطانیہ کی طرف سے پہلی جنگِ عظیم ختم ہونے کے بعد گزشتہ مواعید کے برعکس فلسطین کو وطن الیہود بنانے کا اعلان کیا تھا۔

۱۳ے اس رائل کمیشن نے تقسیم فلسطین کی سفارش کی تھی۔

سنہ ۱۹۳۸ء

جب قائد اعظم نے ملتِ اسلامیہ کو بتایا :۔

فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند
سلک و گوہر کہکشاں و اختر اند
فرد می گیرد ، ز ملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام !

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے اسٹریچی ہال میں تقریر!

کانگریس اور مسلمان!

۵۔ فروری ۱۹۳۸ء

یہ تقریر قائدِ اعظم نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں، یونین کی طرف سے منعقد شدہ ایک جلسے میں ارشاد فرمائی تھی۔

قائدِ اعظم کی یہ تقریر حسبِ معمول ہمہ جہتی ہے۔ اس میں سیاسیات ملی و ملکی کے مختلف گوشوں پر انہوں نے اپنی عدیم النظیر فراست، ذہانت اور قابلیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور بعض ایسے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جو بہت کم لوگوں کی نظر میں تھے۔

اس تقریر کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس میں قائدِ اعظم نے اپنے ان مساعی اتحاد پر بھی روشنی ڈالی ہے جو اپنی سیاسی زندگی کے آغاز سے لے کر آخر وقت تک کرتے رہے تھے۔

(رئیس احمد جعفری)

جنابِ صدر۔ آپ نے کہا ہے مسلمان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ وہ کب آزاد تھا؛ کم از کم اس ملک میں تو ہم ڈیڑھ سو سال سے غلام ہیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ "مسلم نوجوان" ادراک بیری مسے استفادہ کرنے پر تیار ہیں۔ محض ہو حق اور نعروں کے بجائے عملی ذمہ داریوں کو وہ محسوس کرنا چاہتے ہیں۔

قائدِ اعظم نے میثاق لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اس کے لئے کیا مساعی کی تھیں اور کانگرس سے کس قدر قریبی تعاون کیا تھا۔ آپ نے بتایا کہ مسلمانانِ ہند آزادی کی جدوجہد میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ کامل حکومت خود اختیاری کی تمناؤں میں کانگریس

سے ان کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس وقت کانگریس اور لیگ دونوں کا بنیادی اصول یہ تھا کہ دستور میں، وہ جس قسم کا بھی ہو اور جس کسی کا مدون کیا ہوا ہو، تمام اقلیتوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کیا جائے ۱۹۲۱ء سے گول میز کانفرنس کے انعقاد تک ہندو مسلم سوال کے حل کی متعدد کوششیں کی گئیں۔

نہ معلوم اس وقت میری خود داریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلہ کے حل کے لئے اِتنی انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک روزنامے نے اس پر لکھا: "مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال سے کبھی بیزار نہیں ہوتے" لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھکا لگا ہے۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ، ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ بالآخر اتحاد کی توقع ہی اُٹھ گئی۔

اس وقت میرے احساسات پر قنوطیت چھائی ہوئی تھی، میرے جذبات پر مایوسیاں منڈلا رہی تھیں، میں اپنے مُلک سے نا اُمید ہو گیا تھا۔ صورتِ حال بہت ہی بدبختانہ تھی، مسلمان بے یار و مددگار تھے۔ ان کا کوئی پوچھنے والا ہی نہ تھا۔ کبھی تو دولتِ برطانیہ کے کاسہ لیس اور خوشامدی ان کی قیادت کرتے تھے اور کبھی کانگریس کے "معتقد چاکر" ان کی رہنمائی کا دم بھرتے تھے۔ جب کبھی مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی جاتی تو ایک طرف ٹوڈی اور خوشامدی اور دوسری طرف کانگریسی چھاؤنی کے غدار ایسی کوششوں کو بے اثر کر دیتے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں نہ ہندوستان کی مدد کر سکتا ہوں نہ ہندو ذہنیت کو بدل سکتا ہوں اور نہ مسلمانوں کو ان کی نازک حالت کا یقین دلا سکتا ہوں۔

احساسِ پستی اس قدر بڑھا کہ میں نے لندن ہی میں اقامت گزینی کی ٹھان لی۔ اس لئے نہیں

کہ مجھے ہندوستان سے محبت نہیں رہی تھی بلکہ اس لئے کہ مجھے اپنی بیچارگیوں کا احساس ہو گیا تھا۔ تاہم میں نے ہندوستان سے برابر ربط قائم رکھا۔ پورے چار سال کے آخر میں میں نے دیکھا کہ مسلمان شدید خطرے میں ہیں۔

میں لندن میں بیٹھا ہوا ان کی بھلائی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کر لیا، لیکن میں بے یار و مددگار تھا، میری حیثیت ایک بے بلائے مہمان کی سی رہ گئی تھی اور میرے ساتھ سلوک بھی ایسا ہی کیا گیا۔ جس کا ایک بن بلایا مہمان مستحق ہوتا ہے۔

بہرحال ۱۹۳۵ء میں میں نے صوبہ واری انتخابات کے سلسلے میں صدر کانگریس سے گفت و شنید کی اس نتیجہ کے طور پر ایک ضابطہ (فارمولا) مرتب ہوا۔ لیکن ہندوؤں نے اسے ناپسند کیا۔ ۱۹۳۶ء میں میں نے کانگریس سے اپیل کی کہ "جو کچھ ہوا سو ہوا"۔ اب "فرقہ وار عطیہ" کی تلخ بحثوں کو ختم کر دو۔ یہ اچھا یا برا جیسا بھی ہوا اسے یوں ہی رہنے دو تا آنکہ ہم ایک متفقہ حل نہ دریافت کر لیں۔ اب ہمیں اس سے اہم امور کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے"۔

جب میں نے محسوس کیا کہ حصول اتحاد کے سارے طریقے آزمائے جا چکے ہیں تو میں نے مڑ کر حالات کا جائزہ لیا کہ وہ کس امر کے متقاضی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ادھر تو جدید دستور کی آمد آمد ہے۔

اور یہاں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک ہم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ مایوسیوں نے مجھے اور بے باک کر دیا اور میں نے اپریل ۱۹۳۶ء کو کل ہند مسلم لیگ کا اجلاس طلب کیا۔ اس میں یہ طے ہوا کہ صوبہ واری انتخابات میں حصہ لیا جائے ہر سمت سے اس فیصلہ کی مخالفت ہوئی۔ نہ صرف کانگریس بلکہ بہت سے "اپنوں" نے بھی اس کی مخالفت کی۔

ابتدائی تنظیمی اداروں کے بغیر، انتہائی بے سروسامانی اور ناکافی وسائل کے باوجود

اس انتخابی مہم میں لیگ کو ایک معقول حد تک کامیابی ہوئی، ہماری اکثریت کے بعض صوبوں کی مجالس آئین ساز میں مسلم لیگ کی جماعتیں تک نہ تھیں۔ بہرحال ۱۹۳۶ء سے ہم نے عزم و استقلال کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے نتائج حیرت انگیز نکلے (نعرہ تحسین)

آیئے اب ہم اپنی حیثیت پر پھر ایک دفعہ نظر ڈال لیں۔ سب سے پہلے تو دفتری ذہنیت اور نوکرشاہی مزاج کو لیجئے۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ان کو مسلمانوں پر تصرف قدیم کی بنا پر ایک حق حاصل ہے۔ وہ کہتے تھے کہ "اگر یہ جناح دخل انداز ہوا تو مسلمان ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے"۔ اور ہوا بھی یہی! خدا کا شکر ہے کہ مسلمان آج ان کی دسترس سے باہر ہیں۔

لیکن اب اختیارات ایک حد تک فرقہ اکثریت کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے ہیں۔

یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ حکومت برطانیہ اب مسلمانوں کی دستگیری پر مائل نہیں نظر آتی۔ بلکہ انہیں بھیڑیوں کے آگے ڈال رہی ہے۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا۔

مسلم لیگ نے بہت بڑی حد تک مسلمانوں کو برطانوی راج کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے لیکن اب ایک اور طاقت سامنے آئی ہے جس کا ادعا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کی جانشین ہے۔ آپ اس کو جس نام سے چاہیں پکاریں، لیکن وہ اصل میں "ہندو" اور "ہندو راج" ہے۔

سیاسی بولی میٹھی تو ہوتی ہے مگر گمراہ کن! اس لئے میں سیدھی سادی زبان میں گفتگو کروں گا۔ کانگریس کی روش کیا ہے؛ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "مسلم لیگ ٹوڈیوں پر مشتمل ایک رجعت پسند جماعت ہے۔ اور برطانوی شہنشاہیت کی معاون ہے"۔ یوں لیگ کو قابلِ ملامت قرار دیا گیا۔ خیر! مسلم لیگ نے کیا کیا، مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ حالاتِ حاضرہ کے مدِنظر صوبجاتی دستور سے بقدر افادیت استفادہ کیا جائے۔ اس کے برعکس کانگرس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس دستور کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ لیگ نے ایک نہایت پُرجوش قومی نظام عمل

منظور کیا تھا لیکن کانگرس نے ذرا بھی صبر سے کام نہ لیا۔

ہم اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ لیگ کو مسلمانوں کی کامل نمائندہ جماعت بنایا جائے لیکن کانگریسی پریس میری غلط تعبیریں کر رہا تھا، مجھ پر تہمتیں تراش رہا تھا۔

اُنہوں نے مجھے فرقہ پرست کا خطاب دیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ "خیر، جناح سچے ہوں تو ہوں لیکن ان کے اطراف ایسے ٹوڈی اور خوشامدی جمع ہیں کہ ایک دن انہیں نگل جائیں گے" وہ مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کے لئے ہر موقع پر ایک نہ ایک بہانہ تراش لیا کرتے تھے۔

کانگرس نے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو زہر آلود کرنے کی کوشش کی۔ اور انہیں ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ سمجھنے لگے واقعی کانگرس آزادی کامل کی علمبردار ہے، اور وہ افلاس اور فاقوں کا خاتمہ کر دے گی ——— لیکن درحقیقت کانگرس کا مقصد کیا تھا؛ وہ حکومت برطانیہ سے بعض عہد و پیمان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ اب وہ اسی دستور سے نہ صرف استفادہ کر رہے ہیں بلکہ اس پر پوری طرح عمل پیرا ہیں جس کو تباہ کر دینے کا انہوں نے بڑی شد و مد سے دعویٰ کیا تھا۔

مسلمانوں کو بھی اُنہوں نے طرح طرح کی احمقانہ ضمانتیں دیں۔ ایک صوبہ میں ایک کانگریسی وزیر نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا کہ "اگر کسی نے کسی مسجد کی ایک اینٹ کو بھی چھیڑا تو وہ اپنی جانِ عزیز قربان کر دیں گے"۔ یہ تو بڑی شریف النفسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں ہوا کیا؛ اسی صوبہ بہار میں رائج وہی کے مروجہ اصول تعددِ آرا کو برخاست کر دیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے انتخاب میں ایک مسلمان بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ ہم ضمانتوں اور خیر اندیشیوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے دنیائے سیاست میں خیر اندیشی، الفت محبت اور پاس خاطر اسی وقت ہوگا۔ جب آپ طاقت ور ہیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی کمزوریوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ آپ کو قوت و توانائی

ہے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

جب تمہیں فاقہ اور افلاس کی دلخراش داستانیں سنائی جائیں جب تم سے کہا جائے کہ آؤ۔ اس دردناک حالت کو بدل دیں! کانگریس حصول آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ ایک اشتمالی اور اشتراکیت حکومت کے لئے لڑ رہی ہے، اقتصادیات ہی وہ مسئلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں تو ہم دوچار ہیں تو یقیناً تم مضطرب ہو جاؤ گے، مجھے اعتراف ہے کہ بعض اوقات خود میرا دل دہل گیا، غرض ایسی باتوں سے ہمارے نوجوانوں کے کان مسلسل بھرے گئے۔

جب تمہیں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ تم ایک ہی وار میں حکومت برطانیہ، زمینداروں، اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کر سکو گے تو یورپ کے حالات پر نظر ڈالو!

جرمنی میں نازیت کے قیام کا باعث اشتراکی اور اشتمالی تحریکات ہی ہوئیں اطالیہ میں فاشسٹی تحریک کا ظہور بھی انہیں وجوہات پر مبنی ہے۔ ہسپانیہ کی خانہ جنگی کا سبب کیا ہے؛ یہ وہی امر تنقیح طلب ہے ——— صدر کانگریس سے جب سوال کیا گیا کہ وہ اس عجیب و غریب نظام العمل کی تکمیل کب تک کر سکیں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ میری زندگی کے اندر اندر، اور اس کے ساتھ کہا کہ "جب ہم طاقتور ہو جائیں گے تو دستور کا خاتمہ کر دیں گے۔ مگر "نوک قلم" سے نہیں!" لیکن سوال یہ ہے کہ آخر کب تک اس "نوک قلم" کو جوان کے ہاتھ میں ہے یونہی پکڑے رہیں گے؟ (قہقہہ)

ہندوستان میں ہماری تربیت برطانی پارلیمانی جمہوریت کے روایات کے تحت ہوئی ہے یہ دستور جو ہمارے سر تھوپا گیا ہے۔ کم و بیش برطانوی طرز پر مرتب کیا گیا ہے، لیکن اس ملک اور انگلستان کی مملکت میں بنیادی تفاوت ہے برطانیہ میں اکثریت کی جماعتیں تغیر پذیر ہوتی ہیں ان کا رنگ روپ اور ان کی طاقت و قوت آئے۔ دن بدلتی رہتی ہے۔

آج قدامت پرستوں کی حکومت ہے تو کل حریت پسندوں کی اور پرسوں مزدوروں کی

لیکن ہندوستان میں حال نہیں ہے۔

یہاں ایک مستقل ہندو اکثریت ہے اور باقی اقلیتیں ہیں ۔ جو کسی قابلِ قیاس مدت کے دوران میں اکثریت بن جانے کی توقع نہیں کر سکتیں۔ ہوسکتا ہے کہ اکثریت غیر فرقہ واری نقاب اوڑھ لے لیکن وہ اپنی سرشت اور اپنے افعال و اعمال میں بلا شرکت غیرے "ہندو" ہی رہے گی۔

اقلیتوں کے لئے صرف یہی ایک امید ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی تنظیم کر لیں اور اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اختیارات کا ایک معین اور فیصلہ کن حصہ حاصل کر لیں ایسے اختیار کے بغیر کوئی دستور ہندوستان میں کامیابی سے نہیں چلایا جاسکتا۔

میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ لیگ کے نظام میں شریک ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں نے اتحاد و اتفاق کر لیا تو آپ کی توقع اور اندازے سے کہیں پہلے سمجھوتہ ہو جائے گا لیکن حصول آزادی سے پہلے اپنے استحقاق کو منوانا ہوگا۔ چند ہی مہینوں کے کام سے لیگ کا نام ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا ہے۔ لاکھوں اشخاص اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ ایک دن وہ لوگ بھی جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں محسوس کریں گے کہ وہ ایک سنگین مغالطے میں مبتلا ہیں۔ اور ان کے لئے صحیح طریقہ کار یہی ہوسکتا ہے کہ وہ لیگ میں شریک ہو جائیں۔ اور سارے مسلمانوں کی آواز ایک اور صرف ایک ہو۔ (نعرۂ تحسین)

مجھے یقین ہے اور آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ کانگریس کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کیا جائے۔ یہ برطانوی حکومت کی وہی پرانی چالیں ہیں۔ وہ (کانگریسی) اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ تم کہیں ان کی چالوں میں نہ آجانا! اسلامیوں کے لئے یہ موت و حیات کے لمحات ہیں، مجھ سے یہ سن رکھو، اگر مسلمانوں میں باہمی اتحاد نہ ہو تو وہ کسی قیمت پر بھی تباہی سے بچ نہیں سکتے۔

آخر ہندؤوں اور مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ اگر کل وردھا کوئی فیصلہ کر کے حکم جاری کردے تو لاکھوں ہندو اس کی تعمیل کرنے لگیں گے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ فرض کرو مسلم لیگ کوئی حکم جاری کردے تو کیا ہوگا؟ ہم کافی طور پر لیس اور تربیت یافتہ نہیں ہیں اسی وجہ سے تعمیل کے لئے لاکھوں مسلمان فراہم کرنا مشکل ہوگا۔

برطانی حکومت یہ دیکھتی رہتی ہے کہ کانگریس کیا کر رہی ہے اور برطانی حکمت عملی کا کانگرسی چھاؤنی میں کیا ردعمل ہونے والا ہے۔ لیکن کیا حکومت تمہارے افعال و اعمال کی بھی پرواہ کرتی ہے؟ نہیں، کیونکہ تم ایک منظم قوت نہیں ہو پس تم اپنی طاقت بڑھاؤ اور باہمی اتحاد کو استوار کرو۔

مسلم لیگ نے آزادی حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے لیکن یہ آزادی نہ صرف مقتدر اور طاقتور کے لئے ہوگی بلکہ کمزور اور مجبور کے لئے بھی ہوگی۔ (طویل نعرہ ہائے تحسین)

۱؎ کانگرس نے صوبائی وزارتیں تشکیل کرتے وقت کہا تھا:-

"ہم اس دستور کو روبہ عمل لانے (ورک) کے لئے
نہیں اُسے خاک میں ملانے (ریک) کرنے کے لئے
وزارتیں قبول کر رہے ہیں!"

لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ کانگرس کی وزارتیں دستور کو تو بہت اچھی طرح روبہ عمل لائیں۔ البتہ جمہوریت اور ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو خاک میں ملانے کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔

۲؎ اصول تعدد آرا کا مطلب یہ ہے کہ ووٹر اتنے ووٹ کا مالک ہوتا ہے جتنے امیدوار ہوں، اور ووٹر کو حق

ہوتا ہے کہ وہ اپنے جملہ ووٹ کسی ایک اُمیدوار کو دے دے یا چند میں منقسم کر دے۔

۳۔ سی پی کا ایک قصبہ جہاں آخر میں گاندھی جی نے مستقل اقامت اختیار کر لی تھی، یہاں رہتے وقت اُنہوں نے عہد کیا تھا، کہ جب تک ہندوستان آزاد نہیں ہو جاتا، وہ اپنے اصل مرکز سابرمتی آشرم احمدآباد (گجرات) میں قدم نہیں رکھیں گے۔!

کلکتہ کے ہنگامہ خیز اجلاس کا خطبۂ صدارت

۱۷ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء

اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسٹر جناح کے زیر صدارت بمقام لکھنؤ منعقد ہوُا، یہ اجلاس لیگ کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا تھا، یوپی جواہر لال پنت، سمپورنانند، اور دوسرے سر برآوردہ کانگرسی زعماء کا وطن تھا، ان سب کی خواہش تھی کہ لیگ کا احیاء یہاں سے نہ ہو، لیکن جواں سال اور جواں بخت راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد نے تن من دھن کی بازی لگا کر یہ چیلنج قبول کیا، لیگ کا اجلاس ہوا، اور اس شان سے ہوا کہ واقعی دفعتہً لیگ آن کی آن میں مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی سب سے زیادہ منظم، اور سب سے زیادہ عوامی اور تنہا نمائندہ جماعت بن گئی، اس اجلاس میں سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب اور مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال نے لیگ سے اپنی وابستگی کا اعلان کیا۔

اجلاس لکھنؤ کے پندرہ مہینے بعد لیگ کا ایک ہنگامی اور اہم ترین اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا، اب تک مسٹر جناح صرف مسٹر جناح تھے، اب قیادتِ عظمٰی کا تاج اُن کے سر تک پہنچ رہا ہے، پہلے وہ صرف اپنے نمائندے تھے، اس لئے تقریروں میں وہ جوش وصداقت وہ ہمہمہ نہ تھا جو اب تھا، کیونکہ اب وہ مسلمانان ہند کے واحد نمائندے بن چکے تھے۔

رئیس احمد جعفری

ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے کے موقع پر مجھے اس بات سے بیحد خوشی

ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک عام سیاسی بے چینی پیدا ہو گئی ہے، اور ہر شخص مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آجانے کے لئے بیقرار اور جذبۂ شوق سے سرشار ہے۔

لوگوں پر جو ظلم بیجا کیا جا رہا تھا اس سے کسی حد تک ہم نے انہیں خلاصی دی ہے، اپنی جدوجہد میں عورتوں کو بھی شریک کار بنانے کے لیئے ہم کوشش کر رہے ہیں اور بہت سے مقامات پر میں نے عورتوں کو جلسوں میں نمایاں حصّہ لیتے ہوئے پایا چھ ماہ سے کم مدت کے اندر اندر ہم لوگوں نے مسلمانوں کو اس طرح خواب غفلت سے بیدار کر کے ان کی تنظیم کی ہے کہ اس کامیابی کو دیکھ کر ہمارے مخالفین متحیر ہیں، اب مسلمانوں کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا، اور اگر آج وہ متحد ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں تو دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے، جو انہیں مغلوب کر دے، لیگ کا سالانہ اجلاس جو لکھنؤ میں اکتوبر ۱۹۳۷ء منعقد ہوا تھا، اسے گذرے صرف چھ ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے لیگ کی تاریخ میں گذشتہ اجلاس بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، بغیر مبالغہ میں یہ کہتا ہوں کہ لکھنؤ کے اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک نئی زندگی اور نئی روح پھونک دی ہے۔

لکھنؤ کا جوش و خروش ہنوز لوگوں میں باقی ہے اور روز بروز لیگ کی طاقت بڑھتی جا رہی ہے، لکھنؤ کے اجلاس سے قبل لیگ کے جھنڈے کے نیچے مسلمان جوق در جوق لاکھوں کی تعداد میں آ گئے ہیں اور آ رہے ہیں، ہم لوگوں کے نئے جمہوری آئین کے مطابق بارہ صوبوں میں سے دس صوبوں میں صوبائی لیگیں قائم ہو چکی ہیں، اور دسٹرکٹ اور پرائمری شاخیں بھی قائم کی جا چکی ہیں۔ آج میں فخر کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہر محب وطن مسلمان مسلم لیگ کے حلقے میں آ گیا ہے، ہر مسلمان کے گھر میں لیگ کا چرچا ہے، اگر ہم لوگوں میں یہی جوش و خروش قائم رہا تو بغیر کسی شک و شبہ کے آل انڈیا مسلم لیگ کی طاقت اتنی مستحکم ہو جائے گی کہ اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے ۱۸ فروری کی تاریخ یوم شہید گنج منانے کے لئے مقرر کی تھی، سارے ہندوستان میں جلسے منعقد ہوئے اور لیگ کے دفتر میں جو رپورٹیں آئی ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لیگ کی آواز ملک کے دُور دراز گوشوں میں بھی پہنچی، ہر چھوٹے اور بڑے شہر کے علاوہ چند دیہاتوں میں بھی لیگ کی اس قرارداد پر عمل کیا گیا،

ہندوستان کے سارے مسلمانوں کی نظر اس وقت شہید گنج کی مسجد کی طرف لگی ہے۔ اور ہر شخص کے دماغ میں یہی خیال موجزن ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ اُن کے جذبات اور احساسات بالکل صحیح درست اور حقیقی ہیں اور مسجد کو منہدم کر کے اُن کے مذہبی جذبات میں بہت بڑی ٹھیس لگائی گئی ہے۔ سکھ جیسے معزز فرقہ کی اس ناروا حرکت سے ہمیں افسوس اور صدمہ پہنچا ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ دونوں جماعتوں کے چند افراد نے اس معاملہ کو اور بھی زیادہ طول دے دیا اگر ہر دو فریق کے دلوں میں اخلاقی عہد و پیمان کا احساس ہو جائے، اور وہ اپنی اپنی ناروا حرکتوں سے منہ موڑ لیں، تو یہ مسئلہ ابھی فوراً حل ہو جائے آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے اسکے متعلق جو قرارداد منظور کی ہے اُسے میں اس اجلاس میں موجودہ مندوبین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

قرارداد حسب ذیل ہے:۔

"شہید گنج کے مسئلہ سے متعلق وزیر اعظم پنجاب نے اپنے اعلان کے ذریعہ یقین دلایا ہے کہ اگر مسلم اراکین کی اکثریت کو ان پر اعتماد نہ ہو تو وہ وزارت سے مستعفی ہو جائینگے کونسل اس بات کی تعریف کرتی ہے کہ سر سکندر حیات خان اور ان کی حکومت کو اس معاملہ میں کافی دلچسپی ہے اور اس مسئلہ کی نازک صورت ان کے ذہن نشین ہو گئی ہے، اور اس مسئلہ کو منصفانہ طور سے حل کرنے کے لئے کوشش کرنے کا جو اعلان اُنھوں نے کیا ہے وہ کونسل کے خیال میں بہت ہی بہتر صورت ہے، بہتر ہوتا کہ ہر دو فریق آپس میں تصفیہ کر لیتے اور اگر بدنصیبی سے آپس میں سمجھوتہ نہ ہوا تو یہ ملک کے لئے بہت ہی منحوس اور مضر ثابت ہوگا"

اور اس صورت میں کونسل حکومت پنجاب کے اس فیصلہ سے اتفاق رکھتی ہے، جس کی رُو سے اُس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اپنے اختیارات کے مطابق وہ کوئی بھی آئینی کارروائی کرنے سے حتی الامکان باز نہ آئے گی، اور اس کے متعلق آخری فیصلہ کے لئے پالیسی و طرزِ عمل کے قرار دینے کا اختیار چونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کو حاصل ہے، اسلئے کونسل اس اثناء میں اس معاملہ کو حل کرنے کے لئے ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔"

خواتین و حضرات اب شہید گنج کے متعلق جائز پالیسی و پروگرام و آئندہ طرزِ عمل کو قرار دینے و مرتب کرنے کی ذمہ داری آپ لوگوں پر ہے گیارہ صوبائی مجالس مقننہ میں سے سات کے اندر مسلم لیگ جماعت نے اپنا سکہ جما لیا ہے، ان سات صوبائی اسمبلیوں کے مسلم اراکین کی زیادہ تر تعداد کا تعلق مسلم لیگ کی جماعت سے ہے، اور دن بدن لیگ پارٹی کی رکنیت میں اضافہ ہو رہا ہے، چند صوبوں کے لیجسلیٹو اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی، لیگ کی کونسل نے مسلمانوں کی اقتصادی تعلیمی و اخلاقی اصلاح کے لئے ایک پروگرام تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی ہے، کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار نہایت دلچسپی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

صوبہ متحدہ و چند دیگر صوبجات میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں اس پر ہم نہایت ہی غم و افسوس کا اظہار کرتے ہیں، ان صوبوں کے کانگرسی وزراء اعلانیہ طور پر ان فسادات کی ساری ذمہ داری مسلم لیگ پر ڈال رہے ہیں، حکومت کے ایک وزیر کی زبان سے اس قسم کے بے بنیاد بیانات کا نکلنا کتنا قابلِ افسوس ہے، مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے پروپیگنڈے کئے جا رہے ہیں، لیکن باوجود اس کے اگر خداوند پاک کو یہ منظور ہوگا تو مسلم لیگ روز بروز دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی جائیگی چند مہینے قبل تک مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا کوئی مرکز نہ تھا، لیکن اب کسی

شخص کی مجال نہیں ہے کہ وہ اُن پر اُنگلی اُٹھا سکے، مسلمانوں کو اس کا احساس ہو گیا ہے، کہ اُن کی نجات کا راز مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے منظم ہو جانے میں ہے۔ چند صوبوں میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں عائد کی جارہی ہیں اور ان کے ساتھ بے جا سلوک اور بے انصافی برتی جارہی ہے، ان لوگوں کے اور خصوصاً آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین اور کارکنوں نے مرکزی دفتر میں صوبائی حکومت کے خلاف بے انتہا شکایتیں ارسال کی ہیں، لہٰذا اس کے متعلق تحقیقات کر کے حسب قاعدہ ضرور کارروائی کو انجام دے کر اس کی رپورٹ مرتب کرنے کے لئے کونسل نے راجہ صاحب محمد مہدی صاحب کی صدارت میں ایک خاص کمیٹی مقرر کی ہے اور کونسل نے صدر کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ جماعت قائم کرنے کا مجھے مکمل اختیار عطا کیا ہے۔

اس قرارداد کے مطابق دونوں ہاؤس کے مرکزی واضعان قوانین میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی جاچکی ہے، مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں لیگ پارٹی اپنے فرائض کی انجام دہی شروع کر دے گی۔

ہری پورہ میں صدر کانگرس اور دیگر چند کانگرسی لیڈروں نے ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خواہش ظاہر کی ہے، اور اسکے مطابق مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے خط و کتابت کی ہے، اور ہنوز سلسلہ خط و کتابت جاری ہے، میں نے ان خطوط کا جواب بھی انہیں ارسال کر دیا ہے، لیکن باوجود اسکے کانگرس مسلم لیگ کو خاص طور سے ختم کر دینے کے لئے کسی کوشش سے باز نہیں آرہی ہے، کانگرس کا منشا یہ ہے کہ اولاً فرقہ وارانہ عطیہ (کمیونل اوارڈ) کو مٹا دیا جائے، دوسرے جداگانہ انتخابات نہ ہونا چاہیئے، تیسرے کسی جماعت کے لئے نشستیں مقررہ مخصوص نہ کی جائیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان نہ تو مجلس واضعان قوانین میں نظر آئیں گے، اور نہ میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں مثال کے طور پر صوبہ بہار کے نئے انتخابات پر غور کیجئے۔ زبان مذہب اور تہذیب وغیرہ اساسی حقوق

سے متعلق کانگرس نے اپنی قرار داد کے ذریعہ جو اعلان کیا ہے وہ محض کاغذی تجویز ہے کانگرس نے وزارت کے مسند پر جلوا افروز ہوتے ہی باوجود سخت مخالفت کے مجلس مقننہ میں بندے ماترم کا ترانہ جاری کیا، ہندی کو لازمی زبان قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اردو کو مٹانے کا یہ پہلا زینہ ہے، علاوہ ازیں ہندی میں سنسکرت ادب و ہندو فلسفہ و خیالات شامل کر کے مسلم بچوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے، ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی آزادی میں بھی مداخلت شروع کر دی گئی ہے، کانگرس کا برابر یہ دستور رہا کہ کہنے کو وہ بہت کچھ کہا کرتی ہے، لیکن کرتی ہے کچھ اور ہی ،

کانگرس سراسر ہندو جماعت ہے مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بار کانگرس کو یہ جتا دیا ہے کہ اُن کی آئندہ تقدیر اور قسمت کا دار و مدار حکومت اور ملک کے انتظام میں اُن اُن کی سیاسی حقوق کے حصول و قومی زندگی میں واجب حصہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لئے وہ اس وقت تک برسر پیکار رہیں گے، جب تک ہندو راج کا خواب و خیال کانگرس کے دل و دماغ سے بالکل مفقود نہ ہو جائے گا۔ جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح رہے گی کانگرس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارا نہیں کریں گے مسلم لیگ کانگرس یا دیگر ایسی جماعتوں کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتی ہے مسلم لیگ کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا دسترخوان ہر فرقہ کے لئے عام طور سے بچھا ہوا ہے، اور وہ ہر فرقہ کے حقوق کے تحفظ کو اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔ کانگرس کا موجودہ طرز عمل اور پالیسی بہت غلط ہے، یہ لوگ اس خیال میں پھولے نہیں سما رہے ہیں کہ چند صوبوں پر ان لوگوں کا مکمل قبضہ ہو گیا ہے، اور ساتویں صوبے میں یعنی سرحد میں بھی بہت حد تک انہیں کی شنوائی اور اثر ہے۔ اور ڈنکے کی چوٹ وہ اعلان کرتے ہیں، اور نیز ان کا یہ خیال ہے کہ بہت ہی جلد بقیہ چار صوبے بھی کانگرس مائی کمان کے فاتح اعظم کے قدموں پر آ گریں گے[۸]

ہمیں بہت سے مصائب اور تکالیف کے دور گزرنا ہے، ہمارے دشمن ہماری ہستی کو فنا کرنے کے لیے حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اُٹھا چھوڑیں گے، وہ ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑیں گے، ہمیں قتل کریں گے، لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ ان تکالیف کے متحمل ہونے کے بعد ہم اور بھی زیادہ مضبوط اور قوی ثابت ہوں گے۔

۱ے مسجد شہید گنج لاہور، جو عرصہ سے سکھوں کے قبضے میں تھی، پھر انہوں نے اُسے شہید کر دیا اور وہاں گوردوارہ بنالیا، اس واقعہ نے سارے ہندوستان میں بالعموم اور لاہور میں بالخصوص تہلکہ مچا دیا۔ سکھوں کی لاکھ لاکھ منت کی گئی، مگر وہ باز نہ آئے، جب مسجد منہدم ہورہی تھی تو مسلمانوں نے مزاحمت کرنا چاہی، گولی چلی اور بہت سے مسلمان ہلاک اور مجروح ہوئے۔

یہ مسجد اب تک گوردوارے کی صورت میں موجود ہے اور حکومت پاکستان کی طرف سے پہرے دار مقرر ہیں کہ وہ اسے کسی طرح کا زیاں نہ پہنچائیں۔

۲ے یہ کمیٹی نواب کمال یار جنگ کی صدارت میں قائم ہوئی تھی۔

۳ے یہ کمیٹی "پیر پور کمیٹی" کے نام سے مشہور ہے۔

۴ے یہ لیگ کے عظیم الشان اجلاس لکھنؤ کا کرشمہ تھا۔ ورنہ

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام ؟

۵ے نئے حلقہ ہائے انتخاب اس طرح ترتیب دیئے گئے کہ جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور جہاں سے وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے تھے، وہاں سے بھی منتخب نہ ہو سکے۔

۶ے ہندو صوبوں کی مجالس آئین ساز کی کارروائی کا آغاز بندے ماترم کے ترانے سے کیا جانے لگا تھا۔

۷؎ کیونکہ سرحد میں اب تک خان برادران یعنی عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب کا اثر
تھا، اور یہ دونوں غیر مشروط طور پر کانگریس کے ساتھ تھے۔

۸؎ یعنی پنجاب، بنگال، آسام اور سندھ۔

مسودہ قانون فوجداری

۲۳ ؍ اگست ۱۹۳۸ء

مفادِ عام سے متعلق کوئی مسودہ قانون بھی مرکزی اسمبلی میں زیرِ بحث آتا تھا تو مسٹر جناح ضرور اس کے مالہ و ماعلیہ پر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ دلائل و براہین کے اسلحہ سے پورے طور پر مسلح ہو کر۔

چنانچہ جب مرکزی اسمبلی میں مسودہ ترمیم قانون فوجداری پیش ہوا، تو مسٹر جناح نے ایک محبِ وطن کی حیثیت سے ایک حق گو اور حق پرست کی حیثیت سے اپنے تاثرات ایوان کے سامنے پیش کیے۔

یہ تقریر بھی قائداعظم کی اہم ترین تقریروں میں شمار کی جاتی ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

جنابِ والا! آج کی بحث میں اس قدر گرما گرمی روا رکھی گئی ہے اور جوش و ولولہ دکھایا گیا ہے کہ اس برق وش فضا میں ٹھنڈے دل سے دلائل پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اپنی پارٹی کی رائے چاہے وہ قابلِ قدر ہو یا بے وزن اس ایوان کی خدمت میں پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کی بحث میں جس نسبت سے جذبات کو اکسائے جائیں گے اور گرمی دکھائی جائیگی اسی نسبت سے دلائل و براہین اور عام فہم کی گنجائش نہ رہیگی۔ اس کے بعد مجھے بصد رنج کہنا پڑتا ہے کہ حزبِ مخالف کے لیڈر نے بعض ایسے الفاظ استعمال کیے جن کا زبان پر لانا ہی بہتر تھا۔ ہاں اگر کوئی معمولی یا پس رو ممبر ایسی باتیں کہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔

بہر حال میں موصوف کے دعویٰ اور دلائل کو لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اس شخص کو جو مجوزہ قانون کی تائید کرے نادم اور شرمسار ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ بات حزب مخالف کے لیڈر نے کہی اس لئے بہت ہی قابل رنج ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس قانون کی تائید کرنے والا شخص نہ صرف اپنے ملک کی آزادی فروخت کر دے گا بلکہ اسکے حق میں غدار ثابت ہوگا انجام کار موصوف نے خاتمہ کلام میں کچھ اس طرح دھمکیوں سے کام لیا اور اظہار رنج کیا کہ ان کی شایانِ شان نہ تھا۔ چنانچہ مسلم لیگ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آج تمہیں بارسنگ کی طاقت حاصل ہے۔ مگر غالباً یہ صورت ہمیشہ نہ رہے گی۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ جب تمہاری قوت کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

جناب والا! اس کے معنی یہ ہوئے کہ جناب موصوف اس امر کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ کہ ہندوؤں کی بے رحم اکثریت ہمیں کچل دے گی۔ پیس ڈالے گی۔ مگر وہ یہ خیال نہ فرمائیں کہ محض اس وجہ سے ہم اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار حوصلہ مندی کے ساتھ نہ کریں گے۔ جناب والا! کیا اسے کہتے ہیں جمہوریت؟ میں اس رجحان کی مذمت کرتا ہوں اور اسے قابل غم و غصہ قرار دیتا ہوں۔ اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں کیونکہ بلاشبہ یہ امن کے وقار کے منافی ہے۔ انہوں نے اور ان کی پارٹی کے بعض اراکین نے ہمارے خلاف اشارۃً و کنایۃً بہتان تراشی اور ساتھ ہی صراحتاً دشنام طرازی کو کام فرمایا۔ مگر میں ان جھوٹے الزاموں اور اس گالی گلوچ کے متعلق مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ میں اراکین ایوان اور ممبران کانگرس کو جن کے ساتھ ہم خوش قسمتی یا بدقسمتی سے متفق نہیں ہیں۔ یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت ہمیں صرف ملکی مفاد ہند مدِ نظر ہے اور ہماری رائے کی کوئی اور چیز محرک نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ پر سکون خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور کریں۔

جناب والا! مجوزہ قانون کی بحث میں بہت سے زوائد شامل کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ پیرو، چین اور جاوا کا ذکر بھی آگیا۔ نیز اور انواع و اقسام کے معاملات پر بیکار بحث ہوتی

ہمیں جذبات سے بیگانہ ہو کر یہ دیکھنا ہے کہ کیا حالات موجودہ اور اپنی حالت کے پیشِ نظر یہ قانون ضروری ہے یا نہیں ؟ (حکومت کو مخاطب کر کے) کاش ہم اہلِ ہند کچھ کر سکتے ہم آپ کی حکمتِ عملی بخوبی سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی سے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ نہ اُن محرکات کو جو اس کی تہ میں ہیں۔ مگر میں آپ کی دیانتداری تسلیم کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے دیانتدار مانیں۔ آپ اس قانون کو اپنے حق میں اچھا سمجھتے ہیں۔ میں اسے اپنے ملک کے حق میں بُرا قرار دیتا ہوں۔ بہرحال یہ لازم ہے کہ اس پر سکونِ خاطر دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور و فکر اور بحث ہو۔

جناب والا! ہمیں پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ اگر پنجاب کی صوبائی حکومت کو اس قانون کی ضرورت ہے تو اُسے اس کے وضع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں ؟ اس کے متعلق میں نے حزبِ مخالف کے معزز لیڈر اور سرکاری ممبر قانون دونوں کی تقریریں بڑی احتیاط اور توجہ سے سنیں اور جہاں تک میں اس وقت سمجھتا ہوں ممبر قانون نے حکومت ہند کی طرف سے درست حالات پیش کئے مگر نمائندۂ کانگرس نے غلط اندازہ لگایا۔ ان کے دلائل بالکل بے معنی ہیں۔ مگر میری رائے اُن کی رائے کی نسبت غلط ہے۔ تو وہ اس کی اصلاح کر یں۔ حقیقت یہ ہے کہ حزبِ مخالف کے لیڈر نے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے متعلقہ اختیارات قانون سازی از روئے قانون حکومتِ ہند ۱۹۳۵ء کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ اس معاملہ میں قانون ۱۹۳۵ء بالکل واضح ہے۔ حکومت پنجاب کو اپنے خاص حالات کے پیشِ نظر اور ان خطرات سے عہدہ برا ہونے کے لئے جو پیدا ہو سکتے ہیں۔ قانون زیرِ بحث کی ضرورت تو بے شک ہے مگر وضع کرنے کا اختیار نہیں۔ یہ ہے میری رائے۔ اس دُنیا میں کوئی چیز قطعی یقینی نہیں۔ اس لئے میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جس کا پابند بنا دیا جاؤں اور جو آئندہ بطور نظیر میرے خلاف پیش کی جائے۔ بہرحال حکومت پنجاب کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

جناب والا! حکومتِ ہند کی طرف سے ان کے ممبر قانون نے یہ بیان کیا ہے کہ جب

تمام صوبائی حکومتوں سے رائے طلب کی گئی اور انہیں صورت حالات وواقعات سے آگاہ کیا گیا۔ تو ان سب نے ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد حکومت پنجاب کی تائید کی اور اس قانون کے وضع کرنے کی رائے دی۔ اس کے متعلق جو خیالات وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں آئے، اور جس نتیجہ پر میں پہنچا پیش کرتا ہوں۔

جناب والا! مجھے سب سے پہلے اس سوال پر ذہن لڑانا تھا کہ اس قانون کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، بلاشبہ یہ ایک نئے جرم کی تخلیق کرنا ہے۔ اور "کتاب قوانین" میں ایک مکمل قانون سے اضافہ کرنا ہے۔ مگر ہم محض اس لئے اسے وضع نہیں کر سکتے کہ حکومت ہند کی خواہش یہی ہے۔ جب معزز ممبر نے جو اس کام پر مامور ہیں اپنا مدعا اور مقدمہ پیش کیا تو مجھے آزادانہ طور پر کھل کر کہنا چاہیئے کہ میرے ذہن نے مجوزہ قانون کو غیر ضروری قرار دیا میں حیران ہو گیا۔ کیونکہ میں دلائل سے باخبر نہ تھا۔ حکومتِ ہند کو لازم تھا کہ وہ شروع میں ہی اپنے تمام دلائل پیش کر دیتی۔ بہر حال بعد میں میں نے مجوزہ قانون کا مزید امتحان کیا۔ چنانچہ میں نے آنریبل ہوم ممبر کی تقریر اور بعض دوسری موافق اور تائیدی تقریریں انتہائی توجہ سے سنیں۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف کریں گے کیونکہ میں کسی کو نہ ناراض کرنا چاہتا اور نہ مجھے کسی کا دل دکھانا منظور ہے۔ مگر انجام کار میرے سب شبہات دور ہو گئے۔ اور میں نے تسلیم کر لیا کہ حکومت نے اس قانون کی ضرورت ثابت کر دی، لیکن جو رہا سہا شبہ آنریبل ہوم ممبر کے دلائل کے باوجود باقی رہ گیا تھا کہ فی الحال اور پہلی نظر میں ضرورت ثابت نہیں ہوئی ہے کانگرسی ممبروں کی تقریروں نے کامل طور پر رفع کر دیا۔ ان لوگوں نے جائز یا ناجائز مگر قطعی اور صاف طور پر اس امر کا اعلان کیا کہ ہم فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف تقریر کریں گے اور یہ تحریک جاری رکھیں گے۔ یہی نہیں بلکہ ہم فوجیوں اور نئے بھرتی ہونے والوں میں غدر اور حکم عدولی کے کاموں پر برانگیختہ کریں گے۔"

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

مسٹر جناح - مجھے معلوم ہے کہ حضرات ممبران کانگریس کی تقریریں ایک دوسرے کی تردید اور تنسیخ کرتی رہی ہیں میرے زیر نظر ایک یا دو تقریریں نہیں، معاف کیجئے گا - مگر میں ان سب کے مجموعی نتیجہ پر نگاہ ڈالتا ہوں - ایک ممبر صاحب نے کہا کہ "ہم صلح جوئی کے حق میں ہیں" امر واقعہ یہ ہے کہ ہر ملک میں ایسے دیوانے اور مراقی موجود ہیں جو کامل صلح کے طلبگار ہیں - میں ان ممبر صاحب کو معاف کرتا ہوں - ہر شخص کو اپنی ایک رائے رکھنے کا حق حاصل ہے - خود میں بھی کامل صلح اور ساری دنیا میں کامل صلح کا خواہش مند ہوں - جنگ نہیں ہونی چاہیئے ہماری دُنیا میں امن اور خوشحالی ہونی چاہیئے - اگر جنگ قطعی طور پر ممنوع قرار دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں - میرے لئے یہ سوال مل طلب نہیں کہ صلح پر یقین رکھنا چاہیئے یا نہ رکھنا چاہیئے - میرا یقین تو یہ ہے کہ اگر خطرہ ہو تو جس طرف سے مجھے اپنی زندگی بچانا لازم ہے - میں کسی شخص کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا - میں ایک نیک کردار آدمی ہونا چاہتا ہوں، مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ دُنیا کا ہر شخص نیک ہے اور مجھے ضرر پہنچانا نہیں چاہتا - اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ "بہر حال و بہر طور صلح" اور "عدم صلح" کا سوال نہیں بلکہ مردمانِ عمل ہونے کے لحاظ سے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کریں یا نہ کریں - میرا جواب یہ ہے کہ میں تو ضرور اپنے آپ کو بچاؤں گا - یہ ہے میری پہلی گذارش - میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی نے اس قانون کی منظوری کے لئے چھ شرائط لازم قرار دی ہیں - چھ نکات بیان کئے ہیں

ایک ممبر - کچھ اپنے اکیس نکات کے متعلق بھی تو ارشاد ہو -

مسٹر جناح - مسٹر ستیہ مورتی نے سارے معاملہ کو چھ نکات پر محدود کر دیا ہے - مگر بعض دوسرے آنریبل ممبر ان حدود سے باہر بھی چلے گئے - انہوں نے چھ سے زائد چیزیں طلب کیں - حسن سے میں مناسب وقت پر بحث کروں گا - سب سے پہلا اور اصولی سوال اس قانون کی ضرورت کا ہے - میرا خیال غلط ہو یا درست اور مجھے رنج ہو گا اگر میں آنریبل ممبران کانگریس سے کوئی ایسی بات منسوب کروں، جو حقیقت میں انہوں نے پیش نہیں کی - مگر اس کا فیصلہ کرنا ایوان کا

کام ہے کہ ان حضرات کا رجحان کیا ہے اور میں اسکے سمجھنے میں راستی پر ہوں یا نہیں ؛

بہر حال ہمیں قانون مجوزہ پر غور کرنا ہے ۔ میرے تجزیئے کے مطابق دو بڑے بڑے امور بحث طلب ہیں اور ایک تیسرا بھی ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے ۔

پہلے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا جو دیدہ و دانستہ اور بالارادہ کسی فرد یا پبلک کو ملک معظم کی بری، بحری، یا فضائی لشکر میں شامل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرے یہ ہے بھرتی کے متعلق ۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا ۔ جو بغیر باز رکھنے کی کوشش کے پبلک یا کسی فرد کو جو فوج میں شامل ہو چکے ہیں کسی ایسے جرم کے ارتکاب کے لئے برانگیختہ کرے جو بطور غدر یا عدم تعمیل حکم متوجب سزا ہے ۔ قانون کا یہ جزو ایک منظم یا غیر منظم تحریک یا شورش کے متعلق ہے جس کا مدعا فوجیوں کو غدر یا نافرمانی کے لئے اکسانا ہے میں معزز ممبران سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ پہلے تو موجودہ حالات کو اچھی طرح زیر نظر رکھیں ۔ پھر مجھے بتائیں کہ کیا میں اپنے ہم وطنوں کو یہ پیغام بھیجوں کہ فوج میں شامل ہونے سے باز رہیئے ۔ اور اگر آپ شامل ہو جائیں تو غدر کیجئے اور احکام نہ مانیئے ، کیا میں ہندوستان کے عام سپاہیوں اور افسروں کو غدر کے لئے اکساؤں کیا آپ موجودہ حالات میں یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے بہترین فوجیوں کی رہنمائی غدر اور نافرمانی کی جانب کی جائے ۔ آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی سفارش ماننے اور رہنمائی کے مطابق عمل کرنے والے لوگ ہی ہوں گے جو تمہارے بہترین لوگ ہیں ۔ اس کا نتیجہ ان لوگوں کے حق میں کیا ہوگا ؛ کیا ہم یہ پیغام اس ایوان سے بھیج کر خاموش رہیں گے یا اس کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے ایک پروگرام اس شریر النفس حکومت کے خلاف مرتب کرینگے ؛ کیا یہ بات ہمارے اختیار میں ہے ؛ میں ایوان کو اس کے نتائج سے آگاہ کرتا ہوں ۔ تین روز ہوئے مجھے ایک سابقہ قیدی کی دلخراش چٹھی ملی ، جس میں اس نے مجھے اپنی درد بھری داستان سے آگاہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے ۔ میں یہ چٹھی کانگرس پارٹی کو دکھا سکتا ہوں ۔

وہ خود اس کی تصدیق کر لیں کیا میں اپنے سپاہیوں کو جرائم فوجی پر آمادہ کروں تاکہ وہ اس قسم کے خطرات میں پڑیں اور یہ نتیجہ ہو کہ میری بات ماننے والے اپنی زندگی کے اشغال اور وسائل روزی کو برباد کر لیں۔ علاوہ بریں اگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں کوئی بغاوت یا سرکشی حادث ہوئی، تو نقصان جان یقینی ہے۔ فرمائیے تو کیا آپ موجودہ حکومت کی مشین توڑ سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اسکے لئے تیار بھی نہیں۔ پس میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ حکومت کی اصلاح کرنے یا حکومت پر قبضہ پانے کے لئے آپ دیگر وسائل تلاش کیجئے اور کسی قابل عمل طریق پر توجہ مرتکز فرمائیے۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کا مدعا حاصل ہو جائے میں انقلاب سے خائف نہیں ہوں۔ میرے خیال میں ہر ملک کو بغاوت یا سرکشی کا حق حاصل ہے لیکن میں آج اگر اپنی فوج کو کام کساؤں تو اس کا نتیجہ، میرے حق میں تباہ کن ہو گا نہ کہ میرے مخالف کے حق میں جسے میں نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے لئے ایک بیہودہ اور بیکار مصیبت پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے موجودہ رجحان ان اختیار کرنے پر یہی ایک دلیل مجبور کرتی ہے۔

میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی اور دوسرے معزز ممبران نے ہندوستان کی شکایات اور حکومت برطانیہ کے جرائم کا ایک دفتر پیش کیا ہے۔ ان میں فرقہ داری کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر زیر بحث قانون کو فرقہ داری سے یا کسی خاص فرقے سے کوئی دخل نہیں اس لئے میں اسے خارج از بحث رکھوں گا۔ لیکن اگر میرے اس خیال کی تائید میں کسی دلیل کی حاجت ہے تو سنیئے۔ اہل کانگرس کبھی تو مذہب کا نام لے کر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں اور کبھی ان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یا تو جبر سے کام لیں یا دھمکیاں دیں۔ موجودہ بحث میں کانگرسی ممبروں نے مسلم لیگ والوں کو متاثر کرنے کے لئے بلاشبہ یہ رجحان اختیار کیا۔ مسٹر گیڈگل[2] اور بعض دوسرے معزز ممبران نے فلسطین کا مسئلہ چھیڑا میں فلسطین اور وزیرستان کے متعلق ان کے نقطہ نگاہ سے پوری طرح متفق ہوں۔ بہر حال اپنی نیک نیتی کے متعلق آپ کی تشفی کرنے کے لئے

میں کہوں گا کہ ہم فلسطین اور وزیرستان کے باوجود قانون زیر بحث کے اصول سے متفق ہیں چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کے خلاف مسلمانوں کو کانگرس پارٹی کی نسبت کہیں بڑھ کر شکایات ہیں۔ اپنے ملک کی بہتری کے معاملے میں ہم سچے دل سے آپ کے ساتھ متفق ہیں۔ اس کے علاوہ ہم دنیا کے دیگر مسلمانوں کے حق میں جذبات ہمدردی رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہم فلسطین اور وزیرستان میں برطانوی حکمت عملی کو نامنصفانہ اور بے رحمانہ سمجھتے ہیں۔ الغرض ہماری شکایت سخت تر ہے اور آپ کی شکایت سے کہیں بڑھ کر ورنہ ہمیں کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ پیش نہیں کر رہا۔ اس قانون کی تائید سے ہمارا مدعا کیا ہے؛ بس یہی کہ بقول شخصے یہ دو خرابیوں میں سے کمتر خرابی ہے اور چونکہ ناگزیر ہے اور بلحاظ عمل ضروری ہے۔ اس لئے ہم مجبور ہو کر اس کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

حکومت برطانیہ کی فہرست جرائم کے سلسلہ میں ایک معزز ممبر نے کہا کہ میں اس قانون کو ہرگز وضع نہ ہونے دوں گا۔ تاوقتیکہ حکومت برطانیہ آج اس ایوان میں اس امر پر رضامند نہ ہو جائے کہ ہم قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء منسوخ کرتے ہیں اور آپ کو وہی آئین دینگے جو آپ چاہتے ہیں

جناب والا! مسٹر ستیہ مورتی نے بھی بہت کچھ کہا۔ میں ابھی ان کی بعض باتوں سے متفق ہوں۔ میں ان کی تقریر کے چند اقتباسات پڑھتا ہوں۔

اول بھرتی کے ضمن میں وہ اپنی مدد دینے کی پہلی شرط یہ قرار دیتے ہیں کہ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کی ترمیم کی جائے اور ملک کے ڈیفنس (دفاع) پر ایک ذمہ دار وزیر مامور ہو۔"

میری رائے میں یہ ایک مشکل کام ہے جسے وہ آسان سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کیا آپ یہ قانون نامنظور کرنے سے حکومت کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اور حکومت کو راہ پر لانے کے لئے اتنا زور کافی ہے؛ کیا حقیقت میں آپ کا یہی خیال ہے؛

جناب والا! اس کے بعد مسٹر ستیہ مورتی یہ بھی چاہتے ہیں کہ جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو برطانوی افواج اس ملک سے نکال دی جائیں۔ کیا ان کی شرط اجتماعِ ضدین کے برابر نہیں؛ ہم بھی واقعی ان افواج کا اخراج ہی چاہتے ہیں۔ یہی ہے وہ حکمتِ عملی جس پر ہم اصرار کے ساتھ قائم ہیں اور اسکے لئے ہمارے دلائل بھی ناقابلِ جواب اور ناقابلِ شکست ہیں ماسوا اسکے کہ حکومت اس پر رضامند نہیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ افواجِ ہند کامل طور پر ہندوستانی ہوں۔ اور برطانوی عنصر سے معرا ہوں۔ میں کئی سال سے اس کے لیئے لڑ جھگڑ رہا ہوں مگر صرف معمولی کامیابی ہوئی ہو تو ہوئی ہو (کانگرس ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ اپنے بہترین لوگوں کو کیونکہ وہی آپ کی بات پر کان دھریں گے فوج میں عدم شمولیت کا پیغام بھیجنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف نالائق لوگ اور پیسے کے بندے ہی فوج میں داخل ہونگے۔ اس کے ساتھ ہی آپ فی الفور یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ فوج قطعی طور پر ہندوستانی ہو، کیا یہ دونوں مطالبے ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں؛ اچھے سے اچھے اشخاص کو فوج میں شامل ہونے سے روکنا اور بُرے سے بُرے لوگوں کو اس کا موقع دینا قطعی طور پر اجتماعِ ضدین ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم جائز اور بجا طور پر بے صبر ہو رہے ہیں۔ مگر قانون نامنظور کرنے سے کام نہ چلے گا۔ نتائج بُرے ہوں گے مجھے بھی مجوزہ قانون سے اُلفت نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ نامنظوری سے کس کا نقصان ہوگا؛

مسٹر ستیہ مورتی کا تیسرا نکتہ یا یوں کہئے کہ شرط یہ ہے کہ حکومت برطانیہ صاف صاف طور پر اور دیانتداری کے ساتھ ایک لائحہ عمل منظور کرے۔ جس سے زیادہ سے زیادہ بیس برس تک فوج کامل طور پر ہندوستانی ہو جائے؛

میں صدقِ دل سے اس کی تائید کرتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کتنی مدت سے اس تجویز کی وکالت کر رہا ہوں چنانچہ پہلی گول میز کانفرنس

کی مجلس دفاع (ڈیفنس کمیٹی) میں میں نے اس کے متعلق ایک معمولی اور ہلکی سی تجویز پیش کی۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ ایک ہندوستانی ممبر نے بھی تو میری تائید نہ کی۔ میری تجویز فقط اتنی تھی کہ آئندہ افسروں کی بھرتی میں برطانوی نہ لئے جائیں اور صرف ہندوستانیوں تک محدود ہو۔ اگر یہ طریق اختیار کیا جائے تو پھر بھی اندازہ کیا گیا ہے کہ محض اور فقط ہندوستانیوں کو افسر بنانے کے لئے چالیس سال کی مدت درکار ہوگی۔ آپ روئیداد پڑھ کر دیکھئے کہ اس تجویز کے لئے میں تن تنہا جد وجہد کرتا رہا اور کسی ہندوستانی نے میرا ساتھ نہ دیا۔

مسٹر ستیہ مورتی کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ "ہندوستانی افسروں سے اچھا سلوک کیا جائے اور ان کا حوصلہ بڑھایا جائے۔" مگر اس مطالبے کے ساتھ ہی آپ غدر اور عدم تعمیل حکم کے لئے برانگیختہ کر رہے ہیں حالانکہ قانون زیر بحث کا منشا اسی کو روکنا ہے۔

مسٹر ستیہ مورتی کا پانچواں نکتہ یہ کہ قوائد ترتیب لشکر میں اس طرح اصلاح کرے کہ برطانوی اور ہندوستانی افسروں کو رتبہ مساوات حاصل ہو اور نسلی امتیاز برتری دور کر کے ہندوستانی افسران اعلیٰ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ برطانوی افسران ادنیٰ کے حاکم ہوں۔ میں اس کی پوری طرح تائید کرتا ہوں۔

مسٹر ستیہ مورتی کی چھٹی شرط یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو صاف طور پر بتادیا جائے کہ ہندوستانی سپاہی کسی ایسی جنگ میں حصہ نہ لیں گے جو ہندوستان کے مفاد و اغراض کے خلاف ہو۔" میں اس سے بھی کامل طور پر متفق ہوں۔ حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہندوستانی فوج کا وجود اولاً اور زیادہ تر اغراض ہند کے لئے اور ملک کے اندرونی امن وامان اور سلامتی کے لئے ہے۔ مگر ان الفاظ میں ایک رخنہ ہے۔ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یوں کہوں گا کہ ہندوستانی فوج اوّل سے آخر تک اور کامل طور پر ہندوستان کے

مفاد اور اغراض کے لئے ہونی چاہئے۔ اور اگر برطانوی حکومت علاوہ ازیں اس سے کام لے تو صرف ایسی جنگ میں اور ایسی تکلیف یا آفت کے وقت جب کہ ہندوستان کے مفاد و اغراض پر برا اثر ہونے کا اندیشہ ہو اور ہم برضا و رغبت خود حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور اسے مدد دیں۔

بہر حال موجودہ آئین میں ایک رخنہ ہے اور ہندوستانی فوج ایسے ہاتھوں میں ہے اور اس سے کام لینے کے مختار وہ شخص ہیں جو ہمارے سامنے جواب دہ نہیں۔ اس کا کیا علاج کیا جائے؟ مسٹر ستیہ مورتی اور ایک اور صاحب نے فرمایا ہے کہ ۱۹۱۴ء (گزشتہ جنگِ عظیم کا سال آغاز) کا ہندوستان ۱۹۳۸ء کے سال سے مختلف ہے۔ بہت اچھا، مگر اس وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے فرض کیجیے کہ ہم بھرتی کی منزل اور غدر پر برانگیختہ کرنے کی منزل سے گزر کر مجوزہ قانون کو وضع کر چکے ہیں اور جنگ جاری ہو گئی۔ اس کے پیش نظر مختاران برطانیہ ہماری فوج سے کیا اور کیونکر کام لیں گے؟ یا ہم خود کس کام کے روادار ہوں گے اور اس کے متعلق کیا طریق چاہیں گے؟ خوب سمجھ لیجیے کہ ایک انگریز چاہے اس کا دماغ کتنا ہی بھدا کیوں نہ ہو وہ جانتا ہے کہ اس قانون کی تدابیر کے باوجود ہندوستان کی رائے عامہ بھی ہے اور اس کا اثر اور زور بھی

میں نے اپنے معزز دوست لیڈر نیشنلسٹ پارٹی کی تقریر بڑے غور سے سنی ہے جو کچھ انہوں نے فرمایا اور ثابت کرنے کی کوشش کی قابلِ داد ہے۔ چاہے میں ان سے اتفاق کروں یا نہ کروں۔ انہوں نے ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میں ان کے دلائل کا زور تسلیم کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے دوست ڈپٹی پریذیڈنٹ کے دلائل میں زور اور اثر تھا۔ اور انہوں نے بھی ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میرا اور مسٹر اینے کا مقصد اسی امر پر بحث کرنا تھا کہ جنگ کے حادثات ہونے سے پہلے نتائج پر غور کر لیا جائے۔ میری رائے میں اس وقت صورتِ حال یہ نہ ہو گی۔ اگر آپ نے مجوزہ قانون منظور نہ کیا تو حکومت گزشتہ جنگ والا طریق اختیار کرے گی۔ چنانچہ اس نے ہنگامی قانون بطور فرمان وضع کئے

کئے تھے۔ قانون دفاع ہند بنایا تھا اور اسی قسم کے اور کام کئے تھے جو ایسے مواقع پر ہر ملک میں کئے جاتے ہیں۔ کیا آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ جنگ ہوئی تو یہ حکومت خاموش بیٹھی رہے گی؟ قیاس غالب تو یہ ہے کہ ہنگامی قانون ابھی سے تیار کر لئے گئے ہیں اور حکومت کے دفتر میں موجود ہیں۔ سزا کا خطرہ ابھی سے موجود ہے ۱؎ ایک سال، دو سال، پانچ سال مگر میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز ہماری راہ میں حائل ہوگی۔ البتہ یہ شرط ہے کہ ہم اپنے مقصد کے لئے صحیح طریق اختیار کریں۔ پھر خدا نے چاہا تو ہم ہنگامی قوانین اور اس کے پشتیبان نظام کے باوجود حکومت کو اگر اس نے ہماری متابعت نہ کی ساکت اور مفلوج کر سکتے ہیں۔

مولوی عبدالرشید چودھری:۔ بتایئے کیسے؟

مسٹر جناح:۔ جب وقت آئے گا تو بتا دوں گا۔

جناب والا! یہ ہے اولین امر جس پر میں نے ترمیم میں اصرار کیا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ فقط اور محض مقاصد زیر بحث کے موقع پر یہ قانون استعمال میں لایا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب براری نہ کی جائے۔ اس لئے مقامی حکومت کی منظوری کے بغیر اس کے ماتحت کسی شخص کے خلاف استغاثہ دائر نہ کیا جائے اور سزا کی نسبت میرا خیال ہے کہ محض ایک سال کی مدت ہمارا مقصد حاصل کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

۱؎ انڈیا ایکٹ (۱۹۳۵ء) کے مطابق قانون سازی کے اختیارات کی نوعیت یہ تھی۔

(۱) وہ قوانین جو صرف مرکزی حکومت بنا سکتی ہے۔

(۲) وہ قوانین جن کی وضع و تشکیل کا اختیار صوبائی مجلس آئین ساز کو حاصل تھا۔

(۳) وہ قوانین جو گو مرکز کے دائرۂ اختیار سے تعلق رکھتے ہیں لیکن خاص ہنگامی اور ناگزیر حالات میں صوبائی حکومتیں بھی یہ اختیار رکھتی ہیں کہ انہیں وضع کر سکیں۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دوسری جنگِ عظیم کے آثار و علائم ظاہر ہو چکے تھے۔ ہر وقت جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ تھا اس جنگ سے ہندوستان الگ نہیں رہ سکتا تھا۔ اور ہندوستان میں پنجاب ہی وہ صوبہ تھا جو یہ بارِ عظیم اٹھا سکتا تھا۔ لیکن وہاں کانگرسی لیڈر اور کارکن جنگ و دفاع کے خلاف تقریریں کر رہے تھے۔ جس سے فضا مسموم ہوتی جا رہی تھی کیونکہ کانگرس کی ہمدردیاں جرمنی اور جاپان کے ساتھ تھیں۔

ان حالات میں حکومتِ پنجاب نے حکومتِ ہند کی توجہ دلائی، حکومتِ ہند نے زیرِ بحث مسودۂ قانون پیش کر دیا۔ کانگرس نے سر سکندر کی حکومت کو بدنام اور اس کے خلاف عوام کو مشتعل کرنے کے لئے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ قانون خود پنجاب کو بنانا چاہیئے۔ مگر قائدِ اعظم اس پر بضد تھے کہ جنگ اور دفاع کے معاملات مرکز سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا مرکزی حکومت کو یہ کام کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ اگر کانگرس آمادۂ شورش ہو تو صرف پنجاب زد میں آئے۔ حکومتِ ہند سے مقابلہ ہو۔

۲ے پونہ کے مشہور کانگرسی لیڈر جو عرصہ تک آزادیِ ہند کے بعد حکومتِ ہند کے وزیر اور ایک صوبہ کے گورنر بھی رہے۔ پھر مرہٹی صوبہ کے قیام پر اختلاف کے باعث مستعفی ہو گئے۔

۳ے کانگرس کے سابق صدر اور مہاسبھائی لیڈر جو کانگرس سے بغاوت کر کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں بنے، اور آزادی کے بعد اس غداری کا صلہ کانگرس نے یہ دیا کہ بہار کا گورنر بنا دیا۔

سندھ مسلم لیگ کانفرنس کا خطبۂ صدارت

۹ر اکتوبر ۱۹۳۸ء

لیگ یہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تھا، اور اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے یگانہ اور منفرد ثابت ہوا۔ رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! آل سندھ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کا جو شرف آپ نے مجھے بخشا ہے، اس کے لئے میں آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، سندھ کے مسلمانوں کی تنظیم جس خوبی سے آپ نے کی ہے، اس کے لئے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، سندھ کے مسلمانوں کی سیاسی بیداری عدیم المثال ہے۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ قرار دیئے جانے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ نے جو کوشش کی وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ سخت مخالفت کے باوجود سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند آئین عطا کر کے ایک آزاد صوبہ قرار دیا جاچکا ہے۔ اب صوبے کی ترقی و فلاح و بہبود کی ساری ذمہ داری آپ کے سر پر ہے، اور اگر آپ اپنے اختیارات استعمال کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو صوبائی مسلم لیگ اس صوبے کی عنانِ حکومت قطعاً حاصل کر لے گی۔ سنہ ۱۹۳۵ء کے آئین کے رو سے جو حقوق عطا ہوئے ہیں۔ ان میں اگرچہ بہت سی قابل اعتراض ہیں، تاہم سندھ کے لوگوں اور خصوصاً مسلمانوں کی اقتصادی اخلاقی، تعلیمی و سیاسی بیداری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس سے مستفید ہونے کی کوشش کرنے کے لیے اُسے استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ قسمت کی بدنصیبی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ نے سندھ اور سرحد کے لئے انتہائی

جدوجہد کی اور جانفشانی اُٹھائی، مگر نتیجہ یہ ہے کہ یہ دونوں صوبے مسلم لیگ کے دائرہ سے باہر ہیں[1]۔ لیکن مجھے اس بات سے بیحد مسرت حاصل ہوئی کہ سندھ کے مسلمانوں کو اس کا احساس ہو گیا ہے اور اب تسلی بخش علامات رونما ہو رہے ہیں، سب سے افسوسناک واقعہ سرحد کا رہ جاتا ہے، جس کے لئے مسلم لیگ کانگرس کی مخالفت کے باوجود بھی اپنے اصلاحی مطالبات پر جمی رہی اور ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند آخر سرحد میں بھی آئین و اصلاحات کو جاری کراہی کے چھوڑا[2]۔ لیکن افسوس کہ آزاد ہونے پر اور سرحد وار دھا کے نقش قدم کا مرید بنا ہوا ہے[3]، اس پر بھی مجھے کامل یقین ہے کہ سرحد کے مسلمان بہت جلد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آکر ہندوستان کے دیگر مسلمانوں کے مانند اپنے کو مسلم لیگ کا مطیع و فرمانبردار ثابت کر دکھائیں گے، اور وہ لوگ جو پٹھانوں کو گمراہ کر رہے ہیں، یا جنھوں نے گمراہ کر دیا ہے، ان کی قضا اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے جس کا وہ بہت جلد شکار بنیں گے۔

ہماری یہ جدوجہد وزارت یا اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہم اپنے برادرانِ وطن کی تعلیمی و اخلاقی و اقتصادی ترقیات کے مخالف ہیں، جیسا کہ ہمارے خلاف غلط بیانی کی جا رہی ہے، ہم ہندوستان کے ہر فرد و بشر خصوصاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی کے لئے ہر قسم کی کوشش و قربانی کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہیں، مسلم لیگ کی پالیسی اور اس کے لیڈروں پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی جا رہی ہیں۔ کانگرسی پریس اور محکمۂ اطلاعات میں حقیقت کو دبا کر جھوٹ اور لغویات کا انکشاف کیا جا رہا ہے، چھ صوبوں میں وزارت حاصل کرنے کے بعد سے کانگرس کے ہائی کمان نے آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف ایک زبردست وحشیانہ و ظالمانہ و معاندانہ طرز اور رویہ اختیار کر رکھا ہے، وزارت قبول کرنے کے بعد سے کانگرس نے مجلس مقننہ کے لیگ پارٹی کے اراکین کو اچھوت قرار دیا[4] اور نیز یہ قرار دیا کہ ان صوبوں کی وزارتوں

ہیں لیگ کے کسی نمائندے کو اس وقت تک شامل نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ
بغیر کسی شرط کے کانگرس کی پالیسی پروگرام اور عہد نامے پر دستخط نہ کر دے۔ حقیقت
یہ ہے کہ کانگرس حد درجہ متعصب ہے ۱ کانگرس نے مجلس مقننہ میں آغاز کارروائی سے
قبل بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر اُسے گانا شروع کر دیا۔ بُت پرستی کے علاوہ
اس کے الفاظ مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کے خیالات سے پُر ہیں[3] اگرچہ
اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ یہ قومی ترانہ نہیں ہے[4] تاہم اسکولوں اور مجالس میں اس
کو گانے کے لئے اسکول کے حکام کے نام برابر ہدایت نامے و تنبیہات جاری کئے
جا رہے ہیں[1] اگرچہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کانگرس کا جھنڈا قومی جھنڈا نہیں ہے ۱ تاہم
سرکاری اور پبلک اداروں و عمارتوں پر بغیر کسی کے جذبات کا احساس کئے ہوئے
عداوتاً اُسے لہرایا جا رہا ہے۔ صوبوں کے تعلیمی طریقوں کی از سر نو تشکیل کی جا رہی ہے
اور اُسے واردھا اسکیم کے اصول پر جاری کیا جا رہا ہے، جس کا دوسرا نام
"ودیا مندر" کہا جاتا ہے۔ مجلس میں مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کو شکست دینے یا مغلوب
کرنے کے لئے اور ہر مسلمان کو کانگریس کارکن بنانے کے لئے اور کمیونل اوارڈ (فرقہ وارانہ
عطیہ) کا خاتمہ کرنے کے خیال سے "مسلم ماس کونٹیکٹ" شروع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی
تہذیب، طاقت کو نیست و نابود کر دینے کے لئے اردو کا خاتمہ کر کے سنسکرت آمیز
ہندی ہندوستان کی عام زبان قرار دی جا رہی ہے، ملازمت صرف ان لوگوں کے
لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ جو لیگ سے علیٰحدگی اختیار کرنے کے لئے تیار ہوں "ملکی
آزادی" کی تشریح نئے طریقوں سے کی جا رہی ہے۔ مسلم لیگ کے اراکین کے خلاف
دفعہ ۱۴۴ اور قانون فوجداری کی ترمیمی دفعہ

آزادی کے ساتھ استعمال کی جا رہی ہیں، میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ میں مسلمانوں کی

نمائندگی کے خلاف ووٹ دینے کے اختیارات کے متعلق طرح طرح کے قوانین کا نفاذ کیا جارہا ہے، مسلم پریس کو ضمانت کی ضبطی کی دھمکیاں دی جارہی ہیں اور بعض اردو اخبار اور رسالوں کی ضمانتیں ضبط کر لی گئی ہیں۔ اب آپ ہی غور کیجئے کہ کیا یہی قومی پروگرام ہے؟ اسی پروگرام سے ہندوستان کی آزادی حاصل ہوگی؟ کانگریس اتنے ہی اختیارات کے نشہ میں اتنی بدمست ہوگئی ہے کہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں، اس حالت میں وہ مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گی، جب حکومت ہند کے مکمل اختیارات اسے عطا کر دیئے جائیں گے۔ اب تک میں نے ان مظالم اور غارت گریوں کا ذکر نہیں کیا ہے، جن سے اخبارات کے مکمل کالم رنگے جاچکے ہیں۔ بہار، یوپی اور سی پی کانگرس کے جوش و غضب کے پورے شکار بنے ہوئے ہیں، ہم لوگوں نے اس سلسلہ میں جو کمیٹی مقرر کی ہے، اس کی رپورٹ غالباً مسلم لیگ کے دوسرے اجلاس کے موقع پر شائع ہو جائے گی۔

یہ عام تجربہ ہے کہ بہت سے کانگرسی اپنے کو اس ملک کا حکمران دکھلاتے ہیں، اور جیسا سلوک کہ برطانیہ نے ہندوستان کے ساتھ کیا ہے، اس سے بھی بدتر سلوک وہ مسلمانوں کے ساتھ روزانہ کر رہے ہیں۔

اب میں پنجاب، بنگال و آسام کے مسئلوں کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں ان صوبوں کی وزارت میں مسلمانوں کا کافی اقتدار ہے اس لئے کانگریس کے سپہ سالار اعظم ان کی معزولی کے لئے کسی حرکت اور کارروائی سے باز نہیں آتے، بنگال میں فضل حق کی وزارت کو شکست دینے میں انہیں سخت مایوسی ہوئی، پنجاب میں سر سکندر کی وزارت کو کمزور بنانے کے لئے انتہائی کوشش کی جارہی ہے۔ سر سعداللہ کی وزارت نے جیسے ہی استعفا داخل کیا، ویسے ہی صدر کانگریس ہمرکابوں کے ہمراہ اپنے عہدو پیمان کو بالائے طاق

پانچ میں سے تین نمائندے مسٹر خلیق الزماں[7]، مسٹر عبدالرحمن صدیقی[8]، اور مولانا مظہرالدین[9] ہندوستان سے روانہ ہو گئے ہیں۔

برطانیہ سے وہی بازی لے جاسکتا ہے، جس میں طاقت و قوت ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کو برطانیہ نے بھیڑیوں کے حوالے کر دیا ہے"

۱ے اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ لیگ نے سرحد اور سندھ کے لئے حکومت سے بار بار جنگ کی، تب جا کر ان دونوں کو صوبائی درجہ عطا ہوا، ورنہ سندھ بمبئی سے ملحق تھا، اور سرحد چیف کمشنر کا صوبہ تھا، جہاں نہ کوئی قانون تھا، نہ دستور، لیکن اس کے باوجود آج جب یہ دونوں صوبے بن چکے ہیں، سندھ میں باہمی جنگ کے باعث اور سرحد میں عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان کی کانگرسیت کے باعث لیگ کی وزارت نہیں قائم ہو سکی۔

۲ے کانگرس نے نہرو رپورٹ میں اور اس سے پہلے مرکزی اسمبلی کے مباحثات میں نہ سندھ کو صوبائی درجہ دیئے جانے کی حمایت کی، نہ سرحد کو بلکہ علانیہ مخالفت کی ایسے ہی ایک موقع پر، سید مرتضیٰ بہادر (مدراس) اور مولوی شفیع داؤدی (بہار) نے مرکزی اسمبلی کی کانگرس پارٹی سے استعفےٰ دے دیا تھا اور پارٹی لیڈر موتی لال نہرو کو صاف طور پر بتا دیا تھا کہ ایسی مسلم آزار روش میں وہ کانگرس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس واقعہ پر مولانا محمد علی نے بہت سخت مقالات روزنامہ ہمدرد میں کانگرسی قیادت کے خلاف لکھے تھے۔

۳ے ڈاکٹر خان اور خان عبدالغفار خان گاندھی جی سے ہدایات حاصل کر کے انھی پر عمل پیرا ہوا کرتے تھے۔

۴ے حالانکہ انتخابات کے زمانے میں لیگ نے کانگرس کا ساتھ دیا تھا اور کانگرسی

رکھتے ہوئے نئی کانگریسی وزارت کی پیدائش کے موقع پر اپنی حمایت کا یقین دلانے کے لئے گئے[۵] لیکن وزارت قائم ہونے کے بعد مسٹر باردولی تین مسلم وزیروں میں سے ایک مسلم وزیر کے نام کا بھی اعلان نہ کر سکے[۶] اس کے علاوہ اسمبلی کو ملتوی کرانے کے لئے صدر کو جن جن طریقوں سے پھسلایا گیا وہ باعثِ ذلت ہے، کانگریس کے سپہ سالارِ اعظم مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرا کے مسلم لیگ کی طاقت کمزور بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو اپنے عزائم اور مقاصد میں ناکامی ہوگی، تو یہ مسلمانوں ہی کی دغابازی کے باعث ہوگی۔ جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہے میں دغابازوں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتا، لیکن ہر انصاف پسند اور مخلص مسلمان سے میری یہ درخواست ہے کہ اپنی جماعت کی فلاح و بہبود کی غرض سے وہ متحد و متفق ہو کر لیگ کے پلیٹ فارم پر آ کر اسکے جھنڈے کے نیچے کام شروع کر دے۔

اس موقع پر میں یہ صاف طور سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری جنگ نہ تو ہندو جماعت کے خلاف ہے اور نہ ہندوؤں سے مجھے عداوت ہے۔

فلسطین کے المناک واقعوں کے متعلق مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کی قرارداد کے مطابق ۲۶ اگست کو سارے ہندوستان میں یومِ فلسطین منایا گیا اور ہزاروں جلسے منعقد ہوئے، جن میں اُن کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا، عربوں کے اوپر جو ظلم و ستم کیا جا رہا ہے اس سے مسلمانوں کا دل پاش پاش ہو رہا ہے اور ساری اسلامی دنیا اس وقت برطانیہ کے طرزِ عمل پر نظر لگائے ہوئے ہے، غیر ممالک خصوصاً فلسطین و انگلینڈ میں سرکاری وفد بھیجنے کے مسئلہ پر غور و خوض کرنے کے لئے مسلم لیگ کونسل نے ایک خاص کمیٹی مقرر کی تھی۔ جس نے آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے پانچ نمائندوں کا انتخاب کیا۔

امیدواروں کے لئے کام کیا تھا، چنانچہ مولانا شوکت علی نے ڈاکٹر کچلو کے لئے کئی دورے کئے، اور ان کی حمایت میں تقریریں کیں۔

۵ کانگرس کا اصول اور طے شدہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ اسی صوبے میں وزارت بنائے گی جہاں اُسے واضح اکثریت حاصل ہو گی۔ مخلوط اور مشترک وزارت دوسری جماعتوں کے تعاون سے بنانے پر وہ تیار نہ تھی۔

آسام میں مسلم لیگ نے غیر کانگرسی جماعتوں کے تعاون سے سر سعد اللہ کی زیر قیادت وزارت بنالی، لیکن یہ وزارت کانگرس کو ایک آنکھ نہ بھائی، اُسے توڑنے کے وہ درپے رہی، آخر جب پیہم سازشوں کے بعد وہ ٹوٹ گئی، تو کانگرس نے اپنا اصول بھی توڑ دیا، آسام اسمبلی میں اُسے اکثریت نہیں حاصل تھی مگر اس ڈر سے کہ کہیں مسلم لیگ پھر وزارت نہ بنالے، وہ مخلوط اور مشترک وزارت بنانے پر تیار ہوگئی، چنانچہ مسٹر باردولائی نے یہ وزارت بنالی، اس موقع پر صدر کانگرس بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے۔

۶ ایک وہ زمانہ تھا کہ طرح طرح کی رشوتوں کے باوجود آسام جیسے دور دست صوبے میں بھی کوئی مسلمان اپنی جماعت (لیگ) سے غداری کر کے وزارت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا، پھر آزادی کے بعد وہ زمانہ آیا کہ ڈاکٹر خان صاحب مغربی پاکستان کے قائد اعلیٰ بنا دیئے گئے۔ اُنہوں نے اپنی ری پبلکن پارٹی قائم کی اور رات بھر میں وہ مسلم لیگ کے غداروں سے آباد ہوگئی، وزارت کیا، لائسنس تک پر لوگ لیگ کو چھوڑ چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں شرکت کرنے لگے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۷ جو قیام پاکستان کے بعد پاکستان مسلم لیگ کے پہلے صدر بنے۔

۸ جو کچھ عرصہ تک مشرقی بنگال کے گورنر رہے۔

۹ مسلم لیگ کے فدائی تھے، ذرا سی جرم میں دن دہاڑے اپنے دفتر میں قتل کر دیئے گئے۔

اجلاس مسلم لیگ منعقدہ پٹنہ کا خطبۂ صدارت!

ہم مضبوط ہیں!

۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء

پٹنہ صوبہ بہار کا دارالحکومت ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد ۹۰ لاکھ ہے۔ یہ مسلم اقلیت کا صوبہ ہے۔ جس طرح یوپی مسلم اقلیت کا صوبہ ہے۔ اگرچہ وہاں مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد ہے۔

لیکن یو۔پی اور بہار کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کے لئے کسی قربانی سے گریز نہیں کیا۔ وہ اگر پاکستان کے سرگرم اور فعال حامی نہ ہوتے تو گڑھ مکتیشر (یو۔پی) وغیرہ میں (۱۹۴۶ء) پانی کی طرح ان کا خون نہ بہایا جاتا، اگر وہ پاکستان کے لئے سب کچھ نثار کر دینے کا تہیہ نہ کر چکے ہوتے تو صوبہ بہار کے متعدد شہروں میں (۱۹۴۶ء) میں ان کے ہزار ہا آدمی موت کے گھاٹ نہ اتار دیئے جاتے، لیکن وہ طے کر چکے تھے کہ ہمارا حشر جو کچھ بھی ہو۔ ہم مسلم اکثریت کے علاقوں کو غلام نہیں رہنے دیں گے۔

قائدِ اعظم نے یہ خطبہ صدارت پٹنہ کے اجلاس مسلم لیگ میں ارشاد فرمایا تھا۔

(رئیس احمد جعفری)

خواتین و حضرات! مسلمانانِ پٹنہ و بہار نے جو شرف مجھے بخشا ہے میں اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ میرے واسطے یہ امر کمال مسرت کا موجب ہے کہ بہار اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے مسلمان اتنی کثیر تعداد میں شرکتِ اجلاس کی غرض سے آئے ہیں۔ اس سفر میں جو

زحمت اُنھوں نے گوارا کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اُن لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے یہ عجیب پنڈال بنایا ہے اور اجلاس کی کامیابی کے لئے شان دار انتظامات کئے ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں مسائل حاضرہ پر روشنی ڈالوں اپنی اور سب کی طرف سے مولانا شوکت علی کی وفات پر اظہار غم والم کرتا ہوں۔ مولانا شوکت علی مرحوم جلیل القدر انسان تھے اور اپنے نصب العین کے واسطے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے۔ جو راستہ مرحوم نے اختیار کیا تھا۔ آخر تک اُسی پر گامزن رہ کر کمال سرگرمی اور جوش سے مسلم لیگ کے مقاصد کی حمایت کرتے رہے۔ مولانا کا سانحہ ارتحال میرا ذاتی نہیں بلکہ مسلم قوم کا نقصان ہے اور ہندوستان بھر میں ان کا ماتم ہو رہا ہے۔ دُوسرے عظیم المرتبت انسان کمال اتاترک تھے جن کی وفات سے عالم اسلام کو بڑا صدمہ پہنچا۔

خواتین اور حضرات! اب میں مسلم لیگ کی حکمتِ عملی پر روشنی ڈالتا ہوں۔ آج سے تین سال پیشتر ہم نے بمبئی میں مسلم لیگ کی حکمتِ عملی معین کی اور ایک لائحہ عمل بنایا۔ اس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ سیاسی زندگی میں پیش پیش رہنے والے اکثر مسلمان جاہ و منصب طلب تھے جو اپنی سہولت اور آسائش کے خیال سے دفتری اقتدار کے کیمپ یا دوسرے کیمپ میں جو کانگریس کیمپ کہلاتا ہے شریک ہو جاتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم دفتری اقتدار کے کیمپ میں شریک ہو کر اپنی حالت بہتر بنا سکتے ہیں۔ وہ اس کیمپ میں شریک ہو جاتے تھے۔ ان کا مقصود اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ بعض یہ سمجھتے تھے کہ ہم کانگریس میں شامل ہو کر وقار اور اقتدار حاصل کر سکتے ہیں یہ لوگ کانگریس میں شامل ہو جاتے تھے۔ عوام اور میرے دوست مسلم نوجوان کانگریس کے ڈھونگ سے مسحور تھے۔ نوجوان لوگ نعروں اور مقرر کئے ہوئے خاص نقطوں پر یقین رکھتے ہیں۔ کانگریس نے اُن کے واسطے جو دام بچھایا تھا یہ اس میں پھنس گئے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ کانگریس آزادیٔ مُلک کے

واسطے جنگ کر رہی ہے۔ وہ خود اخلاص مند تھے۔ اس لئے یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ لوگ منافق بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اصل سوال اقتصادی ہے اور جنگ دال بھات اور مزدور اور کسان کے واسطے کی جا رہی ہے۔ ان کے صاف اور غیر تربیت یافتہ دماغ آسانی سے کانگرس کے شکار بن گئے۔ جب ہم نے جو کانگرسی لیڈروں کے پوشیدہ منصوبوں کو سمجھتے تھے انہیں بتایا کہ آپ کو گمراہ کیا جا رہا ہے تو ہمیں رجعت پسند اور فرقہ پرست ٹھہرایا گیا۔

۱۹۳۶ء میں صورتِ حال یہ تھی۔ میں خوش ہوں کہ اب حالات بدل گئے ہیں۔ ایک حقیقت آشکار ہو گئی وہ یہ کہ کانگرس ہائی کمان یہ چاہتی تھی کہ مسلمان اس کے لیڈروں کے خدمتگاروں کی حیثیت سے رہیں اور جب مقصد پورا ہو جائے تو اُن کی گردن پر کانگرس کی اطاعت کا جُوا رکھ دیا جائے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتی رہے۔ کانگرسی لیڈر چاہتے تھے۔ کہ مسلمان غیر مشروط طور سے ہندو راج کو تسلیم کر لیں۔ اب اس ڈھونگ کی حقیقت کھل چکی ہے اور ہمیں اس کا ثبوت مل گیا ہے۔

جیسا کہ میں پیشتر بھی کہہ چکا ہوں اس مُلک میں چار طاقتیں کارفرما ہیں، اوّل برطانوی حکومت دوسرے والیانِ ریاست اور ان کی رعایا، تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان۔ کانگریس پریس جس قدر چاہے شور مچائے۔ کانگرس اخبار صبح، دوپہر، شام اور رات کے ایڈیشن شائع کریں۔ کانگرسی لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگرس قومی انجمن ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ہے۔ کانگرس ایک ہندو جماعت ہے یہ حقیقت ہے۔ اور کانگرسی لیڈر اس سے واقف ہیں۔ ایسے چند مسلمانوں کی موجودگی جن کو گمراہ کیا گیا ہے یا اُن کی مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگرس میں ذاتی اغراض کی بنا پر شامل ہیں کانگرس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کانگرس ہندو انجمن نہیں ہے؟

میں پوچھتا ہوں کیا کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں) میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا کانگرس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے (آوازیں نہیں نہیں) میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کانگرس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں) میں کہتا ہوں کہ آیا کانگرس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں)

درحقیقت کانگرس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ ملک میں سب سے بڑی پارٹی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ جو خطاب چاہے اپنے سے وابستہ کرے۔ کانگرس ہائی کمان شرابیوں کی طرح نشہ اقتدار میں مست ہو کر جو دعوے چاہے کرے لیکن ان دعووں سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی ایسے دعوے چند اشخاص کو تھوڑی دیر کے لیے مبتلائے فریب کر سکتے ہیں، لیکن ہمیشہ سب لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی مجھے یقین ہے اور غالباً آپ کو بھی یقین ہے کہ کانگرس قومی جماعت نہیں، (جو لوگ اب غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کی آنکھیں بھی جلد کھل جائیں گی۔ ان لوگوں کی نہیں جو بے دیانتی سے کانگرس کو قومی جماعت سمجھتے ہیں) یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ کانگرس ہائی کمان ہندوستان میں تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو کچل کر ہندو راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ نام تو قومی حکومت کا لیتے ہیں۔ لیکن اس سے مراد ہندو حکومت ہوتی ہے۔

واردھا کی تعلیمی اسکیم پر نظر ڈالیے۔ کیا اس کی ترتیب کے وقت مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا؟ یہ تمام اسکیم مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع اور مرتب کی گئی۔ اس کا بانی کون ہے؟ اس کے پیچھے کس کا دماغ کارفرما ہے؟ جناب گاندھی۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جس مقصد اور نصب العین کے پیش نظر کانگرس قائم کی گئی تھی۔ جناب گاندھی اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ کانگرس سے ہندو ازم کی تجدید کا کام لینا چاہتے ہیں مقصود ہندو مذہب

کو تازہ اور ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے اور جناب گاندھی کانگرس سے اس مقصد کا کام لے رہے ہیں۔

مسلمانوں میں وردھا اسکیم کا ردِ عمل یہی ہو سکتا تھا جو ہوا آپ نے پیر پور رپورٹ پڑھی ہو گی اس پر اضافہ کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ صورتِ حال کو ایک جملہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہندو ذہنیت اور ہندو نظریہ کی ترویج کی جا رہی ہے اور مسلمانوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کے قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں نے بھی کسی جگہ ایسی حرکت کی ہے۔ کیا انہوں نے کہیں ہندوؤں کو اسلامی ثقافت پڑھنے کی جدوجہد کی ہے، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے جہاں خفیف سی آواز اٹھائی کہ ہندو ثقافت کیوں ہمارے سر منڈھی جا رہی ہے تو انہیں فرقہ پرست اور شورش انگیز ٹھہرایا گیا اور کانگرس کی جابرانہ قوت ان کے خلاف حرکت میں آگئی۔ بہار کے واقعات کو ہی دیکھ لیجئے۔ کانگرسی حکومتوں میں کس کی ثقافت کو دبایا گیا، مسلمانوں کی ثقافت کو۔ کس کے خلاف جابرانہ احکام جاری ہوئے کس کے خلاف امتناعی تدابیر اختیار کی گئیں۔ کن لوگوں کو گرفتار کیا گیا، مسلمانوں کو۔ مجھے ایک ایسا واقعہ بتایا جائے کہ گزشتہ ۱۲ سال میں مسلمانوں نے کسی جگہ ہندوؤں پر اپنی تہذیب عائد کرنے کی کوشش کی ہو (آوازیں کسی جگہ نہیں)

میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ کانگرس کے متعلق مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا ہوں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے آل انڈیا مسلم لیگ تبریک و تہنیت کی مستحق ہے کہ اس نے مسلمانوں میں قومی احساس پیدا کر دیا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مسلمان اس قوم کی مانند تھے جو اپنا اخلاقی ثقافتی اور سیاسی شعور کھو چکی ہو۔ ہنوز آپ نے اخلاقی ثقافتی اور سیاسی شعور کا وہ درجہ حاصل نہیں کیا ہے۔ ابھی تو آپ بیدار ہوئے ہیں اور آپ کے سیاسی شعور میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ کانگرس کا دعویٰ غلط ہو یا صحیح اس سے قطع نظر کرتے ہوئے آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کے ضروری اوصاف

پیدا کر لئے ہیں اور ان اوصاف نے ہندوؤں کے قومی احساس کی صورت اختیار کر لی ہے
یہی طاقت ان کے پس پشت کار فرما ہے - میں چاہتا ہوں مسلمان بھی یہ طاقت پیدا کر لیں
جب آپ یہ طاقت پیدا کر لیں گے تو جس چیز کے حصول کا ارادہ کرینگے وہ حاصل ہو جائے گی،
سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی
ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے - یہ بڑا کام ہے اور ابھی آپ نے اسے
شروع ہی کیا ہے تاہم مجھے کامیابی کی قوی امید ہے - جو ترقی ہو چکی ہے وہ اعجاز سے
کم نہیں - مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ کر سکیں گے جو آج
پیش نظر ہے لیکن اسکے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے -

دوسرا اہم مسئلہ سبجیکٹس کمیٹی میں پیش ہو گا فلسطین کا ہے - مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلہ
نے مسلمانوں میں کس قدر اضطراب پیدا کر دیا ہے - میں جانتا ہوں کہ ضرورت ہوئی
تو مسلمان اعراب فلسطین کی مدد کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں
کریں گے - جو قومی آزادی کے لئے جنگ کر رہے ہیں - آپ جانتے ہیں کہ عربوں
کے ساتھ بے شرمانہ سلوک کیا گیا ہے - اپنی آزادی کے واسطے لڑنے والوں کو ڈاکو بتایا اور ہر
قسم کی سخت گیری کا نشانہ بنایا گیا ہے - اپنے وطن کی حفاظت کے جرم میں انہیں
بندوق سنگین مارشل لاء جاری کر کے دبایا جا رہا - لیکن دنیا کی کوئی قوم
جو زندہ رہنے کی مستحق ہے کوئی بڑا کام ان قربانیوں کے بغیر نہیں کر
سکتی جو اعراب فلسطین کر رہے ہیں - ہماری تمام ہمدردیاں ان بہادر
غازیوں کے ساتھ ہیں جو غاصبوں سے حریت کی خاطر جنگ کر رہے ہیں

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے - ہمیں ریاستی باشندوں کے مقاصد سے پوری ہمدردی ہے
لیکن مجھے یقین ہے کہ ریاستی باشندوں کی تائید و حمایت سے کانگریس کا وہ مقصود نہیں، جو
ظاہر کیا جاتا ہے، میں صرف ایک سوال کروں گا - ریاستوں میں یہ شورش کیوں ہے؟ حیدرآباد

میں آریہ سماجیوں اور ہندو مہاسبھائیوں کی تمام طاقتیں کیوں جمع کی جارہی ہیں۔ میں کانگرس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے۔ آریہ سماجی۔ ہندو مہاسبھائی کانگرسی قوم پرست اور کانگرسی اخبار یہ سب کشمیر کے معاملہ میں کیوں چُپ سادھے رہے ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے؟[1]

دوسرا مسئلہ فیڈریشن کا ہے جس پر غور کیا جائے گا۔ کانگرس کو کہنے دیجئے کہ فیڈریشن قبول نہیں کیا جائے گا۔ میں کانگرس کے اعلانات پر یقین نہیں رکھتا۔ کانگرس فیڈریشن کو بھی اسی طرح قبول کرے گی جس طرح اس نے آئین کے صوبائی حصہ کو منظور کر لیا تھا۔[2] سبھاش چندر بوس نے نہایت بلند آہنگی سے کل ہی یہ اعلان کیا ہے کہ انفرادی طور پر کانگرسی لوگ خواہ کچھ کہیں۔ کانگرس کلیتاً فیڈریشن کو مسترد کر دے گی۔ میں ایسے اعلانات پر اعتماد نہیں کرتا مجھے معلوم ہے کہ ایک کانگرسی لیڈر نے یہ بھی کہا کہ ہم نظرثانی اور ترمیم سے مطمئن ہو جائیں گے اگر انتخابی اصول تسلیم کر لیا گیا تو کانگرس اس سے خوش ہو جائے گی۔ ایک اور کانگرسی لیڈر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر فیڈریشن کی سکیم میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ اس سے جوہر آزادی حاصل ہو سکے تو کانگرس اسکو قبول کر لے گی اور اس طرح ناخوشگوار اور ناممکن العمل سکیم خوشگوار اور قابلِ عمل بن جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ کانگرس لیڈر پھر ایک بار مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمان وہ نہیں جو آج سے تین سال پیشتر تھے۔ کانگرس کا مقصود اس ناقص اور قابلِ اعتراض آئین میں ٹھوس اکثریت حاصل کرنا ہے۔ اگر اکثریت حاصل ہو جائے تو وہ بڑی خوشی سے اس کو منظور کر لے گی اور اس کے بعد اسلامی تہذیب اور تنظیم کو تباہ کرنے کے لئے اپنی سکیم پر عمل پیرا ہو گی اور کانگرس فسطائی نوعیت کی واحد جماعت بنانے کی کوشش کرے گی۔ اس طرح ہندوستان میں ہندو راج

قائم کیا جائے گا۔

کانگرسی لیڈر اپنے مقاصد کو جانتے ہیں۔ سات صوبوں میں انہیں اکثریت حاصل ہے۔ اور حکومتیں قائم ہیں صرف چار صوبے رہ گئے ہیں۔ اب وہ اُن پر بھی للچائی ہوئی نظریں ڈال رہے ہیں۔ گاہ گاہ یہ شور مچاتے ہیں کہ ان چار صوبوں کی حکومتیں ٹوٹنے والی ہیں اور اکثریت کے باوجود قائم نہیں رہ سکتیں۔ کانگرسی لیڈر جانتے ہیں کہ ان چار صوبوں میں وزارتیں بہت مستحکم ہیں۔ پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کسی صوبہ کے اندر کانگرسی حکومت قائم ہو جائے۔ لیکن کانگرس کے منصوبوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں مجھے صوبہ سرحد کے دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ سیدھے سادے پٹھانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ کانگرس عوام کی بہبودی اور فلاح چاہتی ہے۔ اور مسلم لیگ ملوکیت کی حامی اور حلیف ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہو سکے گا۔ مجلس وضع آئین کے اندر یا باہر میں نے کبھی کسی موقع پر بھی ملوکیت کی حمایت کی ہے؛ چہ جائیکہ مجھے ملوکیت کا حلیف ثابت کیا جائے (آوازیں نہیں نہیں)

شائد پیشتر کچھ ایسے مسلمان تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ برطانی ملوکیت سے مل کر اپنے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اب یہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے میں کہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کی حلیف نہیں بنے گی مسلمانوں کے مفاد کے لئے ضروری ہوا تو شیطان سے بھی اتحاد کرلے گی۔

(اس وقت اجلاس میں کامل سکوت طاری ہو گیا۔)

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد قائد اعظم نے فرمایا۔ ہمیں ملوکیت سے محبت نہیں لیکن سیاسیات میں اسی طرح چالیں چلنی پڑتی ہیں جس طرح شطرنج کی بساط پر مسلمانوں اور مسلم لیگ کا اتحادی مسلم قوم کے سوا کوئی نہیں۔ وہ خدائے واحد ہے جس کی طرف اعانت کے لئے مسلمانوں کی نظریں اٹھتی ہیں (نعرہ ہائے تحسین)

فیڈریشن کے متعلق کانگریس کا کھیل صاف ہے۔ اگر حکومت پر کانگرس کا قابو ہو گیا تو وہ ان بالواسطہ یا بلاواسطہ اختیارات سے جو فیڈرل حکومت کو حاصل ہوں گے۔ آنریبل فضل الحق صاحب کی حکومت کو بنگال اور آنریبل سر سکندر حیات خان کی حکومت کو پنجاب میں نہ ہونے کے برابر کر دے گی۔ اس طرح کانگرس کے سات صوبوں میں خداداد تحفہ کے طور پر عظیم اکثریت حاصل ہو جائے گی اور باقی چار صوبے کانگرس ہائی کمان کے باج گزار بن جائیں گے۔

آج صبح چند نوجوان میرے پاس آئے اور کہا کہ فلاں فلاں اشخاص لیگ میں نہیں ہونے چاہئیں۔ میں ان نوجوانوں اور دوسرے لوگوں سے کہتا ہوں کہ لیگ ابھی وہ نہیں جو اس کو ہونا چاہیئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایسے لوگ لیگ میں شامل ہیں جو سچے لیڈر نہیں لیکن مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر لیگ کو بلند ترین مقام پر پہنچانا ہے تو باہر رہ کر اعتراض نہ کیجئے اس میں شامل ہو جائیے اور اس کی اصلاح کیجئے (نعرہ ہائے تحسین) میں ہر ایک مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ۔ یہ آپ کی جماعت ہے یہ کسی کی جائیداد یا ملکیت نہیں آپ اس کو جیسا چاہیں بنائیں۔

قائد اعظم نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے اختلافات دور کرنے کی نصیحت کی اور کہا کہ جب کانگرس نے مسلمانوں سے رابطہ پیدا کرنے کی تحریک شروع کی تھی تو اس وقت عام مسلمان اسکے ساتھ تھے۔ لیکن یو۔پی اور ہزاری باغ کے ضمنی انتخابات نے کانگرس کے چیلنج کا موزوں جواب دے دیا۔ اور اب یہ حال ہے کہ مولانا شوکت علی مرحوم کی وفات سے مرکزی اسمبلی میں جو نشست خالی ہوئی تھی کانگرس نے اس کے لئے اپنا امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا۔ اب کانگرس کی مسلم رابطہ

عام کمیٹی کہاں ہے ؛ اب کانگرس کو یہ ربط چھوڑ دینا چاہیئے۔

۱؎ حیدر آباد میں جو مسلم ریاست تھی ہندوؤں کو "ظلم" سے بچانے کے لئے تحریک ستیہ گرہ شروع کردی گئی۔ لیکن کشمیر میں جو ہندو ریاست تھی اور جہاں مسلمانوں پر ایک صدی سے قیامت کے مظالم مسلمانوں پر توڑے جارہے تھے۔ کوئی ستیہ گرہ نہیں کی گئی۔

۲؎ صوبائی آزادی (پراونشل آٹانومی) کو کانگرس نے رد کر دیا تھا، لیکن انتخاب میں حصّہ لیا اور وزارتیں بنائیں۔ کیا یہی وہ مرکزی (فیڈریشن) آئین کے نفاذ کے موقع پر کرتی ؟

۳؎ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ چند حسب دلخواہ ترمیموں کے بعد کانگرس ضرور "مطمئن" ہوجاتی اور فیڈریشن قبول کرلیتی جس کے بعد مسلمانوں پر اُسے آقایانہ اختیارات حاصل ہوجاتے اور پنجاب، بنگال، سرحد، سندھ، بلوچستان، سب اسکے تابع ہوجاتے۔

۴؎ یعنی پنجاب۔ بنگال۔ سرحد اور سندھ۔

سنہ ۱۹۳۹ء

جب ایک نئی قوم تشکیل پا رہی تھی ——————

جب اس نئی قوم کی تقدیر بدل رہی تھی ——————

وہ فعتہ جس سے بدل جاتی ہے تقدیرِ امم
ہے وہ قوت کہ حریف اس کی نہیں عقلِ سلیم
ہر زمانے میں دگر گوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیرِ محمدؐ ہے، کبھی چوبِ کلیم

ایک مخلص، نڈر، اور بیباک ساتھی کا تذکرہ !

مولانا شوکت علی کی یاد!

۱۹۳۹ء

مولانا شوکت علی، مسلمانانِ ہند کے محبوب ترین زعیم تھے، ان کے لازوال خدمات ان کے وسیع کارنامے، اُن کی یادگار قربانیاں اور سب سے بڑھ کر ان کی باعظمت شخصیت، کون تھا جو اُن کے آگے سرِ نیاز خم کرنے پر مجبور نہ ہو جاتا۔

مولانا شوکت علی میں بہت سی خوبیاں تھیں، اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان میں انانیت نام کو نہ تھی، قوم اور ملت کے مفاد کا جب مرحلہ پیش آجاتا پھر وہ ہر چیز کو حتیٰ کہ اپنی شخصیت تک کو اپنے وقار تک کو فراموش کر دیتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمان زعماء میں صرف مولانا شوکت علی ایک ایسے شخص تھے، جو قائدِ اعظم کے حریف بن سکتے تھے، قائدِ اعظم سے ٹکر لے سکتے تھے، بلکہ ان کی قیادتِ عظمیٰ کی راہ میں کانٹے بچھا سکتے تھے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح گاندھی جی کی مہاتمائیت کو فروغ دینے میں شوکت کا غیر معمولی حصہ تھا، اسی طرح قائدِ اعظم کی نشوونما دینے میں ان کا غیر معمولی حصہ تھا، ان دونوں موقعوں پر انہوں نے اپنی شخصیت فنا کر دی اور جسے اپنے سے بہتر قوم کا سالار سمجھا، اس کے نقیب بن گئے، اور اس کے عروج و فروغ کے لئے ہمہ تن وقف ہو گئے۔

یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ شوکت صاحب کے دیرینہ نیازمند اور عقیدت کیش کبھی انفرادی صورت میں اور کبھی جتھے کی صورت میں بپھرے ہوئے خشمگیں اور برہم خلافت ہاؤس آتے، اور اس بات پر لڑتے کہ ہم آپ کو شروع سے مدتِ مدید سے

اپنا قائد اور سالارِ کارواں مانتے چلے آرہے ہیں، اور مانتے رہیں گے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ جناح صاحب کی قیادت ہم پر تھوپ دیں اور ہم مان لیں، آخر آپ مسلم لیگ کا کام خلافت کمیٹی سے کیوں نہیں لیتے ؟

لیکن شوکت صاحب برہم ہو کر جواب دیتے، اگر تم مجھے اپنا لیڈر سمجھتے ہو، تو جناح کی قیادت کے سامنے تمہیں سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ میرے پاس عمل اور تنظیم کی جتنی بھی قوت ہے وہ جناح کے لئے وقف ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر مخلص، دیانتدار، راست گو اور ہندو سیاست کو سمجھنے اور اس کا ترکی بترکی جواب دینے والا سارے ہندوستان میں کوئی نہیں ہے، کیا تم مجھے اکسا کر مسلمانوں کی کشتی ڈبونا چاہتے ہو ؟ کیا تم خلافت کا نام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہو، ؟ خلافت کمیٹی زندہ ہے اور زندہ رہے گی، لیکن وہ مسلم لیگ کی جگہ نہیں لے سکتی، دونوں کو اپنے اپنے حدود میں کام کرنا پڑے گا۔

قائداعظم شوکت صاحب کے اس ایثار و خلوص اور صداقت کے دل و جان سے قائل تھے، اُن کی آنکھیں کبھی پُرنم نہیں ہوئیں، لیکن شوکت کے مرنے پر وہ روئے، وہ کسی لیڈر سے ملنے اس کے گھر نہیں گئے، لیکن شوکت کی عیادت کو بارہا آئے، پٹنہ کے اجلاس میں انہوں نے جو خراجِ تحسین شوکت کو پیش کیا، وہ ان کے دل کی آواز تھی، اور اینگلو عربک کالج دہلی میں شوکت کی تصویر کی نقاب کشائی کرتے ہوئے جو ذیل کی تقریر کی وہ اس کی آواز بازگشت تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

قائدِاعظم نے مولانا شوکت علی مرحوم کی ان ملی خدمات پر خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے فرمایا: "وہ جس راستے کو اپنے خیال میں صحیح سمجھتے اس پر گامزن ہو جاتے اور ان کے پائے ثبات میں یک سر مو تزلزل نہ ہوتا تھا۔ وہ سچے اور ایمان والے تھے انہوں نے

آخر وقت تک مع بشرط استواری، اسلام سے وفا کی، کوئی لالچ ان کو اپنے راستے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا سکتی تھی۔ ان کا طریق عمل صحیح ہو یا غلط، لیکن جب انہیں ایک دفعہ یقین ہو جاتا تھا کہ یہ راستہ اسلام کی ناموری کا ہے تو پھر وہ بلا خوف و تامل اس پر چل پڑتے تھے۔

ماہ اپریل ۱۹۳۶ء میں جب مسلم لیگ کی تجدید ہوئی تو مولانا شوکت علی نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ لیگ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی خدمت کریں گے۔ اور انہوں نے آخر وقت تک لیگ کا ساتھ دیا۔ اپریل ۱۹۳۶ء سے مجھے ایک باوفا رفیق ملا تھا ہرچند کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن میں مایوس نہیں ہوں کہ ابھی تو کام کا آغاز ہوا ہے یہ کام بہر صورت جاری رہے گا خواہ کتنی ہی طویل مدت کیوں نہ ہو میں ہر زن و مرد سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ اس صورت حال کو سمجھیں جو انہیں درپیش ہے اور محض چلتے ہوئے فقروں اور نعروں میں نہ بہ جائیں۔

آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا کہ مجھے روزانہ ہر طبقہ و خیال کے اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے۔ مجھے ہندوؤں اور مسلمانوں کی وجاہت میں ایک بین فرق معلوم ہوتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کا روشن خیال طبقہ بے سر و پا تخیلات رکھتا ہے اور چلتے ہوئے فقروں میں بہہ جاتا ہے، وہاں ہندو مرد و عورت، بلکہ ان میں بعض غیر تعلیم یافتہ بھی، جو مجھ سے ملتے ہیں مسلمانوں سے میلوں آگے ہیں۔

میں ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتا! مجھے مسرت ہے کہ ہندو زیادہ مستعد اور تیار ہیں مجھے ہندوؤں سے کوئی بغض و عداوت نہیں ہے میرا خیال ہے کہ مسلمان کئی لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے ہیں ——— وہ تعداد میں کم ہیں، اگرچہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ کسی قوم کے اعداد و شمار ہی اس کی طاقت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

پھر آپ نے مسلمانوں کی حالتِ زار کو اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا کہ مسلمان

اقتصادی حیثیت سے دیوالیہ، معاشی اعتبار سے صفر اور تعلیمی لحاظ سے تاحال مبتدی ہیں اگر مسلمان اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر انہیں اس کی اہلیت پیدا کرنی چاہیے ان مسائل کی پیچیدگیوں کو سمجھنا اور اس کی تحقیق کرنا چاہیئے، جو انہیں درپیش ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے چونکہ مسلمانوں نے عہد رفتہ میں صدیوں اس ملک پر حکومت کی ہے اس لیے اب بھی انہیں حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ ایسی باتوں سے لطف اندوز ہونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ جفاکشی، انتھک کوشش، ذمہ داری اور شعور فرائض ہے۔

دولت برطانیہ، ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے پر حکومت نہ کرنے دیں گے ——— خواہ دونوں متفق ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔ ساری دنیا مان چکی ہے اور حکومت برطانیہ بھی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے یہ تسلیم کر چکی ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلم ہندوستان کا جائز واحد نمائندہ ادارہ ہے۔ لیکن تاحال سیوگاؤں میں روشنی طلوع نہیں ہوئی اور ابھی تک مسٹر گاندھی اندھیرے میں ٹٹول رہے ہیں۔

لیگ کے معمولی ذرائع کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اورنگ زیب روڈ پر میرا مکان خانگی حیثیت سے قابل رشک ہی سہی لیکن معتمدی فوج کا دفتر کہاں ہے؟ میری ساری کائنات ایک اٹیچی کیس، ایک ٹائپ رائٹر اور ایک ذاتی مددگار پر مشتمل ہے میں مشکلات کا غلط اندازہ کرنے کے خلاف ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں شکست خوردہ ذہنیت بھی نہیں رکھتا، مجھے مسلمانوں پر کامل یقین ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود میرا ایقان ہے کہ مسلمان کسی دوسرے فرقہ کی نسبت "بہتر سیاسی دماغ" رکھتے ہیں، اور اک سیاسی مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا ان کی رگوں

اور شہریانوں میں دوڑ رہا ہے۔ اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے۔ مسلم لیگ نے انھیں ایک پرچم، ایک لائحہ عمل اور ایک حکمت عملی دی ہے اب مسلمان اپنی تنظیم کو وسیع اور استوار کریں۔

جب میں محسوس کروں گا کہ جو فیصلہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر صرف چند لوگ ہی نہیں بلکہ سارے مسلمان بحیثیت مجموعی لبیک کہنے کو تیار ہیں تو پھر بڑی خوشی سے آگے بڑھنے کا حکم دوں گا۔

میں "کامل اتفاق آراء" پر مصر نہیں ہوں کیونکہ ایسا ہونا کسی قوم میں بھی ممکن نہیں ہے میں بہر صورت اپنی قوم کی اکثریت کی باشعور اور ٹھوس حمایت چاہتا ہوں۔ اگر یہ حاصل ہوتی تو پھر میں بندوق کی گولیوں کے سامنے بھی کھڑا ہونے پر تیار ہوں لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اس پر مطمئن ہونا چاہتا ہوں،

لے گاندھی جی کا ہیڈ کوارٹر

قانونِ مال گزاری

۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء

قائدِ اعظم کا یہ اصول تھا کہ وہ حکومت یا کسی دوسری جماعت کی طرف سے پیش کردہ ہر مسودۂ قانون پر اچھی طرح غور کرتے تھے، اس کے ایک ایک حرف کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ اس کے جملہ متعلقات کی چھان بین کرتے تھے، اس کے بارے میں جتنی معلومات بھی ممکن ہو سکتی تھیں حاصل کرتے تھے، اور پھر اپنی بے لاگ، دو ٹوک اور بے لوث رائے ایوان کے سامنے پیش کر دیتے۔ خواہ کسی کو بری لگے یا بھلی۔

ع کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

یہ تھا اُن کا اصول جس میں کبھی لچک نہیں پیدا ہوئی۔

مسودۂ قانون مال گزاری ایک خشک سا موضوع تھا۔ لیکن دیکھیے اس میں بھی قائدِ اعظم کے سحرِ کلام نے کیسی کیسی گلکاریاں کی ہیں؟

رئیس احمد جعفری

مسٹر جناح - میں نے اس بحث میں معمول سے کسی قدر پہلے شرکت کی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں مسلم لیگ پارٹی کی حیثیت اچھی طرح واضح کر دوں -

صرف یہی ایک ترمیم نہیں ہے جس سے ایوان کو عہدہ برآ ہونا ہے، مسودہ کی رُو سے اس کے پانچ مدات ہیں -

۱ - محصول نمک

۲ - شکر کی چنگی (قبل فروخت)

۳ - محصول درآمد (روئی)

۴ - داخلی ڈاک کی شرح -

۵ - محصول آمدنی و زائد محصول -

بحیثیت موجودہ میں اس موازنے کو بنظر پسندیدگی نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ اس میں ہمارا کوئی دخل یا اختیار ہوتا تو ہم اس کی ترتیب کسی دوسری ہی اساس و بنیاد پر کرتے، لیکن موازنہ بہر حال ایوان کے روبرو آ گیا ہے - اور ہم صرف اس پر غور کر رہے ہیں کہ مجوزہ محصولات میں کوئی تخفیف یا ترمیم ہو سکتی ہے -

اس ایوان میں مسلم لیگی جماعت کی حیثیت بالکل انوکھی ہے - خوش قسمتی یا بدقسمتی سے ہمیں اس ایوان میں پاسنگ کی حیثیت حاصل ہے - اگر ہم نے حکومت کی تائید کی تو میرا خیال ہے کہ رکن مالیات پوری طمانیت کے ساتھ بحفاظت تمام اس مسودہ کو آگے بڑھاتے ہوئے بغیر کسی ردوبدل کے منظور کرا لیں گے - چنانچہ وہ قدرتی طور پر ہماری جماعت سے استدعا کریں گے کہ ہم اس کی حمایت کریں -

ہم ایک عرصۂ دراز سے اس اصول پر عمل پیرا رہے ہیں کہ اگر حکومت نے کوئی ایسا ضابطہ پیش کیا جو عوام کی بہبودی کے لئے ہے تو ہم اس کی حمایت کریں اور اگر وہ مفاد عامہ کے خلاف ہوا تو اس کی مخالفت کریں۔

لیکن جناب میرا خیال ہے کہ اب اس حکمتِ عملی میں ردو بدل ہونا چاہیئے۔ اس کا تو یہ مطلب تھا کہ جب کانگریس راستی پر ہو تو کانگرس کی حمایت کرو —— جب حکومت راستی پر ہو تو حکومت کی حمایت کرو —— لیکن جب ہم راستی پر ہوں تو ہماری حمایت کوئی نہ کرے۔ اب ہم یہ سمجھتے ہیں —— بلکہ میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ تمہاری حکمتِ عملی کیا تھی؛ تمہاری روش کیسی تھی؛ اور میری جماعت کے ساتھ تمہارا کیا عمل رہا؟ مجھے مسرت ہوئی کہ رکنِ مالیات نے اپنی طویل تقریر میں کہا —— "کانپور[1] کو یاد رکھیے، بنارس[2] اور بدایوں[3] کو یاد رکھیے" —— لیکن میں ایوان کو بتا سکتا ہوں کہ ملک میں ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق بھی پامال کیے جاتے ہیں —— مگر حکومت نے اس کے لیے کیا کیا؛ مجھے یاد ہے بہت زیادہ دِن نہیں گذرے کہ میں نے مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کی ایک تقریر پڑھی تھی ایہوں نے کہا تھا۔

"ان سارے الزامات، ان ساری بدسلوکیوں، ناانصافیوں مظالم اور اذیتوں کی کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی۔ اس کے بے بنیاد ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو گورنر یقیناً مداخلت کرتے"۔[4]

مجھے خیال ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے بھی حال ہی میں ایک تقریر کی تھی اور انہوں نے بھی یہی دلیل پیش کی تھی، کہ

"اگر ان تمام بے بنیاد الزامات میں (جو ہم لگا رہے ہیں) صداقت کا شائبہ بھی ہوتا تو گورنر فوراً مداخلت کرتے اور اس طرح خاموش و ساکت نہ بیٹھے رہتے"۔

گورنروں نے مداخلت نہیں کی۔ اس لئے میرے معزز دوست مطمئن ہیں ——

جناب! میں کہہ رہا تھا کہ ہماری یہ حالت ہے ــــــ فلسطین میں کیا ہوا؟ وزیرستان میں کیا ہوا؟ جے پور میں کیا ہوا؟ اقتدار اعلیٰ کہاں ہے؟

بھائی پرمانند:- (مغربی پنجاب۔غیر مسلم) اور حیدرآباد میں بھی!

مسٹر جناح:- جب آپ کی باری آئے تو اپنی جماعت کی روش واضح کر دیجئے۔ اس وقت تو میں اپنی جماعت کی روش کی وضاحت کر رہا ہوں ــــــ بغیر کسی تنبیہ اور بغیر کسی وجہ کے گولی چلائی گئی!

کہاں ہے اقتدار اعلیٰ؛ کیا کر رہا ہے وہ؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستانی ریاستوں پر وبائے ڈال کر اُن کو مجبور کر کے دستوری اصلاحات کو منوانے کے لئے آپ کو مداخلت کرنی چاہیئے ــــــ لیکن یہ مہذب نظم و نسق کے قیام کا اساسی و بنیادی اصول ہے۔ کیا شہریوں کے ابتدائی حقوق کے ساتھ عدل و انصاف ہو رہا ہے؟ میں تو ایسی مثالوں پر مثالیں دیتا چلا جاؤں، لیکن ایوان کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ یہ موقع و محل بھی نہیں ہے۔

تم ہم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہو، میں حکومت سے پوچھتا ہوں؟ تمہیں یہ امید ہی کیوں ہے کہ ہم تمہارے لئے گلچینی کرینگے اور اپنے دست و دامن کے لئے کانٹوں کا خطرہ مول لیں گے؟ تم ہم سے کیوں متوقع رہتے ہو کہ ہم تمہارے نظر فریب چشم و ابرو کے اشاروں پر چلتے رہیں گے؟

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس مسودہ قانون مالگزاری کی حد تک ہمتیں کوئی امداد نہ دیں ــــــ اور دوسری طرف جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے ــــــ میں اس وقت تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ کانگریسی جماعت مسلم لیگ کے خلاف نہ صرف معاندانہ اور مخاصمانہ روش اختیار کئے ہوتے ہے بلکہ وہ بد اندیش اور ضرر رساں بھی ہے اس لئے میں ان سے کہتا ہوں کہ

تمہارے اور ہمارے مابین اشتراکِ عمل ممکن نہیں ہے۔

شاید وہ یہ کہیں کہ "بہت اچھا! ہماری تعداد یہاں سب سے زیادہ ہے" تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے! تم ترقی یافتہ اور تمہاری اقتصادیات مستحکم ہی سہی! اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے! —— لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں —— تم دونوں کو، کہ تم تنہا —— یا یہ ادارہ تنہا —— یا تم دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے، تم اس تہذیب کو مٹا نہ سکو گے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے، زندہ رہا ہے، اور زندہ رہے گا۔ تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم و تعدی کرو، ہمارے ساتھ بد ترین سلوک روا رکھو، ہم ایک نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔

اس ایوان سے ایک حتمی احتجاج اور اعلان ہے کہ مسودہ قانون مالگزاری کے متعلق ہماری روش کیا ہو گی۔ ہمارے قلوب سُلگ رہے ہیں۔ ان میں آگ لگی ہوئی ہے، ہمارا خون کھول رہا ہے، ہم جانتے ہیں کہ ہمیں مبتلائے مصیبت ہونا اور اس آگ سے گزرنا ہے ہم جو روش اختیار کرنے والے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم کسی ترمیم کی تحریک نہیں کرینگے۔ تم اپنے مسودہ کو جو چاہو کرو۔

ہم کانگرسی جماعت کی یا کسی جماعت کی تحریک ترمیم کی حمایت بھی نہیں کرینگے۔ غالباً اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کانگرس کو فتح اور حکومت کو شکست ہو جائے گی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اگر ہم غیر جانبدار رہے، اور ہم غیر جانبدار ہی رہیں گے تو انہیں کافی اکثریت حاصل ہو جائیگی —— لیکن میں اپنے کانگرسی دوستوں کو بتا دوں کہ تمہاری یہ فتح اس چھوٹے سے

کمرے کے باہر نہ جانے پائے گی جو غلام گردش کہلاتا ہے۔

اگر فتح پا جانے میں تمہیں اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے تو اُسے لے لو، تمہاری سچی جیت اور حقیقی فتح اسی وقت ہوگی جب تم اپنا ہاتھ بڑھاؤگے۔ اور اس خلیج کو پاٹ دوگے جو اِس جماعت اور اُس جماعت کے درمیان حائل ہے۔

ہم نے یہ قطعی طور پر طے کرلیا ہے کہ ہم کسی ترمیم پر رائے نہ دیں گے۔ خواہ اس کا کوئی محرک کیوں نہ ہو۔ ہم حکومت کی تائید نہیں کرینگے، کیونکہ حکومت برطانیہ ہمیں معمولی اور ابتدائی شہری حقوق بھی دلوانے میں ناکام رہی ہے۔ اور گورنر جنرل اور گورنروں کے وہ اختیارات خصوصی جن کو اقلیتوں کے امن و محافظین کا روپ دیا گیا تھا، محض ایک سازش ثابت ہوئے ہیں بلکہ سازش سے بھی بدتر ————

---

۱ کانپور کے ہولناک اور خونریز ہندو مسلم فساد کی طرف اشارہ ہے۔

۲ بنارس میں بھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی تھی۔

۳ بدایوں میں بھی اکثریت نے اقلیت کو زندہ رہنا دوبھر کردیا تھا۔

۴ انڈیا ایکٹ (۱۹۳۵ء) کی رو سے جو صوبائی آزادی ملی تھی اس کی رو سے گورنروں کو اختیار تھا کہ ہنگامی حالات میں یا عدل و انصاف کی خاطر وہ منتخب وزارت کے معاملات میں مداخلت کریں اور حالات کو روبراہ کریں۔

لیکن کانگرس نے کئی مہینے تک وزارت نہ قبول کرکے آئین کو معطل کردیا۔ اس کی شرط یہ تھی کہ جب تک یہ یقین نہ دلا دیا جائے کہ گورنر مداخلت نہیں کرینگے اسوقت تک وزارت قبول نہیں کی جاسکتی، آخر بعد از خرابیٔ بسیار حکومت نے یہ وعدہ کرلیا اور ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگرسی وزارتیں بن گئیں، ان وزارتوں نے مسلمانوں پر زیادتی کی انتہا کردی، نہ اُن کی فریاد سنی گئی، نہ مداوا کیا گیا، گاندھی جی سردار پٹیل کی

طرف اشارہ کر دیتے تھے، وہ کوئی بات سُننے اور ماننے کو تیار نہیں تھے اگورنروں سے عرض و معروض کی جاتی، تو وہ رسم وفا نباہتے ہوئے عدم مداخلت پر کاربند رہتے، مسلمان تڑپتے رہے لیکن نہ کانگرس کو رحم آیا نہ انگریز گورنروں کی رگِ انصاف پھڑکی، قائداعظم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۵ فلسطین میں مسلمانوں کے قتل عام کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں کی خاطر انگریز حکومت نے کیا تھا۔

۶ وزیرستان کے قبائل پر حکومتِ ہند نے مسلسل بم باری کو اپنا شعار بنا لیا تھا، قائداعظم کا یہ احتجاج اسی سے متعلق ہے

۷ جے پور میں مسلمانوں کی ایک خوبصورت اور قدیم مسجد تھی، جس میں ہمیشہ سے نماز ہوتی چلی آرہی تھی، اس مسجد کا دروازہ سڑک کی طرف نہیں تھا، بلکہ ایک گلی میں تھا، کیونکہ مہاراجہ کی حکومت اُسے گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ مسجد کا دروازہ شاہراہ کی طرف کھلے

ایک عرصے تک مسلمان عرض و معروض کرتے رہے لیکن شنوائی نہ ہوئی، آخر انھوں نے دروازے کا رُخ سڑک کی طرف کر دیا۔ اس پر حکومت کی مشینری حرکت میں آگئی، لاٹھیاں برسیں اور گولیاں چلیں سینکڑوں مسلمان آن کی آن میں ہلاک اور مجروح ہوگئے

۸ مگر "اقتدارِ اعلیٰ" یعنی حکومت برطانیہ یا وائسرائے کی طرف سے کوئی مداخلت یا بازپرس اس ظلم عام کے خلاف نہ ہوئی۔

"اَوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے"

۱۳ر نومبر ۱۹۳۹ء

یوم عید کے موقع پر قائد اعظم نے اپنی ملت کے نوجوانوں کو مخاطب کیا تھا اور انہیں بتایا تھا کہ اسلام کی اصل روح کیا ہے؛ اور اس کو بروئے کار لاکر وہ کس طرح ملک و ملت، اور انسانیت کی خدمت بجالا سکتے ہیں۔

قائد اعظم کا یہ پیام عید اتنا مؤثر تھا کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم تک اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، گاندھی جی نے اسے پڑھتے ہی مبارکباد کا ایک تار بھیجا اور ان خیالات کی گیرائی اور گہرائی، اور صداقت و حقیقت کا برملا اعتراف کیا، واقعہ بھی یہ ہے کہ قائد اعظم نے اس پیام میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے،

رئیس احمد جعفری

میں آج رات ہو سکے تو اپنے نوجوانوں کے قلوب کے نئے نئے وجد آفریں تاروں کو چھیڑوں گا کیونکہ اب سے انہیں کو ہماری تمناؤں کا بوجھ اٹھانا ہے۔

رمضان المبارک کا ضبطِ صوم و صلوٰۃ آج خداوند تعالیٰ کے حضور قلب کے لازوال عجز و انکسار کے ساتھ اختتام کو پہنچ رہا ہے، لیکن اسے کمزور قلب کا عجز و انکسار ہرگز نہ ہونا چاہیئے وہ ایسا کریں گے وہ خدا اور رسول کے مجرم ہیں کیونکہ تمام مذاہب میں یہ ایک حقیقت موجود ہے جو اگرچہ بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی، مگر ہے بالکل درست کہ عاجز و متواضع ہی قومی و طاقت ور ہوں گے اور یہ حقیقت مذہبِ اسلام میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے عبادت اور زندگی میں بہت گہرا اور حقیقی تعلق ہے، تمہیں معلوم

ہوگا کہ تمہارے مذہب نے تمہیں انسانی برادری سے میل ملاپ رکھنے، ان کی تحقیق کرنے انہیں سمجھنے اور جب سمجھ چکیں تو پھر ان کی خدمت کرنے کے کتنے عجیب مواقع عطا کیے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ یہ سارے مواقع آئین عبادت وضع کرکے پیدا کیے گئے ہیں۔

دن میں پانچ مرتبہ ہم کو اپنے محلہ کی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں ہمارا اجتماع ہوتا ہے۔ پھر ہم سال میں ایک دفعہ عید کے دن شہر کے باہر عید گاہ میں اکٹھے ہوتے ہیں اور سب سے آخر میں حج ہے۔ جہاں اطرافِ عالم سے مسلمانان کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ خانۂ خدا سے رجوع ہونے کے لئے آتے ہیں تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہماری عبادت کی یہ ترتیب اور طریقِ عمل ہمیں لازماً نہ صرف مسلمانوں سے ربط رکھنے کا موقع دیتا ہے بلکہ دوران سفر میں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی تعلقات قائم کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ میں نہیں باور کرتا کہ ہماری عبادت سے متعلق یہ احکام محض ایک خوش گوار اتفاق ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی تشکیل اسی غرض سے کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی سماجی روح نمو پاتی اور تسکین حاصل کرتی رہے۔

کلام اللہ میں انسان کو خدا کا خلیفہ کہا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف میں کچھ معنویت ہے تو پھر ہم پر قرآن کی اتباع کا فرض عاید ہو جاتا ہے۔ اور ہم پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں جیسا کہ خدا بنی نوع انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ فرض وسیع معنوں میں "صرف محبت کرنے اور شاکر رہنے کا فرض ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ فرض منفی نہیں بلکہ اثباتی ہے۔

ہمارے دلوں میں خلق اللہ کے لئے خواہ وہ کسی عقیدہ کے کیوں نہ ہوں اگر کوئی محبت اور رواداری کا جذبہ ہے تو اس کا عملی اظہار ہمارے روزمرہ کے معمولی فرائض کے دوران میں ہونا چاہئے۔ سعادت مندی اور خدا ترسی سے ہونا چاہئے۔

صوم وصلوٰۃ کی ریاضت سے ہماری اندرونی کیفیات تابندہ ہو گئی ہیں اوراس ارادے سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں کہ آج ہم اپنے گھر میں اپنی قوم میں اور اپنے ملک میں جہاں مختلف اعتقاد ومذاہب کے لوگ بستے ہیں کامل ارتباط اور میل ملاپ سے رہیں، اور ہم ایسے کام نہ کریں، خواہ وہ خانگی ہوں یا عامۃ الناس سے متعلق کہ جس کے نتائج خودغرضی پر مبنی ہوں بلکہ وہ اہل ملک کی فلاح وبہبود اور آخر میں ساری دنیائے انسانیت کی بھلائی کے لئے ہوں گے۔

یہ ایک بہت بلند تصور ہے، اور اس کے لئے بڑی کوششوں اور قربانیوں کی ضرورت ہے۔ تمہارے دلوں پر بسا اوقات خوف وبیم کے بادل چھا جائیں گے، نہ صرف مادی آویزشیں ہوں گی جن پر شاید تم ہمت وارادے سے قابو پا سکو گے۔ بلکہ روحانی تصادم بھی ہوں گے ہمیں ان سب کا مقابلہ کرنا ہے اور اگر آج جبکہ ہمارے قلوب عجز وانکسار کے جذبات سے مملو ہیں ہم نے اس علو ہمتی کے اثر کو قبول نہ کیا تو پھر ہم کبھی اس کے قابل نہ ہوں گے۔

ہمارے ہندو مسلم رہنما دونوں فرقہ وار تنازعات سے ملول ہیں۔ میں اس کے اسباب اور وجوہات کی تاریخ میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن کچھ لمحات ایسے آئیں گے جب کہ لوگوں کے دل مکدر ہوں گے اور اختلافات تصادم کی صورت اختیار کریں گے۔ میں تم سے کہوں گا کہ ایسے لمحات میں تم عید کی نمازوں کو یاد کر لیا کرو اور ان ہدایتوں کی روشنی میں جو قرآن حکیم نے تمہیں دی ہیں، اور اس جذبۂ عظیم کے تحت جو عین اسلام ہے، ذرا دیر کے لئے سوچو۔ یاد رکھو کہ ہمارے رسول پاکؐ کے نزدیک خدمت خلق اور رواداری سے بڑھ کر کوئی طریق عمل دیندارانہ اور مستحسن نہیں ہے۔ ہماری

سماجی کامرانیاں اور سیاسی آزادیاں اسی پر منحصر ہیں یہی زندگی کا اصل مفہوم ہے اور یہی حقیقت کبریٰ روحِ اسلام بلکہ عین اسلام ہے۔

عظیم الشان جلسوں اور معرکہ آرا تقریروں ہی سے سیاست کی تعمیر نہیں ہوتی۔ مجھ سے بہتیرے نوجوان یہ پوچھنے آتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔ میرے نوجوان دوستو! اگر آج رات میں سیاست پر کچھ کہوں گا تو وہ صرف ایک کلمۂ نصیحت ہوگا۔

مستقبل کے ہندوستان میں ہمارے کچھ حقوق اور دعاوی ہیں لیکن ہم اس میں تمرد نہ کریں گے کیونکہ تمرد سے ان جذباتِ محبت اور احساسِ مروت کی نفی ہوتی ہے۔ جن کا آنحضرت نے حکم دیا ہے اور جس پر ہم آج عید کے دن عمل پیرا ہیں۔ ہم میں کا ہر شخص اگر اپنی ہی تنظیم کر لے تو یہی ملک کی خدمت ہوگی۔ اور تنظیم و ضبط ہی آج کی ساعت مسعود کی جان ہے۔

کیا ہر شخص کے اطوار میں باقاعدگی اور نظم ہے؟ کیا ہر ایک مناسب وقت پر سوتا ہے؟ کیا ہر ایک سڑک کے بائیں جانب چلتا ہے یا سڑک پر کوڑا کرکٹ پھینکنے سے احتراز کرتا ہے؟ کیا ہر ایک اپنا کام مستعدی اور دیانت سے کرتا ہے؟ کیا ہر ایک دوسرے کو اتنی امداد دیتا ہے جتنی کہ دے سکتا ہے؟ کیا ہر ایک متحمل اور بردبار ہے؟ یہ ساری باتیں بیک نظر معمولی ہوتی ہیں، لیکن ان میں تنظیم مضمر ہے جو برتر ہندوستان کی تعمیر میں تمام قوموں اور فرقوں کی متفقہ کوششوں سے بیش قیمت ثابت ہوں گی جو تم کو سیاسی شہرت تو نہ عطا کریں گی لیکن جب تمہیں اس کا احساس ہوگا کہ تم نے سیاست والوں کے کام کو ہلکا کرنے میں کس قدر حصہ لیا ہے تو تمہارے دلوں کو ایک ابدی سکون بخشیں گی۔

ہمیں قرآنی دلائل کی روشنی میں اپنے اخلاق و عقائد کو درست کرنا چاہیئے، اور

اسی روشنی میں حق و صداقت کی جستجو بھی۔ اگر ہماری صداقت پرستی بے لاگ ہے تو ہم ضرور اپنے طریقہ پر منزل کو جالیں گے۔ راہِ راست اور صداقت پر چلتے ہوئے ہمیں اتنے ہی حصہ پر قناعت کرنی چاہیے۔ جس کو ہم دوسروں کی حق تلفی کے بغیر حاصل کر سکتے ہیں۔ اور سب سے آخر میں میری اس تاکید کو نہ بھولنا کہ اسلام ہر مسلمان سے متوقع ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر اپنا فرض ادا کرے۔"

سنہ ۱۹۴۰ء

جب قائدِ اعظم نے

مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا

ما ز نعمت ہائے او اخواں شدیم

یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم

کانگرس: بُست بنیاد بھی ہے، آئینۂ دیوار بھی ہے،

ہندوستان کے دستوری وسائل

۱۹؍جنوری سنہ ۱۹۴۰ء

قائد اعظم نے مسلم لیگ کے تن بے جان میں ایک نئی رُوح پیدا کر دی، اُسے ایک نئی زندگی سے آشنا کر دیا، اُسے نئے اور جوان حوصلوں سے معمور کر دیا، اور دیکھتے دیکھتے یہ جماعت ——— جس کی کہیں پُوچھ نہ تھی، جس کی کوئی وقعت نہ تھی، بازارِ سیاست میں جو کھوٹے سکّے کی حیثیت رکھتی تھی، جسے انگریز منہ لگاتے ہوئے اپنی توہین محسوس کرتے تھے جس کو ایوان کانگرس میں قدم رکھنے کی جرأت نہ تھی، جو عامۂ مسلمین کی نظر میں ایک جسدِ بے گور و کفن تھی مسلمانوں کی آنکھ کا تارا بن گئی، مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم اور نمائندہ جماعت بن گئی، انگریز حکومت کے لیے ناممکن ہو گیا کہ اُسے نظر انداز کر دے، کانگرس کے اربابِ کار مجبور ہو گئے کہ اُس کی طرف دستِ صلح بڑھائیں۔

حالات کا یہ انقلاب چشم زدن میں ہوا، افراد اور اشخاص کی زندگی میں بھی تین چار سال کوئی اہمیت نہیں رکھتے، لیکن قوموں اور ملتوں کی زندگی میں تو یہ مدت چند لمحات سے زیادہ نہیں ہے، اس مختصر مدت میں ایک علیحدہ جماعت زندہ ہوئی، اور اس کی سطوت و شوکت اور قوت و طاقت زلزلہ فگن بن گئی۔

اب تک مسلمانوں کی طرف سے بہت معمولی مطالبات پیش ہو رہے تھے، مسجد کے سامنے باجہ نہ بجایا جائے، بقرعید کی قربانی میں مداخلت نہ کی جائے، مرکزی اسمبلی میں ۳۳ فیصدی نشستیں دی جائیں، سندھ اور سرحد کو وہی صوبائی رتبہ دیا جائے، جو برطانوی ہند کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے، لیکن یہ معمولی مطالبات بھی جنہیں معروضات کہنا زیادہ مناسب

ہوگا۔ پائے حقارت سے ٹھکرا دیئے گئے

لیکن اب؛

اب مسلم لیگ کا مطالبہ تھا ——— پاکستان!

ناقابلِ مفاہمت مطالبہ!!

اس مطالبہ نے سارے ہندوستان کو زیروزبر کرکے رکھ دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ غیر ممالک بھی چونکتے ہوئے۔ غیر ممالک کے نمائندگان صحافت نے بھی مسلم لیگ کی اہمیت سمجھی، اور اس کے بعد قائداعظم کے پاس پنسل کاغذ لے کر انکے افکار و تاثرات نوٹ کرنے کے لئے پہنچنے لگے۔

یہ بیان قائداعظم نے لندن کے ممتاز صحیفے ٹائم اینڈ ٹائیڈ میں دیا تھا، جو نمایاں طور پر اس میں شائع ہوا۔ رئیس احمد جعفری

ہندوستان کا سیاسی مستقبل کیا ہے؛ برٹش گورنمنٹ نے اس ارادے کا اعلان کر دیا ہے، جلد سے جلد مدت میں جو عملی طور پر ممکن ہے، ہندوستان کو نوآبادیات کا درجہ دے دیا جائے، یہ درجہ ویسٹ منسٹر اسٹیٹیوٹ کے مطابق ہوگا، اس مقصد کے حصول کے لئے قدرتی طور پر برٹش گورنمنٹ چاہتی ہے کہ ہندوستان میں ایک جمہوری نظام حکومت قائم ہوا۔ یہ نظام وہ نظام ہے، جس سے برٹش گورنمنٹ اچھی طرح واقف ہے، اور اس کو سب سے بہتر نظام تصور کرتی ہے، اس نظام میں طریقہ کار یہ ہے کہ ملک کی حکومت، انتخاب کے نتیجہ کے مطابق سیاسی جماعتوں میں سے ایک جماعت کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

مگر ممبران برٹش پارلیمنٹ حالات ہندوستان سے اس قدر ناواقف ہیں کہ باوجود گذشتہ تجربات کے وہ اب تک یہ نہیں سمجھے اس قسم کی حکومت ہندوستان کے لئے بالکل نامناسب ہے، ان دونوں قوموں کے قانون اور کلچر پر ہی ان کا مذہب ساری وطاری نہیں، بلکہ ان کے سوشل زندگی ہر شعبہ پر حاوی ہے، ایسے مذاہب کے پیرو ایک دوسرے سے علیحدہ

رہیں گے، اوران میں فکروخیال کی وہ وحدت وہم آہنگی پیدا نہیں ہوسکتی، جس پرمغربی جمہوریت کی بنا رہے اور سوسائٹی کی تقسیم اوپر سے نیچے تک علیحدہ علیحدہ ہوگئی نہ کہ متوازی طریقے پر جس کا تصور مغربی جمہوریت میں کیا گیا ہے۔

ایک ہوشیار اور زیرک پالیٹیشن یعنی مہاتما گاندھی کی زیر ہدایت کانگرس نے جو قریب قریب ہندو جماعت ہے۔ مدتوں پہلے اس کو سمجھ لیا تھا، کہ مغربی نظام جمہوریت کے ذریعہ ہی یہ اُمید وتمنا پوری ہو گی، کہ تمام ہندوستان پر انہی کا غلبہ ہو، لہٰذا اُن کی ساری جدوجہد اُن کی ساری کوششیں اس کے لئے وقف کردی گئیں کہ ہندوستان میں جمہوری نظام حکومت قائم کیا جائے۔

لہٰذا کانگریس چیختی اور چلاتی تو یہ رہی، کہ جدید کانسٹیٹیوشن بالکل خراب ہے اور وہ ایسے ہرگز قبول نہ کرینگے، مگر ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ الیکشن لڑے جائیں، ہندوستان کے چھ ہندو صوبوں میں یعنی، بمبئی، مدراس۔ یو۔ پی بہار اور اڑلیسہ میں ان کی زبردست مجارٹی رہی، ایسا ہونا لازم تھا، اور غیر متوقع نہ تھا، لیکن جیسی کامیابی کانگریس کو ان چھ ہندو صوبوں میں ہوئی ویسی ہی ہندوستان کے پانچ مسلم صوبوں میں یعنی، بنگال۔ پنجاب سندھ۔ صوبہ سرحد اور آسام میں زبردست شکست ہوئی اور ہندو صوبوں میں بھی غیر ہندو حلقہ انتخابات میں، بالخصوص مسلم حلقہ ہائے انتخاب میں کانگرس کو کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ایک ایسی پارٹی کے لئے جس نے اپنا نام خود ہی نیشنل پارٹی رکھ لیا تھا، یہ صورت حالات اطمینان بخش نہ تھی۔

کانگرس کا ایک ہندو جماعت ہونا تمام وکمال ظاہر ہو گیا تھا۔ نیز مخالف پارٹی کو جس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی کچل دینا، اوراس کی رائے کی مطلق پروا نہ کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ گورنروں کو اختیار خصوصی حاصل تھے کہ وہ اقلیتوں کے

حقوق کی حفاظت کریں۔

اس کا اندازہ کر کے کانگرس نے بازی پر ترپ کا پتہ لگا دیا۔ اس نے حکومت کی ذمہ داری لینے اور قلمدان وزارت سنبھالنے سے انکار کر دیا، اب وہ ہوا جس سے تمام مسلمان اور دوسری اقلیتیں حیرت زدہ اور سراسیمہ ہو گئیں۔ یعنی وائسرائے اور گورنر خوشامد کرنے اور رجھانے پر اُتر آئے، وہ کانگرس سے پوچھنے لگے "فرمائیے آپ کو کیا چاہیئے کیا حکم ہے کس کس بات کا آپ ہم سے اطمینان چاہتے ہیں۔" کانگرس کا جواب تیار تھا، اور وہ یہ تھا۔ "وعدہ کرو کہ تم اپنے اختیارات خصوصی کا استعمال نہ کرو گے۔ تب زمام حکومت ہم اپنے ہاتھ میں لیں گے۔"

بہ سرعت تمام وہ جو اقلیتوں کے حقوق کے قانوناً محافظ قرار دیئے گئے تھے، اپنی مفروضہ امانت کو چھوڑ کر اور اس کا قلع قمع کر کے آکھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے پولیٹیکل حلیف بن گئے۔

مگر وہ خار اب بھی کھٹک رہا تھا یعنی حکومت اگر صرف ہندو حکومت ہوتی، اور سب وزیر ہندو ہی ہوتے تو وہ نیشنلزم کا ڈھونگ جو رچایا گیا تھا، وہ کھل جائے گا، کیونکہ ان چھ صوبوں میں کانگرس کے ٹکٹ پر ایک مسلمان بھی منتخب نہ ہوا تھا اور باقی صوبوں میں بہت سے بہت دو یا تین کانگرس کے ٹکٹ پر اسمبلی یا کونسل میں داخل ہوئے تھے، مگر کیا پروا ہے؛ ان مسلمان ممبروں میں کم سے کم ایک ممبر تو ایسا ضرور ملجائے گا، جسے وزارت کا لالچ جادہ استقلال سے منحرف کر دے گا۔ وہ اُسے وزارت کا چارہ دینگے، بہ شرطیکہ وہ کانگرس "پلیج" پر دستخط کر دے، یعنی یہ وعدہ کرے کہ آئندہ سے جو کانگرس کا سیاسی مذہب وہی میرا مذہب۔

مگر سوال یہ تھا کہ کیا گورنر واقعات کو اس طرح چھپا کر اور اصلی رنگ کو دبا کر دوسرے رنگ میں ظاہر کرنے پر رضی ہو جائیں گے؟۔

ملک معظم کی جانب سے جو ہدایات گورنروں کو دی گئی تھیں، اُن میں کیا تحریر تھا، یہ کہ "ہم اپنے گورنر صاحبان کو حکم دیتے ہیں کہ مجلسِ قانون ساز کے ممبران کی اکثریت کا جس شخص کو اعتماد حاصل ہو اس کا مشورہ لے کر ایسے شخصوں کو عہدۂ وزارت کے لئے منتخب کیا جائے جس پر بحیثیت مجموعی مجلس قانون ساز کو بھروسہ ہو، ان وزراء میں جہاں تک ممکن ہو، اہم اور معتبر اقلیتوں کے ممبر بھی وزیر بنائے جائیں، تقرر وزراء کے وقت گورنر صاحبان اس کا بھی خیال رکھیں کہ وزراء میں مشترک ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جائے" ورکنگ کمیٹی نے ان ہدایات کے مطالب پر بہت تعمق کے ساتھ غور کیا، یہ ہدایت دو حصوں پر مشتمل تھیں،

ان الفاظ میں جو معنی، جو روح پنہاں ہے، وہ صاف ہے، ہدایت یہ تھی کہ وہ اہم اقلیتوں میں سے بھی ایسے وزیر منتخب کریں جن پر ان کو بھروسہ ہو، اور چونکہ لیگ اور کانگریس کے پولیٹیکل پروگرام میں بہت فرق نہ تھا، اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کوئی مسلم لیگی ممبر وزیر مقرر نہ کیا جا سکے

مگر ہدایت کی آخری سطر پر بھی تو نظر ڈالنی چاہیئے۔

"تقرر وزراء کے وقت گورنر صاحبان اس کا بھی خیال رکھیں کہ وزراء میں مشترک ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جائے"

یہ ہدایت اپنی مطلب برآری کے لئے کام میں لائی جا سکتی تھی، بہ شرطیکہ ہدایت ثانی جو محض بطور مشورہ تھی اور ہدایت اول سے بالاتر قرار دینے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

یہ مشترک ذمہ داری نہیں لی جا سکتی تاوقتیکہ مسلم وزیر ورکنگ کمیٹی کے حکم کی تعمیل نہ کرے دعوے پیش کرتے ہی قضیہ کانگریس کے حق میں فیصل ہو گیا، گورنر صاحبان نے نہایت اطاعت مندانہ طریقے سے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس غرض سے کہ کانگریس پبلک کو دھوکا دے کر یہ کہہ سکے کہ وہ نیشنل اور قوم کے ہر جز کا یعنی اقلیتوں کا بھی خیال رکھتی ہے، اس لئے اس نے مجلس وزراء میں مسلمان وزیر کو بھی رکھ لیا، مگر یہ مسلمان وزیر جو مسلمانوں کے نمائندے بنا کر رکھے گئے تھے۔

وہ تھے جو کسی عنوان نمائندے نہ کہے جا سکتے تھے[1] یہ مسلمان وزیر، کانگریس "پلیج" پر دستخط کر کے ورکنگ کمیٹی کے حلقہ بگوش بن گئے، اور اسی کے احکام کی بجا آوری اس پر فرض تھی،

ایسی آسانی سے جو کامیابیاں حاصل ہوئیں تو کانگریس کا دماغ چل گیا۔ وہ قوت و طاقت کے نشہ میں مست ہو گئی، کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے تئیں وہ حیثیت دے لی گویا وہ ایک دوسری مرکزی حکومت اور اصلی مرکزی حکومت اسی کے ہم عنان چل رہی ہے۔ اور صوبوں کی حکومتیں اس کے حضور میں جواب دہ ہیں، ہر حصہ ملک کے لئے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے وزراء ڈکٹیٹروں کے حکم پر چلتے تھے، جن کے منظوری کے بغیر کوئی قانون پاس نہیں کیا جا سکتا تھا مخالف پارٹی کی نحیف آواز کو بھی اس کے بعد انہوں نے دبانا چاہا، انگریزوں سے سمجھ لینے کے بعد وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تمام ہندوستان میں مسلمانوں پر حملے شروع کئے گئے۔ مسلمان صوبوں میں جو وزارتیں مختلف پارٹیوں کو ملا کر قائم کی گئی تھیں، مگر جس میں شریک غالب مسلمان تھے، انہیں شکست دینے کی کوشش کی گئی اور سیاسی منافع کا لالچ دے دے کر لوگوں کو ان وزارتوں کے خلاف بھڑکایا گیا، اور آخرکار صوبہ سرحد اور آسام میں کانگریسی وزارتیں قائم ہو گئیں[2]

ان چھ ہندو صوبوں میں ہندو کلچر کے لئے جنگ شروع کر دی گئی، یہ کوشش کی گئی کہ کانگریس پارٹی کا راگ یعنی بندے ماترم قومی ترانہ قرار دیا جائے۔ پارٹی کا جھنڈا قومی مانا جائے اور حقیقی قومی زبان اردو کی جگہ ہندی لے لے[3]

کانگریس حکومتوں نے جس وقت استعفے دیئے، اس سے مین قبل کی کیفیت وہ تھی، جس کا خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے۔

مناسب ہوگا اگر اہل انگلستان ان حالات پر غور کریں، کیا وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان ٹوٹے لی ٹیرین ہندو سلطنت ہو جائے (یعنی

ایسی سلطنت جس میں حاکم وقت ایک آمر و ڈکٹیٹر کی حیثیت رکھتا ہو، اور اہل ملک کو امور سلطنت میں کوئی دخل نہ ہو۔ جس میں مرکزی حکومت اور صوبے کی حکومتیں مجالس قانون ساز کے سامنے اور حلقہ رائے دہندگان کے سامنے جواب دہ نہ ہوں، بلکہ اُن پر ایک ایسی ٹولی کا حکم چلتا ہو۔ جس کا ذکر آئین میں کہیں نہیں، یہ ٹولی یہ جماعت کانگریس کی ورکنگ کمیٹی ہے۔ میں انگریزوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کانگریس کا مطالبہ کہ ہندوستان کا دستور ایک کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی تیار کرے، منظور ہوا تو ایسی ہی جبر و استبداد کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

اب تک ہم نے مرض اور اس کے آثار کو تشخیص کیا۔ اس کا علاج کیا ہے؟

(۱) برطانوی لوگوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے حالات مغربی جمہوریت کے لئے کسی طرح سازگار نہیں ہیں اور اس بارہ میں ان کی تمام جدوجہد محض لایعنی اور بے سود ہے۔

۲۔ ہندوستان میں پارٹی گورنمنٹ کسی طرح درست نہیں۔ تمام حکومتیں عام اس سے وہ مرکزی ہوں یا صوبوں کی ایسی ہونی چاہئیں، جو باشندگان ملک کے تمام طبقوں کی صحیح نمائندگی کرسکیں[1]۔

اسی ضمن میں آل انڈیا مسلم لیگ نے حسب ذیل اصول مقرر کئے ہیں۔

۱۔ برٹش گورنمنٹ کو چاہیئے کہ وہ ہندوستان کے مجوزہ قانون اساسی از سر نو غور کرے۔

۲۔ مسلم لیگ کا مقصد اول اور منزل آخر ایک آزاد ہندوستان ہے۔ مگر وہ ایسے فیڈرل مطمح نظر کے سخت مخالف ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ جو فرقہ جو قوم اکثریت میں ہو، حکومت اوسی کے ہاتھ میں ہو۔ گو دکھانے کو جمہوریت یا پارلیمنٹری کا روپ دھارا جائے۔

---

[1] کیونکہ نہ اسمبلی کے مسلم ممبروں کا اعتماد نہیں حاصل تھا، نہ اپنے حلقہ انتخاب کی نیابت

کر رہے تھے یا تو یہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے، اور اس سے غداری کر کے کانگرس میں شریک ہو گئے، یا اپنے جوڑ توڑ سے اسمبلی میں پہنچ گئے، لیکن اپنی قوم کے اعتماد سے محروم رہے۔

۲ صوبہ سرحد میں خان عبدالغفار خان برسوں سے کانگرس کے لئے کام کر رہے تھے۔ ان کے برادر بزرگ ڈاکٹر خان صاحب میں اتنی سکت نہ تھی مسلم ممبروں کو ملا کر وزارت بنا سکتے، لہٰذا انہوں نے ہندو اور سکھ ممبران کی پشت پناہی سے ——————

انہیں فائدہ پہنچا کر اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر وزارت بنائی، مسٹر مہر چند کھنّہ موجودہ وزیر بحالیات حکومتِ ہند انہی ڈاکٹر خان صاحب کی "دریافت" ہیں۔

آسام میں بھی یہی چال چلی گئی۔

۳ قائدِ اعظم کے الفاظ غور طلب ہیں، متحدہ ہندوستان میں بیٹھ کر وہ اردو زبان کو "حقیقی قومی زبان" فرما رہے ہیں، لیکن پاکستان بننے کے بعد یہاں کے سیاست دانوں نے اس لئے کہ وہ قائدِ اعظم کی طرح عوام پر اثر نہیں رکھتے تھے، اور اپنی وزارت قائم رکھنے کے لئے شورش پسندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، اردو کی "حقیقی قومی زبان" بنانے کی جرأت نہ کر سکے۔

۴ یعنی جو لوگ وزیر بنائے جائیں، وہ اپنی قوم کے ممبران اسمبلی کا اعتماد رکھتے ہوں۔ غداری کو ختم کرنے کی اس سے بہتر تدبیر ممکن ہی نہ تھی۔

۵ آزادی کا جہاں تک تعلق تھا مسلم لیگ اور کانگرس، گاندھی جی اور قائدِ اعظم میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

برطانوی پالیسی پر قائد اعظم کی کڑی نکتہ چینی

لیگ کے مطالبات انگریزوں سے!

۲۵ ؍ فروری ۱۹۴۰ء

دوسری جنگِ عظیم پوری شدت کے ساتھ جاری ہے، اتحادی اور محوری طاقتیں ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تُلی ہوئی ہیں، بظاہر اتحادی کمزور ہیں اور محوری شہ زور، ہٹلر کی ترکتازیاں جاری ہیں، وہ آدھے سے زیادہ یورپ پر قبضہ کر چکا ہے، مسولینی اس کا رفیق ہے اور روس بھی ابھی تک ہٹلر کا دوست اور ساتھی اور اتحادی ہے۔

حکومت برطانیہ اس جنگ کو جیتنے کے لئے ہندوستان کا تعاون ضروری سمجھتی ہے۔ وہ کانگرس اور مسلم لیگ کی طرف دستِ تعاون بڑھاتی ہے، دونوں سے مساعی جنگ میں رفاقت کی متمنی ہے۔

اس سلسلے میں مسلم لیگ کے مطالبات کیا تھے؟ اور حکومت نے کیا روش اختیار کی، قائد اعظم نے لیگ کونسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے یہی بات بتائی ہے۔

رئیس احمد جعفری

وائسرائے کو وقتاً فوقتاً مجلس عاملہ کے فیصلے بھیجے جاتے رہے ان مراسلات کا اختتام ۳ ؍ فروری ۱۹۴۰ء کی قرارداد پر ہوا جس میں انہوں نے ساری خط و کتابت پر غور کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ مجلس عاملہ کی وہ قرارداد بھی ان کے پاس ۶ ؍ فروری کو بھیج دی گئی تھی، جس میں بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے اُن سے کہا گیا تھا کہ وہ سارے معاملہ پر نظر ثانی فرمائیں۔ اس نوبت پر سارا معاملہ ملتوی ہو گیا ہے اور ہم اس انتظار میں

ہیں کہ دیکھیں وہ اسکے بعد کیا قصد رکھتے ہیں۔

لیگ کے پنجگانہ مطالبات کے سلسلہ میں آپ نے بتایا کہ جناب وائسرائے کے پاس سے کیا جواب وصول ہوا ہے۔ ان مطالبات میں سے ایک کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ لیگ کا مطالبہ تھا کہ ہندوستانی افواج کو ہندوستان کے باہر کسی اسلامی طاقت یا ملک کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ہندوستانی افواج کو مدافعت میں استعمال نہ کیا جائے اگر کوئی ملک ہندوستان پر حملہ کر دے تو یقیناً ہندوستانی فوجوں کو ہندوستانی سرحدوں کے تحفظ کے لئے لڑنا پڑے گا۔

لیگ کا مطالبہ تھا کہ حکومت اپنی طرف سے یہ اعلان کر دے کہ موجودہ قانون ۱۹۳۵ء کو یکسر ختم کر دیا جائے گا۔ اور دستوری اصلاحات کی پوری تجویز کو ڈھائی سالہ حاصل شدہ عملی تجربے کی روشنی میں اور اس تجربے کی روشنی میں جو اس کے بعد حاصل ہوا، از سر نو جانچا جائے گا؛

وائسرائے نے اس مطالبہ کا تسلی بخش جواب دیا اور یہ یقین دلایا ہے کہ قانون ۱۹۳۵ء کی ساری تجویز اور اس کے ساتھ ہی اس کی حکمت عملی اور ان خاکوں کو بھی جانچا جائے گا، جن پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے

مسلم لیگ کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ وہ کسی اعلان یا دستور کے نفاذ کو اس وقت تک قبول نہ کرے گی جب تک کہ قبل از قبل لیگ کی رضامندی نہ حاصل کر لی جائے۔ اور نہ دباؤ ڈال کر یا کسی دوسری جماعت کی اجازت سے خواہ وہ کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر کوئی عارضی تصفیہ ہو سکے گا۔

اس معاملہ میں بھی وائسرائے نے یقین دلایا تھا کہ ہز مجسٹی کی حکومت مسلمانوں کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اور کوئی ایسا تصفیہ جس میں انہیں نظر انداز کیا گیا ہو نا قابل قیاس ہے۔

چوتھا مطالبہ عربوں سے متعلق تھا۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کی طرف سے توجہ دلائی کہ تصفیہ پر پہنچنے کی کوشش سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ حکومت برطانیہ کو چاہیئے کہ وہ فی الفور کوئی ایسا تصفیہ کر دے جو عربوں کے اطمینان کا باعث ہو۔ لیگ کا آخری مطالبہ کانگرس کے زیر اقتدار صوبجات میں مسلمانوں کی شکایت پر مشتمل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ جب کانگریسی وزارتوں کا وجود ہی نہ ہو تو گورنر جنرل مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔

اس مسئلہ کے دو جزو ہیں۔ پہلا جزو تو یہ ہے کہ ہم نے پوری طرح واضح کر دیا تھا۔ کہ کانگریس کے زیر حکومت صوبوں میں مسلمانوں پر جبر و ظلم ہو رہا ہے۔ اور لیگ کے اراکین خاص طور پر نشانہ ستم بنائے جا رہے ہیں۔

کانگرسی ہائی کمان نے ان بیانات کو غلط بتایا ہے، لیکن وہ ایک عدالتی تحقیق پر رضا مند تھی۔ یہ تجویز مہمل تھی جس کے وجوہات پہلے ہی بتائے جا چکے ہیں۔ دوسری طرف میں نے یہ تجویز قبول کرنے کی پیشکش کی تھی کہ ایک شاہی کمیشن بلایا جائے جو برطانی عدالت العالیہ کے دو جج اور ایک پریوی کونسل کے لارڈ کی صدارت پر مشتمل ہو۔ کیونکہ ایک ایسی ہی عدالت انصاف کر سکتی تھی جو ملک کی مسموم فضا سے متاثر نہ ہوئی ہو۔ اور جو گواہوں کی حلفاً جانچ پڑتال کرنے اور دستاویزات کو برآمد کرانے کے ضروری اختیارات رکھتی ہو۔[۲]

لیکن کانگرس نے یہ کہہ کر اس تجویز کا مضحکہ اڑایا کہ ہم اپنے گھریلو معاملات میں غیر ملکی امداد و اعانت کا جادو جگا رہے ہیں۔ گویا ان کے (کانگریس کے) مجوزہ سر مورس گوئر خالص سودیشی تھے یا انہوں نے وردھا میں جنم لیا تھا!

اس کا دوسرا جزو یہ ہے کہ آیا کانگریسی ہائی کمان کی بدملی وزارتیں دوبارہ برسر اقتدار لائی جائیں گی! یوم نجات کے مظاہروں سے یہ پورے طور پر واضح کیا گیا تھا کہ ہر فرقہ و سے تعلق رکھنے والے اشخاص جو کانگریس سے باہر ہیں کانگرسی راج کے کس قدر

خلاف ہیں۔ اس میں ایسے ہندو بھی شامل تھے جو ہندو مہاسبھا کے رکن ہیں۔ انہوں نے لیگ کے پلیٹ فارم سے ہمارے ساتھ مل کر دعائیں کیں تھیں۔

اس کے بعد دوسرا سوال اقلیتوں کی حفاظت کا ہے۔ مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی مدافعت عدم تشدد سے کریں اور اگر ضرورت پڑے تو تشدد بھی روا رکھیں گے۔

مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو بھی ایسی ہی نصیحت کی تھی۔ اگر اس نصیحت پر عمل کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اقلیتوں کو اپنی خانگی فوج پر انحصار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ حکومت انہیں نہیں بچا سکتی۔

۱۹۲۵ء سے مسٹر گاندھی اور ان کی ہندو مسلم اتحاد کی مبینہ کوششوں کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ گاندھی جی بعض اوقات تاریکی دیکھتے ہیں اور بعض اوقات روشنی لیکن وہ کبھی اصل سوال کے قریب نہیں آتے۔

ان کے اس اعتراف سے مسلم لیگ سے گفت و شنید کرنے کے لئے ہندو مہاسبھا جائز ادارہ ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کانگرس کس کی نمائندگی کرتی ہے؟ کیا وہ مسلمان کی نمائندہ ہے؟ مسٹر گاندھی اور کانگریس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔

آخر میں قائداعظم نے فرمایا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے اگر اب بھی تم نے ہمارا مقصد نہیں سمجھا تو میں کہوں گا کہ تم کبھی نہ سمجھ سکو گے۔ یہ بالکل صاف ہے۔ برطانیہ عظمیٰ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگرس مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو اور نہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دینگے ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔

لے یہ بھی کانگرس کی ایک چال تھی وہ سر مارس گائر کو یہ تحقیقات سونپنا چاہتی تھی، جو فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے چیف جسٹس تھے، اور علانیہ طور پر کانگرس کے دوست تھے۔ گاندھی جی نے جب راجکوٹ میں مرن برت رکھا تو یہی سر مارس گائر تھے۔ جنہوں نے گاندھی جی کی طرفداری کی، اور ان کے موقف کی تائید کی تقسیم ہند کے بعد بھی یہ دلی کی یونیورسٹی کے چانسلر کی حیثیت سے ہندوستان میں عرصہ دراز تک مقیم رہے،

۲ے اس کے برعکس اگر غیر جانبدار ججوں کی عدالت اس اہم ترین مسئلہ کا فیصلہ کرتی تو ضرور غیر جانبداری کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتی، اور پھر فیصلہ صادر کرتی،

۳ے وہ وزارتیں جو کسی جماعت کے زیر انتداب قائم ہوں اور وہی ان کے اعمال و افعال کا محاسبہ کرے، اور وقتاً فوقتاً پالیسی کے سلسلے میں ان کی رہنمائی کرتی اور ہدایات دیتی رہے۔

لاہور کے تاریخی اجلاس کا خطبۂ صدارت!

یہ ہے منزل ——!

مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

پاکستان کا ایک مبہم سا تصور تقریباً نصف صدی پیشتر سب سے پہلے جسٹس میاں شاہدین (جن کی یادگار کے طور پر عرصہ تک ان کے صاحبزادے میاں بشیر احمد رسالہ ہمایوں نکالتے رہے) نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا خطبۂ صدارت دیتے (شاید بمقام آگرہ) مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا، جس میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک وحدت بنا دینے کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

پھر کیمبرج یونیورسٹی کے ایک طالب علم رحمت علی صاحب نے "پاکستان" کے نام سے ایک تجویز مرتب کی، لیکن وہ مجذوب کی بڑ سمجھی گئی۔

پھر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال رح نے پاکستان کا نام لئے بغیر تقسیم ہند کا ایک خاکہ پیش کیا، لیکن اس پر بھی کسی نے توجہ نہ کی۔ کچھ دنوں تک پریس میں غوغا رہا، پھر سب خاموش ہو گئے —— حتیٰ کہ علامہ تک بھی

پھر سنہ ۱۹۴۰ء میں یہی نعرہ قائدِ اعظم کی زبان سے نکلا، اور آن کی آن میں سارے مسلم ہندوستان کا مطالبہ بن گیا —— نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

مسلم لیگ کی تاریخ میں یہ اجلاس ناقابل فراموش تاریخی اہمیت اور عظمت کا حامل ہے، اس اجلاس کے بعد مسلم لیگ میں جو قوت پیدا ہوئی، مسلمانوں میں جو اتحاد ہوا، اور کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کا قافلہ حریت جس طرح منزلِ پاکستان کی طرف گامزن ہوا، اس کی مثال دنیا کی کوئی غلام

قوم نہیں پیش کر سکتی، یہ مسلمانانِ ہند کا قابلِ فخر کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہیگا!

(رئیس احمد جعفری)

خواتین وحضرات! آج پندرہ مہینوں کے بعد یہ اجلاس ہو رہا ہے۔ اس کی تنظیم نے گزشتہ پندرہ مہینوں کے اندر بہت ترقی کی ہے۔ میں آپ کو یہ مسرت آمیز اطلاع دیتا ہوں کہ ہم نے ہر ایک صوبہ میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کر دی ہیں، دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ لیجسلیٹو اسمبلی کے ہر ایک ضمنی انتخاب میں ہم نے طاقتور مخالفوں کا مقابلہ کیا۔ میں مسلمانوں کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے تمام آزمائشوں میں کمال جرأت و ہمت سے کام کیا۔ کسی ایک جگہ بھی مسلم لیگ سو فی صدی کامیاب ہوئی۔

ہمیں جنوری سنہ ۱۹۳۵ء سے آغازِ جنگ تک بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگپور میں ودیا مندر سکیم اور ہندوستان کے تمام حصوں میں واردھا سکیم کے مسئلہ پر ہماری توجہ مرکوز تھی[1]۔ کانگرسی حکومتوں کے صوبوں میں ستایا اور دبایا جا رہا تھا، ریاست جے پور اور بہاڑ نگر[2] میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا اس نے ہماری توجہ اپنی طرف جذب کر رکھی تھی۔ راجکوٹ[3] کی مختصر سی ریاست میں ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اور ہمیں اس سے عہدہ برآ ہونا تھا۔ راجکوٹ کے معاملہ کو کانگرس نے ایک آزمائشی مسئلہ بنالیا تھا۔ جو ایک ثلث ہندوستان پر اثر انداز ہوتا۔ اس طرح مسلم لیگ جنوری سنہ ۱۹۳۹ء سے جنگ کے آغاز تک بہت اہم مسائل سے دوچار ہوئی۔ جنگ کے آغاز سے پہلے ہندوستان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مرکزی حکومت میں فیڈرل اسکیم نافذ کر دی جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں کیا ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں، لیکن مسلمان ہر طرح سختی سے اُن کی مخالفت کر رہے تھے ہم سمجھتے تھے کہ مرکزی فیڈرل حکومت کی خطرناک سکیم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء میں درج ہے ہرگز منظور نہیں کرنی چاہیئے۔ برطانوی حکومت کو مرکزی فیڈرل حکومت کی سکیم سے دست برداری کی ترغیب میں ہم نے کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اس امر کو برطانوی حکومت کے ذہن نشین کرانے میں

بھی مسلم لیگ کا حصّہ کچھ کم نہیں ۔ آپ جانتے ہیں کہ انگریز ضدی ہیں اور قدامت پسند اور چالاک ہونے کے باوجود دیر فہم ہیں۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد وائسرائے نے مسلم لیگ سے مدد کی درخواست کی۔ اور اسی وقت اُسے معلوم ہوا کہ مسلم لیگ ایک طاقت ہے۔ اس لئے کہ جنگ چھڑنے سے پہلے تک وائسرائے نے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا، بلکہ گاندھی اور صرف گاندھی کو یہ شرف حاصل ہوتا رہا۔ میں لیجسلیچر میں کافی عرصہ تک ایک اہم پارٹی کا لیڈر رہ چکا ہوں جو موجودہ پارٹی سے جسکی قیادت کی عزّت مجھے حاصل ہے ابھی بڑی تھی، یعنی مرکزی اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی۔ لیکن اسکے باوجود وائسرائے نے اس سے پہلے مجھے کبھی یاد نہیں فرمایا۔ جس وقت جناب گاندھی کے ساتھ مجھے وائسرائے کا دعوت نامہ وصول ہوا تو میں حیران ہو گیا۔ یکایک یہ ترقی کیسے بخشی گئی ہے۔ پھر سوچا کہ یہ سب کچھ مسلم لیگ کی وجہ سے ہے جس کا صدر حسنِ اتفاق سے میں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے کانگرس ہائی کمان کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اور کیوں نہ پہنچتا۔ میرا بلایا جانا ہندوستان کی واحد نمائندگی کے حق کے متعلق کانگرس کے دعوے کو ایک چیلنج تھا۔

مسلمانوں کو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جو کچھ دیکھا اور سُنا ہے، اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ مسلم ہندوستان ہوشیار اور بیدار ہو گیا ہے۔ اور مسلم لیگ نے ایک ایسے طاقت وارادے کی حیثیت اختیار کرلی ہے کہ اس کو کوئی شخص فنا نہیں کرسکتا۔ آدمی آئیں گے اور جائیں گے لیکن لیگ ہمیشہ قائم رہے گی۔

جنگ چھڑ جانے کے بعد ہماری حالت یہ تھی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری طرف کھائی تھی۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ جنگ کے ساتھ ہی یہ حالت بھی ختم ہو جائے گی۔ بہرحال ہم نہایت واضح طور پر ہندوستان کی آزادی کے طالب ہیں لیکن یہ آزادی تمام ہندوستان کی آزادی ہونی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ ایک جماعت کو بصورت میں یعنی کانگرس کو آزادی مل جائے اور مسلمان و دیگر اقلیتیں غلام بنی رہیں۔

ہم ہندوستان میں رہتے ہیں اور کانگرسی صوبوں میں کانگرس کی ۲½ سالہ حکومت کے دوران میں ہم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ اب ہم بہت بدگمان ہو چکے ہیں اور کسی پر اعتماد نہیں کر سکتے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہر شخص کے لئے بہتر اصول ہوگا کہ کسی پر بہت زیادہ اعتبار نہ کرے۔ بعض اوقات ہمیں اعتبار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص غداری کرے تو اس غداری سے یہ سبق لینا چاہیئے کہ آئندہ غداری کرنے والوں پر اعتبار نہ کیا جائے۔

خواتین وحضرات! ہم کبھی بھی یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ کانگرس ہائی کمان وہ کام کرے گی، جو اس نے کانگرسی صوبوں میں کئے۔ میں خواب میں بھی گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اس حد تک پستی میں اتر آئے گی۔ میں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ کانگرس اور انگریزوں کے درمیان کوئی شریفانہ معاہدہ ہو سکتا ہے اور معاہدہ بھی ایسا مستحکم کہ ہم چیختے چلاتے رہے، لیکن نہ گورنروں نے یہ چیخ و پکار سنی، نہ گورنر جنرل نے دخل دیا۔ ہم نے انہیں یاد دلایا کہ آپ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مفاد اور تحفظ کا حلف اٹھا چکے ہیں لیکن وہ تمام عہد و پیمان تقویم پارینہ بن چکے تھے۔ آخر قسمت ہماری امداد کے لئے آئی۔ وہ "شریفانہ معاہدہ" پارہ پارہ ہو گیا اور کانگرس نے عہدے چھوڑ دیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عہدے چھوڑ دینے کا بہت قلق ہے۔ اُن کی قوتِ فعال ختم ہو گئی۔ اچھا ہوا۔ ان واقعات کے پیشِ نظر میں آپ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپیل کرتا ہوں کہ اپنی تنظیم اس طور پر کیجئے کہ کسی پر مدار کار رکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ یہی آپ کا واحد اور بہترین تحفظ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ہم کسی کے خلاف جذبۂ بدخواہی یا عناد رکھیں۔ اپنے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے لئے وہ طاقت پیدا کر لیجئے کہ آپ اپنی مدافعت کر سکیں۔ میں صرف اسی بات پر زور دینا چاہتا ہوں۔

آئندہ آئین کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ جونہی حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ جنگ کے فوراً بعد ہندوستان کے آئین کے مسئلہ پر نظر ثانی کی جائے اور ایکٹ ۱۹۳۵ء

کہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ برطانیہ سے اعلانات کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ ان اعلانات کا درحقیقت کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اعلانات کا مطالبہ کر کے برطانی حکومت کو اس ملک سے نہیں نکال سکتے۔ بہرحال کانگریس نے وائسرائے سے اعلان کا مطالبہ کیا۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ "میں اعلان کر چکا ہوں" کانگریس نے کہا نہیں نہیں ہم دوسری قسم کا اعلان چاہتے ہیں، آپ کو اسی وقت اور ابھی یہ اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہندوستان آزاد اور خود مختار ملک ہے اور حق رائے دہی بالغان یا اس سے بھی فروتر معیار رائے دہی پر ایک، دستوری اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین مرتب کر سکتا ہے۔ یہ دستوری اسمبلی اقلیتوں کے جائز مفاد کو مطمئن کر دے گی۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوں تو ایک اعلیٰ قسم کا اور غیر جانبدار ٹربیونل اس قضیہ کو فیصل کرنے کے لئے مقرر کر دیا جائے۔ اول تو یہ تجویز ہی ناقابل عمل ہے۔ دوسرے تاریخی اور آئینی طور پر حکمران طاقت سے یہ مطالبہ کرنا لغویت ہے کہ آئینی اسمبلی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ ان امور سے قطع نظر فرض کیجئے ہم حق رائے دہی کے اس معیار سے مطمئن نہیں جس کی بنا پر مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہونا ہے۔ یا فرض کیجئے کہ مسلم نمائندوں کی جماعت دستوری اسمبلی میں اکثریت سے متفق نہیں ہوتی تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس اسمبلی میں ان امور کے سوا جو اقلیتوں کے تحفظ کے لئے ضروری ہوں، ہندوستان کے قومی آئین کی ترتیب کے متعلق کسی مسئلہ سے اختلاف رائے کا حق نہیں رکھتے۔ اس طرح ہمیں صرف یہ رعایت دی جا رہی ہے کہ صرف اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے متعلق اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں۔ ہمارے ساتھ یہ رعایت بھی روا رکھی جا رہی ہے کہ اپنے نمائندہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب سے بھیج سکیں۔ مذکورہ بالا تجویز کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ جونہی یہ آئین مرتب ہوگا برطانی حکومت ہندوستان میں ختم ہو جائے گی۔ بصورت دیگر یہ تجویز بے معنی ٹھہرتی ہے۔ جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ آئین ہی اس

امر کا فیصلہ کرے گا کہ آیا برطانی حکومت ہندوستان میں کلیتاً یا کسی خاص حد تک ختم ہو جائے پہلے اعلان کر دیجئے کہ آپ آزاد اور خود مختار ہیں۔ اسکے بعد میں سوچوں گا کہ آپ کو کیا چیز واپس دے دوں۔ کیا جناب گاندھی ایسی باتیں کرتے وقت درحقیقت کامل آزادی چاہتے ہیں؛ برطانی حکومت ختم ہو نہ ہو ہندوستانیوں کو بہر صورت وسیع اختیارات منتقل کئے جائیں گے۔ دستوری اسمبلی کی اکثریت اور مسلمانوں میں اختلاف رائے ہوا تو ٹربیونل کون مقرر کرے گا۔ فرض کیجئے ٹربیونل کا قیام ممکن ہے اور فیصلہ بھی سنا دیتا ہے لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ اسکے فیصلہ کو نافذ یا اسکی شرائط پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس امر پر کون نگاہ رکھے گا کہ ٹربیونل کے فیصلہ کا احترام کیا جائے گا۔ اس لئے کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے اختیارات کلیتاً ختم ہو جائیں گے۔ اس صورت میں کون سی طاقت ٹربیونل کے فیصلہ کو نافذ کرائے گی؟ ان سب سوالات کا جواب صرف ایک ہے "ہندو اکثریت" اب دیکھنا یہ ہے کہ فیصلہ کا نفاذ برطانوی سنگینوں کی مدد سے ہوگا یا جناب گاندھی کی "اہنسا" کے زور سے۔ کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سماجی ربط کے متعلق اس نوعیت کے سوال کا فیصلہ جس پر ہندوستان کے آئندہ آئین کی بنیاد رکھی جائے اور جو نو کروڑ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتا ہو کوئی جوڈیشل ٹربیونل کر سکتا ہے۔؟ تاہم کانگرس کی تجویز یہی ہے۔

حال ہی میں مسٹر گاندھی نے جو کچھ فرمایا تھا اس پر اظہار خیال کرنے سے پہلے میں دوسرے کانگرسی رہنماؤں کے اعلانات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جو مختلف خیالات ظاہر کرتے ہیں راجگوپال اچاریہ (سابق وزیر مدراس) کہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف و افتراق کے دور کی واحد دوا مخلوط انتخاب ہے، کانگرس کے ایک بڑے ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ انکی تجویز ہے (قہقہہ) اس کے برعکس بابو راجندر پرشاد نے چند روز پیشتر کہا تھا کہ "مسلمان اب اور کیا چاہتے ہیں"؟ بابو صاحب نے اقلیتوں کے سوال پر رائے زنی کرتے ہوئے پیشگوئی کی کہ "اگر برطانیہ ہمیں حق خود اختیاری دیدے تو یہ اختلافات ختم ہو جائیں گے"۔

پوچھتا ہوں کس طرح ختم ہو جائیں گے ؟ بابو صاحب نے اس پر روشنی نہیں ڈالی لیکن جب تک ہندوستان میں برطانیہ اور اس کا اقتدار موجود ہے ، اختلافات رہیں گے ۔ کانگریس نے واضح کر دیا ہے ۔ کہ آئندہ آئین صرف کانگرس ہی نہیں بلکہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے نمائندے مرتب کرینگے ۔ اگرچہ کانگرس جداگانہ انتخاب کو برا سمجھتی ہے ۔ تاہم اس نے یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ اقلیتیں اپنے نمائندے جداگانہ انتخاب سے بھیج سکتی ہیں ۔ دستوری اسمبلی بلا لحاظ سیاسی وابستگی و مذہب اس ملک کے تمام باشندوں کی نمائندہ ہوگی اور آئین کا فیصلہ کرنے میں صرف ایک یا دو پارٹیوں کا ہاتھ نہ ہوگا ۔ اس سے بہتر ضمانت اقلیتوں کو اور کیا مل سکتی ہے ؟ بابو راجندر پرشاد کا خیال ہے کہ ہم اسمبلی میں داخل ہوتے ہی اپنے سیاسی مذہبی اور دیگر تمام رجحانات اور امور کو فراموش کر دینگے ۔ بابو راجندر پرشاد نے یہ خیالات ۱۸ مارچ ۱۹۴۰ء کو ظاہر کئے تھے ۔ اب جناب گاندھی کی رائے سنیئے جو انہوں نے ۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو ظاہر کی :-

" میرے لئے ہندو، مسلمان، پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں ۔ میں بے تکی باتیں نہیں کرتا ۔ قائدِ اعظم کا ذکر کرتے وقت میں سطحی باتیں نہیں کرتا ۔ وہ میرے بھائی ہیں "

فرق صرف یہ ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک ووٹ (قہقہہ) جناب گاندھی نے مزید فرمایا کہ " اگر قائدِ اعظم مجھے اپنی جیب میں رکھ لیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی " میں نہیں سمجھ سکتا کہ جناب گاندھی کی اس تازہ پیشکش کے متعلق کیا کہوں جناب گاندھی نے آگے چل کر فرمایا " ایک ایسا وقت بھی تھا کہ مجھے تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل تھا لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج ایسا نہیں ہے " جناب گاندھی نے مسلمانوں کا اعتماد کیوں کھو دیا ؟

" اردو اخباروں میں جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ سب میری نظر سے نہیں گزرتا ۔ غالباً مجھے ہدفِ طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے ۔ میں اس سے رنجیدہ نہیں ۔ آج

بھی میری رائے یہی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے سمجھوتہ کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا۔"

جناب گاندھی یہی بات بیس سال سے کہہ رہے ہیں۔

جنابِ گاندھی نے مزید کہا:۔

"آپ پوچھیں گے کہ اس صورت میں کشمکش کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ ذکر میں اس لئے کرتا ہوں کہ دستوری اسمبلی کے لئے ایک کشمکش ہونے والی ہے۔"

جناب گاندھی برطانیہ سے اُلجھے ہوئے ہیں لیکن میں ان سے اور کانگرس سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ دستوری اسمبلی کے واسطے برطانیہ سے اُلجھ رہے ہیں جس کو مسلمان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اس اسمبلی میں مسلمانوں کو تین کے مقابل ایک ووٹ حاصل ہوگا۔ اور اس طرح سر گننے سے کبھی کوئی مخلصانہ مفاہمت نہ ہو سکے گی جس سے مسلمان دوستانہ حیثیت میں تعاون کر سکیں۔ ان وجوہ سے دستوری اسمبلی کی تجویز قابلِ اعتراض ہے لیکن جناب گاندھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ اسمبلی کے واسطے برطانیہ سے اُلجھ رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میں یہ اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ دستوری اسمبلی کے واسطے ایک کشمکش ہونے والی ہے" ان الفاظ پر غور کیجیے۔ جو مسلم ووٹوں کے ذریعہ آئینی اسمبلی میں آئیں گے۔"

جناب گاندھی پہلے ہمیں اسمبلی میں شامل ہونے کے لئے مجبور کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:۔

"یہ اعلان کر دو کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں، اس کے بعد میں امید کو خیر باد کہہ دوں گا۔ لیکن اسوقت بھی میں اُن کے ساتھ اتفاق کروں گا۔ اس لئے کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور میں نے بھی اس کتابِ مقدس کے کچھ حصّہ کا مطالعہ کیا ہے۔" (قہقہہ)

جناب گاندھی مسلمانوں کے ووٹ لینے کے واسطے دستوری اسمبلی چاہتے ہیں اگر مسلمان اس سے متفق نہ ہوں تو وہ اُمید کو خیر باد کہہ دیں گے۔ لیکن اس وقت بھی وہ ہم سے اتفاق کریں گے (قہقہہ) میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کی حقیقی خواہش کے اظہار کا یہ طریقہ ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں)

میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ جناب گاندھی دیانتداری سے تسلیم کر لیں کہ کانگرس ہندو جماعت ہے اور وہ صرف ہندوؤں کے نمائندہ ہیں۔ جناب گاندھی کیوں یہ بات فخریہ نہیں کہتے کہ:۔

"میں ہندو ہوں اور کانگرس کو ہندوؤں کی حمایت حاصل ہے۔"

مجھے تو یہ کہنے میں کہ میں مسلمان ہوں شرم محسوس نہیں ہوتی (سنیئے سنیئے) مجھے اُمید ہے کہ اب ایک اندھا آدمی بھی یقین کے ساتھ یہی کہے گا کہ مُسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی پوری تائید حاصل ہے (سنیئے سنیئے) پھر حقیقت حال پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ یہ جوڑ توڑ کیوں ہو رہے ہیں؟ مسلمانوں کو دبانے کے لئے برطانیہ پر کیوں زور ڈالا جا رہا ہے؛ عدم تعاون کا یہ اعلان کیوں ہو رہا ہے؛ سول نافرمانی کی دھمکی کیوں دی جا رہی ہے۔ اور دستوری اسمبلی کے واسطے جد و جہد کیوں کی جا رہی ہے؟ اس امر سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ مسلمان دستوری اسمبلی کی تجویز سے متفق نہیں (سنو سنو) ہندو لیڈر اور ہندوؤں کے نمائندہ کی حیثیت میں آؤ اور مجھ سے باتیں کرو کہ میں مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کروں (سنیئے سنیئے) میں کانگرس کے متعلق بس اسی قدر کہنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک برطانی حکومت کا تعلق ہے ہماری گفت و شنید ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ ہم نے چند امور کے متعلق یقین دلائے جانے کے لئے کہا تھا اُن میں سے ایک امر کے متعلق کچھ طے ہوا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء سے جداگانہ ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ پر از سرِ نو غور کیا جائے۔ وائسرائے نے حکومت برطانیہ

کی منظوری سے ۲۲ دسمبر کو اس کا جو جواب دیا اسے میں انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں ۔

"آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ۱۲ ۔ اکتوبر گذشتہ کو میں نے حکومت برطانیہ کی منظوری سے جو جواب دیا تھا اس سے ایکٹ ۱۹۳۵ء کا کوئی حصہ یا وہ پالیسی اور تجاویز مستثنیٰ نہیں جس پر وہ مبنی ہے۔"

الفاظ "مستثنیٰ نہیں" پر غور کیجئے ۔ (آوازیں سنو سنو)

جہاں تک دوسرے مسائل کا تعلق ہے گفت و شنید جاری ہے ۔ اہم مسائل یہ ہیں ۔

۱۔ حکومت برطانیہ مسلمانوں کی منظوری اور تائید کے بغیر ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق کوئی اعلان نہ کرے (سنیئے سنیئے) اور مسلمانوں کی شرکت اور تائید کے بغیر کسی پارٹی سے کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے (سنیئے سنیئے) حکومت برطانیہ ——— خواہ اس امر کا یقین دلائے یا نہ دلائے ۔ لیکن وہ یہ تو ضرور سمجھتی ہے کہ یہ مطالبہ معقول اور منصفانہ ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ نو کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کو کسی دوسرے منصف کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑا جا سکتا ۔ ہم اپنے معاملہ میں خود ہی ثالث بننا چاہتے ہیں ۔ یقیناً یہ مطالبہ مبنی بانصاف ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ برطانیہ کوئی ایسا آئین مسلمانوں کے سر منڈھ دے جس کو وہ منظور نہ کرتے ہوں ۔ ان حالات میں حکومتِ برطانیہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دے اور انہیں پورے طور سے مطمئن کر کے اپنا دوست بنا لے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ۔ برطانیہ ایسا کرے یا نہ کرے مسلمانوں کو اپنی ہی طاقت پر اعتماد کرنا پڑے گا ۔ اور میں اس پلیٹ فارم سے واضح کئے دیتا ہوں کہ اگر کوئی اعلان یا سمجھوتہ درمیانی عرصہ کے لئے ہماری مرضی اور رائے کے بغیر کیا گیا تو مسلمانانِ ہند اس کی مزاحمت کریں گے (سنیئے سنیئے) اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے ۔

دوسرا مسئلہ فلسطین کا ہے ۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ اعراب فلسطین کے معقول قومی مطالبات کو منظور کر لینے کے لئے سرگرمی سے کوشش کی جا رہی ہے ۔ ہم ان سرگرم مخلصانہ اور بہترین

کوششوں سے مطمئن نہیں (قہقہہ) ہم چاہتے ہیں کہ برطانیہ عملاً اعراب فلسطین کے مطالبات کو منظور کرے (سُنئے سُنئیے)

دوسرا مسئلہ افواج کو باہر بھیجنے کا تھا۔ ہم برطانی حکومت سے اس امر کا یقین حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ ہندوستانی افواج کو کسی مسلمان ملک یا طاقت کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نہیں بھیجا جائے گا۔ (سنو سنو) امید ہے کہ برطانی حکومت اس معاملہ میں صورت حال کو واضح کر دیگی۔

جہاں تک اپنی داخلی حالت کا تعلق ہے۔ ہم اس پر غور کر رہے ہیں متعدد باخبر اداروں اور دیگر اشخاص نے جو ہندوستان کے آئندہ آئین کے مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں چند اسکیمیں بھیجی ہیں اور ہم نے ان اسکیموں کی تفصیلات پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی ہے لیکن یہ حقیقت واضح ہے۔ اس معاملہ میں ہمیشہ غلطی کی جاتی ہے کہ مسلمان اقلیت ہیں۔ اقلیت کا لفظ اتنی مدت تک استعمال کیا گیا ھے کہ اس کے اثرات کا زائل کرنا بعض اوقات مشکل ھو جاتا ھے۔

مسلمان اقلیت میں نہیں ھیں۔ ھر ایک اعتبار سے مسلمان ایک قوم ھیں برطانیہ اور کانگرس کی طرف سے اس طرح خطاب کیا جا رہا ہے۔

بہر حال آپ اقلیت ہیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ بابو راجندر پرشاد نے فرمایا :۔ اقلیتیں اور کیا چاہتی ہیں؟ لیکن یقیناً مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہندوستان کے برطانی نقشہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس ملک کے وسیع علاقے مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ مثلاً بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس اختلاف کا حل کیا ہے؟ ہم غور کر رہے ہیں اور جیسا کہ میں نے کہا اس مسئلہ کے متعلق مختلف تجویزوں پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔

آئین کی آخری سکیم خواہ کچھ ہو، میں اپنا نظریہ بیان کرتا ہوں اور ایک خطرہ سناتا ہوں جو

لالہ لاجپت رائے نے سی آر داس کے نام بھیجا تھا - یہ خط آج سے چودہ یا پندرہ سال پیشتر لکھا گیا تھا - اور اسے حال ہی میں ایک شخص مسمی اندر پرکاش نے شائع کیا ہے - لالہ لاجپت رائے کٹر ہندو مہاسبھائی اور محتاط سیاستدان تھے - اُن کا مکتوب سنانے سے پہلے میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ "اگر آپ ہندو ہیں تو ہندو پن سے بچ نہیں سکتے (قہقہہ) اب لفظ "قوم پرست" سیاسیات کی دنیا میں لوگوں کا تکیہ کلام بن گیا ہے -

لالہ لاجپت رائے فرماتے ہیں :-

"مجھے ایک مسئلہ نے چند روز سے اُلجھن میں ڈال رکھا ہے - میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر غور کریں - یہ مسئلہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا ہے - میں گذشتہ چھ ماہ سے اس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں - اسلامی تاریخ اور اسلامی قانون کا مطالعہ کیا ہے اور اب یہ خیال کرتا ہوں کہ اتحاد نہ ممکن ہے اور نہ قابلِ عمل - اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہ مسلم رہنماؤں نے عدم تعاون کی تحریک میں نہایت اخلاص سے حصہ لیا ہے میری رائے ہے کہ مسلمانوں کا مذہب ایسے معاملات (اتحاد) میں ایک مؤثر رکاوٹ ہے -

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کلکتہ میں آپ کو وہ باتیں سنائی تھیں جو حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو سے ہوئیں، ہندوستان میں حکیم اجمل خاں سے بہتر مسلمان نہیں لیکن کیا کوئی قرآن کی خلاف ورزی کر سکتا ہے - میں یہی خیال کر سکتا ہوں کہ شاید میں نے اسلامی قانون کو صحیح طور سے نہیں سمجھا اور مجھے صرف اسی تصور سے تسلی ہو سکتی ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ ہم انگریزوں کے خلاف متحد ہو سکتے ہیں - لیکن برطانیہ کے طریقوں پر ہندوستان میں حکومت کرنے کے لئے متفق نہیں ہو سکتے - ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے -"

خواتین اور معززین ۔ جب لالہ لاجپت رائے نے یہ خیالات ظاہر کئے کہ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں قائم نہیں کر سکتے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، لیکن جب میں نے آج سے ۱۸ ماہ پیشتر حقیقت کے اظہار کی جرأت کی تو اعتراضوں کی بھرمار اور نکتہ چینیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی ۔ لالہ لاجپت رائے نے آج سے پندرہ سال پیشتر کہا تھا کہ ہم جمہوری اصول پر ہندوستان میں حکومت قائم نہیں کر سکتے اب چارۂ کار کیا ہے ؛

کانگرس کے نزدیک اس کا علاج یہ ہے کہ اقلیت کو اکثریت کی حکومت کے تحت رکھا جائے

لالہ لاجپت رائے اپنے مکتوب میں مزید فرماتے ہیں ۔

"پھر اس کا علاج کیا ہے ؛ میں سات کروڑ مسلمانوں سے خوف زدہ نہیں لیکن میں ۷ کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو افغانستان کے مسلح قبائل کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہوں ۔ وسطی ایشیا ۔ عرب، عراق اور ترکی کے مقابلہ میں مزاحمت نہیں کی جا سکے گی ۔ (قہقہہ)

"ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے اتحاد کی نسبت میرا دیانتداری اور صدق دلی سے یقین ہے کہ یہ سے نہ صرف پسندیدہ اور مرغوب ہے بلکہ ہمیں اس کی حاجت بھی سخت ہے ۔ میں مسلمان رہنماؤں پر اعتبار کرنے کو تیار ہوں، مگر قرآن شریف اور حدیث کے احکام کے متعلق کیا کیا جائے ؛ خود اسلامی رہنما ان کو پس پشت نہیں ڈال سکتے ۔ نہ ان کے خلاف چل سکتے ہیں ۔ کیا ہماری قسمت میں تباہی لکھی ہے ؛ مجھے امید ہے کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے آپ جو صاحب فہم و ذکا ہیں، دانا ہیں کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر لیں گے ۔"

خواتین، اور حضرات ! پندرہ سال ہوئے ۔ یہ الفاظ ایک بہت بڑے ہندو رہنما نے اپنے ہی جیسے ایک ہندو بزرگ کو خط میں لکھے تھے ۔ اب میں ان پر نظر بحالات موجودہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں ۔

حکومت برطانیہ۔ پارلیمان، برطانیہ بلکہ قوم برطانیہ کی تعلیم و تربیت ہندوستان کے مستقبل اور آئین کے ضمن میں برطانیہ کے اپنے آئینی اصولوں کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ بیسیوں سال سے اہل برطانیہ کو بتایا جا رہا ہے کہ ہندوستان کے لئے بھی وہی طرز حکومت موزوں ہے جو ہمارے ہاں ایوان ہائے پارلیمان اور "طریق کابینہ" کے وسائل سے عمل پذیر ہے۔ چنانچہ باشندگان برطانیہ اس حکومت کو دنیا کے ہر ایک ملک کے لئے بہترین قرار دیتے ہیں۔ جو پارٹی گورنمنٹ کہلاتی ہے اور محض سیاسی نکتہ نگاہ سے حکومت کا کام کرتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ کے بڑے سے بڑے مدبر جو ان اصولوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بارہا اپنے اس یقین کا اعلان کر چکے ہیں کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا ہندوستان کے ان عناصر میں ہم آہنگی پیدا ہوتی جائے گی، جو اس وقت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے متعلق ٹائمز جیسے چوٹی کے برطانوی اخبار نے یوں اظہار رائے کیا ہے:۔

"اس میں شبہ نہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلاف محض مذہب تک محدود نہیں، بلکہ اس میں قانون اور تہذیب و تمدن یہاں تک شامل ہیں کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی علیحدہ اور امتیازی تہذیب کے پیروکار ہیں۔ پھر بھی ہمیں امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ اوہام مردہ ہو جائیں گے اور ہندوستان صرف ایک قوم واحد کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔"

خواتین و حضرات! اس کے یہ معنی ہوئے کہ لنڈن ٹائمز کی رائے میں ہماری مشکلات محض اوہام ہیں اور ہمارے وہ بنیادی اور شدید اختلافات جو روحانی اور اخلاقی بھی ہیں اور ہماری زندگی کے اقتصادی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی وغیرہ سب شعبوں اور حلقوں پر بھی حاوی ہیں، صرف وہم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے "قومی تصور" اور ہندو دھرم کے "سماجی

ڈھنگ اور وضع" کے باہمی اختلاف کو محض وہم وگمان بتانا، ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔ ایک ہزار سال سے ہندوؤں کی تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں اور دونوں قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں۔ مگر ان کے اختلافات اُسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ اُن کی نسبت یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آجائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قوم واحد بن جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا۔ سراسر غلطی ہے۔

جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ برطانوی وحدانی حکومت اس کام میں کامیاب نہ ہوسکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اجتماعی یا فیڈرل نظام کے جبری قیام سے وہ کامیابی عرصۂ شہود میں آجائے گی۔

ھندوستان کا سیاسی مسئلہ فرقوں سے متعلق نہیں۔ بلکہ قوموں سے متعلق ھے۔ بلاشبہ اُسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاھئے اور اُسی نکتہ نگاہ سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ھے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس بنیادی امر واقعہ کی صحت تسلیم کریں۔ جب تک ہم اسے درست نہ مانیں گے۔ ہمارا ہر ایک وضع کردہ آئین ناکام رہے گا اور تباہی لائے گا۔

اگر حکومت برطانیہ سچی ہے اور دلی ذوق اور سرگرمی کے ساتھ خواہشمند ہے کہ اس برِ اعظم تحتی کے باشندے امن وامان کے ساتھ ایک خوشحال زندگی بسر کریں تو اُن کے لئے سیدھی راہ یہی ہے کہ وہ ہندوستان کی بڑی بڑی اقوام کے لئے سرزمین ہند کے علیحدہ علیحدہ منطقے مقرر کردے، جو اُن کے وطن ہوں اور پھر اس مطلب کے حصول کے لئے ملک کو چند خود مختار قومی ریاستوں میں منقسم کردے۔

اس تقسیم سے یہ امر نسبتاً زیادہ آسان ہوجائے گا کہ دوستانہ سمجھوتوں کے وسیلے سے اقلیتوں کے لئے تحفظِ حقوق کا سامان بہم پہنچایا جائے اور ہندوؤں کے ہندوستان اور مسلمانوں کے ہندوستان

کے مابین ایسے ملکی انتظامات کر دیئے جائیں جن کے طفیل مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے اغراض و مفاد کی حفاظت موجودہ حالت سے کہیں بہتر طریق سے ہو جائے اور یہ حفاظت ہو بھی کافی و وافی

اس امر کا سمجھنا نہایت مشکل ثابت ہو رہا ہے کہ ہمارے ہندو دوست کیوں اسلام اور ہندو دھرم کی حقیقی نوعیت کا درست اندازہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف اور متمیز معاشرتی نظام ہیں۔ چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہیئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔

ہندوستان میں مشترکہ قومیت کا تصور حد سے بہت دور نکل گیا ہے اور ہماری اکثر و بیشتر مشکلات کا باعث بن رہا ہے اور بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم جلد ہی اس خیال کی اصلاح نہ کریں گے تو تباہ ہو جائیں گے۔ اور ہندو اور مسلمان دو مختلف مذہبی معتقدات، دو مختلف ادبیات اور دو مختلف النوع معاشرتی اطوار کے ماتحت ہیں۔

یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور یہ بھی اصرار کے ساتھ کہئے کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔

حیاتِ انسانی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی تمنائے ترقیات کے لئے مختلف تاریخوں سے شغف رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ دو قوموں کی رزمیہ نظمیں اُن کے سربرآوردہ بزرگ اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے

سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص کر اس صورت صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو۔ ایسی ریاست کے آئین کا عمل خاک میں مل کر رہے گا۔

تاریخ اس قسم کے بہت کو الف پیش کرتی ہے۔ مثلاً آئرلینڈ اور برطانیہ کی متحدہ ریاست۔ زیگوسلوویکیا اور پولینڈ۔

تاریخ ایسے جغرافیائی منطقے بھی پیش کرتی ہے جو مجموعی طور پر ہندوستان سے بہت ہی کم وسیع ہونے کے باوجود اتنی ہی قوموں کے وطن ہیں جتنی قومیں اس میں بستی ہیں۔ یہ ملک تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے ہر حصے کا نام الگ ہے۔ اگر قوم ایک ہوتی تو ملک بھی ایک ہی نام سے پکارا جاتا۔

جزیرہ نمائے بلقان میں الگ الگ نام کی سات آٹھ خود مختار ریاستیں ہیں۔ اسی طرح ہم یورپ کے جزیرہ نما آئی بیریا کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرزمین دو مختلف ممالک یعنی پرتگال اور اسپین میں منقسم ہے۔

اس کے مقابلے میں ہندوستان کو ایک مرکزی حکومت کے ماتحت رکھنے کے لئے ایک متحدہ قوم اور فقط ایک جغرافیائی ہستی کا بہانہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ حالانکہ گزشتہ بارہ سو برس کی تاریخ اس امر واقعہ کی گواہ ہے کہ اس طویل مدت کے دوران میں ہندوستان کو واحد

حیثیت کبھی حاصل نہیں ہوئی اور یہ ملک ہمیشہ اسلامی ہند اور ہندو ہند میں منقسم ہو رہا ہے۔ موجودہ مصنوعی وحدانیت کی تخلیق اس وقت ہوئی جبکہ برطانیہ نے ہندوستان کو فتح کر لیا۔ پھر اس وحدانیت کے قیام کا انحصار برطانیہ کی شمشیر حکومت پر ہے۔ مگر وہ برطانوی راج جسے ختم کر دینے کا ارادہ ملک معظم کے تازہ اعلان میں مضمر ہے جب واقعی ختم ہو گا تو ملک پارہ پارہ ہو جائے گا اور یہاں ایسی آفت آئے گی کہ اس کی مثال مسلم راج کے گذشتہ ایک ہزار سال کی تاریخ نہیں پیش کر سکے گی۔

مجھے یقین ہے کہ برطانیہ ہمیں اپنی ایک سو پچاس برس کی بادشاہت سے یہ وراثت نہ دے گا اور ہندو اور مسلمان بھی ایسی یقینی تباہی اور بربادی کا خطرہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔

ہم مسلمانوں کو گزشتہ دو اڑھائی سال میں اس امر کا کافی و وافی تجربہ ہو چکا ہے کہ کس طرح صوبوں میں حکومت خود اختیاری عمل پذیر رہی۔ اگر ایسی حکومت ایک بار پھر قائم کی گئی تو اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہو گا اور ایسے پرائیویٹ لشکر مرتب کئے جائیں گے۔ جن کی سفارش مہاتما گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں سے کی اور ان کو کہا کہ تشدد ہو یا عدم تشدد مگر آپ لوگوں کے لئے یہ امر بہر حال لازم ہو گا کہ اپنی حفاظت کا فرض خود انجام دیں۔ اگر دشمن ایک ضرب لگائے تو اس کا جواب ضرب سے ہی دیجئے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو نقل مکانی کر جائیں۔

قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خود مختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشوونما بخشے۔ اور اس کام کے لئے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین ہو۔ اور

ہماری رائے میں ہمارے عطیات قدرتی اور نصب العین سے ہم آہنگ ہو۔

دیانتداری کا یہ تقاضا ہے اور ہماری ملت کے کروڑوں افراد کے اغراض و منفعو کا مطالبہ یہی ہے کہ ہم ایک ایسے باوقار عزت مند اور پُرامن سمجھوتہ کی تلاش کو اپنا ایک پاک فرض قرار دیں جو باقی اقوام کے حق میں عین منصفانہ بھی ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازم و لابد ہے کہ ہم دوسروں کی دھمکیوں اور جبر و تشدد کے سبب راہِ راست سے ہرگز ہرگز نہ بھٹکیں اور نہ اپنے مدعا سے دست کش ہو جائیں۔ ہمیں تمام مشکلات ممکنہ اور نتائج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اور اُس منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے ہر قسم کا ایثار کرنا پڑے گا۔ کوئی قربانی ایسی نہ ہونی چاہیئے جو ہماری راہ کی رکاوٹ بن سکے۔

اے خادمانِ اسلام! اپنے اربابِ ملت کو اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی تمام پہلوؤں سے منظم کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم یقیناً ایک ایسی قوت بن گئے ہو جس کی طاقت ہر شخص تسلیم کرے گا۔ (نعرہ ہائے تحسین)

۱؎ واردھا اسکیم جو گاندھی جی کی رہنمائی میں تعلیمی اصلاحات کے لئے بنی تھی ودیا مندر اسکیم اسی کا حصہ تھی، اُسے مسٹر شکلا وزیراعظم سی پی نے سب سے پہلے ——— شاید تجربہ کے طور پر ——— اپنے صوبے میں جبری طور پر نافذ کیا، مسلمانانِ ناگپور نے نواب صدیق علی خان کی قیادت میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ ہزاروں مسلمان گرفتار ہوئے اور جیل گئے، کانگرس اس جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکی اور صلح پر مائل ہوئی، قائدِ اعظم کے ایماء پر نواب زادہ لیاقت علی خاں سکریٹری مسلم لیگ پہنچے۔ اور مفاہمت اس بات پر ہو گئی کہ جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں "ودیا مندر" کے بجائے "بیت العلوم" کا لفظ استعمال کیا جائے۔

۲؎ مسلمانانِ جے پور جامع مسجد کا دروازہ بنانے کے سلسلے میں جدوجہد کر رہے تھے۔ حکومت

جے پور نے اودھادھند گولی چلادی تھی جس سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔

پہاڑ گنج کی ریاست میں بھی مسلمانوں کو مسلمان ہونے کے جرم میں ستایا جارہا تھا

۳۔ راجکوٹ ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو کاٹھیاواڑ میں واقع تھی، گاندھی جی کا یہی آبائی وطن ہے۔ مہارانا راجکوٹ اور سردار پٹیل سے چل گئی، جس پر گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا، لیکن یہ مرن برت درحقیقت سبھاش چندر بوس کے خلاف تھا، جو اُن کی مرضی کے خلاف، اور ان کے نامزد اُمیدوار، پٹابھی سیتارامیہ کو شکست دے کر ہری پور کانگرس کے دوبارہ صدر منتخب کئے گئے تھے۔

۴۔ ایک طرف گاندھی جی یہ فرماتے تھے کہ اگر ہٹلر کی فوجیں یا جاپان کی فوجیں ہندوستان میں آگئیں تو ہم ستیہ گرہ سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ ہتھیار نہیں اُٹھائیں گے وائسرائے سے بھی اُنہوں نے یہی کہا تھا کہ عدم تشدد میرا مسلک ہے، لہٰذا جنگ میں کس طرح حکومت کا ساتھ دے سکتا ہوں، لیکن سکھر کے ہندوؤں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ اگر مسلمان تم پر حملہ کریں تو تم بھی مارو، اور اگر ایسا نہ کر سکو تو ترکِ وطن کر جاؤ۔

قائداعظم طلبائے مسلم یونیورسٹی کے اجتماع میں

خطاب بہ نژادِ نو

۶ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

قائداعظم کو مسلم یونیورسٹی کے نونہالوں سے بڑی اُمیدیں تھیں، وہ جب موقع ملتا، وقت نکال کر وہاں جاتے اور سیاسیات حاضرہ پر اپنے افکار و خیالات کا اظہار فرماتے، چنانچہ ذیل کی تقریر بھی اُنہوں نے یونین کے جلسہ میں کی تھی، اور وقت کے اہم ترین مسائل کا تجزیہ کر کے اُن کی رہنمائی کی تھی۔

جو مسائل اسوقت خاص طور پر زیر بحث تھے، ان میں ایک تو مجلس دستور ساز کا مطالبہ تھا جس کی علمبردار کانگرس تھی، دوسرا ہندو مسلم مفاہمت کا معاملہ تھا جس پر ہر طرف سے چیخ و پکار ہو رہی تھی اور تیسرا اہم ترین سوال جس نے سارے ہندوستان کو بلکہ ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا یہ تھا کہ مسلمان اقلیت ہیں یا ایک مستقل قوم؛ (رئیس احمد جعفری)

منٹو مارلے اصلاحات کے بعد سے اکثر اشخاص نے یہ خیال کر لیا تھا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے تحفظات کی ضرورت ہے۔ لیکن جب ہم نے یہ اصطلاح استعمال کی تھی تو اس سے ہمارا کچھ اور ہی مفہوم تھا۔ مسلمان ایک وحدت ہیں، ان کا ایک سیاسی وجود ہے جسے ہر قیمت پر محفوظ رکھنا ہے۔ جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے اسی اندرونی جذبہ کی طرف اشارہ ہے، میثاق لکھنؤ کی تکمیل بھی اسی احساس پر مبنی تھی اس میثاق کا بنیادی اصول یہ تھا کہ دو جداگانہ اور ممتاز وجود ایک باہمی سمجھوتہ کر رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے اس میثاق کے معنی ہندوؤں نے کچھ اور لئے اور ہمارا مقصد کچھ اور تھا۔

اُنہوں نے سمجھا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جن پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنا چاہیئے۔ اور ادھر مسلمان ایک جھوٹے احساس سلامتی میں مسلسل مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاع کو تاریخی دستوری اور قانونی سمجھا جانے لگا۔ لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی ممالک یورپ کی اقلیتوں کی طرح نہیں ہیں۔

جب موجودہ دستور کی تدوین ہو رہی تھی تو مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں مساوی اصلاحات کے نفاذ پر زور دیا۔ لیکن ہندوؤں نے بشمول کانگرس اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ہمارا مطمح نظر یہ تھا کہ کم از کم ان خاص علاقوں میں جہاں ہم اکثریت میں ہیں ہمیں حقیقی اقتدار ملنا چاہیئے۔

ایک موقع پر یہی سوال معرض بحث میں تھا۔ مولانا محمد علیؒ بھی تھے۔ وہ ہندوؤں کی غیر معقولیت سے بیزار ہو چکے تھے اُن کی بیجا مخالفت پر بھڑک اُٹھے اور پکار کر کہا۔ "میں اس پر اصرار کروں گا۔ کیونکہ کراچی سے کلکتہ تک میری ایک غلام گردش ہے۔"

ایک چیز قطعی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کسی طرح اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہمارے اپنے ایک نصب العین کے ساتھ ہم بجائے خود ایک علیٰحدہ اور ممتاز قوم ہیں۔ (نعرہ تحسین) میں نے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کیا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں لیکن جب میں نے یہی بات اپنے ایک حالیہ خط میں مسٹر گاندھی کو لکھی تو انہوں نے کہا کہ اس سے ان کی ہندو مسلم اتحاد کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ سوال یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی کیا اُمیدیں تھیں اور ہندو مسلم اتحاد سے ان کا کیا ہے؟ مسٹر گاندھی کی اُمیدیں یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ہندو راج کا حلقہ بگوش اور باجگزار بنا دیں۔ میں نے اپنی ساری قوت سے جو میں مجتمع کر سکتا تھا اس کی مدافعت کی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ملک کے بدترین مسلمان کی حیثیت سے مجھے ملامت کی جاتی ہے۔

اگر مسٹر گاندھی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ اپنی من مانی کر پاتے تو آج بہت زیادہ تباہ کاریاں ہوتیں۔ آج ہم کم از کم کسی واضح اور قطعی مقصد کے لئے لڑ تو رہے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کیوں نہیں ہوا۔ میں کہوں گا کہ مسٹر گاندھی کی شرائط پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ مساوی شرائط اور بالکلیہ مساوات کی بنیادوں ہی پر سمجھوتہ ممکن ہے (نعرۂ تحسین) اس ملک کی حکومت میں حصہ لینے کا مجھے اسی قدر حق حاصل ہے جس قدر ایک ہندو کو۔ ہم نے ہندو مسلم سمجھوتہ کے سلسلہ میں کبھی کوئی ایسی روش اختیار نہیں کی جسے معاندانہ یا مخالفانہ سمجھا جائے۔

کانگریس کو چند صوبوں میں اقتدار ملتے ہی اُسے کچھ نشہ سا ہو گیا اور سارے ملک پر کامل ہندو اقتدار کے خواب دیکھنے لگی۔ بزدلی کانگرس کی یہی وہ روش ہے جس نے ہندو مسلم سمجھوتہ کو روک رکھا ہے۔ اور ملک کی ترقی میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ کانگرس کی ہائی کمان اپنی روش سے خود ہندوؤں کو سخت ترین نقصان پہنچا رہی ہے۔

دو سال پہلے میں نے شملہ میں کہہ دیا تھا کہ جمہوری پارلیمانی طرز کی حکومت ہندوستان کے لئے ناموزوں ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں نے تعلیماتِ اسلامی کو ضرر پہنچانے کا جرم کیا ہے کیونکہ اسلام جمہوریت پسند ہے۔

جہاں تک میں نے اسلام کو سمجھا ہے وہ کسی ایسی جمہوریت کی تلقین نہیں کرتا جس کی بناء پر مسلمانوں کی قسمت کے فیصلوں کا اختیار غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہم کسی ایسی طرزِ حکومت کو قبول نہیں کر سکتے کہ جس میں غیر مسلم محض عددی اکثریت کی وجہ سے ہم پر قبضہ واقتدار حاصل کر کے حکومت کر سکتے ہوں۔ مجھ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ اگر میں جمہوریت نہیں چاہتا تو پھر کیا چاہتا ہوں ——— فاسطیت، نازیت یا آمریت؛ میں کہتا ہوں ان بھگتوں اور جمہوریت کے پرستاروں نے کیا کیا ہے؛ انھوں نے چھ کروڑ انسانوں کو تو اچھوت بنا رکھا ہے اور ایسے اصول گھڑے گئے ہیں، جو فاسطی مجلسِ اعلیٰ کے سوائے اور کچھ

نہیں ہیں۔ ان کا آمر کانگرس کا چار آنہ کارکن بھی نہیں ہے۔ انہوں نے ایسی کٹھ پتلی وزارتیں بنائی ہیں جو مجلس قانون ساز یا رائے دہندگان کو نہیں بلکہ مسٹر گاندھی کی ایک منتخب ٹرنک کو جوابدہ ہیں۔

مغرب کے مختلف ممالک میں بھی عام طور پر مختلف نوع کی جمہوریت ہوتی ہے۔ چنانچہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں کے حالات یورپ سے مختلف ہیں برطانی جماعتی طرز حکومت اور نام نہاد جمہوریت قطعی ناموزوں ہے۔

اب صورت حال کیا ہے، آپ کو یاد ہو گا کہ جب جنگ چھڑی تھی تو مسٹر گاندھی وائسرائے سے ملنے گئے تھے۔ وہ وہاں بہت دل شکستہ ہوئے پارلیمنٹ اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکنہ تباہی کا تصور کر کے اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر انگلستان اور فرانس کو شکست ہو گئی تو ہندوستان کی آزادی کا کیا فائدہ! انہوں نے یہ سمجھ کر کہا تھا کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان سے چلی گئی تو انہیں آزادی نہیں مل سکتی۔ لیکن سیوگاؤں پہنچتے پہنچتے ان کا خیال بدل گیا اس کے بعد ہی ہندوستان کی آزادی اور ایک ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دینے کے اعلان کا مطالبہ کیا گیا جس کی بنیاد عام حق رائے دہی بالغان پر رکھی گئی ہو اور جو ستند اور مسلمہ اقلیتوں کے لئے چند تحفظات کے ساتھ ہندوستان کا دستور مرتب کرے۔

ہندو مسلم سمجھوتے کی آنکھ مچولی کھیل کر مسٹر گاندھی ایک ہی جست میں اس مجلس دستور ساز کے نئے کھیل پر پہنچے ہیں اور اس کے متعلق ان کا ادعا ہے کہ یہ ہر مرض کی دوا ہے۔ فرض کیجئے کہ اقلیتیں غیر مطمئن ہوں تو کیا ہو گا؟ وہ کہتے ہیں کہ اس کو اعلیٰ ترین عدالت میں پیش کیا جائیگا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس مسئلہ کو عدالتوں میں حل کرایا جا سکتا ہے؟ یہ کروڑوں اشخاص کے لئے ایک دستور مدون کر کے ایک سماجی رابطہ قائم کرنے کا مسئلہ ہے۔ اسے کسی قانونی عدالت میں فیصل نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایسا ہو بھی تو اس عدالت کے فیصلوں کا نفاذ اور

اس کی تعمیل کون کرائے گا؛ یہ سوائے ایک نقاب کے اور کچھ نہیں ہے جس کی اوٹ میں وہ اپنے اصلی ارادے چھپانا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی اعتراضات ہیں۔ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے یہ ایک لغو تجویز ہے۔ کسی غیر ملکی حکومت سے یہ کہنا کہ وہ ایسی مجلس دستور ساز تشکیل دے اور پھر اس مجلس کے مدونہ دستور کو نافذ کر کے ملک سے چلی جائے، لغویت کی انتہا ہے۔

ایک مجلس دستور ساز اس وقت وجود میں آتی ہے، جبکہ عوام کے ہاتھوں میں شاہی اختیارات منتقل ہو گئے ہوں۔ اس کے بعد مسٹر گاندھی نے رخ بدل کر کہا کہ وہ کسی ایسے ہی مساوی حل پر بھی مطمئن ہوں گے، لیکن اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس کا بدل کیا ہو؛ مسٹر راج گوپال چاری کہتے ہیں کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تازہ انتخابات کئے جائیں اور اس طرح جو اراکین منتخب ہوں ان کی مجلس دستور ساز بنائی جائے لیکن مونجے اور ساورکر اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ موجودہ مجالس میں ان کی کوئی آواز نہیں ہے۔

کیا یہ حضرات کسی معاملہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کرتے ہیں؛ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ برطانی حکومت کو دق کرنا اور دھمکی دے کر اس سے کچھ لے مرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ برطانی حکومت یہاں سے چلی جائے۔ وہ تو صرف اسے دم دلاسے دے کر، اس پر دباؤ ڈال کر ایسی چیز حاصل کر لینا چاہتے ہیں، جس کے وسیلہ سے برطانیہ کے سایہ ہی میں مسلمانوں کو محکوم بنا سکیں۔ اس وقت مسلم لیگ کو کیا صورت حال درپیش ہے؛ ہم کنویں اور خندق کے درمیان ہیں۔ ہندوؤں یا مسلمانوں کو حکومت سونپنے کی برطانیہ کو کوئی جلدی نہیں ہے۔ برطانی حکومت سے اعلانات کا مطالبہ کرنے اور کہتے رہنے سے کہ ہمیں آزادی دیدو، کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ کبھی نہیں دیں گے۔ برطانی حکومت کے اعلانات میں کہیں نہ کہیں ایک روزن ہمیشہ رہے گا۔

دوسری طرف ہم ایک قطعی مطالبہ کر رہے ہیں کہ قانون ۱۹۳۵ء منسوخ کر دیا جائے اور اس بد نصیب "صوبجاتی خودمختاری" کے تجربات اور اس کے بعد کے تغیرات کی روشنی میں

دستورِ ہند کے سارے مسئلہ کو از سرِ نو جانچا جائے۔ اس کے متعلق ہمیں چند تشریحات بھی وصول ہوئی ہیں، وائسرائے کہتے ہیں کہ اس حکمتِ عملی اور خاکوں کی دوبارہ جانچ پڑتال جس پر دستور کی بنیاد رکھی گئی ہے ان کے اعلان سے خارج نہیں ہے۔

لیکن اس عرصہ میں برطانی حکومت مسٹر گاندھی کو سمجھا بجھا کر عالم تصورات کی بلندیوں سے اتار کر حقیقت کی دُنیا میں لانا چاہتی ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم واقعیت پسندی سے اس مسئلہ پر نظر ڈالنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہمیں ایک حقیقی تشویش لاحق ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے برطانی حکومت مسٹر گاندھی کے لئے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو تابع فرمان کرنے اور ان کو مٹا دینے کی تجویزوں کو روبہ عمل لانے کا موقع نہ فراہم کردے۔ میں اپنی امکانی طاقت اور زور سے برطانی حکومت سے کہتا ہوں کہ اگر وہ کانگریس سے کوئی ایسا تصفیہ کر رہی ہے یا آئندہ کرنے والی ہے جو مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہو تو ہم اسے قائم نہ رہنے دیں گے۔ ہم برطانی حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ کسی دستور کا نفاذ یا کوئی ہنگامی تصفیہ مسلمانوں کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ اگر ہمارے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تو متعلقہ اشخاص کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان ممکنہ ذرائع سے اس کی مدافعت کریں گے اور تصفیہ کو ناقابلِ عمل بنا کر دکھا دیں گے۔

کسی پر تکیہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہم کو اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں ہر شخص کا دوست بننے پر رضامند ہوں، لیکن بھروسہ اپنی ہی طاقت پر کروں گا۔ لیگ نے تاحال بہت معقول کام کئے ہیں لیکن ابھی اس کا آغاز ہی ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں بھی درحقیقت جنگ ہو رہی ہے۔ میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ شانہ سے شانہ ملا کر لیگ کی صفوں میں کھڑے ہو جاؤ۔ (فلک شگاف نعرے)

۱؎ ڈاکٹر مونجے مہاسبھا کے زعیم کبیر۔

۲؎ ڈاکٹر ساورکر، جو کبھی آزادیٔ ہند کے علمبردار، زبردست انقلاب پسند، اور مخلص محبِ وطن تھے۔ بعد میں کٹر مہاسبھائی بن گئے۔

ہمارا مقصد اٹل، ہماری منزل متعین ہے

قراردادِ لاہور پر اصرار

مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

پاکستان کی تجویز لاہور کے اجلاس عام نے جیسے ہی منظور کی، سارے ہندو پریس نے بالعموم اور شمالی ہند کے ہندو اخبارات نے بالخصوص آسمان سر پر اٹھا لیا۔

اب تک وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ مسلمان جائیں گے کہاں ؟ انہیں اس دیس میں رہنا ہے ان کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت کم ہے۔ یہ جمہوریت کا زمانہ ہے، جس میں

ع بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور جب بھی گنتی ہوگی کامرانی کا سہرا ہمارے سر بندھے گا، اقلیت یعنی مسلم قوم منہ دیکھتی رہ جائے گی اور اکثریت یعنی ہندو قوم سب کچھ لے جائیگی۔ لیکن پاکستان کے نعرہ نے یہ طلسم توڑ دیا۔ اب مسلمان اپنا الگ وطن بنانے پر مصر تھے،

؎ خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری!

اب طلسم کے ٹوٹنے کا وقت آگیا تھا -!

پاکستان کا نام سنتے ہی ہندو پریس نے ایک قیامتِ کبریٰ برپا کردی، گفتنی اور ناگفتنی سب ہی کچھ کہہ ڈالا۔ اتہام اور غلط بیانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

قائداعظم نے ایک معاملہ فہم اور دور اندیش سیاست داں کی طرح ضروری سمجھا کہ اگر واقعی کوئی غلط فہمی ہے تو وہ رفع کردی جائے

رئیس احمد جعفری

مجھے اب بھی توقع ہے کہ سمجھدار ہندو ہماری تجاویز پر سنجیدگی سے غور و فکر کریں گے کیونکہ اس میں بعجلت ممکنہ ہندوستان کی آزادی کا حصول مضمر ہے اور اس آزادی کو ہم داخلی اور خارجی طور پر امن کے ساتھ برقرار رکھ سکیں گے۔

سب سے پہلے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اقلیتوں کو ڈرانے کے لئے یہ جھوٹی شہرت اور غلط تصور عام کیا جا رہا ہے کہ ان کو جماعتی اور اجتماعی طور پر ہجرت کرنی ہوگی۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس گمراہ کن تشہیر میں کوئی اصلیت نہیں ہے۔ البتہ ہندوستان کی قدرتی تقسیم کے مدِ نظر تبادلہ آبادی کے قابل عمل امکانات پر غور کیا جائیگا۔

دوسرے مسلم اقلیتوں کو غلط باور کرایا گیا ہے کہ ہندوستان کی کسی تجویز تقسیم یا علیحدگی سے وہ بڑے گھاٹے میں رہیں گے اور بے سہارا چھوڑ دیئے جائیں گے۔ میں یہ واضح کر دوں کہ ایک متحدہ ہندوستان میں یا ایک مرکزی حکومت کے تحت مسلمان جہاں بھی اقلیت میں ہوں اپنے موقف کو بہتر نہیں بنا سکتے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ محض ایک اقلیت ہی رہیں گے۔ البتہ وہ ایسے تمام تحفظات کا بجا طور پر مطالبہ کر سکتے ہیں جو کسی مہذب حکومت میں رائج ہیں۔ لیکن تقسیم ہند کے سنگِ راہ بن کر وہ اپنے موقف کو بہتر نہیں بنائیں گے اور نہ بنا سکتے ہیں اس کے برعکس وہ اپنی مخالفانہ روش سے اسلامی وطن اور اس کے چھ کروڑ مسلمانوں کو ایک ایسی حکومت کے تحت لا سکتے ہیں جہاں یہ ایک دوامی اقلیت سے زیادہ اور کچھ نہ ہونگے۔

اس حقیقت کے مدِ نظر ہندوستان کی مسلم اقلیتوں نے قرارداد لاہور کی بلا تامل تائید کی۔ ہندو ہندوستان کی مسلم اقلیتوں کے سامنے سوال یہ ہے کہ آیا سارا مسلم ہندوستان

نو کروڑ مسلمانوں کے ساتھ ہندو اکثریت کے راج کے تحت چلا جائے یا کم از کم چھ کروڑ مسلمان جہاں وہ اکثریتی حلقوں میں ہیں اپنا وطن بنا لیں اور اس طرح اپنے فہم و ادراک کے مطابق اپنی روحانی ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی کو ترقی دینے اور اپنے مستقبل کو بنانے کا ان کو موقعہ ملے؛ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کا اختیار رہو؛ مسلم ہندوستان میں ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں کا یہی موقف ہوگا۔

میں نے ہمیشہ سکھ فرقہ کا احترام ملحوظ رکھا ہے اور ان کی قدر کی ہے اسکھ دوستوں سے میری خواہش ہے کہ وہ ہندوستان کے موجودہ دستوری مسئلہ کا عمیق مطالعہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک متحدہ ہندوستان میں یا ایک مرکزی حکومت کی بہ نسبت شمال مغربی مسلم منطقوں میں بدرجہا بہتر رہیں گے۔ کیونکہ ایک مرکزی حکومت کے اندر ان کی صدا نقار خانے میں طوطی کی آواز ہوگی۔

بہر صورت پنجاب ایک خود مختار اور مطلق العنان وحدت ہوگا اور انہیں بھی بہر حال پنجاب میں رہنا ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ایک متحدہ ہندوستان میں جہاں وہ ایک عالم کس مپرسی میں ہوں گے، مسلم ہندوستان کے مغربی منطقوں میں جو خود مختار وفاقی ریاستوں پر مشتمل ہوگا اور جس میں پنجاب کی مطلق العنان ریاستیں بھی شامل ہیں سکھ ہمیشہ ایک باعزت مقام پر ہوں گے اور انہیں کافی اثر و رسوخ حاصل رہے گا۔

ایک خاص قسم کی تنقید کانگرسی مسلمانوں کی طرف سے ہوئی ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے منہ میں کسی اور کی زبان ہے، اور ان کی گفتگو ان کے آقاؤں کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی کو اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک اور قسم کی تنقید چند کانگرسی قائدین کے مفوات ہیں جو ذرا بھی وقیع نہیں ہیں۔

قرار داد لاہور پر اگر کسی شخص نے سنجیدگی سے کوئی تنقید کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو وہ مسٹر راج گوپال اچاریہ ہیں۔ وہ بھی بہر حال اپنی ہی سیاست کے معیار سے دوسروں کو

جا نچتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم وہ چاہتے ہیں جو نہیں کہتے۔ یعنی جو کچھ مسٹر جناح چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان نام نہاد مسلم صوبوں کی ترقی کا ایک حل ڈھونڈنے کے لئے انتہائی وسعتیں دی جائیں جس میں کسی ایسی مرکزی حکومت کی مداخلت نہ ہو سکے گی جو ہندوستان کی آبادی کے تناسب وترتیب اور دوسری سیاسی قوتوں کے روبعمل آجانے سے پیدا ہونے والے حالات کے تحت کام کر رہی ہو۔ وہ ہندوستان کو دو حصوں میں کاٹنے کے علاوہ جو کہ قرون وسطیٰ کے تصور پر مبنی ہے اپنی اس مستحسن خواہش کی تکمیل کے لئے یقیناً اور بہت سی چیزوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

حضرت سلیمان (علیہ السلام) اور بچے کو تقسیم کرنے کی حکایت کا استدلال مسٹر راجگوپال اچاریہ کے عقل وشعور کی ساری بلندیوں سے بھی ورے ہے۔ اس قیاسی حکایت کو وہ ہماری تجویز پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً سارا ہندوستان کانگریس کی ملکیت نہیں ہے اور اگر اس کی حقیقی باشندے کو پوچھتے ہو تو وہ ڈراوڑی ہیں اور ان سے بھی آگے قدیم ترین جنگلی باشندے ہیں۔ یہ نہ آریائی ہونگے اور نہ ہی مسلمان! ہندوستان سے متعلق آریاؤں کے دعاوی مسلمانوں سے قوی نہیں ہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک وقتِ خاص پر اُن سے پہلے آئے تھے۔

۱؎ اگر سکھ بھائیوں نے یہ حقیقت سمجھ لی ہوتی تو آج سیاسی حیثیت سے وہ کہیں زیادہ مضبوط ہوتے۔

۲؎ ہندوستان کے ہندو سیاستدانوں میں مسٹر راجگوپال اچاریہ سلجھے ہوئے خیالات کے بزرگ ہیں، انہوں نے اکثر وبیشتر مسلمانوں کے موقف کی حتیٰ کہ پاکستان کی کسی نہ کسی حد تک بے خوفی، جرأت اور دلیری کے ساتھ تائید کی اور کانگریس ہائی کمان سے اس کی سزا بھی بھگتی اور اب تک بھگت رہے ہیں، !

پہلے مانو، پھر سوال کرو!

پہلے تو تقسیم ہند کو مان لینا چاہیئے، بعد ازاں صرف یہی سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کس حیثیت سے عملی صورت دی جائے۔ تفصیلات کا سوال بعد کو پیدا ہوگا۔ حسب ضرورت اور حسب منشاء تدبر اور مفاہمت سے کام لیا جائے گا، پہلے تو ہمیں تیقنات کے بارے میں رجائی بن جانا چاہیئے، ارادے اپنی راہ آپ پیدا کر لیتے ہیں۔

"ہے کوئی ایسی مثال کہ کسی اصول کے مان لینے سے قبل اس کی تفصیلات پر بحث کی گئی ہو۔ مشترک خاندانوں کی تقسیم کے معاملہ میں بھی تو پہلے سمجھوتہ اور اتفاق ہو جاتا ہے اور بعد کو تقسیم جائیداد کے بہتر طریقہ پر غور کیا جاتا ہے۔

تاریخ کی تازہ ترین مثال آئرلینڈ ہے۔ منطقوں کی تقسیم کے اصول و بنیاد کا فیصلہ ہونے کے بعد شمالی اور جنوبی آئرلینڈ کے مسئلہ کو قطعی طور پر مان لیا گیا۔ برما کے ساتھ بھی یہی ہوا، بالکل اسی طرح پہلے علیحدگی سندھ کا تصفیہ ہوا اور بعد ازاں تفصیلات پر غور کر کے عملی جامہ پہنایا گیا"۔

۱۷؍ اپریل ـــــــــــــ سنہ ۱۹۴۰ء

......کاش خانہ جنگی نہ ہوا

۲۶ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

بمبئی پریسیڈنسی مسلم لیگ کانفرنس کا عظیم الشان اجتماع راجہ صاحب محمود آباد کی زیر صدارت ھبلی میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں شرکت کی دعوت قائد اعظم کو بھی دی گئی تھی، مگر بعض ناگزیر مصروفیات کے باعث وہ شریک نہ ہو سکے، البتہ اپنی طرف سے ایک روح پرور پیام بھیج دیا، جو اپنی افادیت اور معنویت کے اعتبار سے غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں وقت کے بعض اہم مسائل پر انہوں نے حسب عادت دو ٹوک رائے ظاہر کی ہے، اور بعض ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو یادگار حیثیت رکھتی ہیں،

پاکستان کی تجویز مسلم لیگ منظور کر چکی ہے، سارے ہندوستان میں تہلکہ، شور و شر اور ہنگامہ مچا ہوا ہے، ہندو جماعتوں، کانفرنسوں اور پریس نے ایک قیامتِ عظیم برپا کر رکھی ہے، ہندو جماعتوں نے خاص کر کانگرس نے ہاؤ ہو کا عالم پیدا کر رکھا ہے، مگر اس شور و شر کے باوجود قائد اعظم اپنے مسلک پر چٹان کی طرح جمے ہوئے ہیں، ان کے پائے ثبات میں کہیں لغزش نظر نہیں آتی! (رئیس احمد جعفری)

جنوبی ڈویژن کے مسلمانوں کی خدمت میں، میں چند الفاظ عرض کرنا چاہتا ہوں مسلمانانِ ہندوستان کی مسلم لیگ نے صحیح رہنمائی کی ہے، اس نے مسلمانوں کو ایک پرچم، ایک پلیٹ فارم ایک سوچا سمجھا ہوا لائحۂ عمل اور ایک پالیسی دی ہے اور بالآخر گذشتہ مارچ میں لاہور کا رزولیشن

پاس کر کے اس نے مسلمانوں کے سامنے ایک معین نصب العین اور ایک مطمح نظر صحیح طور پر پیش کر دیا ہے۔

اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو جدوجہد کرنی چاہیئے، اس کے لئے انہیں قربانیاں کرنی چاہئیں، کیونکہ ان کی نجات اسی مقصد کے حصول سے وابستہ ہے، مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ انگریز لاہور رزولیشن کے بنیادی اصول سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال و مغرب کے علاقوں میں آزاد مسلم حکومتیں قائم کر دی جائیں؛ وہ اتفاق کریں یا نہ کریں، ہم اس کے لئے آخری قطرۂ خون تک لڑیں گے آخری خندق سے لڑیں گے، مجھے علم ہے کہ انگلستان کے سیاستدان، انگلستان کے اخبارات اور پبلک سب اسی خیال کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں کہ ہندوستان ایک ہے اور وہاں کی قوموں میں اتحاد ہو جائے گا، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے کو دھوکا دے رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ کانگرس ہائی کمان یہ چاہتا ہے کہ اس ملک میں ہندو راج قائم ہو، اور اس راج کے قائم کرنے میں انگریزوں کی فوجی قوت مدد دے، مگر یہ کبھی خیال میں نہیں آسکتا، کہ انگریز اپنی فوجی قوت کی مدد مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے کانگریس کے ہائی کمان کو دیں گے کانگرس ایک جوا کھیلنا چاہتی ہے، کہ شاید پانسہ ٹھیک پڑ گیا تو کامیابی حاصل ہو جائے گی، مگر اُسے یقیناً ناکامیابی ہو گی، حیرت ہے کہ مسٹر گاندھی اور گوپال چاریہ جیسی ہستیاں لاہور کے رزولیوشن کے متعلق ان الفاظ میں ذکر کریں۔

"ہندوستان کو جیتے جی ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے"

"بچے کے دو ٹکڑے کئے جا رہے ہیں"

قدرت نے پہلے ہی سے ہندوستان تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے حصے علیحدہ علیحدہ ہیں ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی سے موجود ہیں۔ نہ معلوم

اس کے متعلق اتنی واویلا کیوں کی جاتی ہے اور وہ ملک ہے کہاں جس کے ٹکڑے کیئے جائیں گے؟ اور وہ قوم ہے کہاں جس کی قومیت فنا کی جانے کو ہے؟

وہ طاقت جس کے قبضۂ قدرت میں آج ہندوستان ہے، وہ انگریزوں کی طاقت ہے، اور یہ جو ایک خیال دماغوں میں بیٹھ گیا ہے، کہ ہندوستان ایک متحدہ ملک ہے اور اسکی ایک حکومت ہے، وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انگریز اس سارے ملک پر حکمران ہیں،

کہا جاتا ہے کہ ہمارا مطالبہ فرقہ پرستی کے لئے دو آتشہ ہے، فرقہ پرستی کا نچوڑ ہے! کیوں؟ اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ حصّے ہائے ملک قائم کئے جائیں اور وہ دو معزز قوموں کی طرح اور اچھے ہمسایوں کی طرح ان میں زندگی بسر کریں۔ نہ اس طرح کہ ہندو تو غالب و اعلیٰ ہوں اور مسلمان مغلوب اور پست۔ اور ان دونوں کو غیر قدرتی طور پر ایک دوسرے سے باندھ دیا جائے اور ہندوؤں کی مذہبی مجارٹی مسلم ہندوستان پر رہے اور وہ مسلمانوں پر حکومت کریں اور مسلط رہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اسکیم قابلِ عمل بھی نہیں، کیوں نہیں؟ اس وقت بھی موجودہ کانسٹیٹیوشن کے ماتحت خود مختار صوبے موجود ہیں، ان صوبوں میں کہیں مسلمانوں کا غلبہ ہے اور کہیں ہندوؤں کا۔ ایسے جغرافیائی قطعات کو معرضِ وجود میں لانا جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، جن میں ایک قسم کی آبادی ہو، اور دوسری نوع کی وحدت ہو، اور یہ قطعات خود مختار بھی ہوں، بالکل ممکن اور مناسب اور قابلِ عمل ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس اسکیم پر ایمانداری سے غور و خوض کیا جائے، لیکن اگر کانگریس کا یہی ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو بہ جبر ہندوستان کے ماتحت رکھا جائے اور ایک ایسی مرکزی حکومت قائم کی جائے، جہاں ہندوؤں کی مجارٹی ہمیشہ رہے تو بیشک یہ اسکیم ناقابلِ عمل ہے، سب سے آخر میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسکیم خود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے، یقیناً یہ امر مسلمانوں ہی کے فیصلے کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے، وہ خود اس کا فیصلہ کریں کہ یہ اسکیم مفید ہے یا مضر یہ وہی پرانی

فرسودہ دلیل ہے جو ہمارے حاکم یعنی انگریز پیش کیا کرتے تھے جب ہندوستانی اپنے مطالبات پیش کرتے تھے اور انگریزوں کو کوئی جواب دینے نہ بن پڑتا تھا تو یہی دلیل لا کر کھڑی کر دی جاتی کہ ان مطالبات کو پورا کرنا خود ہندوستان کے حق میں مضر ہو گا۔

جب لاہور کے رزولیشن کا ذکر کیا جاتا ہے؟ یہ نہایت شرارت کی بات ہے، کوئی تصادم نہ ہو گا، اور نہ ہونا چاہیئے یہ اور بات ہے کہ کانگرس خود تصادم اور جھگڑے کی خواہاں ہو۔ نہ بدنظمی ہو گی، نہ گڑبڑ ہو گی ہاں یہ سب کچھ ہو گا اگر مسٹر گاندھی اپنے عدم تشدد کے ہتھیار مسلمانوں کو حصول مرام کے باز رکھنے کے لیئے استعمال کریں گے۔

مسٹر گاندھی کا جو تازہ ترین آرٹیکل ۹ مئی کو شائع ہوا ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "اور اگر یہ نہ ہوا اور ہندوستان کی تقسیم کا خیال عام ہو گیا تو دو راستے ہوں گے ایک یہ کہ بمقابلہ غیر ملکی حکومت کے ہم تقسیم قبول کر لیں، دوسرا یہ کہ ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں یا ان دونوں شکلوں کے علاوہ یہ شکل ہو گی کہ ہم میں خانہ جنگی ہو گی۔"

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کی پیشین گوئی غلط ثابت ہو، اور ہندو اور مسلمانوں کی عقل سلیم لاہور والے رزولیشن کے راستے کو پسند کرے۔[۱]

---

[۱] قائداعظم کی دل سے نکلی ہوئی اس دعا سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خانہ جنگی کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے اور کانگرس اس بات سے مایوس ہو کر کہ انگریز مسلمانوں کی قسمت اور ہندوستان کی حکومت غیر مشروط طور پر اُسے سونپنے کو تیار نہیں ہیں، خانہ جنگی تک پر تیار ہو گئی تھی، گاندھی جی جیسا عدم تشدد کا پرستار تک جب یہ کہہ سکتا تھا تو دوسروں کے بارے میں آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے خیالات و تاثرات اس باب میں کیا ہونگے؟

ہمارا نصب العین

"ہمارا نصب العین اور ہماری جدوجہد کسی فرقے اور قوم کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ اور نہ دوسروں کی ترقی اور مفاد میں روڑا ڈالنا ہمارا منشا ہے، بلکہ ہم اپنی حفاظت آپ کرنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں باعزت اور آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کی تمنا رکھتے ہیں۔"

۲۶ مئی ———— سنہ ۱۹۴۰ء

ریاستیں اور مسلم ہندوستان

"بعض اہم اور بڑی ریاستیں مشرق میں نہیں، بلکہ وہ شمال مغربی منطقے میں ہیں، اور یہ کشمیر، بہاولپور اور پٹیالہ وغیرہ ہیں۔ اگر یہ ریاستیں بخوشی مسلم ہندوستان کے وفاق میں شریک ہونا چاہتی ہیں تو ہم اُن سے موزوں مفاہمت اور باعزت سمجھوتے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، ہم کسی طرح بھی انہیں مجبور کرنا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہی اُن پر دباؤ ڈالنا پسند کرتے ہیں۔"

صحافتی بیان برائے ڈان

۱۹۔ جولائی ۱۹۴۰ء

حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کا احتساب

شیر کی گرج!

۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء

مجالس آئین ساز میں حکومت کی پالیسی پر رد و کد، بحث و گفتگو، تنقید و تنقیص اور نکتہ چینی کا بہترین وقت وہ ہوتا ہے، جب میزانیہ پیش کیا جائے، یا کوئی مالی مسئلہ درپیش ہو اس موقع پر بڑی آسانی سے حکومت کی غلط کاریوں کا پردہ فاش کیا جا سکتا ہے، اور ایک ایک مصرف، کو زیر بحث لا کر اس کی خود رائی اور مطلق العنانی کو بریک لگایا جا سکتا ہے۔

قائداعظم ایسے مواقع پر جو تقریر کرتے تھے، وہ اپنی معنویت اور گیرائی کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہوتی تھی۔ یہ تقریر بھی اسی موقع کی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

مسٹر ڈپٹی پریذیڈنٹ! میں احساس غم کے ساتھ اس بحث میں حصہ لیتا ہوں۔ میری رائے میں ہم سب کو یقین ہے کہ یہ جوکھوں کی گھڑی ہے۔ سنجیدہ غور و فکر کا وقت۔ ہم نے پچھلے چھ دنوں میں مختلف تقریریں سنی ہیں، ان میں جواب مضمون، پند و موعظت، لیکچر بعض تاریخی، بعض اخلاقی و مذہبی سبھی شامل تھے۔ مگر میں ایک معمولی انسان ہوں اور وہ فصاحت و بلاغت پیش نہیں کر سکتا جس سے اس ایوان کی ضیافت طبع ہو چکی ہے۔ میں اپنی بحث کو محدود کروں گا اور سیدھے سادھے طریق سے محض سیاسیات اور قانون سازی سے مطلب رکھوں گا۔ میرے تصور کے مطابق یہ ساری صورت حالات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے یعنی ماضی، حال اور مستقبل جناب والا! کیا اس امر سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے کہ گزشتہ واقعات دہرائے جائیں۔ اور تلخ بہتان اور الزام اور لڑائی جھگڑے کی یاد تازہ کی جائے؟ کیا یہ موزوں وقت ہے کہ ہم ایک

دوسرے کو مجرم ٹھہرائیں۔ برا بھلا ٹھہرائیں اور یوں پکاریں کہ یہ ہیں تمہاری بداعمالیاں" پھر فریق مقابل کہے کہ "نہیں ہیں تمہارے کرتوت" اس طرح تلخیوں میں اضافہ ہوگا، اس طرح وہ مسئلہ جو پہلے ہی بے حد پیچیدہ اور مشکل ہے۔ مشکل تر ہو جائے گا۔ اور اس مقام سے دور ہی دور ہٹتا چلا جائے گا۔ جہاں کہ اس کا حل حاصل کر لینا ممکن ہے، الغرض ہم چکنی باتوں میں نہیں پڑتا۔ ہم ان کا مطلب خوب سمجھتے ہیں اور ان سے آگاہ ہیں۔

جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کے اعلان کے وقت بھی حکومت نے ہم سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ اس کے متعلق بڑے آئینی اور قانونی مباحثات ہو چکے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ یہ فریق سچا ہے یا وہ فریق غلطی پر ہے مگر یقیناً ہم سب اور میرے معزز دوست سر راماسوامی مدالیر جانتے ہیں کہ ہماری حکومت ہند کی حالت برطانوی سلطنت کی دیگر مملکتوں سے قطعاً مختلف ہے جن کو قانون ویسٹ منسٹر کی رو سے کامل آزادی حاصل ہے۔ ہم مسٹر گرفتھس کی طرح ظاہر داری اور بناوٹ سے کیوں کام لیں۔ میری رائے میں ان کا یہ بیان دانائی سے بعید تھا کہ جب کانگرس کے ممبر اس ایوان میں حاضر نہیں ہوتے تو وہ ملک کا نمائندہ نہیں رہتا۔ غور کیجیے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ باقی ممبران کسی گنتی میں شمار نہیں۔

مسٹر گرفتھس: میرا مطلب یہ تھا کہ کُل کی نمائندگی ایک جزو نہیں کر سکتا۔

مسٹر جناح:- درست! اگر ایک بڑا حصہ موجود نہ ہو تو حالت یہی ہوتی ہے مگر اس حقیقت سے اس رائے کا جواز نہیں ملتا کہ حکومت نے ایوان کی غیر نمائندگی کی حالت کے سبب ہم سے مشورہ نہ کیا۔ مگر پھر بھی میں پوچھتا ہوں کہ کیوں نہ کیا؟ سنیئے! اصل وجہ یہ ہے کہ حکومتِ ہند کو اور اس ایوان کو بھی یہ کہنے کا اختیار حاصل نہیں کہ "ہم ہندوستان کو جنگ میں شامل نہیں کرتے اور اسے ایک متخاصم فریق نہیں بناتے"! سنیئے! یہ بات بری ہو تو ہو مگر آئینی، قانونی اور عملی حقیقت یہی ہے کہ ہندوستان ایک مملکتِ محروسہ ہے اور برطانیہ کے قبضہ میں۔ اس سے راہِ فرار ممکن ہی نہیں۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دعوٰی کر سکتے ہیں کہ خود جناب

یا نمائندہ تاج برطانیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس مجلس قانون ساز سے مشورہ کریں اور مزید برآں جنگ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہمارے فیصلہ پر عمل پیرا ہوں؛ پھر بہانہ سازی کیوں، غلط رہنمائی کس لئے؛ بہر صورت جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کا اعلان ہو چکا ہے اور یہ گذشتہ تاریخ سے متعلق ہے۔ میں پچھلے واقعات پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت بلالحاظ اس بات کے کہ ہندوستان کو پسند ہے یا ناپسند، وہ رضامند ہے یا نارضامند، جنگ کا اعلان اور شمولیت ہند کا اعلان کر چکی ہے یہ ہے صورت حالات جس سے ہم دوچار ہیں۔ آنریبل اراکین اسے پیش نظر رکھیں۔ اچھا تو اب کیا کیا جائے؛

جناب والا! مجھے افسوس ہے کہ اس جانب سے اور اس طرف سے ایسی دلیلیں دی جا رہی ہیں جنکو واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں تو کیا کیا جائے؟ اگر حکومت مجھے خوفزدہ کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کرے کہ انگلستان کی شکست کی صورت میں ہندوستان جرمنی کا غلام بن جائے تو میں کہوں گا کہ میں انگلستان کی شکست نہیں چاہتا۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس صورت میں انگلستان کو زیادہ اور مجھے کم نقصان پہنچے گا۔ انگلستان اپنی آزادی کھو بیٹھے گا اور نہ صرف نازی اُسے پامال کریں گے بلکہ اُسکے پاس کچھ باقی نہ بچے گا۔ پس میں حکومت کو کہتا ہوں۔ کہ مجھ سے بڑھ کر تم خطرے میں ہو۔ لیکن جناب والا! اس کہنے سننے سے ہمیں حاصل کیا ہوگا کچھ نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت ہند ہمارے ملک کے ناداں اور بے خبروں کو پراپگنڈا کی غرض سے یہ کہے کہ "اگر انگلستان کو شکست ہوئی تو تمہاری آزادی یا تمنائے آزادی اور ذمہ وارانہ حکومت کے حصول کی خواہش یہاں تک کہ تمہارے مذاہب، گرجا، مندر، مسجدیں سب فنا ہو جائیں گے"۔ اگر ہم اسے درست بھی تسلیم کر لیں تو اس سے حکومت کو کیا فائدہ ہو گا۔ میں اس کے جواب میں پھر بھی یہ کہہ سکوں گا کہ ہندوستان سے بڑھ کر انگلستان خطرے میں ہے۔

جناب والا! حکومت کے رفقاء ایک خاص دلیل مسلمانوں کے غور کے لئے پیش کرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ اسلامی ممالک خطرے میں ہیں"۔ ہاں بیشک ہیں اس سے کسی کو انکار نہیں، مگر حکومت کو لازم ہے کہ ذمہ دارانہ طریق سے سوچے ان دلائل اور اس پراپاگنڈا سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پروپیگنڈا بہت کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن بعض کام ایسے ہیں کہ لوگوں کو محض خوفزدہ کرنے سے انجام نہیں ہو سکتے۔ جناب والا! میں حکومتِ ہند کی جنگی کوششوں اور سارے ہندوستان سے متحدہ طور پر امداد مانگنے کے ضمن میں مسلم لیگ کی نسبت کہہ سکتا ہوں اور بلا خوفِ تردید کہتا ہوں عین آغازِ جنگ سے اس وقت تک ہم نے حکومت کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہیں کی نہ اسے تنگ کر کے شش و پنج میں ڈالا ہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۳۹ء سے ٹھیک آج ۲۹ ستمبر سال رواں تک ایک برس کی مدت میں ہم نے اس قول و قرار اور ان مذاکرات کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ جو حکومت مختلف پارٹیوں سے بدیں غرض کر رہی ہے کہ جملہ جماعات، تمام طبقات اور سارے فرقے متحد ہو کر ہماری انتہائی مدد کریں۔ میں اس سلسلے میں ایوان کے سامنے بڑے بڑے واقعات کا ذکر جلد جلد کئے دیتا ہوں۔

جب جناب وائسرائے بہ حیثیت نمائندہ تاج برطانیہ اس ملک کے بہت سے سرکردہ لیڈروں کے ساتھ ملاقات کر چکے تو یکایک مجھے اور مسٹر گاندھی اور اس وقت کے صدر کانگرس بابو راجندر پرشاد کو بلایا۔ یہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ہم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا، کہ ہم کیوں بلائے گئے۔ بہرحال وائسرائے نے ایک تجویز پیش کی آپ سب اس سے آگاہ ہیں۔ مگر میں اس کی تشریح کرتا ہوں۔ وائسرائے نے کہا کہ صوبائی حکومتوں کے متعلق اگر دونوں بڑی بڑی پارٹیاں یعنی مسلم لیگ اور کانگرس آپس میں کوئی قرارداد کر لیں تو میں اپنی مرکزی مجلس منتظمہ کی توسیع کے لئے تیار ہوں۔ قانون نے اس کے ممبروں کی تعداد محدود نہیں کی۔ اس توسیع کے معاملہ میں دونوں پارٹیوں کی خواہشات جہاں تک مجھ سے ممکن ہے زیادہ سے زیادہ پوری کی جائیں گی"۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ مجھے امید ہے کہ آنریبل ممبروں کو میرا یہ بیان سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو گی کہ جب ہم نے وائسرائے کی پیشکش کے جواب میں اپنے اپنے مطالبات پیش کئے

تو ہمارا یہ خیال نہ تھا کہ وہ سب کچھ دے دیا جائے جو کانگرس مانگ رہی ہے یا جس کا مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو جواب ؐ وائسرائے نے دیا ہم دونوں پارٹیوں نے اپنی اپنی جگہ غیر تسلی بخش ہی قرار دیا۔ بہر حال اصل نکتہ یہ ہے کہ میں نے علی الاعلان ملاقات کے وقت اپنی ذمہ داری پر کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان وائسرائے کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں مگر مسٹر گاندھی نے فی الفور یہ کہا کہ ہمیں تجاویز قطعاً منظور نہیں اور ہم ان پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ غرض کچھ وقت کے لئے یہ بحث یہیں ختم ہوئی۔ اس کے بعد فروری میں یہ بات ایک بار پھر چھیڑی گئی۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ کیا حالات پیش آئے سوائے ان کے جن کا ذکر میں نے اخبارات میں پڑھا۔ بہر صورت جناب وائسرائے نے اپنی اورینٹ کلب کی تقریر میں مسٹر گاندھی کو اشارہ کیا کہ ایک عزت مندانہ قول و قرار کا بیج ابھی تک موجود ہے اس پر ایک اور کوشش فروری میں کی گئی مگر نتیجہ اس کا بھی وہی ہوا مجھے اس کی خبر نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کے ایما سے حکومت ہند نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ اصل بات تو یہی ہے کہ نمائندہ تاج برطانیہ کا فرض برطانوی حکومت کے احکام پر عمل کرنا ہے اور بس! جب صورت حالات یہ ہو تو مسلم لیگ کو مطعون کرنا کیا معنی؟ جون میں لیگ نے ایک قرارداد منظور کی ہے اس کا ایک پیراگراف سنا کر اسکے رجحان پر روشنی ڈالتا ہوں۔ سنیئے!

"دنیا کی موجودہ پُر اندیشہ حالت اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہر ہندوستانی اپنے ملک کی حفاظت کے لئے سخت سے سخت کوشش کرے اور مجلس عاملہ حکومت ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آنے والے ہر ایک واقعہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ملک کو ایک منتظم طریق سے تیار کرے۔ یہ کمیٹی مجبور ہو کر کہتی ہے کہ دفاع ہند کی وہ تجاویز جو جناب وائسرائے اور جناب کمانڈر ان چیف (سپہ سالار) اور بعض صوبائی گورنروں نے اپنے بیانات میں درج کی ہیں، موجودہ حالت

کی لازم و لابد ضرورتوں سے نپٹنے کے لئے قطعاً ناکافی ہیں۔ اس لئے یہ کمیٹی اپنے صدر کو اس امر کے لئے اپنا مجاز اور مختار بناتی ہے کہ وہ جناب وائسرائے کے ساتھ مذاکرات اختیار کرے۔ ان کا مقصد یہ ہو کہ جنگی کوششوں کو قوی سے قوی تر بنانے کے لئے اور دفاع ہند کے لئے ملک کے ان تمام وسائل کے امکانات کی تحقیقات کی جائے جن سے ہماری قوتیں یکجا ہو جائیں اور حصولِ مدعا کے لئے فوری اور پُر اثر طریق اختیار کئے جا سکیں۔ کمیٹی کی یہ رائے بھی ہے کہ ہم کُل ہند کو کامل باہمی تعاون کی بنیاد ٹھہرائیں نہ کہ مختلف صوبے اپنی اپنی اپنی جگہ الگ الگ کوشش کریں۔ اور اس طرح حکومت اور مسلم لیگ نیز وہ دوسری پارٹیاں جو رضامند ہو سکیں مل کر میدانِ عمل میں آئیں اور موجودہ فوری خطرہ کے پیشِ نظر حفاظتِ ملک کی ذمہ داری قبول کریں۔ اگر یہ طریق کار اختیار نہ کیا تو ہم اپنے اصل مقصد کے لئے نہ پوری کوشش کر سکیں گے اور نہ اُسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔"

جناب والا! یہ ۱۷ جون کا واقعہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس بیان کا ایک اثر ہوا اگرچہ مجھے اس بات کا پُورا علم نہیں مگر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ صدر مقام میں ہماری اس قرارداد کے پہنچتے ہی ایک بار پھر باہمی سمجھوتہ کی تحریک شروع ہو گئی۔ مگر بدقسمتی سے نتیجہ اس مرتبہ بھی یہی ہوا کہ کانگرس اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس وقت بھی اس کی حالت وہی ہے۔ رہی مسلم لیگ۔ ہماری حالت کا اظہار ہماری قرارداد سے ہوتا ہے۔

جناب والا! مسٹر جیمز کی تقریر نہایت شاندار تھی۔ وہ اور مسلم لیگ تعاون کے متعلق ہم خیال ہیں۔ ہم نے اصول تعاون منظور کر لیا ہے اور انہوں نے اس کی نسبت بجا طور پر کہا ہے کہ "حکومت ہند اور رضامند پارٹیوں اور باہمی تعاون کے معنی یہ ہیں کہ مرکزی حکومت

ہیں اور اسی طرح صوبائی حکومتوں میں ان پارٹیوں کو اختیارات حاصل ہوں۔" اس کے بعد مسٹر جیمز ہمیں کہتے ہیں کہ "اپنی حالت کی وضاحت کرو۔" میں جواب دیتا ہوں کہ خود ان کی رائے کے مطابق جیسا کہ ان کی تقریر سے واضح ہوتا ہے۔ مسلم لیگ نے ملک معظم کی حکومت کے اس بیان کو اصولاً منظور اور تسلیم کر لیا ہے کہ "ہم بعض تحفظات کے ماتحت ہندوستان کے سر کردہ لوگوں کو حکومت میں اختیارات دینے کے لئے تیار ہیں۔" اس کے باوجود مسٹر جیمز ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی یہ منظوری قطعی ہے؛ اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ جب آپ نے اصول مان لیا تو کیا اُسے محض تفصیلوں کی عدم قبولیت کے سبب رد کر دیں گے؟"

جناب والا! ہم نے اصول بیشک تسلیم کر لیا ہے مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تفصیلات کے طے کرنے میں خود اصول تلف ہو جائے یا عمل میں لانے کے دوران میں اس کی حیثیت صفر کے برابر رہ جائے یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ "اصول" اور "تفصیلات عملی" میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔ ہم اصول کو حماقت کے درجے تک گرا سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر میں آپ کو ایک مثال دے کر اپنے منشا سے آگاہ کرتا ہوں۔ سنیئے!

"مجھے آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ آپ خطرے میں ہیں اور میں بھی۔ میں اپنے تمام ذرائع ایک مشترکہ سلسلے میں شامل کرنے پر رضامند ہوں۔ چنانچہ میں کہتا ہوں کہ میں تیار ہوں، آیئے ہم دونوں مل کر اس مصیبت کا۔ اس خطرے کا مقابلہ کریں۔ پھر ڈوب جائیں تو اکٹھے تیریں تو دونوں۔ یہاں تک معاملہ صاف ہے۔ مگر یہ بھی تو بتایئے کہ مجھے ان سب ذرائع کے استعمال میں جن کو میں نے مشترکہ وسائل میں کیا ہے کوئی اختیار حاصل ہو گا؟ رہے وہ فوائد جو فتح سے حاصل ہوں گے ان کی نسبت میں فی الحال کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھے اس مشترکہ کوشش میں کوئی اختیار نہ ہو گا؟ میری رائے کو کوئی وزن دیا جائے گا؟ اس پر آپ مجھے جواب دیتے ہیں کہ "نہیں نہیں، سارا کام ہم خود کریں گے۔" اب میں ضد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ "نہیں صاحب میں تو ضرور اپنا مناسب حصہ لینا اور رائے دینا چاہتا ہوں۔" آپ کہتے ہیں کہ بہت

خوب! تمہاری رائے لی جائے گی۔ تم ہمارے حصہ دار ہو گے۔ میں پوچھتا ہوں "میرا حصہ کیا ہو گا" آپ جواب دیتے ہیں کہ "ہم تمہارے نمائندوں کو دو عہدے عطا کریں گے"۔ میں سوال کرتا ہوں کہ "کاروبار حکومت کون کون سے حصوں میں منقسم ہو جائے گا؟" آپ کا جواب یہی ہوتا ہے کہ "ہم نہیں بتا سکتے"۔ میری رائے میں آپ کی ان سب باتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "ہمیں اپنا حصہ دار بنائیں گے مگر روپے میں سے فقط ایک پائی دیں گے۔ میں انجام کار کہتا ہوں کہ "جب آپ کا یہ خیال ہے تو آپ میری نام نہاد شراکت کیوں طلب کرتے ہیں کیا آپ اسے کہیں گے بیوپار، اسے کہیں گے کاروبار؟

جناب والا! مسٹر جیمز نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلم لیگ نے جنگ کی جدوجہد کے متعلق اپنا خیال اور طریق عمل واضح کر دیا ہے"۔ میں خوش ہوں کہ انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی۔ اسکے بعد مسٹر جیمز میری ایک تقریر کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ "مسٹر جناح نے اپنی عید کی تقریر میں بیان کیا ہے کہ برطانوی حکومت کی بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں مگر مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کے مفاد کی خاطر حکومت کو امداد دیں اور اس کے ساتھ تعاون کریں"۔ مگر میں نے لفظ "فرض" استعمال نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ مسلمان دیانتداری کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ سے تعاون کرنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکیں"۔

میں نے عید کی تقریر میں کہا تھا کہ "ہم مسلمان دیانتداری کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی گذشتہ بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں ہمیں اس کی مدد کرنا اور اس کے ساتھ تعاون لازم ہے کیونکہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ نیز یہ کہ اگر ہندوستان کے ساحلوں تک جنگ آن پہنچے تو ہمیں اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن تیاری کرنی چاہیئے۔ مسلم لیگ روز اول سے یہ حقیقت واضح کرتی چلی آئی ہے کہ ہم اپنے آدمی، خون، روپیہ سب کچھ دینے پر رضامند ہیں۔ مگر برطانوی حکومت کی یہ حالت ہے،

کہ اب ہمارا تعاون بمعہ اختیاراتِ حاکمانہ نہیں چاہتی اور پھر اختیارات میں ہماری شرکت کے متعلق حکومت برطانیہ کی پیشکش صرف نام کی اور دکھاوے کی پیشکش صرف نام اور دکھاوے کی پیشکش ہے۔ یہ ہے مشکل جو ہماری راہ میں حائل ہے اور جس کے سبب ہم اسلامیان ہند کو راغب و آمادہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ حکم تو ماننے سے رہے کہ جنگ کی جدوجہد میں کامل امداد کریں۔

جناب والا! حکومت شاید اس وجہ سے ہمارے ساتھ مناسب طریق اختیار نہیں کرتی کہ وہ کانگریس سے ڈرتی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت ہم پر اعتبار نہیں کرتی اور جیسا کہ ایوان کے لیڈر نے کہا یہ سب بھی ہو سکتا ہے کہ "انگلستان کو ہندوستان پر پورا قابو حاصل ہے۔ اور اس لئے ہم حکومتِ ہند کی جنگی کوششوں میں نہ تو کچھ مدد دے سکتے ہیں۔ نہ ان میں رکاوٹ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں اس لئے مدد مانگنے کی ضرورت ہی نہیں"۔ مگر یہ سب میرے قیاسات ہیں اور صرف خدا کو خبر ہے کہ ہمارے ساتھ تسلی بخش طریق سے پیش نہ آنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

جناب والا! ہم نے اپنی حالت بتا دی۔ اب ہم سے کہا جاتا ہے کہ جنگی اخراجات کی منظوری کے لئے رائے دیں۔ ظاہر ہے کہ جنگ جب تک جاری رہے گی اور حکومت ہند جنگی کوشش کرے گی روپے کے بغیر کام نہ چلے گا۔ ہم شکر گزار ہیں کہ مطالبہ صرف چھ کروڑ روپیہ کا ہے مگر ہم اس مالی مسودہ قانون کی موزونیت کی تحقیقات نہیں کر سکے۔ ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ حکومت یہ روپیہ کس طرح خرچ کرے گی اور اخراجات کے لئے کون سے وعدے کئے جا چکے ہیں۔ اس میں ہماری آواز یا رائے یا حصے یا اختیار وغیرہ کو کوئی دخل نہیں۔ ہم نہیں پوچھ سکتے کہ حکومت کیا کر چکی ہے یا کیا کرے گی۔ ہمیں محکمہ فوج اور رسد و سامان مہیا کرنے والے محکمے اور دوسرے محکموں کے متعلق متعدد شکایات ہیں کہ ان میں کیا ہو رہا ہے ممکن ہے کہ یہ سب بے بنیاد ہوں یا سچی ہوں۔ بہر حال شبہ اور بے اعتباری موجود ہے اور

لوگ تعجب کر رہے ہیں کہ حکومت پس پردہ کیا کر رہی ہے۔

جناب والا! میں پوچھتا ہوں کہ ایسے نازک اور فیصلہ کن وقت میں بھی حکومت سچے دل سے اور سنجیدگی کے ساتھ ہمارے تعاون اور ہماری مدد کی طلبگار ہے؟ اگر واقعی ہے تو اسکی بنیاد باہمی اعتماد پر رکھے۔ اگر مسٹر ایمری وزیر ہند کے قول کے مطابق یہ بات صحیح ہے کہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصل مقصد سیاسی ادارت ہند کے نمائندوں کی شمولیت ہے تو بہت خوب! اس سے پبلک کا بھروسہ بحال ہو جائے گا۔ اور یہی نمائندگان اس ایوان میں اور اسکے باہر بھی لوگوں کو آزادی کے ساتھ بتا سکیں گے کہ واقعات کی رفتار کیا ہے، مگر موجودہ صورت میں حکومت اور اسکے انتظامات کی حیثیت ایک سربمہر لفافہ کی ہے،

"جناب والا! مسٹر ایمری کہتے ہیں۔ وائسرائے ہند کی پیشکش رہنمایان ہند کے لئے یہ موقع بہم پہنچاتی ہے کہ وہ حکومت ہند میں اہم اور پر وقار حصہ لیں اور کوئی ناگوار پابندی اختیار کئے بغیر جنگ کی جدوجہد میں اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کو پورا کام میں لائیں۔ اگر وہ اس پیشکش کو قبول کرتے تو انہیں موجودہ یا آئندہ زمانے کے لئے کوئی سیاسی وعدہ نہ کرنا پڑتا۔ سوائے اسکے کہ ہم موجودہ ضرورت کے وقت ہندوستان کی سلامتی اور بہبود کے لئے اور مشترکہ مدعا کے لئے جس کی راستی پر ہم سب یقین رکھتے ہیں مل کر کام کرینگے۔"

جناب والا! علی یہی رائے مسلم لیگ کی ہے کیا آپ ہم سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم ایسے روپے کی بہم رسانی کی منظوری دیں جس کے خرچ میں ہماری آواز رائے، مشورے، حصے، اختیار کو کوئی دخل نہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح حامیانِ حکومت ممبر محض جذبات کو اپیل کرنے کے لئے تقریر پہ تقریر کر سکتے ہیں اور زبانِ نصیحت کھول سکتے ہیں۔ میں اراکینِ حکومت کو اور یورپین ممبروں کی پارٹی کو کہتا ہوں کہ آپ کیوں باہمی مشورہ کر کے حکومت، مختارانِ کار اور افسرانِ مجاز کو کچھ عقل نہیں سکھاتے۔ میرے معزز دوست سر ہنری گڈنی نے بڑی فصاحت

ڈپلامنٹ کے ساتھ مجھ سے اپیل کی ہے۔ انہوں نے مجھے ایک برقی پیغام بھیج کر یہ یقین دلایا تھا کہ حکومت کے ساتھ اس سیاسی معرکہ میں آخری خندق تک میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ انہوں نے اب پھر یہی کہا ہے مگر اپنی تقریر سے تو انہوں نے مجھے ابھی سے آخری خندق تک پہنچا دیا ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آیئے اور پہلی خندق میں قدم رکھیئے اور مجھ سے اپیل کرنے کی بجائے مختارانِ حکومت کا مقابلہ کیجئے۔

سر ہنری گڈنی: میں ان کا مقابلہ کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح: نہیں۔ آپ نے نہیں کیا۔ آپ انہیں صاف صاف کہئے۔

سر ہنری گڈنی: میں کہہ چکا ہوں۔

مسٹر جناح: اس ایوان میں کھڑے ہو کر کیوں نہیں کہتے؛

سر ہنری گڈنی: میں یہ بھی کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح: نہیں آپ نے نہیں کیا۔ میں اول سے آخر تک آپ کی تقریر کے دوران میں یہاں موجود تھا۔

جناب والا! کمزور پارٹی کو ہند و لضائع کرنا واج ہو گیا ہے کیونکہ طاقت ور یہ توفیق رکھتا ہے۔ میں مسٹر جیمز کو بتا چکا ہوں اور ایک بار پھر بتاتا ہوں کہ ہماری قرارداد نے وہ خاص پیشکش جس کا مقصد بدلینا اور اختیارات نہ دینا تھا مسترد کی تھی ورنہ مسلم لیگ مذاکرات کے لئے اب بھی حاضر ہے مگر ہمارے لئے یہ امر واقعی ممکن نہیں کہ ایسے اخراجات کی منظوری کے لئے رائے دیں جن میں ہماری مرضی، حصے اور اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ حامیانِ حکومت ایک اور دلیل بھی پیش کرتے ہیں (میرے نزدیک باقی سب دلائل مثلاً ہندوستان خطرے میں ہے وغیرہ بے معنی اور لچر ہیں)، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بل، یہ مطالبہ نامنظور کیا گیا (اور ظاہر ہے کہ کانگرس اس کو شکست دینے کا عزم بالجزم کر چکی ہے) تو اس کا اثر بیرونی ممالک کی حکومتوں پر کیا ہو گا؛ ہاں بہت برا ہو گا۔ مگر جن لوگوں نے مطالبہ نامنظور کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی

کامیابی کا انتظام بھی بڑی باریک بینی اور خوبی کے ساتھ کر رکھا ہے جیسے ریاضی کے کسی مسئلے کو حل کریں۔ مگر جناب والا! اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ قصور ہے اس آئین کا جسے خود برطانوی حکومت نے مرتب کیا، اور جس پر حکومت ہند بے سمجھ پرانی لکیر کی فقیر حکومت بیس تیس سال سے عمل پیرا ہے۔ دو متضاد چیزوں کا بیک وقت طلب کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؛ چھیڑ بھی اور دو دو نہیں ملا کرتیں۔ میں حکومت ہند کو کہوں گا کہ شکست تو شکست آپ کو فتح سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اگر آپ چند آرار کی اکثریت سے یہ تجویز منظور بھی کرالیں۔ اگر مسلم لیگ آپ ہی کے حق میں رائے دے تو پھر بھی اس بات کا کیا علاج کہ آپ کے مخالفوں نے بیرونی ممالک کو پہلے ہی آگاہ کر رکھا ہے کہ پبلک کے انتخاب کردہ نمائندوں کی اکثریت اس کے خلاف ہے۔ امریکہ یا جرمنی میں کوئی ایسا احمق ہے جو مروجہ آئین ہند کی ماہیت اور خصوصیتوں سے واقف نہیں؛ ایسا کوئی شخص موجود ہے جو مضطرب و مشوش ہو کر کہے گا کہ مالی مطالبہ کی نامنظوری کے سبب اور بیرونی ممالک پر اس کے برے اثر کی وجہ سے برطانیہ کو جنگ میں شکست ہوگی؛ میں بالفرض دلیل فرض کرتا ہوں کہ مسلم لیگ مخالفانہ رائے آپ کے لئے باعث تشویش و رنج ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں ہوگا اور آپ محض مبالغہ کرتے ہیں اور ہماری مخالفت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اچھا یوں بھی سہی کہ واقعی آپ اس سے تنگ ہوں گے مگر آپ ہم سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کی تائید کریں۔ یاد رکھئے میری تسلی اس بات سے نہیں ہوتی کہ آپ نے گورنر جنرل کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصول تسلیم کر لیا ہے۔ مگر میری تسلی زیر بحث نہیں۔ کسی شخص کو روپے میں سے سولہ آنے نہیں ملا کرتے جب ہم سب خطرے میں ہیں تو کسی پارٹی کا غیر معمولی مطالبہ کرنا دانائی نہیں۔ کیونکہ یہ ٹھیک نہیں اسے کاروبار یا بیوپار نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے امداد دینے کی شرط یہ نہیں قرار دی کہ پاکستان کا مطالبہ پہلے منظور کیجئے، پھر مدد لیجئے۔ حالانکہ یہ امر واقع ہے اچھا ہے اس کے متعلق میرے کانگرسی دوست کچھ ہی کیوں نہ کہیں۔ کہ ہم نے قطعی طور پر اور

ہمیشہ کے لئے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنا لیا ہے اور ہم اس کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجئے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر ڈیسائی کے ذہن میں ہے ہلاک ہو چکی ہے۔ ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں۔ کم ہیں۔ مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگرس سے سوگنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہوں تو ہوں مگر میں بخوبی آگاہ ہوں۔ میں نے یہ بات دھمکی کے لئے نہیں محض آپ کی آگاہی کے لئے کہی۔ بہر حال آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اس وقت بھی نہیں۔ یہ ہے مسلم لیگ کی موجودہ حالت جہاں تک کہ آپ کو حکومت کو دخل ہے۔ رہا آئندہ زمانہ جب وہ آئے گا اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے گا۔ دیکھا جائے گا۔

جناب والا اب میں اپنے کانگرسی دوستوں کو مخاطب کر کے یوں عرض کرتا ہوں: "آپ مجھ سے متفق ہوں یا نہ ہوں مگر بقول مسٹر ڈیسائی ہمیں واقعات اور حقائق کا سامنا کرنا چاہیئے صورت حالات مختصراً یہ ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں کانگرس کی مجلس عاملہ کی وہ قرارداد پڑھ کر سنائی جو بتاریخ دس ستمبر منظور کی گئی۔ اس کے بعد آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اسکے مطابق ایک قرارداد منظور کی۔ اُن کی رُو سے کانگرس نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کو آزادی حاصل ہونی چاہیئے اور ہندوستان کو یہ حق حاصل ہو کہ اپنی حکومت کا آئین خود مرتب کرے۔ اس مطلب کے لئے ایک مجلس دستور ساز بنائی جائے۔ جس کے جملہ اراکین کو تمام بالغ ہندوستانی خود اپنی رائے سے بطور نمائندگان انتخاب کریں مگر اقلیتوں کے لئے حق رائے دہندگی کی شرائط خاص ہوں نیز یہ کہ اس جدید آئین میں اقلیتوں کی تسلّی اور تشفی کے مطابق ان کے لئے بعض تحفظات وضع کئے جائیں۔" جناب والا! وقت کی قلت کے باوجود میں اس ایوان کو اور

اپنے کانگرسی دوستوں کو بتاتا ہوں کہ اہلِ کانگریس کے ذہن سے ابھی تک دُور نہیں ہوا کہ محض کانگرس ہی ملکِ ہند اور قوم ہند و باشندگان کی نمائندہ ہے اور ان کی طرف سے بات کرنے کی مجاز و مختار ہے اور مسلمان اور دوسرے سب اقلیتیں ہیں۔ میں اس ایوان کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ یہی وہ سبب ہے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اس وقت تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہونے دیا۔ کوئی مستقل قرارداد باہمی طے نہیں پائی۔ کانگرس کے لیڈر مجھے معاف کریں مگر مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ چاہے ان کا اپنا خیال کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر کانگرس دراصل ہندوؤں کی ایک انجمن ہے اور کانگرسی اور دوسرے ہندو لیڈر یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگرس کے حیطۂ نظر کے اندر اور ہندو راج کے زیر اثر لازم آتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک اقلیت ہیں اور بس۔ البتہ مسلمان اگر کسی مطالبہ پر زور دینے کا انصافاً حق رکھتے ہیں تو یہ کہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے تحفظات مرتب کئے جائیں۔

جناب والا! میں اس کے متعلق کانگرس اور نیشنلسٹ پارٹی کے اراکین کی خدمت میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں کے ذہن میں ہمیشہ یہ بنیادی خیال راسخ رہا ہے اور گذشتہ پچیس برس کے دوران میں اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا کہ وہ ایک علیحدہ ہستی ہیں ایک جُدا اور وحدانی وجود

مسٹر ایم ایس ایچ اینے:۔ مگر ۱۹۲۰ء سے پہلے تو مسٹر جناح کی یہ رائے نہ تھی۔

مسٹر جناح:۔ ۱۹۱۶ء سے ہے۔ اس وقت سے ہے جب کہ دو جُدا جُدا ہستیوں کے بنیادی اور لازمی اصول پر معاہدہ لکھنؤ مرتب اور منظور کیا گیا۔

مسٹر اینے:۔ میں وہاں موجود تھا۔

مسٹر جناح:۔ آپ وہاں ہوں گے مگر اس وقت کسی نے آپ کا نام تک نہ سنا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہی خیال چلا آیا ہے اور دوسرا خیال ہندوؤں کا ہے۔ ان دونوں کی بنیادیں مختلف ہیں۔ میں ایک ثبوت پیش کرتا ہوں۔ مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی پر

کیوں اصرار کیا آپ کو یاد ہو گا کہ اس وقت مولانا محمد علی کانگریس کے پرستار تھے، مگر وہ مجبور ہو کر پکار اُٹھے کہ "مجھے (یعنی مسلمانوں کو) کراچی سے کلکتہ تک راہ گزر درکار ہے"۔ یاد ہے آپ کو یہ بات، کانگریس نے اور ہندوؤں نے علیحدگی سندھ کی مخالفت جوش و خروش کے ساتھ کیوں کی؛ بلاشبہ اس کی ظاہری وجوہات مختلف ہیں، مگر اصلی اسباب سے آپ آگاہ ہیں۔ دکھاوے کے لئے کبھی مالیات کا عذر۔ کبھی یہ بہانہ کبھی وہ حیلہ تراشا جاتا تھا اور مخالفین کہتے تھے کہ مالی لحاظ سے سندھ کا بمبئی میں شامل رہنا ہی بھلا، سندھ علیحدہ ہو گیا تو اس کے اپنے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

مسٹر لال چند نول رائے: کیا اب سندھ کو اسی بدقسمتی سے واسطہ نہیں؛ متوقع نقصان کیا نہیں ہو رہا؟

مسٹر جناح: میرے دوست! سندھ کی بدقسمتی ہم سب کی بدقسمتی ہے اور اس وقت تو کوئی بھی خوش قسمت نہیں۔ میں صرف علامات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، جن سے اہل ہنود اور اہل اسلام کے نقطہ ہائے نظر کی وضاحت مقصود ہے۔ جن کے اختلاف کے سبب اس وقت تک مسلمان اور ہندو کوئی قرارداد باہمی طے کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مسٹر ستیہ مورتی کا ایک قول پیش کرتا ہوں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند کے بیان کے بعد حال ہی میں یعنی مئی کے سال رواں میں مسٹر ستیہ مورتی نے بھی ایک بیان شائع کیا۔ یہ قول اس میں شامل ہے وہ یوں فرماتے ہیں "مسٹر ایمری اپنی قابلیت، تدبر اور صداقت و گرمجوشی کا صحیح ثبوت یوں دے سکتے ہیں کہ اس شدید اور کامل امتحان میں پورے اتریں، یعنی مسلم لیگیوں کو صاف و گرمجوشی کا صحیح ثبوت یوں دے سکتے ہیں کہ اس شدید اور کامل امتحان میں پورے اتریں یعنی مسلم لیگیوں کو صاف طور پر متنبہ کریں اور کہیں کہ پاکستان نہیں دیا جائے گا۔ جملہ فرقوں کی مشترکہ وزارتیں نہیں بنیں گی۔ بعید از امکان تحفظات کی امیدیں بیکار ہیں تم مسلمانوں کو لازم ہے کہ اکثریت کے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لو۔ اگر مسٹر ایمری ایک بار یہ کہہ ڈالیں تو باقی

سب کچھ آسان ہو جائے گا"

ایک آنریبل ممبر:۔ یہ کس نے کہا؟

مسٹر جناح:۔ مسٹر ستیہ مورتی نے کہا۔ اور مشترکہ وزارتوں اور تحفظات کے وجود میں لانے سے انکار کیا۔ پھر اکثریت کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا اور مسلمانوں کو مجبور کرنے کا مطالبہ کیا۔ میرے یہ شفیق چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم کے حوالے کیا جائے۔

مسٹر جناح:۔ میرے کانگرسی دوستو! آپ شدید ترین غلطی کر رہے ہیں۔ ایسی غلطی آپ نے کبھی نہیں کی۔ مسٹر ایبری سے ستیہ مورتی کی فرمائش اور سفارش نے تو مجھے وزیر ہند سے بھی خوفزدہ کر دیا۔ کیونکہ اہل کانگرس چاقو تیز کر رہے ہیں۔ عدم تعاون تو کر ہی رہے تھے اب سول نافرمانی کا آغاز کریں گے۔ میں کہوں گا کہ اس سے حکومتِ ہند اور حکومت برطانیہ کے ہوش خطا ہونے لگے ہیں۔ میں بھی خوفزدہ ہوں۔ کانگرس کا خیال ہے کہ حکومت اپنی ضد اور خودرائی کے باوجود سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔

کانگرس فی الحقیقت آزادیٔ ہند کی طلبگار نہیں۔ میں ابھی مسٹر گاندھی کے بیان سے اس کا ثبوت دوں گا۔ کانگرس چاہتی ہے کہ برطانیہ کے زیر سایہ اس کو حاکمانہ اختیارات حاصل ہوں اور ایسی طاقت کہ جس کی چاہے رعایت اور حمایت کر سکے نیز یہ کہ وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر فوقیت پائے، اُن پر حکومت کرے۔ مسٹر گاندھی کا ۲۹ اکتوبر کا مضمون اس حقیقت کا شاہد صادق ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم مسٹر گاندھی کے مضمونوں میں جس بات کی چاہیں تائید تلاش کر لیں وہ یونان کے مندر ڈیلفی کی آواز غیب کی مثال ہیں کہ ہر شخص اس کا مطلب اپنے مقصد کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ واقعی مسٹر گاندھی کا مفہوم سمجھنے کے لئے عمیق مطالعہ کی حاجت ہے۔

جناب والسرائے کی پیشکش رد کرنے کے بعد مسٹر گاندھی نے پچھلے سال بتاریخ ۲۹ اکتوبر فرمایا، کہ "اگر آج برطانوی اس ملک سے نکل جائیں تو پنجابی (یعنی فی الحقیقت مسلمان) اور گورکھے ہندوستان میں تگ و تاز کرنے لگیں گے۔ اس لئے اگر کوئی شخص ہندوستان میں برطانوی فوقیت اور حکومت

قائم رکھنے کا خواہشمند ہے تو وہ صرف کانگرس ہی ہو سکتی ہے" یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔

ایک آنریبل ممبر:۔ پڑھتے جائیے۔

مسٹر جناح:۔ میں پڑھ رہا ہوں میں نے آپ سے کہیں بڑھ کر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب میں اس بیان کا مؤثر جزو پیش کرتا ہوں "محض کانگرس ہی باشندگان ہند کی اور ان ہندوؤں کی نمائندہ ہے جو اپنی اکثریت کے باوجود کمزور ہیں" میں اس ایوان سے پوچھتا ہوں۔ ہر ذی فہم شخص سے پوچھتا ہوں کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ دسویں اکتوبر کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی ایک قرارداد منظور کرتی ہے اس میں آزادی اور تعمیر آئین کے لئے مجلس باشندگان مانگی جاتی ہے جسے جملہ بالغان انتخاب کریں اور بیس روز بعد مسٹر گاندھی مذکور مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے معنی فقط یہ ہو سکتے ہیں کہ مسٹر گاندھی حکومت برطانیہ کو کہتے ہیں کہ سارا معاملہ مجھ سے طے کر۔ میں پنجابیوں اور گورکھوں سے بڑھ کر تمہاری خوفیت کے قیام کا طالب ہوں" اب سنیئے کہ جب اس فریب کاری سے کاربراری نہ ہوئی تو مسٹر گاندھی دس اکتوبر والی قرارداد کے نو مرید ہو گئے یہاں تک کہ اب ان کو اس قرارداد کی مجلس باشندگان اور اس کے اختیارات آئین سازی میں ہی وہ علاج نظر آنے لگا، جسے انہوں نے ہندوستان کے ہر درد کا دارو قرار دیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا تا آنکہ مجلس باشندگان مار مار کر ہلاک کر دی گئی۔ اس کے بعد کانگرس کی قرارداد دہلی کی باری آتی ہے۔ آج اس ایوان میں حزبِ مخالف کے لیڈر نے اپنی تقریر میں اسی پر شد و مد کے ساتھ اصرار کیا ہے۔ مگر صرف ایک جزو کا ذکر کیا۔ انہوں نے پہلے جزو پر کچھ بہت زیادہ زور نہیں دیا، پہلا جزو اعلان کرتا ہے (اور اگر میں صحیح نہیں کہہ رہا تو صحیح کر دیجئے)۔ کہ ہندوستان کے لئے کامل آزادی ہو اور غیر حکومت سے مخلصی پا جائے نیز مجلس باشندگان کے وسیلے سے تعمیر آئین کا حق اور مرکز میں ایک عارضی قومی حکومت جو اس ایوان کے منتخب اراکین کے سامنے جوابدہ ہو" واضح ہو کہ عارضی قومی حکومت کے

مطالبہ سے پہلے لفظ "اور" ہے نہ کہ "یا"۔ واہ وا، کیا کہنے ہیں۔ یقین کیجئے گا۔ یہ بات آپ سے کہیں بڑھ کر میرے دل لگتی ہے۔ جب میں اکیس برس کا لڑکا تھا تو اس کے خواب دیکھا کرتا تھا مگر ملک بھر میں اور ایوان میں صورت حال دگرگوں ہو گئی ہے۔ حزب مخالف کے لیڈر نے کہا کہ "قومی حکومت" کے معنی جمہوریت اور اکثریت کی" حکومت نہیں۔ انہوں نے اس کی تشریح بھی کر دی۔ اگرچہ یہاں لفظ "قومی" درست رہنمائی نہیں کرتا۔ بہر حال میں اس بحث میں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ جب کانگرس قرارداد میں منظور کرتی ہے تو قدیم ہند کے شارحین قانون کی مثال آج کل بھی بڑے بڑے فاضل تفسیر اور شرح کرنے لگتے ہیں اور کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصل قانون فراموش ہو جاتا ہے۔ اہل کانگریس نے کہا کہ قومی حکومت سے ہماری مراد مرکب (کمپوزٹ) حکومت سے ہے۔ کہئے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی:۔ ہاں!

مسٹر جناح:۔ آپ چاہیں تو اسے (کولیشن) ہی کا نام دے لیجئے۔ مطلب دونوں کا یہی ہے کہ وہ حکومت جس میں سب پارٹیاں شامل ہوں۔

مسٹر ڈیسائی:۔ کولیشن کی اصطلاح مسٹر ایمری نے برطانوی حکومت کو زیر نظر رکھتے ہوئے استعمال کی۔ کم سے کم یہ مشابہت انہی کی پیدا کردہ ہے۔

مسٹر جناح: مسٹر ایمری نے اسی تقریر میں یہ بھی کہا کہ "برطانی حکومت کی ایسی حکومت ہندوستان کو نہیں مل سکتی۔ ہندوستان کو ان معانی اور مفہوم کے مطابق ایک وحدانی وجود حاصل نہیں جو انگلستان کو ہے۔ ہندوستان مستقبل کے محل آزادی میں بہت سے مکانات کی گنجائش ہے۔" ہاں تو کہئے کہ قرارداد زیر نظر کا پہلا حصہ رخصت ہوا؟ کیا آپ فوری آزادی کے اعلان اور حق تعمیر آئین بذریعہ مجلس باشندگان کے طلبگار نہیں رہے؟

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ کوئی حکومت کسی غیر ملک کے باشندوں پر اپنا تسلط جاری نہیں رکھ سکتی اگر یہ لوگ علقۂ حکومت اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے قابل ہوں۔

اگر آپ کو کامل آزادی پر یقین ہے تو میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ اپنے ارادے پر قائم رہیئے۔ پھر حکومتِ برطانیہ کے ساتھ قول قرار کرنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ برطانویوں سے یہ مانگنے سے کیا حاصل کہ پہلے آپ ہمیں ایک مجلس دستور ساز دیجئے جو آئین تیار کرے"؛ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حکومتِ برطانیہ کو یہ عزت، یہ استحقاق اور یہ منصب دینا چاہتے ہیں کہ جو آئین خود آپ کی مجلسِ دستور ساز وضع کرے اسے وہ انگلستان کی کتاب قوانین میں درج کر لے یہ کیوں ہو؟ آپکے مطالبہ آزادئ کامل کی بنا پر برطانیہ کو تو ہندوستان سے واسطہ ہی نہ رہا پس آزادی پکاریئے اور صاف صاف اس کی خواہش ہے تو جملہ اہلِ ملک سے فیصلہ حتمی طلب کیجئے۔ اگر یہ بات نہیں اور آپ کا اصل مطلب جو میرا بھی ہے یہ ہے کہ حکومت برطانیہ فی الفور اختیاراتِ حکومت کا ایک معقول حصّہ ہمارے حوالے کرے تو یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ برطانوی حکومت اور برطانوی پارلیمان ایک قانون وضع کریں اور اس کی رُو سے اختیارات حکومت باشندگان ہند کے نمائندوں کو منتقل کر دیں۔ ہاں یہ ہے وہ تجویز جسے میں سمجھ سکتا ہوں، کیونکہ ہم اس کو مذاکرات کی بنیاد بنا سکتے ہیں۔

الغرض اگر آپ اپنی قرار داد کے پہلے حصّہ کو چھوڑ دیں اور سب پارٹیوں کی ایک مشترکہ اور عارضی حکومت مانگیں جو ہماری اس مجلس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہو تو میں کہوں گا کہ ہمیں اپنا احساسِ تناسب و موزونیت نہ کھونا چاہیئے۔ میں کانگرس پارٹی کے معزز اراکین سے کہتا ہوں کہ چاہے آپ کچھ ہی کیوں نہ کہیں مگر ہم سب خطرے میں ہیں ہم اس وقت بے پروا نہیں رہ سکتے اور اگر آپ کے پاس واقعی کوئی قابلِ عمل تجویز ہے جو سب ہوشمند معقولات پسند پارٹیوں کے لئے قابلِ قبول ہو تو آپ اس کے متعلق کیوں ایک صحیح راستہ، مناسب طریق کار اور موزوں دستور عمل تیار نہیں کرتے؛ برطانویوں کو مخاطب کرنے سے کیا حاصل ہے، تجویز کو برطانوی اخبار ڈیلی ہیرلڈ میں طبع کرانے میں کیا فائدہ؟ سنیئے یہ لوگ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ایک فراخدلانہ پیشکش

اختراع کی ہے۔ اس کی تعریف و توصیف ہمارے فاضل اور قابل اہلِ صحافت نے بھی خوب کی ہے ۔ اُن کی ایک کثیر تعداد اس وقت یہاں نظر آ رہی ہے۔ مگر مسٹر راج گوپال اچاریہ کی تجویز کو جامۂ عمل پہنانے پر حکومت برطانیہ غور نہیں فرما رہی ۔ سُنیے وہ مختصر الفاظ میں یہ کہتے ہیں۔
"اقلیتوں کے متعلق مسٹر ایمری کی مشکلات کے جواب میں میری فراخدلانہ پیشکش یہ ہے کہ اگر ملک معظم کی حکومت ایک عارضی قومی حکومت فی الفور مرتب کرنے پر رضامند ہو تو میں کانگرس کے مختارانِ کار کو اس امر پر راضی کرنے کا ذمہ لیتا ہوں کہ مسلم لیگ کو وزیرِ اعظم نامزد کرنے کی دعوت دی جائے جو قومی حکومت کے دیگر اراکین کا تقرر جس طرح بہتر سمجھے عمل میں لائے۔

جناب والا! مسٹر راجگوپال اچاریہ ڈیلی ہیرلڈ میں لکھنے کی بجائے آئندہ وزیرِ اعظم بننے والے شخص کو اپنے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے کیوں نہیں بلاتے ۔ اور کہتے ہیں کہ "میں کانگرس کی مجلسِ عاملہ کے اراکین کو اس امر پر آمادہ کروں گا کہ میں جو کچھ کہوں مان لیں۔" میں اپنے آنریبل دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ہے کاروباری طریق؟ پھر آج مسٹر راج گوپال اچاریہ اس بات کو جائز ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے مسلم لیگ کو پیشکش نہ بھیجی۔ میں حیران ہوں کہ ان کے دماغ کا طریقِ فکر کیوں تعجب انگیز ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ۔ بہر حال وہ اسوقت یوں فرماتے ہیں اور اس ضمن میں مسلمانوں کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ باقی سب ہندوستانیوں سے بڑھ کر آزادی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ . . . . . .

سر رضا علی :- جناب پر یہ کب روشن ہوا؟

مسٹر ستیہ مورتی :- آپ سے پہلے۔

مسٹر جناح :- ہاں تو مسٹر راجگوپال اچاریہ فرماتے ہیں کہ "میری فراخدلانہ پیشکش کو برطانوی حکومت نے قابلِ التفات نہ سمجھا۔ بعض نکتہ چیں کہتے ہیں کہ برطانوی حکومت کی بجائے مسٹر جناح کو پیشکش بھیجنی چاہیئے تھی۔ مگر میں نے برطانوی حکومت کو یہ پیشکش ہر گز نہیں دی ۔ البتہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے اسے

دل میں جگہ دی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر میں سب سے پہلے یہ پیشکش مسٹر جناح کو دیتا تو یہ غیر مناسب ہوتا۔ وہ جائز طور پر خیال کرتے کہ ہماری ہتک کی گئی ہے اور کہتے کہ میں عہدوں کا خواہش مند نہیں ہوں؟

میں پوچھتا ہوں کہ اگر مسٹر امیری یہ پیشکش قبول کر لیتے اور اس کے بعد یہ میرے پاس آتی تو کیا میں پھر بھی وہی جواب نہ دے سکتا تھا؟ کیونکہ پیشکش بھی وہی اور اس کی شرائط بھی وہی تھیں۔ چنانچہ میں بقول مسٹر راجگوپال اچاریہ اب یوں کہتا ہوں کہ "لیجئے مسٹر ایمری اور مسٹر راج گوپال اچاریہ، دونوں نے مل کر میری توہین کی ہے اور مجھے عہدوں کا متلاشی قرار دیا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ دوسروں کی نسبت کچھ تھوڑا سا تو مان لیجئے کہ وہ فہم عامہ رکھتے ہیں بتائیے تو کہ کیا یہی ہے تشریح اس طریق عمل کی جو پیشکش کے متعلق اختیار کیا گیا۔

ایک آنریبل ممبر:۔ باقی حصہ بھی پڑھ ڈالئے۔

مسٹر جناح:۔ سنیے وہ یوں کہتے ہیں کہ "اگر مسٹر جناح اسے قبول کر لیتے تو اسے عمل میں لانا ان کے اختیار میں اسی وقت ہوتا جب کہ برطانوی حکومت پہلے اس امر کا عہد کر لیتی کہ ہم اختیارات منتقل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ الغرض ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مسٹر جناح اسے مان لیتے تو مجھے یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ اسے عمل میں لا سکتا۔" اس پر بھی میری عرض یہ ہے کہ اختیار نہ تو مسٹر راجگوپال اچاریہ کو حاصل تھا اور نہ مجھے۔ بہر حال برطانوی حکومت کا تازہ ترین فرمان یہ ہے کہ "اگر آپ دونوں یعنی ہندو اور مسلمان باہمی قول و قرار کے بعد ایک متفقہ فیصلہ منظور کریں تو ہم اس پر غور کرنے کو تیار ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو مسلم لیگ سے بالا بالا یہ پیشکش برطانوی حکومت کے سامنے لانے سے کیا فائدہ ہوتا؟

ایک آنریبل ممبر:۔ ہم باہمی اتفاق و اتحاد کر سکتے ہیں بشرطیکہ حکومت برطانیہ اختیارات منتقل کرنے پر رضامند ہو۔

مسٹر جناح :- میں کہوں گا کہ اختیارات دے ڈالنے کے متعلق برطانوی حکومت اس حد تک نہیں گئی۔ جہاں تک آپ پہنچنا چاہتے ہیں۔ مگر اتنا تو برطانوی مختارانِ کار نے کہہ دیا ہے کہ "ہم جملہ سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کو حکومتِ مرکزی میں شامل کرنے پر رضامند ہیں تاکہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کر کے نمائندگانِ ہند کو حکومت ہند میں ایک اہم حصّہ دیدیں" میرے نزدیک یہ آخری لفظ ہرگز نہیں اس میں بھی تغیّر و تبدل ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ سیاسیات میں حرفِ آخر کبھی زبان پر نہیں لایا جاتا۔ ہاں اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ کو ایک ایسا ہی کوراچیک دے دیں جیسا کہ مسٹر گاندھی مجلے پچیس سال سے دے رہے ہیں تو یہ خیال بیکار ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کوئی قابلِ عمل تجویز کریں تو ہم ایک متفقہ مطالبہ مسٹر ایمری یا یوں بھی کہئے کہ برطانوی پارلیمان یا برطانوی قوم سے کر سکتے ہیں۔

ایک آنریبل ممبر :- کانگرس پارٹی تو خاموش ہے۔

مسٹر جناح :- بات یہ ہے کہ نہ تو مجلسِ دستور ساز اور نہ کامل آزادی ہندوستان کے تمام امراض کا علاج ہے میری شکایت یہ ہے کہ آپ اپنی اس بات پر قائم نہیں ہیں اگر ہوں تو میں کہوں گا کہ وہ خدا کا فضل تمہارے شاملِ حال ہو۔ ہاں دیانتداری کے ساتھ قائم رہئیے۔ اس میں آپ سے اتفاق کروں یا نہ کروں مگر آپ کی عزت اور توقیر کروں گا۔ اور اگر آپ اس پر قائم رہنا نہیں چاہتے تو اس مطالبے کے آسمان سے اُتر کر زمین پر آیئے اور پھر ہم سب بقول مسٹر بھولابھائی ڈیسائی اہلِ عمل بن کر واقعات اور حقائق کا سامنا کرینگے اور بقول برطانوی اخبار "مانچسٹر گارڈین" ہندوستان کی محکومیت جاری رہے گی۔ اخبار مذکور کہتا ہے کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ ہم برطانویوں کی حکومت اور فوقیت کی حالت ہندوستان کے اندر اس سبب

سے قائم ہے کہ دوسرے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں۔ یہ ہے موجودہ صورت حالات، ہندوستانی یعنی خود میں آئندہ کے متعلق کیا نہیں کہتا۔ اب میں ایک آخری فقرہ کہہ کر اپنی ختم کروں گا۔ جب ہم اس معصوم بچے کی نسبت باتیں کرتے ہیں جو پیش کیا جا رہا ہے۔ یعنی یوں کہتے ہیں قومی حکومت مرتب کی جائے اور یہ حکومت ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ ہو تو بعض امور اہم فراموش کر دیتے ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب آپ مطالبہ مذکور کی تفصیلات کا امتحان کرینگے تو نہایت دور رس ضرورتیں پیدا ہوں گی۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے مطلبے کے مطابق نئی حکومت یا کابینہ مرتب کرنے کے لئے آئین موجودہ میں بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ صرف اس صورت میں یہ عارضی قومی حکومت صرف منتخب ممبروں کے سامنے جواب دہ ہو سکے گی مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں دو امور پر زور دیا یعنی جمہوریت، جمہوریت پکارتے رہے اور ایک عارضی قومی حکومت مانگتے رہے مگر اس سے کیا حاصل ہوگا؛ نئی حکومت نیا کابینہ چاہے کیسا ہی ہو اور وہ ذمہ دار بھی ہو اس مجلسِ قانون ساز کے سامنے مگر پھر بھی یہ مجلس ایسی ہوگی جس کے دو تہائی منتخب ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی[1] یا کانگرس کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کریں گے۔ میرے نزدیک وہ شخص قابلِ رحم ہو گا جو اس کابینہ حکومت میں تو شامل ہو مگر کانگرس کے احکام اور کانگرس کے فرمان کی متابعت نہ کرے۔

---

[1] ہندوستان کے مشہور سرکار پرست سیاست دان۔

[2] وزیر مالیات،

[3] اشارہ ہے کانگرس کے پارلیمانی سرگرمیوں سے قطع تعلق کی طرف،

۴ گاندھی جی مساعی جنگ میں صرف اس طرح حکومت سے تعاون کرنے پر آمادہ تھے، کہ ہندوستان کو غیر مشروط طور پر آزاد کر دے، اور اقلیتوں کا مسئلہ خود نہ طے کرے، بلکہ اُسے آزاد ہندوستان کی صواب دید پر چھوڑ دے۔

۵ اب ہندوستان کے صدر مملکت ہیں۔

راجندر پرشاد کی تعلیم و تربیت پر اسلامی اثرات بہت نمایاں ہیں جس کا اعتراف خود انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں کیا ہے۔ ان کی سیاسی تربیت بھی ایک مسلمان زعیم مسٹر (پھر مولانا) مظہر الحق کی رہین منت ہے، صوبۂ بہار میں آزادی کا بیج انہی نے بویا تھا، اپنی ہزار ہا روپے کی پریکٹس ترک کر کے، اور اعلیٰ درجہ کے یورپین ملبوسات چھوڑ کر کھدر کا لباس پہن کر اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے خدمت ملک و قوم کے لئے میدان میں آ گئے، جیل گئے، سختیاں جھیلیں، دُکھ اُٹھائے، مگر راہِ صواب سے منہ نہ موڑا، مظہر الحق نے بہت سے ہندو مسلم نوجوانوں کی تربیت کی، انہی میں بابو راجندر پرشاد بھی ہیں، جس کے وہ معترف بھی ہیں۔ پٹنہ کے کانگریس ہاؤس کا نام اُنہوں نے "صداقت آشرم" رکھا تھا، جو اب تک چلا آ رہا ہے ابھی پہ کچھ عرصہ ہوا، جب راجندر پرشاد نے اعلان کیا تھا کہ اب وہ صدارت کا انتخاب نہیں لڑیں گے بلکہ صداقت آشرم میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزار دیں گے۔

۶ مسٹر ایمرے جو اس زمانہ میں وزیر ہند تھے، اور مسٹر چرچل کے دستِ راست، !

۷ ہنری گڈنی ——— اینگلو انڈین جماعت کے قائد اور رہنما۔

۸ دیرینہ کار سیاسی رہنما عرصہ تک جنوبی افریقہ میں حکومت کے ہائی کمشنر رہے، مسلم لیگ سے آخر وقت تک وابستہ رہے، تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا، تقسیم ہند کے بعد کراچی آ گئے، اور اپنے داماد مسٹر ابو طالب نقوی سکریٹری محکمۂ دفاع (بعد میں چیف کمشنر کراچی) کے ہاں مقیم ہوئے، یہیں قلب کے مرض میں انتقال ہوا، ازدواد

سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، اپنی ایک بڑی دلچسپ سوانح عمری "اعمال نامہ" کے نام سے لکھی، جو بہت مقبول ہوئی، ان کی یادگار میں "رضا علی کالج" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ بھی کراچی میں قائم ہے۔

کانگرس کے حربے

نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

کانگرس نے جب دیکھا کہ حکومت اُسے اقلیتوں پر بالادستی نہیں عطا کرتی، تو سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی، اور اس طرح حکومت کو مرعوب کر کے اپنا مطالبہ منوانا چاہا،

قائد اعظم نے اسی ذہنیت اور صورتِ حال پر عربک کالج دہلی کے طلبہ کے ایک اجتماع میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔

(رئیس احمد جعفری)

حضرات! کانگرس کا یہ ادعا ہے کہ تحریک ستیہ گرہ (سول نافرمانی) ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری کے لئے جاری کی گئی ہے، کیا فی الحقیقت تحریک کا یہی مقصد ہے؛ گاندھی جی نے سال گذشتہ ۲۹ر اکتوبر کو لکھا تھا کہ:

"اگر انگریز ہندوستان سے چلے گئے تو پنجابی اور گورکھے شمال سے نکل کر ملک کو تاخت وتاراج کرینگے"۔

پنجابی سے اُن کی مراد یقیناً مسلمان ہیں۔ اُنہوں نے اس کے بعد لکھا تھا کہ:۔

"اگر ہندوستان میں برطانیہ کا اقتدار کوئی قائم رکھنا چاہتا ہے تو وہ کانگریس ہے جو باشندگانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے"!

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ ہندو اور کانگرس ملک کی خود مختاری اور آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے تحریک ستیہ گرہ کیوں آغاز کی، برطانوی حکومت بھی جانتی ہے

کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال کر یہ منوالینا چاہتے ہیں کہ کانگریس ہی ہندوستان کے باشندوں کی مقتدر اور واحد نمائندہ جماعت ہے، کانگریس (حکومت سے) کہتی ہے کہ ہم سے سمجھوتہ کر لو، ہم تمہارے دوست ہیں۔ ہم اس ملک میں تمہارا اقتدار چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ چند شرائط طے کر لو، مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو نظرانداز کر دو۔

کہا جاتا ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے مسٹر گاندھی سے گفتگو کرنے کے بعد مسلمانوں اور غیر کانگریسیوں سے اپیل کی کہ ان کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کریں۔ انہوں نے کم و بیش یہ کہا کہ "کانگریس کو اپنے طریقہ پر جدوجہد کر کے حاصل کر لینے دو۔" کیا میں کانگرس ہائی کمان سے پوچھ سکتا ہوں جس کے ایک رکن مسٹر ڈیسائی بھی ہیں، اور وہ مقننہ میں کانگریسی جماعت کے قائد بھی ہیں ——— کہ برطانیہ کے خلاف کانگریس کے جنگی مقاصد ہمیں یہی معلوم ہوتے ہیں کہ حکومت پر ممکنہ دباؤ ڈال کر انہیں رضامند کر لیا جائے تاکہ وہ ہمیں نیچے گرادیں اور بھیڑیوں کے آگے ڈال دیں۔ کانگرس کا یہی مقصد ہے، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے یہ خود فریبی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ ہم تو دھوکا نہیں کھائیں گے! کانگرس کی ساری جدوجہد اس چمگادڑ کی سی معلوم ہوتی ہے جو کمرے میں چاروں طرف اڑتی ہوئی دیواروں سے ٹکراتی رہتی ہے مگر یہ نہیں دیکھ سکتی کہ دروازہ بالکل کھلا ہُوا ہے۔

اس لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم اس تحریک کو خاطر جمعی سے دیکھیں اس کو ہمارے لئے ایک گہری تشویش کا باعث ہونا چاہیئے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اس مہیب صورت حال میں نہ پھنسیں جس کی ساری ذمہ داری کانگریس پر عاید ہوتی ہے، لیکن جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے مفادات کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے تو ہم محض ایک تماشائی کی حیثیت سے خاموش نہیں رہ سکتے بلکہ ہم اپنا فرض ادا کریں گے۔ اور اگر ضرورت ہو تو اس میں مداخلت بھی کریں گے۔

اس تنبیہہ کو وہ خوب سمجھ لیں!

پھر قائد اعظم نے کانگریسیوں کے متعدد بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ——

کانگریسی رہنما کہتے ہیں کہ ہم مسٹر جناح یا مسلم لیگ کے کسی نامزد کو ہندوستان کا وزیر اعظم بنانے پر تیار ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اختیارات نہیں چاہتے مسلمان سارے اختیارات لے سکتے ہیں۔ ہم انگریزی راج کے بہ نسبت مسلم راج کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا کوئی شخص جس میں شمہ برابر بھی عقل و تمیز ہو اس پر یقین کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! مسلمان اب باشعور ہو گئے ہیں، ان میں آج سے تین سال پہلے کی بہ نسبت فرق ہو گیا ہے، کامل فرق، اساسی و بنیادی فرق، اور مجھے یقین ہو گیا ہے۔ ایسا ہی یقین جیسا کہ اسوقت آپ کے روبرو میرے زندہ کھڑے ہونے کا کہ پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔

اس تین سال کے عرصہ میں لیگ نے بڑی طاقت حاصل کر لی ہے اور اس کی وجہ سے اس پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس ذمہ داری سے اس طرح نام لیں کہ مسلم لیگ دن بدن طاقت و رنتی اور کامیابی پر کامیابی حاصل کرتی، منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔

ہمارا منشور پاکستان!

۲ نومبر ۱۹۴۰ء

مسلم یونیورسٹی یونین کے ایک اجتماع میں قائد اعظم کا ارشاد :-

حضرات! میں مسلمانانِ علی گڑھ اور طلبائے جامعہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے انتہائی خلوص و محبت سے میرا خیر مقدم کیا، اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نہ صرف میری شخصی طور پر عزت افزائی فرما رہے ہیں بلکہ کل ہند مسلم لیگ کی حکمت عملی اور لائحہ عمل کی توثیق بھی کر رہے ہیں (نعرے) مجھے توقع ہے کہ یہ دیکھ کر دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ لیگ کی پشت پر کتنی بڑی طاقت موجود ہے۔

مسلمانوں کے حقیقی احساسات کے اظہار کی ہم مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں تاکہ ساری دنیا پر روشن ہو جائے کہ ہمارا مدعا کیا ہے! اس کے دوران میں دوسری مرتبہ علی گڑھ آیا ہوں اس درمیانی وقفہ کے واقعات ممکنہ اختصار کے ساتھ پیش کروں گا۔ میں بے سرپا اور پامال فقرے نہیں دہراؤں گا کہ "آج کے نوجوان کل کے قائد ہیں" وغیرہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ عملی آدمیوں کی طرح تم پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مستقبل قریب ہی میں نوجوانوں کو اس جدوجہد کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

اولین اور اہم ترین امر تنقیح طلب امر یہ ہے کہ دستوری تغیرات کے سلسلہ میں ہمارا موقف کیا ہے؛ تم جانتے ہو کہ میرے اور وائسرائے کے درمیان ایک دراز عرصہ تک ملاقاتوں اور گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلہ میں مسلم لیگ کی عاملہ اس کی کونسل اور اس کے جلسہ عام میں کئی قرار دادیں منظور ہوئیں۔ مختصر الفاظ میں ہمارا موقف یہ تھا کہ جیسے ہی

حالات اجازت دیں یا جنگ کے فوراً بعد سارے دستور کی از سرِ نو تنقیح کی جائے۔

۸ اگست ۱۹۴۰ء کے اعلان کی بنا پر دستور کا سارا باب تنقیح مکرر کے لئے کھل گیا ہے۔ وزیر ہند کی تشریح و اعلان سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ حکومت برطانیہ اس دستور کو ہندوستان میں نافذ نہیں کرے گی اور تاوقتیکہ اس ملک کی بڑی جماعتوں میں اتفاق نہ ہو کسی دستور کی تدوین نہیں ہو گی۔

اس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی دستور اس وقت تک ہم پر عاید نہ کیا جائے گا جب تک ہم اس پر رضامند نہ ہوں، اس حد تک ہمارا مطالبہ منظور کر لیا گیا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ جنگ کے بارے میں ہمارے رجحانات کیا ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی ایک حقیقی خطرے میں ہیں عملی آدمیوں کی طرح مسلم لیگ کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مفادات کے لئے سعی جنگ کو تیز تر کر دینا چاہیئے۔ اور ملک کے دفاع میں ہمیں بھی حصّہ ملنا چاہیئے۔

اگست ۱۹۴۰ء کے اعلان کے بموجب بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو اس تجویز میں شامل کیا جائے گا اور انہیں حکومت میں اقتدار و اختیار بھی حاصل رہے گا، لیکن جب اس کے اصول کا انضمام ہو رہا تھا اس کا اصل مقصد فوت ہو گیا۔ وائسرائے نے گفت و شنید کے دوران میں کہا تھا کہ۔

"میں نہیں کہہ سکتا کہ میری کابینہ کی تعداد کتنی ہو گی، میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ اس میں اور کتنے ارکان کا اضافہ ہو گا حکومت کے کون سے قلمدان کن اراکین کے سپرد کئے جائیں گے۔ کون سی دوسری جماعتیں کابینہ میں آ رہی ہیں۔ در حقیقت میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ آپ کو دو نشستیں دوں گا۔"

ہر وہ شخص جس میں ذرہ برابر بھی عقل ہو سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے تعاون عمل کی پیشکش کی کوئی قدر نہیں کی گئی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کوئی خوددار جماعت حکومت کی تجویز کو قبول نہیں کر سکتی تھی، فرض کیجئے کہ کانگرس بھی کابینہ میں شمولیت اختیار کرتی تو پھر مسلم لیگ

اور اس کے دو نمائندوں کی کیا حیثیت ہوتی؟ وائسرائے نے اس کا بھی یہی جواب دیا کہ میں کچھ نہیں ہو سکتا"۔

"کیا ہم صرف تختۂ مشق بننے کے لئے ہیں، کیا ہمارا کام محض خانہ پُری ہے؟ یاد رہے کہ تاحال کانگرس نے ستیہ گرہ کی ابتداء نہیں کی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا کر بیٹھیں گے! اگر حکومت اور کانگرس کے درمیان بعض شرائط طے ہو گئیں تو صورت حال کیا ہوگی؟ اگر کانگریس کابینہ میں شریک نہ ہوئی تو ہماری دفاع اور داخلی بندوبست کا بار زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا۔ تو پھر کیا میرا یہ کہنا غلط ہے کہ ان حالات کے تحت مکرر تشکیل پائی ہوئی کابینہ میں مجھے اکثریت ملنی چاہیئے؟۔

میں اپنی اس خواہش کا علانیہ اظہار کرتا ہوں کہ ہندو کانگرس بھی کابینہ میں آجائے اور اپنے گھروں اور بال بچوں کی حفاظت کے لئے ہم سے اشتراک عمل کرے۔ اگر مسلمان کانگریس کے ساتھ مل کر کسی خطرے کی مدافعت میں برابر کے شریک ہیں اور اپنی جان و مال قربان کرنے کا اقرار کر رہے ہیں تو پھر ہندو اور مسلم ارکان کی تعداد مساوی ہونی چاہیئے۔ یہ محض تعداد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس ملک کی دفاع اور جنگ کو کامیابی سے چلانے کے لئے موجودہ دستور کے اندر مرکزی اور صوبجاتی ذمہ داریوں میں اشتراک کا مسئلہ ہے۔

خواتین و حضرات! حکومت برطانیہ ایک سال تک سوتی رہی۔ اس کے بعد وہ دفعتاً جاگ پڑی ہے۔ ۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء کو حکومت نے وزراء کی توسیع اور نام نہاد مجلس دفاع کی تشکیل کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ حکومت نے ہماری مخالفت کے باوجود اس تجویز کو ہم پر نافذ کر دیا۔ انہوں نے جوڑ توڑ کرنے کی کوشش کی اور ہمارے بعض ارکان کو اس تجویز میں شامل کر کے ہم سے منقطع کر دینے کی تدبیریں نکالیں۔ ان میں صوبجاتی وزرائے اعظم بھی شامل تھے جن میں دو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے[1]۔

آپ سب جانتے ہی ہیں کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ مجھے اس سے مسرت ہوئی اور ہمیں

فخر ہے کہ حکومت برطانیہ کو ایک اچھا سبق مل گیا۔ کبھی شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے مسلم ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مظاہرے کئے گئے اور ثابت کیا گیا کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ مستقبل میں ہمارے مخالفین کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنا لاحاصل ہے۔ یہ لیجئے اس باب کا یوں اختتام ہوا۔

دوسرا امر مجلسِ قانون ساز میں ہمارا طریق عمل ہے مسلم لیگ کے موقف کی کوئی پرواہ کئے بغیر مرکزی حکومت کی دوبارہ تشکیل کو مسلم ہندوستان پر جبراً عاید کیا گیا جس کی بنا پر مسلم لیگ کی جماعت بطور احتجاج مرکزی مقننہ سے باہر نکل آئی۔ کسی مخالف جماعت کے لئے یہ طریق عمل قطعی آئینی اور جائز ہے۔

اب آپ دریافت کریں گے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ آیئے اس ملک کے دیگر نزاعی امور پر غور کریں۔ ممالک اسلامیہ سے متعلق برطانی حکمتِ عملی سے نازک حالات پیدا ہو گئے ہیں اور بیم و اندیشوں کی نشو و نما ہو رہی ہے کل ہند مسلم لیگ کونسل کے گذشتہ اجلاس کی روئداد آپ نے پڑھی ہو گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر حکومتِ برطانیہ نے اسلامی حکومتوں کے بارے میں اپنے ارادوں کی وضاحت نہ کی اور اس کی بھی صراحت نہ کر دی کہ اُن کی فرمانروائی اور خود مختاری کے خلاف انھوں نے کوئی منصوبے نہیں گانٹھے ہیں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلم ہندوستان کو قابو میں رکھنا سخت مشکل ہو جائے گا۔

پاکستان کے مخالف حکومت برطانیہ سے کہتے ہیں کہ اگر پاکستان وجود میں آیا تو اسلام میں ایک خفیف سی سرگوشی انقرا اور استنبول میں گونج پیدا کر دے گی اور یہ کہ پاکستان ہندوؤں سے زیادہ برطانیوں کے لئے خطرناک ہے چنانچہ وہ حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ:

شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں

اگر تم نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا تو پھر پاکستان گہری قبر میں دفن ہو جائیگا

پھر تم اور ہم ہندوستان پر حکومت کرینگے۔

یہ ایک نہایت احمقانہ مشورہ ہے، کیا وہ نہیں سمجھ سکتے کہ اسلامی حکومتوں کی بربادی کے معنی ہمیشہ کے لئے سارے باشندگان ہند کی غلامی کے ہیں ؟

ہمیں بتایا گیا ہے کہ اگست ۱۹۴۰ء کے اعلان کی رو سے مسلم لیگ کو اختیار تنسیخ ملا ہے۔ وہ اسے طوطے کی طرح دہرایا کرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر نو کروڑ مسلمانوں نے مخالفت کی تو کوئی دستور روبعمل لایا جا سکتا ہے ؛ سب سے پہلے تو یہ کہ اگر حکومت برطانیہ نے صرف ہندوؤں کے مشورہ سے کوئی دستور مرتب کر کے ہمارے سر تھوپ دیا تو وہ بہت ہی احمق ہوگی، پھر دستور کا نفاذ کون کرے گا ؛ اس کو کس کی منظوری حاصل کرینگی ؛ اور اسے کس طرح چلایا جائے گا ؛ بے شک اقتدار کی ایک مقدار منتقل ہو جائے گی جس کا یہ مطلب ہے، کہ برطانی اقتدار اُٹھ جائے گا، پھر یہاں کون ہوگا ؛ اقتدار خود بخود ہندوؤں کے ہاتھ میں چلا جائے گا، بہر حال برطانی حکومت نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم ہندوستان اس ملک کا ایک دستوری عنصر ہے اور ہندوستان کی قومی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے

سیاسی صورت حال کے متعلق مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ۔

"اس منزل پر فرقہ وارانہ اتحاد کے بغیر کوئی عام کارروائی کرنا خانہ جنگی کو دعوت دیتا ہے۔ اگر خانہ جنگی ہمارے مقدر ہی میں ہے تو وہ ہوگی لیکن اگر میں کانگرس سے پوری واقفیت رکھتا ہوں تو کہوں گا کہ یہ (خانہ جنگی) کانگرس کی خواہش یا دعوت پر نہ ہوگی"

میرا خیال ہے کہ مسٹر گاندھی کے اس یقین دلانے سے مسلم ہندوستان کو بڑا اطمینان ہو رہا ہوگا (قہقہہ) لیکن خانہ جنگی کا ذکر ہی کیوں کیا جائے ؛ تم عملی آدمیوں کی طرح دماغ سے کیوں کام نہیں لیتے ؛ بات یہ ہے کہ کانگریسی ہندوستان کی مفروضہ وحدت کے لئے ایک دستور

حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، جس میں مسلمانوں کے ساتھ محض ایک اقلیت کا برتاؤ کیا جا سکے گا جس کو مسلمان کبھی قبول نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی مدافعت کر رہے ہیں، کسی پر حملہ نہیں کرتے ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہم اس ملک کی حکومت کو ایک ایسے نظام کے تحت لانا چاہتے ہیں۔ جسے ہم دونوں چلا سکیں۔ آخر ایسے نظام سے کیوں چمٹے رہیں جو ایک ربع صدی سے ناکام ثابت ہو رہا ہے؟

ہماری ناکامیوں کی وجہ ہمارے اصولوں کا بنیادی اختلاف ہے، جب دو بھائی آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے تو کیا ہوتا ہے؛ وہ علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور چین سے رہتے ہیں۔ تجویز پاکستان کے تحت ہم بھی یہی کرنا چاہتے ہیں۔

خواتین و حضرات! ہندو زعما، کیا کہہ رہے ہیں؛ ایک ممتاز سابق کانگریسی اور ایک سابق وزیر داخلہ مسٹر منشی کی تقریر کا ایک فقرہ سناتا ہوں اُنہوں نے کہا کہ:

"تجویز پاکستان کے تحت جو ریاست ہوگی وہ ایسی ملکی حکومت نہ ہوگی جو سارے فرقوں پر مشتمل ایک مجلس قانون ساز کو جواب دہ ہو اور بلکہ ایک ایسی مذہبی ریاست ہوگی جس نے اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق حکومت کرنے کا حلف اٹھایا ہو۔ اس طرح اس کا ضمنی پہلو یہ ہے کہ دوسرے اشخاص کو جو اس مذہب کی پیروی نہیں کرتے حکومت میں شرکت سے خارج رکھا جائے۔ مسلمانوں کی اس مذہبی ریاست کی حفاظت میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ سکھ اور ہندوؤں کی ایک اقلیت چلی جائے گی۔ ہندو اور سکھ پنجاب میں مجبور و لاچار ہو جائیں گے اور ہندوستان کے اندر رہ کر بھی غیر ملکی ہوں گے۔"

کیا یہ سکھوں اور ہندوؤں کو آکسانا نہیں ہے؟ ان سے یہ کہنا کہ یہ ایک مذہبی ریاست ہوگی، جس میں انہیں کوئی اختیار نہ ہوگا سراسر جھوٹ ہے، غالباً وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ پاکستان میں غیر مسلموں سے اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے گا!

مسٹر منشی سے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ چھوت چھات صرف انہیں کے مذہب اور فلسفہ میں جائز ہے۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام، انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آجائیں، اُن کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے، یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے۔ (نعرۂ تحسین)

جہاں تک مسلم ہندوستان کا تعلق ہے ہم نے خود ہی ایک منشور ترتیب دے لیا ہے اور وہ پاکستان ہے (نعرہ ہائے تحسین) ہم اپنے اس منشور کے بارے میں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ ہمارے مخالفین اپنے دل و دماغ سے یہ خیال نکال دیں کہ یہ کوئی بازاری لین دین ہے یا کوئی چلتا ہوا فقرہ ہے۔

۱۹۳۹ء میں مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ مسلم لیگ زیادہ بولی لگانے والے کے ہاتھ بک جائے گی، یہ ایک قابل نفرین جھوٹ ہے۔ ہم نے جو موقف حاصل کیا ہے۔ اس سے ایک انچ بھی ٹہلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے مقصد کے حصول سے کوئی شئے منحرف نہیں کر سکتی۔ ہم نے اپنے مفادات کی نگرانی اور حفاظت کا تہیہ کر لیا ہے اور ہم دوسروں سے علیحدہ رہ کر بطور خود اس کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ (بلند اور طویل نعرے)

لے اشارہ ہے سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب، سر سعد اللہ وزیر اعظم آسام اور مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال کی طرف۔

وائسرائے نے دھوکا دے کر ان تینوں حضرات کو نیشنل ڈفنس کونسل میں شریک کر لیا، حالانکہ مسلم لیگ اپنے ممبروں کو شرکت کی اجازت دینے سے انکار کر چکی تھی۔

یہ مسئلہ جب ورکنگ کمیٹی میں پیش ہوا تو سر سکندر اور سر سعد اللہ نے فوراً وائسرائے کو استعفے لکھ کر بھیج دیا، مسٹر فضل الحق اڑے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ سے نکال دیئے گئے۔

ہمارا مطالبہ

نومبر ۱۹۴۰ء

دہلی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے اجتماع میں قائد اعظم کی ایک ولولہ انگیز تقریر!

رئیس احمد جعفری

حضرات! ہم محسوس کرتے ہیں کہ صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھی خطرے میں ہے ہمیں موجودہ حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر برطانیہ عظمیٰ کو شکست ہو گئی اور حکومت ہند کا نظام ٹوٹ گیا تو فی الحقیقت ہم سب کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ چند ایسے ہی وجوہ کی بنا پر ہم نہیں چاہتے کہ اس جنگ میں نازیوں کی فتح ہو۔ ہماری خواہش ہے کہ برطانیہ کو اس جنگ میں کامیابی ہو۔ آقاؤں کی تبدیلی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم برطانیہ عظمیٰ سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ابتدا ہی سے برطانیہ کے راستہ میں رکاوٹیں نہیں ڈالیں، مثلاً باوجود اس کے کہ پاکستان ہی ہماری کشتی کا لنگر ہے ہم نے حکومت برطانیہ کی حمایت کے لئے پاکستان کو شرط اول قرار نہیں دیا ہم نے طلب کیا تو صرف یہ یقین کہ حکومت برطانیہ کانگریس سے کوئی قطعی یا عارضی سمجھوتہ کر کے ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دے۔ یہ دورانِ جنگ کا ایک اقرار تھا، جس سے فریقین کی موجودہ یا آئندہ حیثیتیں متاثر نہ ہوتی تھیں۔ ہم آدمی، روپیہ اور سامان کی بڑی مقدار دینے کا اقرار کرتے ہیں —— نو کروڑ مسلمانوں کی پوری امداد! میں یہ سب مشترک سرمائے میں لگا دینے پر تیار ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اختیارات میں میرا بھی مساوی اور موثر حصہ

ھو۔ عالمگیر تغیرات کو قبول نہ کرنے والی اس دقیانوسی حکومت کے عذر خواہ اس کو "مسٹر جناح کی غیر مصالحانہ تجاویز" کہتے ہیں۔ وہ محض اس اقرار پر ہماری حمایت اور امداد کے خواہاں ہیں کہ جنگ کے بعد ہمیں زیادہ سے زیادہ وفادار ملازموں کی طرح یاد رکھا جائے گا۔ بلکہ کچھ بخشش دی جائیگی۔

کانگرس کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ ہر دیانت دار مسلمان کو یقین ہو گیا ہے کہ کانگریس ایک "ہندو ادارہ" ہے اور کانگرسی ہائی کمان کا واحد مقصد ہندوستان میں "ہندو راج" قائم کرنا اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر اقتدار حاصل کرنا ہے۔

آپ نے ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کے بیانوں کی طرف توجہ دلائی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مسلمان جرمنی کے یہودیوں کی طرح ہیں اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہونا چاہیے اور یہ کہ کانگریس کی قومیت ایک گمراہ قومیت ہے اگر وہ اپنی نام نہاد قومیت کے ادعا سے دست کش ہو جائے تو دوسرے فرقوں کے بہت سارے "ماری کے چھوکروں" کے لئے اس کے اندر کوئی گنجائش نہ رہے گی۔

کانگرس آزادی چاہتی ہے اور اس کے لئے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس کا اعلان کر دے۔ کیا تاریخ میں کسی ایسے ملک یا قوم کی مثال ہے جس کو آزادی و خود مختاری ایک غیر معمولی حکومت کے اعلان سے ملی ہو؟ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنے ہی سے خود مختاری مل سکتی ہے۔ اسے زور لگا کر لینا اور اس پر قبضہ کرنا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کانگرس برطانوی سنگینوں کے سائے میں ہندوستان پر اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ دوسرے فرقوں پر جبر و استبداد کرنے کے لئے قوت و توانائی کی آرزومند ہے آج وہ برطانیہ پر اس لئے زور ڈال رہی ہے کہ وہ دب کر صلح کر لے۔ یہ پرکاری اور

فریب مذموم کا ایک نمونہ ہے۔ حکومت اس سے آگاہ ہے اور ہم واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن حکومت مسلمانوں کو کانگریسیوں یا ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی جسارت نہیں کر رہی ہے۔ اور اگر کبھی وہ ایسی جرأت کرے تو حکومت کو پشیمانی ہوگی۔

مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ گذشتہ پچیس سالوں میں انہوں نے باعزت سمجھوتوں کی متعدد کوششیں کیں۔ اور باوجود کانگریس اور ہندوؤں کی مبینہ خواہش کے تاحال کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ ہر چند کہ ہندو مسلم اتحاد کانگریس کے تعمیری لائحہ عمل کا اہم ترین جزو ہے۔ لیکن بجائے اتفاق و اتحاد کے دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کانگرس اور ہندو ایک ایسا سمجھوتہ چاہتے ہیں کہ جس کی بنا پر سارے ہندوستان کا اقتدار انہیں مل جائے۔ دوسری طرف مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ انہیں آزادی اور ہندوستان کی آئندہ حکومت میں مساوی حصہ ملے ہندو مسلم نقطۂ نظر میں بھی بنیادی فرق ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہم برطانیہ سے ایک ذمہ دار مشترکہ حکومت کے حصول میں ناکام رہے۔

ہم ہندو بھائیوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں آیئے دیانتدار اور عملی مدبرین کی طرح گذشتہ ۲۵ سال کے تجربہ سے فائدہ اٹھائیں مصالحت کے نقاط پر غور کریں، ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں، اور ہندوستان کو مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان میں تقسیم کرنے پر راضی ہو جائیں۔

ہندوستان کو تقسیم کردو

۲۸ر دسمبر ۱۹۴۰ء

مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن احمد آباد کے اجتماع میں بمقام احمد آباد قائداعظم کی حیات آفریں تقریر۔

حضرات! ہندوستان کو تقسیم کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ہندو اور مسلمان اچھے پڑوسیوں کی طرح رہ سکیں اور بقدر شعور و صلاحیت ترقی کر سکیں۔ اگر ہندوؤں نے سارا ہندوستان لینے کی کوشش کی تو وہ سارے کا سارا کھو دیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ایک تہائی مسلمانوں کو دے دینے پر رضامندی ظاہر کی تو انہیں دو تہائی مل جائیں گے۔

ہندو صوبوں کی مسلم اقلیتیں اپنی تقدیر پر شاکر رہیں۔ لیکن وہ مسلم اکثریتی صوبوں کی آزادی میں کبھی مزاحم نہ ہونگی۔ قیام پاکستان کے بعد میں ہندو اکثریتی صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو ہجرت عام کی رائے نہیں دوں گا۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ صرف یہ کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں جہاں اس وقت بھی پاکستان موجود ہے۔ مرکزی حکومت کا اقتدار ہندو اکثریت کے ساتھ نہ ہونے پائے ایک متحدہ مرکزی حکومت کے تخیل کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن اگر اس کی تجدید کی کوشش کی گئی تو مسلمان اس کی مدافعت کریں گے کیونکہ مسلم صوبوں میں ہندو اقلیتیں، مرکزی ہندو اکثریت کی پشت پناہی اور اعانت سے کاروبار حکومت کو ناممکن بنا دیں گی۔

فی الحقیقت ہر حیثیت سے مسلم اکثریت، مرکزی حکومت کی جاگیر ہو جائے گی۔ ہندو مہاسبھا نہایت بے تکے پن سے علی الاعلان سارے اقلیم ہند پر ہندو راج کی فکر کر رہی ہے

کانگرس کی زبان پر جمہوریت، مشترکہ انتخاب اور ایک ایسی قومی حکومت ہے جو مجلس قانون ساز کے منتخب اراکین کو جواب دہ ہو۔ لیکن جمہوریت معنوی اعتبار سے دُنیا کے کسی حصہ میں موجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اونچا طبقہ حکومت کرتا ہے، لیکن ہندوستان میں تو ایسی جمہوریت کا بھی امکان نہیں ہے۔ مذہب کا تو کیا ذکر، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تہذیبی یا معاشرتی کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے۔ یہاں قوم کی اصل اور اسکے عناصر ترکیبی کہاں ہیں کہ جس کی بنا پر ہم ہندوستان میں انگلستان جیسی نام نہاد اور رسمی جمہوریت ہی اختیار کر لیں۔

ایک قومی حکومت جو مجلس آئین ساز کے منتخب ارکان کو جواب دہ ہو صرف ایک ہندو اکثریت کے تابع فرمان ہو کر ہی تشکیل پا سکتی ہے۔ اس میں مسلمان اور دوسری اقلیتیں قطعی ہندو راج کے رحم وکرم پر ہوں گی۔

اکثر اوقات ایک مشترک خاندان میں دو بھائیوں کے لئے مل کر رہنا ناممکن ہو جاتا ہے اور ان کی علیحدگی ہی سے ان کے مابین امن وسکون اور بہتر روابط قائم ہوتے ہیں۔ پھر ہندوستان کی تقسیم سے کیوں انکار کیا جائے۔ جبکہ وہ جانتے ہیں اور انہیں کامل یقین ہے کہ تہذیب مذہب اور معاشرتی زندگی کے مہلک اختلافات اور چشمک کے مدِنظر جو ایک ہی خاندان کے دو بھائیوں سے کہیں زیادہ ہیں وہ آپس میں امن وچین سے نہیں رہ سکتے۔!

سنہ ۱۹۴۱ء

جب پاکستان کی تجویز حقیقت کی دنیا میں داخل ہو رہی تھی

جب قائداعظم نے مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا :

جوہر ما با مقامے بستہ نیست
بادۂ تندش بہ جامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفال جام ماست
رومی و شامی گل اندام ماست
قلب او از ہند و روم و شام نیست
مرز بوم او بجز اسلام نیست

مُسلم اکثریّت کے علاقے

۳ر جنوری سنہ ۱۹۴۱ء

نوجوانانِ بمبئی کے ایک اجتماع میں قائداعظم کی اہم تقریر!

حضرات! ہمارے مطالبہ پاکستان کے ضمن میں اہم ترین سوال یہ ہے کیا یہ ممکن ہے کہ سارے ہندوستان کے لئے ایک وحدانی مرکزی حکومت قائم کی جا سکے جو چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرے اس قسم کے نظامِ حکومت کے ماتحت آبادی تین ہندوؤں اور ایک مسلمان کی نسبت سے ہوگی، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہندوؤں کے حکم اور فرمان کی تعمیل پر سب مجبور ہوں گے اس ملک کے اندر جمہوریت اور جملہ بالغان کے لئے حق رائے دہندگی سے ہندو راج مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی ضرورت لاحق ہوئی، مگر اس سے مسلمانوں کا یہ مقصد نہیں کہ فریب کاریوں اور حیلوں کے ذریعے سے سارے ملک پر فوقیت حاصل کریں، مسلم لیگ فقط یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان دو طبقات ملک میں حکمرانی اور اپنی تہذیب و تمدن کے نشوونما کا موقع مل جائے جنہیں وہ اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم ہندوؤں سے کہتے ہیں کہ دوسرے حصوں میں آپ اپنی حکومتیں قائم کیجئے اور اپنی فطرت و جبلت کے مطابق ترقی کیجئے۔ خدا آپ کی کوششوں کو بار آور کرے۔

ان مسلمان بھائیوں کے متعلق ہمیں کوئی تشویش نہ ہونی چاہیئے۔ جو اقلیت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ اگر ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں کو جو اکثریت کے منطقوں میں ہیں ایک کل ہند متحدہ حکومت کے تابع کر دیا جائے تو باقی ماندہ ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو جو دیگر صوبجات میں ہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

میں جس صوبہ میں اقلیت میں ہوں وہاں اپنی قسمت پر شاکر ہو کر اپنا فرض ادا کروں گا۔ لیکن میں ان مسلمانوں کو جو اکثریتی صوبوں میں ہیں دوامی اقلیت اور ہندوؤں کے اقتدار سے آزاد کراؤں گا۔

مسٹر گاندھی کانگریس اور ہندو مہاسبھا سارا ہندوستان حاصل کر لینا چاہتے ہیں لیکن انہیں یہ کبھی نہ ملے گا! البتہ انہوں نے زیادہ حرص و ہوس سے کام نہ لیا اور ہمیں ایک تہائی دیدیا تو پھر شاید انہیں دو تہائی ملے گا اور قضیہ ختم ہو جائے گا۔

اِسلام کا نام لینے والوں سے ایک سوال

"میں کوئی مولوی ہوں نہ مولانا، اور نہ مجھے یہ ادعا ہے کہ میں اخلاقیات کا فاضل اجل ہوں، لیکن مجھے اپنے عقائد کا تھوڑا بہت علم ضرور ہے، اور میں اپنے عقیدے میں راسخ الاعتقاد ضرور ہوں، خدا کے لئے یہ بتادو کہ قرار داد لاہور کو اسلام دشمنی سے کیا تعلق ہے۔؟ کیوں آخر یہ اسلام کے منافی ہے؟[1]

وفاق مسلم طلباء پنجاب
۲ر مارچ ۱۹۴۱ء

---

[1] اشارہ ہے جمیعتہ علماء، مجلس احرار اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف

پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا خطبۂ صدارت!

پاکستان ہمارا مقصد ہے

۲ر مارچ ۱۹۴۱ء

اس خطبہ میں قائدِ اعظم نے پاکستان کے سلسلہ میں کانگرسی قائدین کی ذہنیت بے نقاب کرتے ہوئے ان کے اعتراضات و ایرادات کی نفسیاتی تحلیل بھی بڑی خوبی سے کی ہے۔ اور مسائل حاضرہ پر بھی گہر افشانی فرماتی ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

خواتین اور حضرات! اس وقت میرا پہلا کام یہ ہے کہ آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کروں کہ آپ نے مجھے "پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کی اس کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ صدارت کی یہ دعوت ایک بلاوا تھا، جو میرے ہم خیال اور ہم نفس مہربانوں نے بھیجا۔ اس لئے اسے قبول کرنے میں مجھے بیحد خوشی حاصل ہوئی۔

مَیں کل یکم مارچ سے آپ کا مہمان ہُوں اور دیکھ رہا ہوں کہ کس عمدگی سے آپ نے اس کانفرنس کی تنظیم کی ہے۔ میں نے آپ کے مباحثات بھی سُنے ہیں۔ جن پر میں آپ کو صدق دل سے مبارکباد کہتا ہوں۔ (نعرہ ہائے تحسین)

مَیں نہ صرف ان نوجوانوں کو آج یہاں جمع ہیں بلکہ لاہور کے بہت سے مسلمانوں کو اور ان کو جو پنجاب کے مختلف حصوں سے آئے ہیں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس امر کا کامل احساس ہے اور اس سے مجھے بیحد مسرت ہوئی ہے کہ اب پنجاب کے مسلمان بیدار ہو گئے ہیں اور اس وقت یہاں مسلمان نوجوانوں کا ایک ایسا چھوٹا سا گروہ موجود ہے جس نے اس کانفرنس کی ترتیب

وتنظیم میں بڑی جانفشانی سے محنت کی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں ان کارکنوں کو یہ دیکھ کر کہ اُن کی کوشش و کاوش بارآور ہوئی ہے۔ اطمینان حاصل ہوگا۔ یہی ان کا انعام ہے۔ (نعرۂ تحسین) جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ خفتہ تھی اور مسلمان مُردہ۔ مگر پچھلے تین سال کی مدت میں مسلم لیگ نے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو اس حد تک منظم کر لیا ہے کہ دوست اور دشمن دونوں اس حقیقت کے مقر ہیں اور متعجب بھی۔ (نعرۂ تحسین)

اس کی مثال مسلمانوں کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملے گی (نعرۂ تحسین) اسے ایک معجزہ یا کرامت کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ ہمارے تمام دشمنوں اور مخالفوں کا پختہ خیال تھا اور انہیں اُمید تھی کہ اسلامیانِ ہند متحد نہ ہوں گے۔ اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے چنانچہ انہوں نے اسے ایک تبلیغی فرض قرار دے رکھا تھا کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے مابین افتراق پیدا کریں اور وہ بہت سے حصوں میں منقسم ہو جائیں۔ مگر آج کی سنیئے کہ ان لوگوں نے اپنی اس کوشش سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ (نعرۂ تحسین) میں اس کی ایک حالیہ مثال پیش کرتا ہوں۔ مرکزی اسمبلی میں حلقہ رہیلکھنڈ کی نشست خالی ہوئی۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ نشست کانگرس کے قبضہ میں ہے۔ مگر جب ہم نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو اپنی طرف سے اُمیدوار پیش کیا تو دُنیا نے دیکھا کہ کانگرس نہ زمین پر ہے نہ اُفقِ آسمان پر۔ (قہقہہ) یہ ہے بہت سی مثالوں میں سے فقط ایک۔

آج اسلامی ہند دفتری حکومت کے نیچے سے آزاد ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہیں ہم مسلمان طوعاً و کرہاً اپنا لیڈر سمجھتے تھے اور وہ اکڑ اکڑ کر چلتے پھرتے تھے، مگر درحقیقت دفتری حکومت کے کارکن تھے۔ اپنی قوت کھو چکے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو گاندھی ٹوپی پہن کر کانگرس کے پلیٹ فارم پر رعونت کے ساتھ اینٹھتے تھے بے یار و مددگار ہو گئے ہیں۔ اور کچھ نہیں کر سکتے (نعرۂ مسرت)

ایک قوم کے لئے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہے۔ اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے

سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی۔ وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اس کے قبضے میں ایک خود مختار ریاست اور علاقہ ہونا چاہیئے۔

خوب یاد رکھیئے کہ یہ ایک معمولی سا کام نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بڑا کام ہے، جو آپ نے سلطنت مغلیہ کے زوال سے لے کر آج تک اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو تمام وسائل متعلقہ کی ضرورت ہے۔ میرے نوجوان دوستو! سب سے پہلے آپ کو تعمیر قوم کے ادارات میں محنت کی داد دینی ہوگی آپ پوچھیں گے کہ یہ ادارات کون سے ہیں اور کیا ہیں؛ لیجئے میں آپ کو بتاتا ہوں؛ دُنیا میں کم سے کم تین ستون رکن ایسے ہیں جو کسی قوم کو صاحب مملکت اور لائق حکومت بننے کا حقدار ٹھیراتے ہیں۔ ان میں سے ایک تعلیم ہے۔ تعلیم کے بغیر آپ اسی حالت میں ہوں گے، جیسا کہ کل رات پنڈال کے اندر اندھیرے میں تھے۔ اور اگر تعلیم ہوگی تو آپ کی کیفیت اس وقت کی سی ہوگی کہ روز روشن میں بیٹھے ہیں۔

ہمیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ دوسروں کو دھمکیاں دیں اس کی وجہ کیا ہے؛ سُنیئے۔ یہ ایک سیدھا سا معاملہ ہے۔ ہم نے اپنے مدعا کی بنیاد دیانت، انصاف اور صداقت پر رکھی ہے۔ یہ تو ہوئی پہلی وجہ۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طاقتور ہوتے ہیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھ لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو سکتے ہیں، دشمن کے خلاف کسی قسم کی غیر ضروری دھمکیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور پُرغرور باتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہمارے دلائل و ترغیبات ہمیشہ کارگر نہیں ہو سکتیں۔ مگر ہمیں لازم ہے کہ اس قسم کی ہر ممکن کوشش کئے جائیں۔ ہم پر واجب ہے کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی غیر ضروری تلخی نہ پیدا ہونے دیں جا اس وقت ہماری قرارداد

پاکستان کے مخالف ہیں۔

ہمیں اس کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خود ان مخالفین کو بھی انجام کار یہ احساس ہو جائے گا کہ ہندوستان کے اس انتہا درجے کے شدید مسئلے کا ایک حل بلکہ اس مشکل کا بہترین حل یہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔

میں برطانوی حکومت کا وکیل نہیں ہوں اور مجھے برطانیہ اور اس کے رفقاء کے جذبات کی پاسداری بھی مدِ نظر نہیں ہے، مگر ان سب حالات کے پیش نظر مسلم لیگ اس امر پر رضامند تھی، کہ حکومت برطانیہ کی پوری مدد اور صدقِ دل سے اس کے ساتھ تعاون کرے۔ بشرطیکہ اس امر پر باہمی رضامندی اختیار کر لی جائے کہ ہم نہ صرف ذمہ داری کا بار سر پر اٹھائیں بلکہ اسکے ساتھ ہی ہمیں موجودہ آئین کے اندر رہ کر حکومت میں حصّہ دیا جائے، چنانچہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں میں معقول اور حقیقی اختیار حاصل ہو۔ تاکہ ہم سچی اور کارگر امداد کر سکیں۔

اس اصول کی صحت کو خود برطانوی حکومت نے درست تسلیم کیا ہے کہ ذمہ داری اور اختیار لازم و ملزوم ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن جب اصول کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو لارڈ لن لتھگو یا مسٹر ایمری یا دونوں نے خبر نہیں کہ حقیقت میں کس نے ایک ادنےٰ سا اختیار دے ڈالنے کی پیشکش کی اور بغیر کسی قسم کی تفصیل کے صرف اتنا کہا کہ ہم آپ کو مرکزی مجلس منتظمہ میں دو نشستیں دیتے ہیں (قہقہہ) اس طرح آغاز کار میں ہی اس اصول کی نفی کر دی گئی جو کس طمطراق سے پیش کیا گیا تھا اور اس اصول کی توہین بھی کی گئی حالانکہ اس کا وجود دانائی اور فیاضی کا مرہونِ منت قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اور آپ تسلیم کرینگے کہ اس قسم کی پیشکش کو کوئی ذمہ دار اور منظم جماعت قبول نہیں کر سکتی۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ نے اسے رد کر دیا۔

یہ تو سب کچھ ہوا دورِ حاضر کے متعلق۔ اب مستقبل پر غور و فکر کی باری ہے۔

خواتین و حضرات۔ میں نے دورِ آئندہ کو اپنی پوری سے پوری توجہ دی ہے اور بغیر تعصب یا ہٹ دھرمی کے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی ہے کہ لاہور کی قرارداد "پاکستان" کے خلاف تمام دلائل و براہین کا غور سے مطالعہ کروں اور ان کا امتحان لوں۔

ہم اپنی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہر حال میں قرارداد لاہور کی تائید و تصدیق کرتے ہیں (نعرہ تحسین) اور جہاں تک حالات اجازت دیں ہم اسے فی الفور یا جنگ کے بعد عمل میں لانا چاہتے ہیں یہ ہے ہمارا مطالبہ۔ ہم اسے ہندوؤں سے نہیں کرتے۔ کیونکہ ہندو کبھی سارے ہندوستان پر قابض نہ تھے۔ البتہ مسلمانوں نے سارے ہندوستان میں سات سو برس تک حکومت کی۔ اہلِ برطانیہ نے یہ ملک مسلمانوں سے لیا۔ اس لئے ہم ہندوؤں سے مطلق کچھ نہیں مانگتے۔ ہمارا ہمارا مطالبہ برطانویوں سے ہے کیونکہ اس وقت قبضہ انہی کا ہے۔ یہ کہنا کہ ہندوستان ہندوؤں کی ملکیت ہے۔ قطعاً حماقت ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی کسی زمانہ میں ہندو تھے۔ ہندو لیڈر یہ اور ایسے ہی دوسرے احمقانہ دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ فرض کرو ایک انگریز جو انگلستان میں رہتا ہے اور مسلمان ہو جاتا ہے مگر وہ پاکستان کا مطالبہ نہیں کرتا۔ کیا آپ کے پاس دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دماغ نہیں کہ اگر انگلستان میں ایک انگریز اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو وہ اس کے باوجود اپنی سماج کا ممبر رہتا ہے اور پہلے کی طرح اسی تہذیب نظامِ معاشرت اور ثقافت اور تحصیلاتِ علمی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے خلاف کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب ایک ہندو اسلام اختیار کرتا ہے چاہے یہ واقعہ آج سے ایک ہزار سال پہلے پیش آیا ہو۔ تو ایک ہندو نہیں بلکہ اکثر و بیشتر سب ہندو جو مسلمان بن گئے ہندوؤں کے نزدیک ملیچھ ٹھہرے۔ ذات سے خارج کئے گئے اور ہندوؤں نے ان لوگوں سے کسی قسم کا دینی اور تمدنی واسطہ نہ رکھا چنانچہ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی ان مسلمانوں نے ہندوؤں سے ایک جداگانہ دنیا میں رہنا شروع کیا۔ اور ایک ایسے دینی تمدنی، معاشرتی نظام کے پابند ہو گئے جو ہندوؤں سے مختلف تھا بلکہ اہلِ ہنود اور اہلِ اسلام

کے نظام میں ہمیشہ تصادم قائم رہا۔ فلسفہ علمی تحصیلات مذہب اور معاشرت سب کے لحاظ سے یہ اختلاف ہزار سال سے چلا آتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ان حقائق کا مقابلہ اس بیوقوفانہ دعوے سے کریں کہ محض تبدیل مذہب کو مطالبۂ پاکستان کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا؟ آپ بنیادی اختلاف کو نہیں دیکھتے؛ میں اس لئے دعوے کرتا ہوں کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ مسلمانان ہند ہندوؤں سے قطعی طور پر ایک جداگانہ قوم ہیں۔ اسے لاکھوں ہندو دوست تسلیم کرتے ہیں اور سینکڑوں ہندوؤں نے خود مجھ سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا اور مان لیا کہ قرارداد لاہور ہمارے مسئلہ کا ایک اور اکیلا حل ہے۔ اندریں حالات اس مسئلہ پر مزید بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے خلاف پراپاگنڈا کس طرح کیا جاتا ہے۔ میں نے اسکے سمجھنے اور مخالفین کے دلائل پر غور کرنے میں ہر انسانی اور امکانی کوشش کی ہے۔

اب دلائل کی سنیئے۔ مہاتما گاندھی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان کو چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں۔ پھر چیرنے پھاڑنے کے برابر ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان کو کب ایک وحدانی حیثیت حاصل تھی؟ کبھی نہیں۔ پھر چیرنے اور پارہ پارہ کرنے کے الفاظ کا استعمال بے معنی ہے۔ مگر مہاتما گاندھی کے چیلے مسٹر راج گوپال آچاریہ ان سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے ہیں کہ پاکستان بنانا کسی بچے کو دو ٹکڑے کر ڈالنے کے مرادف ہے۔ میں اُن سے عرض کروں گا کہ دیکھوں تو بچہ کہاں ہے۔ ہاں! اسکے معنے صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ اب اُن کے پاس کوئی پُراثر دلیل نہیں رہی اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت پیش کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ تو خود اسلام کے بھی خلاف ہے۔ (قہقہہ)

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اقتصادی پہلو سے ہماری تجویز ناقابل عمل ہے اس کے متعلق جو کچھ ہندو لیڈروں نے لکھا۔ اور کہا ہے میں نے قریباً سب کا سب پڑھا ہے مگر انہوں نے کوئی خاص دلائل پیش نہیں کئے۔ انہوں نے صرف یہ دلچسپ دعویٰ بار بار دہرایا ہے کہ اقتصادی لحاظ سے پنجاب۔ سندھ۔ بلوچستان اور صوبہ سرحدی۔ سب دیوالیہ صوبے ہیں۔ اور اس لئے پاکستان کی تجویز عمل میں نہیں لائی جا سکتی۔

ہاں آپ ہمارے لئے پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے صوبوں میں مالی حالات نے بدترین سے بدترین صورت بھی اختیار کر لی تو ہم اپنے چغہ کی کتر بیونت آتنے ہی کپڑے سے کریں گے جو ہمارے پاس ہے۔

اب اسلامی منطقوں میں ہندوؤں کی اقلیت کا مسئلہ غور طلب ہے۔ اس کی نسبت آپ کیا رائے دیں گے؟ ہندو لیڈر تو کچھ نہیں بتاتے۔

اس کے ساتھ ہی ہندو منطقوں میں مسلم اقلیتوں کا سوال ہے اُن کے متعلق میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں کہ مسلم منطقوں میں ہندو اقلیتوں کے بطور اقلیت کامل تحفظات ہونے لازم ہیں، اسی طرح ہندو منطقوں میں مسلم اقلیت کی حفاظت بطور اقلیت ہونی چاہیئے۔

میں قریب قریب ان تمام دلائل کا امتحان کر چکا ہوں، جو اس وقت تک پیش کئے جا چکے ہیں۔ اگر ہم تقسیم پر رضامند ہو جائیں گے۔ اور مجھے یقین کامل ہے کہ بروئے دلائل اُن کی پوری تائید ہوتی ہے۔ تو مسلمان اور ہندو بطور ہمسایہ دوست بڑی صلح اور آشتی کے ساتھ اس ملک میں زندگی بسر کریں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اسلامی ہند اس ملک کی سرحدوں کا محافظ ثابت ہو گا۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی خیال کر سکتے ہیں کہ افغانستان اپنے لئے ایران کی حکومت تسلیم کرے گا۔ یا افغانستان اور ایران دونو اپنے ملک میں ٹرکی کی

بادشاہت تسلیم کر لیں گے، کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی تصوّر کر سکتے ہیں کہ عرب جیسے چھوٹے سے برّاعظم میں جہاں یمن، سعودی عرب، عراق وغیرہ کتنی ہی خود مختار مملکتیں ہیں۔ کوئی آزاد حکومت اپنی آزادی اور حقوق شاہی سے کسی دوسرے کے حق میں دست بردار ہو جائیگی؛ جب یہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر آپ یہ بات کیوں فرض کر لیتے ہیں کہ جب مسلمان اپنی آزاد خود مختار شاہی حکومت مثلاً شمال مغربی منطقے میں قائم کر لیں گے تو وہ کسی غیر حکومت کو اس امر کی دعوت دیں گے کہ آئیے اور ہم پر حکومت کیجئے کیونکہ جب تک آپ ہماری مملکت کے بادشاہ نہ بنیں گے آپ ہندوؤں کے ہندوستان پر قابض نہ ہو سکیں گے۔

خواتین و حضرات ! اب مجھے ایک اور بات کو توجہ دینا ہے جو سکھوں کے فرقے سے متعلق ہے۔ اس بات کو سمجھنا کسی حد تک مشکل ہے کہ ہمارے سکھ بھائی اپنے دل میں خوف و ہراس اور اضطراب کو کیوں جگہ دیتے ہیں۔ میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس تجویز کا امتحان ٹھنڈے دل سے اور بڑی احتیاط و غور کے ساتھ کریں۔ وہ دیکھیں گے کہ قرار دادِ لاہور میں ان کی حالت اور حیثیت اس درجہ اور مقام سے کہیں بہتر ہوگی جو انہیں ایک متحدہ ہند کے اجتماعی (فیڈرل) آئین کی صورت میں حاصل ہوگا۔ پہلے تو آپ یہی دیکھیں۔ کہ پاکستان کی تشکیل کے سبب سکھ ایک نہایت اہم فرقہ تسلیم کئے جائیں گے۔ اور اس حیثیت میں وہ پنجاب کے معاملاتِ ملکی میں بہت بڑا اور مؤثر حصّہ لیں گے خاص کر اس مجلسِ قانون ساز میں جو پنجاب کے لئے بطور ایک جزوِ پاکستان۔ مرتب کی جائے گی۔ کیا یہ حقائق بالکل ظاہر نہیں؛ اس کے مقابلہ میں سکھوں کا درجہ اور مقام ایک فیڈرل آئین میں کیا ہوگا؛ اس کی حیثیت ایک سمندر میں قطرے کے برابر ہوگی۔ (نعرۂ تحسین)

سکھ بھائیو ! آپ اس اٹل امرِ واقعہ سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے کہ آپ پنجاب

ہیں ایک اقلیت ہیں ہیں اور اسی حیثیت سے رہیں گے۔ آپ جھگڑوں دھمکیوں اور خوفزدہ کرنے کی کوششوں کے ذریعے اس بنیادی حقیقت کو نہیں بدل سکتے کہ اس منطقہ میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے (نعرۂ مسرت) میں اپنے سکھ بھائیوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر میں آپ کے خوف وہراس کی صحت پر یقین کروں تو اس کی رُو سے میری حالت اپنے احاطہ بمبئی میں آپ سے بھی سو گنا بدتر ہو گی۔ وہاں مسلمان بقدر آٹھ فی صدی ہیں اور باقی قریباً نوے فی صدی ہنود حالانکہ پنجاب میں سکھ تیرہ فی صدی ہیں اور ساتھ ہی ایک اور فرقہ موجود ہے۔ یعنی اہل ہنود جو اٹھائیس فی صدی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ پنجاب میں اس حقیقت سے خوفزدہ ہوں؛ (نعرۂ تحسین) چنانچہ میں آپ سے کہوں گا کہ واقعات کے موافق اور مخالف تمام دلائل کا پورا پورا امتحان لیں۔

خواتین اور حضرات! اب ایک اور چیز باقی ہے سنیئے یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آج تک کوئی فیڈرل آئین مرتب نہیں کیا گیا جس پر پہلے ان تمام اجزأ اور حصص کو رضامند نہ کر لیا گیا ہو جن کی شمولیت درکار ہے۔ اور یہ اکائیاں کامل آزادی اور خاطر جمعی سے شامل نہ ہوں۔

اسلامیان ہند کے لئے یہی ایک حل ہے جو آزمائش تجربہ اور وقت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے کہ ہندوستان تقسیم کر دیا جائے تاکہ دونوں فرقے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے اپنی اپنی قومی روایات اور خدائی عطیات کے مطابق نشوونما پائیں۔ ہماری جدوجہد کا ایک منشا ان مفید مواقع کا حصول ہے، جو ان امور کے لئے ضروری ہیں اور دوسرا یہ کہ مسلمان اپنے قومی ارادوں کو جامۂ عمل پہنا سکیں۔ یہ زندگی اور موت کا معرکہ ہے اور ہماری کوشش صرف اس لئے نہیں کہ مادی فوائد حاصل ہوں۔ بلکہ ہم تو مسلمانوں کی لقائے روح کے لئے حیات وممات کا مسئلہ ہے اور اسے سودا بازی سے کوئی واسطہ نہیں۔ مسلمانوں کو اس حقیقت کا پورا پورا احساس ہو چکا ہے۔ اگر ہم شکست کھائیں گے تو سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔ آیئے

اہلِ ہالینڈ کی اس ضرب المثل کو اپنا مقولہ ٹھہرایئے۔

جب آدمی روپیہ کھو دے تو کچھ نہیں کھوتا۔

اگر حوصلہ کھو یا جائے تو بہت کچھ کھویا جاتا ہے۔

آبرو کھوئی جائے تو قریباً سب کچھ کھویا جاتا ہے۔

لیکن رُوح کھوئی گئی، تو سب کچھ ہی کھویا گیا۔

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

میں ملتِ اسلامیہ کے ولولوں اور تمناؤں کا ترجمان ہوں!

پاکستان کیا ہے؟

۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں طلبہ کے سامنے قائدِ اعظم کا خطبہ

میں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے دل میں جو خیال موجزن تھا، اس کا بیباکی سے اظہار کر دیا ہے۔ اس پر سارا ہندو پریس ہندو قیادت اور کانگرس چراغ پا ہے۔ انہوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا ان کے پریس کا پروپیگنڈا، ان کی دشنام طرازی، ان کی غلط بیانی اور ان کا شورِ دیوانگی ہمارے پائے ثبوت میں کوئی تزلزل پیدا نہ کر سکا۔

میں یہ بار بار کہہ چکا ہوں کہ جمہوری پارلیمانی نظامِ حکومت جیسا کہ اسوقت انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں ہے ہندوستان کے لئے قطعاً غیر موزوں ہے، کانگرسی اخبارات میں آزادی کے دشمن کی طرح مجھے معتوب و مطعون کیا گیا ہے، لیکن میرے بیان کی حقیقت تمام سمجھدار اشخاص کے دل و دماغ پر بتدریج منکشف ہوتی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں تاحال برطانی حکمتِ عملی کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی گئی ہے۔ پہلا ستون تو یہ ہے کہ ہندوستان ایک وحدت ہے، اور دوسرا دستورِ ہند کی اساس مغربی طرز کے جمہوری نظام پر ہو لیکن مسلمانانِ ہند نے ہر قسم کے شک و شبہ سے دُور یہ حقیقت مسلم کر دی ہے کہ وہ مروجہ اصطلاح کے مفہوم میں اقلیت نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قوم ہیں مسٹر امیری وزیر ہند بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے ساتھ ایک عددی اقلیت

کی طرح نہیں بلکہ ایک علیحدہ دستوری عنصر کی حیثیت سے برتاؤ ہونا چاہیئے۔ اور یہ اُن کی مرضی کے خلاف کوئی دستور ان پر عاید نہیں کیا جاسکتا۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج وحدتِ ہند کا ستون ٹوٹ گیا ہے۔ بلکہ پوری طرح مسمار ہو چکا ہے (بلند نعرے) دوسرا ستون جمہوریت تھا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود یورپ میں جمہوریت کے متعلق کیا خیال ہے۔ اس کے بعد ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ ہندوستان میں اس کا کیا مطلب ہوگا۔

باشندگانِ انگلستان ایک قوم پر مشتمل ہیں۔ اُن کے زندگی کے بنیادی نقاطِ نظر اور مفادات مشترک ہیں لیکن انگلستان کی وہ کمزور سی جمہوریت دنیا کے ایسے ممالک میں ناپید ہے جہاں دو قومیں اور دو سماج ہیں۔

ہندوستان میں جمہوریت کے تحت لازماً ایک منتقل اور دوامی اکثریت ایک ایسے سماج پر اقتدار حاصل کر لیتی ہے جو اقلیت میں ہے۔ دنیا میں کہیں دو قوموں کی ایسی نظیر نہیں ملتی جو ایک ہی متحدہ دستور میں جوتے گئے ہوں ہم نے عملی تجربے سے دیکھ لیا ہے کہ برطانی پارلیمانی نظامِ حکومت کا نتیجہ دوسرے باشندگانِ ہند پر کامل ہندو اقتدار کے قیام پر منتج ہوتا ہے

ان سب امور میں جو زندگی کے لئے بنیادی اور لازمی درجہ رکھتے ہیں ہندو اور مسلمان سخت اختلاف رکھتے ہیں ہندو اور مسلمان سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ حقائق پر پردہ ڈالنے سے کیا حاصل! خود ہندوؤں ہی کے درمیان اُونچی اور نیچی ذاتیں ہیں[2]۔ ان کے اندر ایک غیر جمہوری سماج موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ دفعتاً جمہوریت کے عشق میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اب تو وہ جمہوریت کے ذکر کے سوائے اور کوئی ذکر ہی نہیں کرتے! (قہقہہ)

حال ہی میں بمبئی میں ساحل سمندر پر ایک پیراکی کے تالاب کا افتتاح ہوا، جو صرف ہندوؤں کے لئے مخصوص ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی تیرنے کو تیار نہیں ہیں میں نہیں چاہتا کہ ہندوؤں کے جذبات کا مضحکہ اڑاؤں، میں ہر شخص کے مذہبی جذبات کا

احترام کرتا ہوں۔ اس واقعہ کا حوالہ صرف یہ بتانے کے لئے دیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قدر گہرا اختلاف موجود ہے[1]۔

تجویز تقسیم کے سمجھنے کے لئے کسی بڑے عقلمند یا بڑے ماہر دستور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تجویز کے حسن و قبح پر غور و فکر کئے بغیر کانگرس اور دوسرے ہندو ادارے آپے سے باہر ہو گئے ہیں، جیسے کہ یہ کوئی ہوا ہے۔ یا کوئی خطرناک جانور! (قہقہہ) حقیقت یہ ہے کہ پاکستان یہاں صدیوں سے موجود ہے، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ (نعرۂ تحسین) یہ ہم سے چھین لیا گیا تھا۔ اب ہمیں واپس لینا ہے، ہندوؤں کا اس پر کیا استحقاق ہے؟ جو کچھ ہمارا اپنا ہے اس کے مطالبہ سے ہمیں کیونکر روکا جا سکتا ہے؟ اس میں دراصل ہندوؤں ہی کا زیادہ فائدہ ہے۔ مسلم لیگ کا آخر مطالبہ ہی کیا ہے؟ یہی نہ کہ واضح مسلم اکثریتی منطقوں کے حدود کے تعین اور ضروری علاقہ واری تنظیم مکرر کے ساتھ اپنی خود مختار ریاستوں کا قیام چاہتی ہے۔ اس تجویز کے تحت دو تہائی ہندوستان ہندوؤں کو ملے گا جہاں وہ اپنی ریاستیں قائم کر سکتے ہیں انہیں اپنے واجب الوصول حصہ پر قناعت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ انہیں سارا ہندوستان تو کبھی نہ مل سکے گا۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ برطانوی اور کانگریسی حلقوں میں اس امر کا بتدریج احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ہماری تجویز تقسیم میں دونوں قوموں کے مفادات مضمر ہیں وہ "تشریح زندہ" کے مخالف پاکستان نعرے، گئو ماتا کو کاٹا جا رہا ہے اور مادر ہند کے دو ٹکڑے ہو رہے ہیں[2] اب ختم ہو چکے ہیں۔ اب انہوں نے یہ پوچھنا شروع کر دیا ہے کہ اگر ہندوستان منقسم کر دیا گیا تو آیا وہ محفوظ ہوں گے۔

ہندو اخبارات نے یہ بھوت کھڑا کیا ہے کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو گیا تو مسلمان سارے ملک کو تاخت و تاراج کر دیں گے۔ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے کیونکہ اگر ہندوؤں کو ایسا ہی خوف ہے تو کیا مجھے بتایا جا سکتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کا عزم

کس طرح رکھتے ہیں؟

پاکستان میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان نہیں ہوں گے۔ اور ہندو ہندوستان میں بائیس کروڑ سے کم ہندو نہ ہوں گے۔ کیا ان کا یہ مطلب ہے، کہ یہ بائیس کروڑ اشخاص صرف سات کروڑ کے مقابلہ میں اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتے؛ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل محفوظ نہ ہوگا کیونکہ ساری یورشیں شمال مغرب سے ہوئی ہیں۔ اور پاکستان میں بجائے خود ایسی یورشوں کو روکنے کی سکت نہ ہوگی، صرف ایک متحدہ ہندوستان ایک جمہوری ہندوستان ہی ایسے حملوں سے عہدہ براء ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہندوستان میں ایک مرکزی جمہوری حکومت ہونا چاہیئے ایک مرکزی حکومت بنا کر اور قرعہ اندازی کے صندوقچہ میں اکثریت حاصل کرکے ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملک کو حملوں سے محفوظ بنا سکیں گے (قہقہہ) پھر ہمارے ہندو دوست مسلم اقلیتوں سے پوچھتے ہیں کہ انہیں پاکستان سے کس طرح فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ کہ انہیں ہندوؤں کے ہاتھوں کیا مصیبت نہیں اٹھانی پڑے گی۔

شمال مغربی یورشوں کے سلسلہ میں کیا مجھے بتایا جا سکتا ہے کہ پرتگالی کہاں سے آئے تھے؛ فرانسیسی کہاں سے آئے تھے؛ اور ہمارے برطانی آقا کہاں سے آئے تھے؛ لیکن ہم جانتے ہیں کہ دراصل جدید جنگ وجدل سرحدوں کی قید سے آزاد ہے۔ جدید جنگ کا فیصلہ کن ہتھیار فضائی بیڑہ ہے۔ بری اور بحری طاقتوں کی حیثیت اب دوسرے درجہ کی ہو گئی ہے۔

آیئے ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں ہندوؤں کو جنوب اور مغرب کی حفاظت کرنے دیجیئے اور مسلمانوں کو سرحدوں کی حفاظت سونپیئے پھر ہم مل کر کھڑے ہونگے اور دنیا سے کہیں گے کہ "ہندوستان سے الگ رہو، ہندوستان ہندوستانیوں کے لیئے ہے۔ (نعرہ تحسین)

دوسرا اعتراض جو مسلم اقلیتوں کے متعلق ہے بہت کمزور ہے۔ مسلم اقلیت کے صوبوں میں رہنے والے مسلمان خوددار بلند حوصلہ ہیں وہ کہاتے ہیں

کہ مسلم اکثریت کے منطقوں میں رہنے والے بھائیوں کی نجات و آزادی کی خاطر ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار ہیں اپنے بھائیوں کے راستے میں مزاحم ہونے اور انہیں ایک متحدہ ہندوستان میں گھسیٹنے سے ہم کسی طرح اپنی حالت کو بہتر نہیں بنا سکتے۔ بلکہ اُلٹا ہم ان کی حیثیت کو بھی گھٹا کر ایک اقلیت بنا دینگے۔ ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم اپنے بھائیوں کو ہندو اکثریت کا حلقہ بگوش نہ ہونے دینگے۔ ایسی خود مختار ریاستوں کی تخلیق درحقیقت اقلیتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی بہترین ضمانت ہوگی، جب گفت و شنید اور مشوروں کا وقت آئے تو صوبجات اقلیت کے مسلمانوں کی یقیناً پوری پیروی کی جائے گی۔

ہمارے سامنے داخلی حفاظت اور خارجی حملوں کی دفاع کے مسائل پیش ہوں گے۔ چرخے چلانے سے نہ آزادی ملتی ہے اور نہ برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ ہم کو اپنے گھربار اور اپنے نصب العین کی جو ہماری متاعِ عزیز ہے حفاظت کے لئے ہوجانا چاہیئے (نعرۂ تحسین) پاکستان کو حاصل کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ گو ہندوستان منطقہ جنگ سے باہر ہے لیکن ہندوستان میں بھی ایک قسم کی جنگ جاری ہے میں اپیل کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو ناگہانی ضرورت کے لئے تیار رکھو، علیگڈھ مسلم ہندوستان کا سلاح خانہ ہے اور تم اس کے بہترین سپاہی ہو۔ تم دیہات میں پھیل جاؤ، ہمارے آدمیوں کو تعلیم دو، انہیں سدھارو، انہیں ہمارا مقصد سمجھاؤ، بہت سے لوگ انہیں بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں ایک دفعہ سمجھ لینے دو تو پھر وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف چل پڑیں گے۔[۵]

مسلم لیگ نے چند ہی سالوں کے اندر مسلمانوں کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیگ نے مسلمانوں کے وقار کو بلند کر دیا ہے اور اپنی منزل پر پہنچا دیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنی جائیداد کے حقِ استقرار کے ساتھ ایک ممتاز سیاسی وجود تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب ہمیں

حصولِ مقصد کے لئے ایک اور سعی مشکور کرنی ہے۔

کانگرس اور مسٹر گاندھی کی مخالفت اور ریشہ دوانیوں کے باوجود آج مسلم لیگ ایک قوی مضبوط ادارہ ہے۔ سال گذشتہ گاندھی جی دہلی میں مجھ سے ملنے آئے تھے، وہ مسلم ہندوستان سے ملنے آئے تھے۔ کیونکہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کے سوا نے اور کچھ نہیں ہوں۔

(نعرۂ تحسین)

کیا ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے قیام کے دوران میں کبھی ایسا موقع بھی آیا ہے کہ حکومت نے مسلمانوں کا اس قدر لحاظ کیا ہو اور ان سے کسی حد تک خوفزدہ بھی ہوئی ہو؟ مسلم لیگ کی آواز دنیا کے دور دراز گوشوں میں حتیٰ کہ چین اور امریکہ میں بھی پہنچ چکی ہے۔ تم نے اپنی طاقت مجتمع کی تھی اس کے نتائج بھی تم نے دیکھ لئے۔ لیکن ابھی بہت سے مخمصوں سے نکلنا ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ تم ایک تعمیری لائحہ عمل کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دو۔ تم اپنی چھٹیوں کو تعمیری کاموں پر صرف کرو، اپنے آدمیوں میں تعلیم کی اشاعت اور معاشرے کی اصلاح کرو، اقتصادی ارتقا برتر شعور سیاسی اور اپنی تنظیم کو وسیع کرو۔

ا؎ بمبئی کے کروڑ پتی مل مالک سیٹھ مفت لال نے ساحلِ چوپاٹی پر "مفت لال سوئمنگ باتھ" کے نام سے ایک شاندار عمارت بنوائی تھی اور اس کا افتتاح کانگرس کے سالار کارواں مسٹر ولبھ بھائی پٹیل سے کرایا تھا، اس سوئمنگ باتھ کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ صرف ہندوؤں کے لئے تھا۔ اس میں مسلمانوں کو داخلہ کی اجازت نہ تھی۔

۲؎ "تشریح زندہ" یعنی زندہ جانوروں کی (کسی ضرورت سے) چیر پھاڑ۔

۳؎ یہ گاندھی جی کے الفاظ ہیں۔

۴ یہ گاندھی جی کا عقیدہ تھا، چنانچہ اُنھوں نے تمام رہنمایانِ کانگرس کے لئے اُسے لازم قرار دے دیا تھا جو ہر روز کچھ دیر کے لئے چرخہ نہیں چلاتا تھا وہ مستحق تعزیر قرار پاتا تھا۔

۵ قائداعظم کی اس پکار پر یونیورسٹی کے طلبہ نے جوش و خروش کے ساتھ لبیک کہا، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان کی تشکیل و تعمیر میں علی گڑھ کے طالب علموں اور علی گڑھ کے اولڈ بوائز کا بہت بڑا حصہ ہے، غلام محمد، لیاقت علی خاں، خواجہ ناظم الدین اور موجودہ صدر مملکت فیلڈ مارشل ایوب خان علیگ ہی ہیں۔ بلکہ زون "بی" کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل بختیار رانا بھی!

مسلم لیگ کے اجلاس مدراس کا خطبۂ صدارت!

قائد کی للکار!

اپریل ۱۹۴۱ء

قائداعظم بوڑھے تھے، کمزور تھے، نحیف تھے، لیکن آرام و آسائش سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا، ذہنی اور جسمانی طور پر وہ شب و روز مصروف رہتے تھے۔ طول و عرض ملک کے دورے برابر کرتے رہتے تھے، نہ دن کو چین، نہ رات کو آرام،

اسی اثناء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں قرار پایا، عرصہ سے صدارت کے لئے قائداعظم ہی کا انتخاب ہو رہا تھا۔ وہی اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے ملاح تھے، وہی چومکھی جنگ لڑ رہے تھے، انگریزوں سے بھی ہندوؤں سے بھی نیشنلسٹ مسلمانوں سے بھی، اور خود مسلم لیگ کے اندر بھی انہیں بین الاقوامی سیاست بھی نگاہ میں رکھنا پڑتی تھی، ہندو سیاست کے تمام پہلوؤں سے بھی واقف رہنا پڑتا تھا اور مسلمانوں کے داخلی اور خارجی فتنوں سے بھی باخبر رہنا پڑتا تھا۔ ایک سر ہزار سودا انہی پر صادق آتا تھا۔

مدراس پہنچے تو صحت ڈانوا ڈول ہو رہی تھی پھر بھی ذہنی اور لسانی مصروفیت سے باز نہ آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ بیہوش ہو گئے۔ اس خبر نے سارے اسلامی ہند کو سراسیمہ اور متوحش کر دیا، لیکن دوسرے روز حالت سنبھل گئی۔ ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا لیکن انہیں مسلمانوں کے سامنے آئندہ کا پروگرام رکھنا تھا۔ اپنی ملت میں جذبۂ عمل پیدا کرنا تھا، اس کے شعور سیاسی کی رہنمائی کرتی تھی۔ اور دنیا پر اپنے عزائم کا اعلان کرنا تھا۔ بعلاوہ آرام کس طرح کر سکتے تھے؟

اُنہوں نے آرام نہیں کیا اور ایک معرکہ آرا اور نہ بھولنے والا خطبہ ارشاد فرمایا، جو آج بھی اتنا ہی رُوح پرور ہے، جتنا آج سے بیس سال پہلے تھا۔

(رئیس احمد جعفری)

جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو بتاتا ہوں کہ مسلم لیگ کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ ہم ہندوستان کے شمال مغربی نیز مشرقی منطقوں میں مسلمانوں کی آزاد مملکتیں یا ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو حفاظت اور دفاع۔ امور خارجہ۔ وسائل آمد و رفت محصولاتِ بحری وغیرہ۔ سکہ۔ تبادلہ تجارت وغیرہ سب پر کامل اختیار رکھتی ہوں۔ ہم کسی صورت میں بھی سارے ہندوستان کے لئے ایک آئین اور مرکز میں ایک حکومت قبول نہیں کرینگے۔ ہم اس پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔ اور اگر ہوئے تو مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ تمہاری ہستی قطعاً مٹ جائے۔ جہاں تک ہمارے قومی اور آزاد وطن یعنی شمال مغربی منطقہ اور مشرقی منطقہ کو دخل ہے، ہم کبھی کسی حکومت یا شاہی ریاست کے باج گزار نہ بنیں گے۔

سب سے پہلے مجھے یہ کہنا ہے کہ لیگ کے اجلاس بمبئی سے چل کر جبکہ لیگ کا احیاء عمل میں آیا۔ آج تک گزشتہ پانچ سال کی مدت میں لیگ کی اندرونی ترقی اور نشوونما کی کیا کیفیت رہی۔ ہم لیگ کی ان کوششوں کو اگر ایک "پنج سالہ لائحہ عمل" کہیں تو حقیقت سے کچھ دور نہ ہونگے۔ ہم ایک معقول حد تک لیگ کی تنظیم میں کامیاب ہوئے ہیں اور ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے تک یہ کام بخوبی ہوا ہے۔

سلطنت مغلیہ کے تنزل سے لے کر آج تک مسلمانانِ ہند کبھی اتنے تنظیم یافتہ سیاسی لحاظ سے بیدار اور زندہ اور پُرشعور نہیں ہوئے، جتنے کہ اس وقت ہیں (نعرۂ تحسین) مسلمانوں نے ایک قومی عَلم کھڑا کیا ہے اور ایک پلیٹ فارم قائم کیا ہے۔ جن دو چیزوں سے اُن کے کامل اتحاد کا اظہار ہوتا اور ثبوت ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی منزلِ مقصود کی تعیین

کر دی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اندھیرے میں اسی چیز کو ڈھونڈتے تھے اور نہ پاتے تھے یہ منزل مقصود کیا ہے؟ پاکستان۔ (نعرۂ تحسین) اس ضمن میں جو کچھ مسلمانانِ جنوبی ہند نے کیا۔ میں اُسے قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اس صوبے کے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ میں اس دوران میں مسلمانانِ مدراس کی کوششوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا ہوں کہ کس طرح صوبے کے جملہ اضلاع میں کارکنانِ لیگ نے مجالس لیگ کو منظم کیا۔ اور اس کی عمارت کو بنیاد سے بلندی کی طرف تعمیر کرتے گئے نہ کہ چوٹی سے نیچے کی جانب۔ صرف ایک سال کا عرصہ ہوا کہ یہ ترقی بنیاد سے چوٹی تک مکمل ہوئی۔ اور صوبے کے عرض و طول میں مسلمانوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ دیانتداری کے ساتھ میرا یہ یقین ہے کہ صوبہ مدراس کے اندر سات فی صدی مسلمانوں نے لیگ کے جھنڈے کے سایہ میں اپنی تنظیم ایسی خوبی اور تکمیل کے ساتھ کی ہے کہ دوسرے صوبوں میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ یہ گویا ایک پنج سالہ لائحہ عمل کا نتیجہ ہے اب سوال یہ ہے کہ آئندہ کیا کیا جائے؟ ہم نے صرف سارے ملک میں لیگ کا وقار بڑھا دیا ہے بلکہ اُسے دُنیا بھر میں پہنچایا ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ ساری دُنیا اسے غور سے دیکھتی ہے۔

ہم اپنے اس عظیم الشان وطن میں دوسری اقوام کی نسبت اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لحاظ سے قطعاً پس ماندہ رہے ہیں۔ صرف دو صنعتیں ایسی ہیں کہ ان میں مسلمانوں نے اپنے لئے کوئی جگہ بنائی ہے۔ یعنی کھالوں اور چمڑے کا کاروبار یا بیڑی بنانا۔ ———— کیا آپ صرف بیڑی والا اور چمڑے والا ہی رہنا چاہتے ہیں؟ یا اپنے ملک کے صنعتی اور تجارتی نشوونما میں وافر عمل دینا پسند کرتے ہیں؟

ہندو ہندوستان کے مدبرین کو بیوقوف بنایا گیا ہے۔ برطانوی حکومت کی ملکی تدابیر اور

حاکمانہ حکمتِ عملی سے ہندو لیڈر دھوکا کھا گئے ہیں اور ان لوگوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے متحدہ ہند کے لئے ایک آئین اور جمہوریت کا طریق کار لٹک رہا ہے اور جب موقع آئے گا ہمیں یہ دونوں چیزیں ضرور ملجائیں گی - مگر برطانوی مدبرین خوب جانتے ہیں کہ اس ملک کے اندر اس نام نہاد جمہوریت اور پارلیمانی طریق حکومت کی حیثیت ایک مضحکہ انگیز چیز ہے اور بس - ان امور کو اس بات سے کوئی واسطہ نہیں رہتا کہ بعض غلطی سے کہتے ہیں اکہ مسلمانوں کو ایسی حکومت پر اعتراض ہے جس کی بنیاد نوعِ انسان کی ایک برادری پر رکھی گئی ہے ان لوگوں کو یہ علم ہی نہیں کہ جب وہ جمہوریت یا اسلام کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو کہتے کیا ہیں (وہ اپنے موضوع گفتگو کی نسبت امورِ واقعہ سے بالکل ناآشنا ہیں)

پہلے یہ دیکھیں کہ جمہوریت کے معنی ہیں اکثریت کی حکومت - اگر کسی ملک میں ایک ہی قوم بستی ہو - اور ساری سماج کا نظام ایک ہی طرز پر ہو تو اکثریت کی حکومت کی کامیابی کا امکان سمجھ میں آسکتا ہے - حالانکہ ایک قوم کی صورت میں بھی ہمیں تو یہ طرز ہمیشہ ناکام ہی نظر آیا - اس طرح وہ حکومت جو لوگوں کے نمائندوں کے ذریعے سے کی جاتی ہے - بشرطیکہ یہ لوگ ایک ہی رنگ اور ہم آہنگ قوم پر مشتمل ہوں سمجھ میں آسکتی ہے - لیکن اگر اس کے متعلق درست نتائج پر پہنچنے کے لئے ذہن کو ذرا کام میں لایا جائے تو صاف نظر آئیگا کہ اس صورت میں ایسا نظامِ حکومت نہ چل سکتا ہے نہ کامیاب ہو سکتا ہے - جب کہ ایک ہی ملک میں دو قومیں آباد ہوں - پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی دو مختلف سماجیں ہیں اور ایسی مختلف کہ ان کے اختلاف کو کامل اختلاف کہنا چاہیئے -

مدراس کے صوبے میں ان دو اقوام کے ہمراہ ایک تیسری قوم دراویڈیوں کی ہے - بلکہ یہ منطقہ ارض حقیقت میں ان ہی کی ملکیت ہے - ذرا تخیل کو کام میں لائیے اور حیرت سے دیکھیے کہ کس طرح بلند ذات برہمنوں نے جو ساری آبادی کے صرف تین فی صدی ہیں مگر جن کو

انتخاب کے ڈھنگ میں کمال حاصل ہے اور سیاسی جوڑ توڑ میں فن کار ہیں۔ اکثریت حاصل کر لی۔ اب آپ بتائیے کہ یہ جمہوریت ہے یا جمہوریت کی ایک مضحکہ انگیز نقل۔ چنانچہ میں غیر برہمنوں کو اپنی کامل ہمدردی کے ساتھ امداد دینے کے لئے تیار ہوں اور ان کو مخاطب کر کے کہتا ہوں :۔

"آپ کے لئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہی ہے کہ آپ اپنی ملکیت پر جسے آپ کھو چکے ہیں از سرِ نو قابض ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی اپنے ہی ذہنی اور اخلاقی تخیلات اور تاریخ کے مطابق بسر کریں۔ اپنی ہی زبان استعمال کریں اور اپنے مقررہ نصب العین کی طرف قدم بڑھائیں۔ میں آپ کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتا ہوں اور دوستان بنانے میں آپ کی ہر ممکن امداد کرنے کے لئے حاضر ہوں۔ اور سات فی صدی مسلمان بھی آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے اور آپ کے حق میں امانت و دیانت اور مساوات و انصاف کام میں لائیں گے"۔

میرا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں راستی پر ہوں کہ کوئی حکومت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ اقلیتوں کے دلوں میں احساس سلامتی و اعتبار پیدا کرے۔ اگر حکومت کی حکمتِ عملی اور پروگرام اقلیتوں کے حق میں نا منصفی، بد دیانتی اور ظلم پر مبنی ہو گا تو کبھی کامیابی نہ ہو گی۔ اس کا فیصلہ کُن امتحان یہ ہے کہ نمائندگانِ عامہ کی حکومت کے ماتحت اقلیتوں کو اس امر کا احساس ہو کہ ان سے ہمیشہ دیانتداری اور انصاف کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

ان سب باتوں میں ہم مسلمان دُنیا کی کسی مہذب حکومت سے پیچھے نہ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے وطن کے منطقوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی۔ اور کیوں نہ ہو اسلام کی روایات ہی ایسی ہیں۔ اسلام

یہی سکھاتا ہے اور اُس نے اپنے پیروؤں کو ایسی ہی وراثت دی ہے۔
(نعرۂ تحسین) ہم مول تول میں جھگڑا کرنا نہیں جانتے۔ ہم سودا بازی سے ناآشنا ہیں۔ ہم کامیابی کے لئے ایسی باتوں کے معتقد نہیں۔ ہماری کامیابی کا انحصار ہے عملیت پر، تدبر اور عملی سیاسیات پر۔

لیگ کی حکمتِ عملی سُنیئے۔ ہم مسلمانوں کا مدعا یہ ہے اور اس کے لئے ہم پوری کوشش کرینگے کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں ہم آہنگی پیدا ہو اور وہ ایک دوسری کے حق میں زیادہ سے زیادہ نیک نیتی سے کام لیں۔ ہم اپنی کوشش کی بنیاد مساوات اور امانت و دیانت پر رکھیں گے اور دیکھیں گے کہ جانبین اپنی اپنی جگہ لین دین کے پکے ہیں اور انہیں معاوضہ و مبادلہ کا پورا احساس ہے۔ اس کا بہترین وسیلہ یہ ہے کہ فرقے اور پارٹیاں اور ریاستیں آپس میں معاہدے کریں اور کہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض دونوں چیزوں کا احساس ہے اور ہم اُن کا احترام کرینگے۔ اگر کوئی فرقہ یا فریق یہ تمنا رکھے کہ دوسروں پر فوقیت حاصل ہو تو اس کی غلطی ہے اُسے لازم ہے جلد سے جلد اُسے دل سے نکال دے بشرطیکہ ہندوستان کے مسئلوں کا حل درکار ہو۔

ایک اور اہم سوال "سیاسی تعطل" ہے۔ آیئے اس کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ ذمہ دار کون ہے۔ ہمارے ملک میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ صاف گوئی کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ دعوے تو کرتے ہیں کہ ہم منصف مزاج ہیں۔ مگر جس فریق کی نسبت ان کا اپنا یقین ہے کہ وہ غلطی میں ہے۔ اُسے بھی ملزم نہیں ٹھیراتے نہ یہ حقیقت زبان پر لاتے ہیں۔ اگر ایک پارٹی کسی دوسری پارٹی کو مطعون کرے تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اس کی بھی ایک حد ہونی چاہیئے۔ آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی ہم لوگ متخاصمین میں سے ایک بنا دیئے گئے۔ یہ بات الگ ہے کہ ہم اُسے پسند کرتے تھے یا نہیں۔ اس کے بعد واقعاتِ جنگ نے ہمیں کامل طور پر آگاہ کر دیا کہ جنگی لحاظ سے ہمارے ملک کی فوری ضرورتیں کیا ہیں

ہمیں ملک کی حفاظت کے لئے کون سے احکامات درکار ہیں اور اپنے گھروں کی سلامتی کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ان امور کو پوری پوری توجہ دینے لگے۔ آغاز جنگ میں ہی ہم مسلمانوں نے اپنے منشاء اور مدّعا کا اظہار کر دیا۔ صرف میں نے ہی نہ کہا بلکہ لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مکمل اجلاس میں یہ بات دہرائی گئی۔

جنگ کے بعد۔ دوسری بُری خبروں کے ساتھ والسرائے نے یہ خوشخبری سنائی کہ ملک معظم کی حکومت نے آل انڈیا فیڈریشن یا کل ہند مرکزی اجتماعی حکومت کا قیام (جو ۱۹۳۵ء کے قانون میں ہے) معطل کر دیا ہے (نعرہ مسرت) ہم جانتے ہیں کہ ہمارے برطانوی دوستوں کو علم سیاست اور پھر شطرنج تدبر میں کتنی مہارت اور لیاقت حاصل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ محض معطل کرنا کافی نہیں ایسی حکومت کا قیام کسی نہ کسی وقت برابر عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ پس ہم نے پہلا اور سب سے بڑا مطالبہ یہ کیا کہ مرکزی اجتماعی حکومت نہ صرف معطل کی جائے بلکہ اس کا ارادہ ہی ترک کیا جائے۔ اس پر طویل خط و کتابت ہوئی۔ ملاقاتیں کی گئیں۔ اور انجام کار حکومت نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے آئینی مستقبل کے مسئلہ پر اور ساتھ ہی اس کے حامل قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء اول سے آخر تک از سر نو غور کیا جائے گا۔ اس سے ہمیں بلا شبہ کچھ تسکین ہوئی کیونکہ اس قانون کے جس حصے پر مسلمان شروع سے ہی اعتراض کرتے تھے۔ یہی تھا اس کے بعد ہم نے حکومت کے سامنے کون سا معاملہ رکھا۔ ہم ایک اور چیز سے خائف تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ہماری انتہائی کوششوں کے باوجود لیگ کو تنظیم کے لحاظ سے وہ قوت حاصل نہ تھی۔ جیسی کہ کانگرس کو۔ میں آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ کانگرس کی ہستی نہ اس سے بڑھ کر ہے نہ کم کہ اسے ہندوؤں کی ایک ٹھوس اور طاقتور جماعت کی امداد حاصل ہے۔ اس کی دیگر تازہ شاخیں۔ اس کے بچے۔ مثلاً ہندو مہاسبھا۔ آل انڈیا ہندو لیگ۔ لبرل فیڈریشن اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں حقیقت میں ایک ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کانگرس کی تائید و تصدیق میں بالکل یک زبان اور ہم خیال ہیں اور کانگرس کے ہر کام کو پسند کرتی ہیں۔ مگر ہندوستان

کے طول و عرض میں اگر کوئی ایک جماعت اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے تو وہ کانگرس ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ منظم جماعت مدت سے اس بات کی منتظر تھی کہ یہ جنگ حادث ہو۔ یہاں تک کہ آغاز جنگ سے ایک سال پہلے جب قیاس غالب تھا کہ جنگ چھڑنے کو ہے تو کانگرس کی مجلس عاملہ کئی دن تک متواتر دہلی میں بڑی ہوشیاری اور چوکسی کے ساتھ اس کی منتظر رہی۔ ان ایام میں کانگرسیوں نے صاف صاف کہا کہ یہ ہے وہ موقعہ جو عمر بھر میں ایک ہی بار آسکتا ہے۔ اور جب کہ ہم برطانوی حکومت کو اس امر پر مجبور کر سکتے ہیں اور اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہماری راہ پر آجائیں۔ اور ہم جو چاہیں ان سے چھین سکتے ہیں۔

ہم مسلمان جانتے تھے کہ یہ طاقت ور جماعت ایک مدت سے تاک لگائے بیٹھی ہے اور موقعہ کی منتظر ہے۔ پس ہم نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ آئین ہند کے متعلق صورت حال کی توضیح و تشریح کر دیں نیز یہ کہ نہ صرف دوران جنگ میں عارضی طور پر بلکہ خاتمہ جنگ پر آخری اور حتمی طور پر ایسا کوئی آئینی فیصلہ نہ کیا جائے جس کے متعلق پہلے سے اسلامیان ہند کی رضا و رغبت اور قبولیت حاصل نہ کی جائے۔ اب طویل خط و کتابت اور بہت سی ملاقاتوں کے بعد ہمارے سامنے وائسرائے کا اعلان مورخہ ۸ راگست اور اس کے متعلق مسٹر ایمری کا مفصل اور مشرح بیان آیا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اس میں نو کروڑ مسلمانان ہند کے ساتھ محض صرف انصاف کیا گیا ہے۔ جس میں رعایت کا نام و نشان تک نہیں۔

اگر ہندوؤں اور کانگرس والوں کو انصاف اور دیانتداری کا احساس ہے تو کیا وہ اس امر کا جواز ثابت کر سکتے ہیں کہ کانگرس اور برطانوی حکومت باہمی تعاون کے ساتھ اور اپنی پسند کے مطابق ہندوستان کے لئے ایک آئین وضع کریں اور اسے مسلمانوں پر بھی عائد کر دیں؟

اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی حاصل کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ انہیں حق استرداد دیا جا رہا ہے۔ یعنی یہ اختیار کہ اگر مسلمان چاہیں تو ہر اس آئین کو جسے کانگرس اور حکومت برطانیہ مل کر مرتب کریں، قبول نہ کریں اور اس طرح ناقابل عمل بنا دیں۔ گویا

مسلمانوں کو حق استرداد اور مسٹر جناح کو سند مخالفت عطا کیجا رہی ہے۔ میں اسے ایک لمحہ کے لئے بھی حق استرداد (ویٹو) یا سندِ مخالفت ماننے کو تیار نہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی خود اس دوسری تجویز کو بھی تو دیکھیں جو کانگریس پیش کر رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کے لئے ایک آئین بنایا جائے۔ مگر ایک مشمولہ عنصر یعنی اہل اسلام کی رضامندی کے بغیر ؟

میں اس امر کی تکرار کروں گا کہ ہم مسلمان جو کچھ مانگتے ہیں۔ محض اور فقط منصفانہ ہے۔ اس میں رعایت کو دخل نہیں۔ ہم صرف یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری ہستی بطور ایک مشمولہ عنصر تسلیم کی جائے اور مان لیا جائے کہ یہ نو کروڑ بجائے خود کچھ حقیقت رکھتے ہیں ہمیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ چنانچہ برطانوی حکومت نے بجا طور پر کہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہم رضامند ہونا چاہیئے۔ کانگرس ذرا یہ تو بتائے کہ برطانوی حکومت اگر صرف مسلم لیگ کے مشورے سے ایک آئین مرتب کرے تو وہ اس سے بیزار ہوگی یا پسند کرے گی ؟

پچھلے سال ماہ جون میں کانگرس نے اجلاس بمبئی کی ایک قرارداد کے ذریعے جنگ کے متعلق اپنے رجحان طبع اور نقطہ نگاہ سے حکومت کو آگاہ کیا تھا اور کہا تھا۔ کہ حکومت ان کے مطابق عمل پیرا ہو۔ حالانکہ ان سے کوئی رائے طلب نہیں کی گئی تھی۔ اس ضمن میں کانگرس نے یا کم سے کم بعض کانگریسیوں نے کہا کہ مسلمان شہنشاہیت پسند ہیں اور مسٹر جناح جو پہلے قومیت پسند تھا اب محض ایک فرقہ دار بن گیا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا رہنما بننا چاہتا ہے۔ اُسے لیڈری کی ہوس ہے اگر حقیقت یہ ہے کہ میں جب کبھی پبلک کے سامنے نئے خیالات اور آرائے کا اظہار کرتا ہوں تو بہت سے ہندو اخبارات ان کے متعلق اس قسم کے عنوانات اختراع کرتے ہیں یعنی "مسٹر جناح کی یاوہ گوئیاں اور گالیاں" "مسلم لیگ کا بیجا غیظ و غضب" وغیرہ میں حیران ہوں کہ میں ایسے لوگوں سے کیونکر نپٹوں۔ جن کی ذہنیت بیمار ہو گئی ہے۔

اب مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی قرارداد (جون ۱۹۴۰ء) کے متعلق جس کی

ابھی اشارہ کیا گیا۔ یہ کہنا ہے کہ اس میں ہم نے حکومتِ برطانیہ سے سفارش کی کہ وہ ہندوستان پر حملہ آوروں کے دفاع کے لئے استحکامات کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔ اور اس قرارداد سے مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ میں جناب وائسرائے کے ساتھ خط و کتابت اور ضرورت ہو تو ملاقات کروں۔ تاکہ جنگی کوششوں کو فی الفور زیادہ قوی بنانے کے وسائل سوچے جائیں اور اُن کے متعلق تمام کوائفِ متعلقہ پر غور کیا جائے۔ اس قرارداد کے ہمراہ ہم نے ایک یادداشت بھی جولائی سنہ ۱۹۴۰ء میں جنابِ وائسرائے کی خدمت میں پیش کی اور مطالبہ کیا کہ حکومتِ برطانیہ کوئی ایسا اعلان یا بیان شائع نہ کرے۔ جس میں قراردادِ پاکستان کے بنیادی اور لازمی اصولوں کو ضعف پہنچتا ہو۔ نیز یہ کہ حکومت صاف الفاظ میں مسلمانوں کو پختہ یقین دلائے کہ دورانِ جنگ میں عارضی طور پر یا خاتمہ جنگ کے بعد مستقل طور پر کوئی آئین مسلمانوں کی منظوری اور رضامندی کے بغیر مرتب نہ کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہم نے اپنی یادداشت میں حسب ذیل سفارشات بھی کیں۔ چونکہ موجودہ جنگ کے سبب ہندوستان سخت خطرے میں ہے اس لئے بیرونی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لئے اور اندرونِ ملک میں سلامتی اور امن قائم رکھنے کے لئے جنگی کوششیں زیادہ سختی سے کی جائیں۔ وائسرائے کی مجلسِ منتظمہ کے اراکین کی تعداد موجودہ آئین کے اندر رہ کر ہی بڑھائی جائے۔ نئے اراکین مزید مشاورت کے بعد مقرر کئے جائیں۔ ان میں مسلمان نمائندگان اتنے ہی ہوں جتنے کانگرس کے جس جس صوبے میں کانگرسی حکومتوں کے مستعفی ہو جانے کے سبب حکومت کا کام گورنروں کے ہاتھ میں ہے اور بروئے دفعہ ۹۳۔ قانون حکومتِ ہند ۱۹۳۵ء وزیروں کی جگہ مشیر برسرِ کار ہیں۔ وہاں صرف غیر سرکاری مشیر مقرر کئے جائیں اور ایک جنگی کونسل کی تشکیل عمل میں آئے۔ جس کا مقصد والیانِ ہند کو نمائندگی دینا ہو۔ اب اس یادداشت کے متعلق ایک اہم ترین بات پر غور کیجئے۔ اگرچہ قراردادِ پاکستان مارچ ۱۹۴۰ء میں منظور کی گئی اور یادداشت ہذا تین چار ماہ بعد جولائی میں مگر ہم نے اس میں یہ مطالبہ نہیں کیا کہ "ہم آج اور ابھی پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔" یہ کیوں؟ میں اس سوال کا

جواب دینے سے پیشتر چند امور پر روشنی ڈالتا ہوں۔ یادداشت میں پاکستان کا ذکر نہ پاکر لوگوں نے انواع واقسام کے پیغام لیگ کو بھیجے۔ اور اخباروں میں مضمون لکھے۔ کسی نے کہا کہ پاکستان کی تشکیل و ترتیب ملتوی کی گئی ہے۔ بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ پاکستان کے قیام کا ارادہ ہی فسخ کردیا گیا ہے۔ مگر یہ خیالات اُن لوگوں کی خواہش کا نتیجہ تھے۔ جن کے پاؤں سیاسی دلدل میں گھٹنوں تک غرق تھے۔ یہ وہ مسلمان تھے جو پاکستان کی کھلی مخالفت کرنے کا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔ مگر کچھ ایسی تدابیر ملکی میں عملاً مصروف تھے۔ جس سے پاکستان کی نفی کرنے کا پہلو موجود تھا اور ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہمارا یہ اجتماع ضدین ایک آلۂ کار بن رہا تھا۔ ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے کہ ان کو پاکستان کا مؤید بننا تو منظور تھا۔ مگر دیانت داری اور صفائی کے ساتھ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم غلطی کرچکے ہیں اور اب اس کی تلافی کرنے کو تیار ہیں۔ یادداشت مذکور کے پیش کرنے کے وقت ہم مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے ہمارے خلاف ایک فتنہ انگیز پراپاگنڈا جاری تھا۔ اور یہ پُر فتور کوشش ہندوستانی اخبارات اور پبلک تک محدود نہ تھی۔ بلکہ برطانوی اخبارات کو بھی گمراہ کیا گیا۔ چنانچہ ٹائمز جیسے مؤقر اور ذی ہوش مند اخبار نے یکم اپریل کو ایک مقالہ لکھ ڈالا جس سے اُس کے بیوقوف بنائے جانے کی حقیقت عیاں تھی۔ مگر کیوں نہ ہو مغربی روایات کے مطابق یہ دن تو یوم حماقت ہی تھا۔ (قہقہہ) اب ٹائمز کے الفاظ سنیئے۔ اُس نے لکھا۔

"اگرچہ تجاویز پاکستان کو بہت سے حلقوں میں بڑی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مگر عام طور پر اخبارات کی رائے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ تجاویز اس امر کے لئے موقعہ مہیا کرتی ہیں کہ سیاسی صورت حالات کا ازسرِ نو امتحان کیا جائے۔ مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح کے تازہ بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ وائسرائے کی توسیع یافتہ مجلس منتظمہ میں مسلم لیگ حکومت کے ساتھ تعاون کرے گی۔ بشرطیکہ ہماری تجاویز متعلقہ

تقسیم ہند و تشکیل پاکستان پر جنگ کے بعد غور کیا جائے "۔

ٹائمز نے یہ بھی کہا کہ اس طرح ہندوستان کی دو بڑی پارٹیوں میں ایک عارضی سمجھوتہ ہو جائے گا۔ مگر دراصل ٹائمز نے میرا آئندہ عندیہ معلوم کرنے کے لئے یہ سطور لکھیں۔ میں اس کے جواب میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ صحافتِ برطانیہ کے فاضل ترین رہنما نے ایسی ناشکر گزاری کی داد دی۔ جسے کسی غدار کے اسلحہ سے بھی شدید تر کہنا چاہیئے۔ (نعرے)

اب مجھے اس سوال کا جواب دینا ہے کہ ہم نے یادداشت میں پاکستان کے فوری قیام کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؛ سنیئے ہماری خاموشی کی واحد وجہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے وقت میں برطانوی حکومت کو پریشان کرنا اور تکلیف دینا نہ چاہتے تھے جبکہ انگریز حیات و ممات کی کشمکش میں مبتلا تھے اور بقائے ہستی کی جدوجہد میں مشغول (نعرۂ تحسین) ہاں ہم نے اس ایک اور اکیلے سبب سے یہ کہا تھا کہ جونہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو ہندوستان کے آئینی مسئلے پر از سرِ نو اور اول سے آخر تک غور کیا جائے (نعرۂ تحسین) ہمیں اس کا جواب کیا ملا۔ حکومت برطانیہ کے اربابِ اختیار بجائے اس کے کہ ہمارے قابلِ قدر رجحان پر اظہار شکر گزاری کرتے۔ اس کے اخبارات ہندوؤں اور کانگرس کے برا پاگنڈہ کا ساتھ دینے لگے اور اس کے دھوکے میں آ گئے۔ (شرم! شرم!) مجھے معلوم نہیں کہ اس معاملہ میں لارڈ لنلتھگو ذمہ دار تھے یا وزیرِ ہند مسٹر ایمری یا کابینۂ حکومت برطانیہ مگر میں بہرحال اس پلیٹ فارم سے یہ بات پورے اصرار کے ساتھ کہتا ہوں کہ یورپ سے بھی کہیں بڑھ کر ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی حکمتِ عملی باعثِ بربادی ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے امتیاز ہیں۔ بے عملی۔ کمزوری اور دو دلی۔ (سنیئے! سنیئے!) کیا مختارانِ برطانیہ کو نظر نہیں آتا کہ واقعات بڑی تیزی سے حرکت کر رہے ہیں اور ملکوں کے نقشے تبدیل ہو رہے ہیں؛ دیکھئے جواب میں کیا ہو رہا ہے؛ محوری حکومتیں کیا کر رہی ہیں؛ عمل! عمل اور بس عمل آپ کو نظر آئے گا۔ اور یہاں ہندوستان میں برطانوی حکومت کیا کر رہی ہے؛ روٹھوں کو مناتی ہے۔ مخالفین کو تسکین دلاتی ہے ایک فیصلے

پر قائم نہیں ہے۔ کمزور ہے۔ بے عمل ہے۔

ہندوستان کے موجودہ آئینی اور قومی مسئلہ کے پیش نظر یوگوسلیویا کے واقعات کی مثال پر غور کرنا مناسب ہے۔ جرمنی کی خبر رساں ایجنسی کا بیان ہے۔ کہ ذگریب کی تسخیر کے بعد جرمنوں نے یوگوسلیویا کے صوبہ کروشیا کو ایک آزاد ریاست" قرار دینے کا اعلان کیا۔ اور ایک کروشی جنرل نے تمام ملکی عہدہ داروں اور فوج کے افسران بالا و ماتحت کو حکم دیا کہ وہ نئی ریاست کے حق میں وفاداری کا اقرار حلفی کریں۔ مگر ہمیں فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ کروشیا میں کروشیوں کے علاوہ اقوام سلوون و سرب کے لوگ بھی آباد ہیں۔ ہندوستان میں قومی صورت حالات بہت کچھ ایسی ہی ہے یعنی دراویدی لوگ اور دراوِدستان رمسلمان اور پاکستان نیز ہندو اور ہندوستان۔ ہمارا ملک ایک عظیم الشان براعظم تختی ہے اور اس کے متعلق اس وقت کا عظیم ترین مسئلہ یہ ہے۔

"کیا ہم منتظر رہیں کہ کوئی غیر یہاں آئے اور ہمارے کرنے کا کام وہ کرے
یا ہم اپنے مسئلے کا حل خود اپنے ہاتھوں کریں"؟
رسنیئے! سنیئے۔ اور دیر تک نعرہ ہائے تائید)

اب یہ دیکھنا ہے کہ کانگرس کیا چاہتی ہے، اس کے متعلق کسی کے دل میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ میں ہر اس شخص سے جو ذرہ برابر بھی دانائی رکھتا ہے پوچھتا ہوں کہ کیا لشکر کانگرس کے سردار اعظم مسٹر گاندھی نے ستیہ گرہ کی مہم صرف اس لئے شروع کی ہے کہ ہمیں تقریر کی آزادی حاصل ہو؟ ر "نہیں نہیں" کی آوازیں) کیا آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ اُن کا مدعا برطانوی حکومت کو مجبور کرنا ہے کہ وہ طوعاً و کرہاً کانگرس کے مطالبات پورے کرے۔ کیونکہ اس وقت وہ ایک سخت مصیبت میں گرفتار ہے؛ (ٹھیک ٹھیک کی آوازیں) کانگرس کے مطالبات کیا ہیں؛ یہی کہ حکومتِ برطانیہ غیر مشروط طور پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے اور ہندوستان کو اس امر کا اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنے ہاں کی اقلیتوں کی تسلی

وتشفی کے مطابق اپنا آئین خود مرتب کریں۔ (طنزیہ، قہقہہ) اور تشکیل آئین کے وقت تمام بالغوں کو حق رائے دہندگی عطا کر کے ایک دستوری مجلس مرتب کریں۔ پھر یہ مجلس اپنے اراکین کی کثرت رائے سے قانونِ آئین سازی کی دفعہ منظور کرے۔ یہ معاملہ کس طرح طے پائے گا؟ اس کا جواب خود خدا ہی دے تو دے۔ میں ناداں بیچارا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ ہے کانگرس کا مطالبہ مگر یہ لقمہ چاہے کتنا ہی پانی پیو حلق سے نہیں اترتا۔ چنانچہ حکومتِ برطانیہ کو مسلمانوں کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اُنہوں نے اُسے شدید ترین تکلیف سے بچا لیا۔ مسلمان دیکھتے تھے کہ اگر یہ مان لیا گیا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے پس قدرتاً مسلم لیگ نے اس کی انتہائی مخالفت کی اور ان کی تائید ان ہی جیسی دوسری اقلیتوں یعنی پس ماندہ جماعتوں اور عیسائیوں وغیرہ نے کی اور مسٹر گاندھی اور کانگرس نے اپنی توقع کے خلاف حیرت و استعجاب کے ساتھ دیکھا کہ ان کے مطالبہ کی شدید ترین اور زوردار مخالفت ہو رہی ہے اور ہو گی۔ اس پر کانگرس نے فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں سامنے کی سمت سے حملہ کرنے سے یہ چیز نہیں ملتی تو ہم پہلو کی طرف سے حملہ کرینگے اور جو کچھ چاہتے ہیں کسی نہ کسی ترکیب سے ضرور لے کر رہیں گے۔

کانگرس نے پہلو کی طرف سے کیونکر حملہ کیا؟ میں اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ پہلے ایک قرارداد منظور کی گئی، اس پر طویل مباحثات ہوئے۔ خود کانگرس یہی چاہتی تھی۔ کہ حتمی فیصلہ ملتوی ہوتا جائے۔ ابھی اس قرارداد کے معنی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ کہ ایک ایک اور قرارداد منظور ہوئی۔ اور کانگرس نے لگاتار قراردادیں منظور کرنے کے لئے جگہ جگہ اور بار بار اجلاس منعقد کئے۔ دہلی سے واردھا۔ واردھا سے دہلی اور پھر دہلی سے پونہ وغیرہ آنے جانے کا تانتا بندھا رہا۔ مگر کانگرس نے اس دوران میں دیکھا تو یہی دیکھا کہ مسلم لیگ ہی وہ طاقت ہے جو ان سب قراردادوں کی مخالفت کر رہی ہے اور ان کے شیطانی مکر و فریب کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ اُن کی کوئی بات بننے نہیں دیتی۔ پس ہر ایک قرارداد کی عمل پیرائی رکی رہتی ہے۔ انجام کار کانگرس نے پونا میں پہلو کی جانب سے حملہ کیا۔ یہ اُن کی تدبیر میں

ایک تبدیلی تھی مگر محض برائے نام - ایک پہلو کی طرف سے حملہ کرنے کی تجویز یعنی قرارداد پونا، کانگرس کے سپہ سالارِ اعظم مسٹر گاندھی کی قیادت میں مرتب کی گئی - یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اس میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا (سنیئے سنیئے) کانگرس نے اس کے ذریعے سے اپنے قائد کو کشتی سے نکال کر سمندر میں پھینک دیا - اور یہ پیشکش کی کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان کے لئے غیر مشروط آزادی کا اعلان فی الفور کردے اور آئین ہند کی ترتیب و تشکیل جنگ کے خاتمے کے بعد تک ملتوی کرے مگر دورانِ جنگ میں عارضی مرکزی حکومت قومی ہو یعنی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ رکھی جائے تو ہم جنگی کوششوں میں کامل حصہ لینے کے لئے تیار ہیں - اس کے یہی معنی ہیں کہ بقول مسٹر کرپلانی سیکرٹری آل انڈیا کانگرس کمیٹی - کانگرس نے اپنے لیڈر کو فروخت کر دیا (قہقہہ) اور اسے اور اپنے دین اہنسا کو شہر پونا میں دفن کیا - اس طرح جنگ اور دفاع ہند میں برطانیہ کو امداد دینے کا اقرار کر کے کانگرس نے اس چیز کو جو پہلے ان پر "حرام" تھی پونا میں "حلال" ٹھہرائی (قہقہہ) مگر اس نے دیکھا کہ اس پیشکش کو بھی نہ کوئی قبول کرتا ہے نہ اس سے دھوکا کھاتا ہے - اگر کسی کو دھوکا ہوتا ہے تو خود کانگرس کو اب کیا کیا جائے ؛ ابھی کانگرس سوچ ہی رہی تھی کہ یکایک آپ کے صوبہ مدراس کے فاضل اور دانش مند مدبر مسٹر راجگوپال آچاریہ سیاسی فن جنگ کی ایک ترکیب لے کر میدان میں آئے اور کہا کہ :-

" ہم اپنی مجوزہ عارضی قومی اور ذمہ دار مرکزی حکومت کے لئے مسٹر جناح کو وزیر اعظم قبول کرنے کے لئے تیار ہیں - بلکہ ان کو یہ اختیار بھی دینے کے لئے حاضر ہیں کہ وہ جس طرح بھی چاہیں اپنا کابینہ (وائسرائے کی مجلس منتظمہ) مرتب کریں"

اس پیشکش کا مدعا یہ تھا کہ مسلم لیگ دھوکا کھا جائے - کیونکہ کانگرس کی چالوں کی کامیابی میں لیگ ہی رخنہ انداز تھی - مگر لیگ تو لیگ کسی مسلمان بچے نے بھی دھوکا نہ کھایا - میں تعجب کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے دماغ کو کیا ہو گیا - (قہقہہ) اس میں اس قسم کے حیلوں اور ترکیبوں

اُن کو آج تک اکثر کامیابی ہوتی رہی ہے مگر اب انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ اس طرح ہمیشہ دوسروں کو بے وقوف بنانا غیر ممکن ہے۔ کانگرس کو لازم ہے کہ اب اپنا مخصوص طریق کار ترک کردے۔ یعنی اب وہ وقت نہیں رہا کہ کبھی آمریت کے زور سے اپنا کام نکالے۔ کبھی ترغیب و تحریص اور منت خوشامد سے لوگوں کو اپنی راہ پر لائے۔ اور کبھی دوسروں کو احمق بنائے یا دھوکا دے۔ میں کانگرس کے مختاران کار اور دوسرے ہندوؤں لیڈروں سے کہتا ہوں کہ مہربانی فرما کر ان طریقوں سے ہاتھ اٹھائیے۔

میں ان طریقوں کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ کس طرح بعض اوقات بڑے بڑے اور ذمہ دار کانگرسی لیڈر فریب کاری سے مطلب براری کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ بابو راجندر پرشاد نے ۱۰ اپریل کو تجویز پاکستان کی نسبت کہا کہ:-

"کانگرس کی مجلس عاملہ نے اس پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ مسٹر جناح نے ہمیں اس پر بحث کرنے کے لئے نہیں کہا۔"

میں پوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ کانگرس کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی ہوگی؟ (نہیں۔ نہیں) "یہ چھلاوا یہ سایہ" تو مارچ ۱۹۴۰ء سے ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے (تینیے۔ تینیے دیر تک نعرہ ہائے مسرت) کیا یہ ہے کانگرس کے سچ بولنے کا معیار؟ امر واقعہ یہ ہے کہ کانگرس کے ہر ایک لیڈر اور ان کے سردار مسٹر گاندھی نے پاکستان پر بحث کی ہے بیانات شائع کئے ہیں دفتروں کے دفتر لکھے ہیں اور خود بابو راجندر پرشاد نے ایک مختصر سا رسالہ شائع کیا ہے اور اسمیں پاکستان پر اپنے خیالات اور آرائے کا اظہار کیا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر ان کا یہ کہنا کہ مجلس عاملہ کانگرس نے اس پر بحث نہیں کی۔ کیونکہ مسٹر جناح نے ہمیں بحث کی دعوت نہیں دی۔ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ میں بابو صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ جناب کی مجلس عاملہ نے اس پر بحث نہیں کی تو اُسے کہئے کہ اب کرے (سنیئے سنیئے) بشرطیکہ کانگرسی قیادت میں سیاسی دانائی اور تدبیر ملکی ابھی کچھ باقی ہے۔ (نعرہ ہائے مسرت)

پاکستان کے متعلق ہندو مہاسبھا کے رجحان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ جماعت قطعی طور پر لاعلاج اور ناقابلِ اصلاح اور نہ اس سے امید اصلاح رکھی جا سکتی ہے۔ جب کراچی میں سکھوں کی کانفرنس ہو رہی تھی تو مسٹر ساورکر نے ان کو ایک پیغام بھیجا اور ان امور کی تاکید کی کہ آپ ہندوستان کی بری، بحری اور حفاظتی افواج میں اپنا پورا پورا حصہ لینے کا مطالبہ کر کے پنجاب کے اندر جلد سے جلد ایک زبردست قوت بن جائیں اور یقین رکھیں کہ اگر یہ ہو گیا تو جب مسلمان پاکستان کے خواب سے بیدار ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کہ پنجاب میں سکھستان قائم ہو چکا ہے۔ میں ہندوستان میں ہندوؤں کی مملکت کا قیام۔ ہندو قوم کی فوقیت اور ہندو راج دیکھنا چاہتا ہوں، مگر ساتھ ہی پنجاب میں سکھستان بنانے کے لئے سکھوں پر انحصار رکھتا ہوں۔

خواتین و حضرات! جب ہمارے خلاف بعض لیڈروں کا رجحان یہ ہو تو ہم مسلمان کس طرح اس مسئلہ کو بہترین طور پر حل کر سکتے ہیں۔ نہ صرف ہندو مہاسبھا اور اسکے مختاران کار اس امر کے متعلق غضبناک اور دیوانہ ہو رہے ہیں کہ ہم پاکستان مرتب نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ ہندوؤں کے ایک بہت بڑے حصے اور کانگریس کا بھی یہی نصب العین ہے اور دلی تمنا یہاں تک کہ مسٹر نہرو جیسے اشتراکی کے اخبار نے ۳۰ مارچ کو یہ لکھا کہ:-

"اس امر کے متعلق کسی قسم کی رفع داد باہمی یا سمجھوتہ ممکن ہی نہیں کہ ملک تقسیم کیا جائے اور ہم ان دیوانوں کی خواہشات پوری کرنے کے لئے اس بات کے کبھی روادار نہ ہونگے۔"

مگر آپ غور کریں کہ جب یہ لوگ تقسیم کا ذکر کرتے ہیں تو مسلمانوں کو مذہبی تعصب یا جنونی بتاتے ہیں۔ مگر جب ہندوؤں کی مملکت وغیرہ کا نام لیتے ہیں۔ تو اپنے آپ کو آزاد خیال اور قومیت پسند ٹھیراتے ہیں۔ پنڈت نہرو کے اخبار نے اس ضمن میں اکھنڈ راج کے قیام کا نام بھی لیا اور لکھا کہ جمہوریت قائم ہونی چاہیئے۔ اس سے مراد یہ تھی کہ اکثریت کا راج ہو۔

خواتین او حضرات! میں نے ان جملہ امور کا ذکر اسلئے کیا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے لیڈروں کے خیالات سے آگاہی حاصل ہو۔ جن میں کانگرس۔ ہندو مہاسبھا اور نوزائیدہ ہندو لیگ

کے رہنما بھی شامل ہیں۔ یہ سب کی سب جماعتیں دراصل ایک ہیں قطعاً ایک۔ جس طرح کہ چھ علاوہ اور آدھا درجن کے مابین کوئی فرق نہیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہندو قیادت کی اس روش سے ہندو عوام بھی دھوکا کھا رہے ہیں اور بے وقوف بنائے جا رہے ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ ہندو پبلک کو رنج ہوگا۔ وہ پچھتائے گی اور ہندو کہیں گے کہ :-

"اب ہم بیچارے کیا کریں۔ اس وقت تو سیدھی راہ دکھانے میں کسی نے ہماری مدد نہ کی۔ ہم نے وہی کیا جو ہمارے لیڈروں نے کہا"

مگر میں آج ہندوؤں کو مخاطب کر کے خبردار کرتا ہوں کہ اگر آپ اپنے موجودہ رہنماؤں کے سامنے سر تسلیم خم کرینگے تو اس کے بُرے نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔

خواتین اور حضرات! اب چند باتیں بمبئی کانفرنس کی تجاویز اور سفارشات کی نسبت سنیئے ہندو مہاسبھا اعلان کر چکی ہے کہ ہمیں سپرو کانفرنس سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہے۔ چنانچہ خود سر تیج بہادر سپرو لکھتے ہیں کہ میں ایک مدت سے سیاسی یتیم ہوں۔ (قہقہہ) حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاسی یتیم ایک جال میں پھنس گیا۔ لیعنی ان حضرت کے سر میں سودا سمایا ہوا ہے کہ جب شدید ترین خطرہ لاحق ہوگا تو میں اور فقط میں ہندوستان کو بچا سکوں گا۔ کیونکہ علم اور عقل میں اس وقت مجھ سے بڑھ کر تو کیا میرے برابر بھی کوئی موجود نہیں۔ سر تیج بہادر کی نیت خواہش اور ارادے بڑے اچھے ہوں تو ہوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ آن کی کانفرنس ویسی ہی تھی جیسی ڈچ فوج جس میں عام سپاہیوں کا نام و نشان نہ تھا۔ ساری فوج افسروں پر مشتمل تھی۔ (قہقہہ) میری رائے میں اگر اس کانفرنس میں کسی نے مسلم لیگ کا صحیح جواب پیش کیا۔ تو وہ سر چمن لال ستلواد تھے۔ اگر سر تیج بہادر سپرو اس تجربہ کار صحیح الدماغ ہندو لیڈر کا کہنا مانتے تو اپنے آپ کو بچا لیتے اور یہ کہنے پر مجبور نہ ہوتے۔ نہ خود غرض ان کو مجبور کر سکتے کہ بمبئی کانفرنس کی رائے تجویز اور سفارش کانگرس سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں، اس کانفرنس کی قرارداد کو کانگرس کی قرارداد کا آئینہ کہنا چاہیئے۔ دونوں کا

منشاء وہی پہلو کا حملہ ہے۔ جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ جو تجویز کہ قرار داد پونا میں کانگرس نے مرکزی قومی حکومت کے متعلق پاس کی۔ اُسی کی صحیح نقل کانفرنس نے منظور کی۔ اگر آپ اس یادداشت کو جو قرارداد کانفرنس کی تشریح کے لئے مرتب کی گئی پڑھیں گے تو آپ کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔ اس لئے مجھے یہ بات دہرانی چاہیئے کہ سر تیج بہادر نے غلط راہ اختیار کی اور مجھے افسوس ہے کہ خود غرض لوگوں اور بعض جماعتوں نے ان کو جال میں پھنسایا

لہ حقیقت یہ ہے کہ اقلیتی صوبوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں جس جوش وخروش اخلاص اور ایثار سے حصہ لیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اکثریتی صوبوں کی حالت یہ تھی کہ سندھ میں خان بہادر اللہ بخش وزارتِ عظمیٰ کی مسند پر متمکن تھے اور کانگرس کے حلیف تھے۔ پنجاب میں سر خضر حیات وزیر اعظم تھے، اور ہندوؤں سے تعاون اور مسلم لیگ سے عدم تعاون کر رہے تھے۔ بلکہ مسلم لیگیوں پر سرکاری حیثیت میں جتنی زیادتی کر سکتے تھے کرتے تھے۔ بنگال میں فضل الحق، مسلم لیگ سے ناتہ توڑ کر ہندوؤں کی پشت پناہی سے اقتدار و اختیار کی باگ، اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے،

لیکن یوپی کے مسلمان گڑھ مکتیشر میں کٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بہار کے مسلمان اپنے قتل عام کا انتظار کر رہے تھے۔ سی پی کے مسلمان تباہیوں اور بربادیوں کو ہنسی خوشی دعوت دے رہے تھے، بمبئی کے مسلمان "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" کے نعرے لگا لگا کر سیم وزر کے سکے بکھیر رہے تھے۔

"کیوں؟"

تاکہ پاکستان بن جائے،

تاکہ مسلم اکثریت کے علاقے آزادی اور خودمختاری کی زندگی بسر کریں۔

تاکہ پنجاب و بنگال اور سندھ کے مسلمانوں پر وہ ظلم نہ ہوسکیں جو اُن پر ہو رہے تھے۔
اسلامی اخوت و ایثار کا یہ رُوح پرور نمونہ کرشمہ تھا۔ قائداعظم کی، ذات بابرکات
کا ـــــــــ مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا۔

۲؎ اور خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کی ہر حکومت، خواہ مسلمانوں کے لئے وہ کتنی ہی صبر آزما رہی ہو، لیکن جہاں تک اقلیتوں کا سوال ہے، لیاقت علی خان کے وقت سے ایوب خان کے عہد تک ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اقلیت کو اقلیت ہونے کے جرم میں ہدفِ ستم بنایا گیا ہو۔

۳؎ کسی آئین جمہوریت کی رو سے بھی جائز نہیں کہ کسی قوم پر اسکی مرضی کے خلاف کوئی دستور مسلط کردیا جائے۔

۴؎ یعنی وہ حکومتیں جو اتحادیوں سے بر سرِ پیکار تھیں، یعنی جرمنی، اٹلی، جاپان۔

۵؎ جنگ کے زمانے میں ایسی کھری بات قائداعظم ہی کہہ سکتے تھے۔

۶؎ دوسری جنگِ عظیم جب شروع ہوئی تو گاندھی جی اور اربابِ کانگرس نے پہلے تو حکومت کو رام کرنے کی کوشش کی، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو دھمکیوں سے کام لیا، جب یہ تدبیر بھی ناکام ہوئی۔ تو مساعی جنگ میں تعاون کی ناقابلِ قبول "شرطیں" پیش کیں، جب وہ بھی نامنظور ہوئیں تو مطالبہ کیا اقلیتوں سے ہم خود نمٹ لیں گے۔ تم دخل نہ دو جب یہ بات بھی نہ سنی گئی تو سول نافرمانی کا پروگرام بنایا، لیکن جنگ کے زمانے میں کوئی حکومت بھی اُسے برداشت نہیں کرسکتی تھی، لہٰذا "آزادیٔ تقریر" کا مطالبہ کیا، یعنی ہمیں یہ حق ملنا چاہیئے، کہ ہم جس طرح کے خیالات چاہیں ظاہر کرسکیں، یہ مطالبہ مسترد ہوا تو انفرادی ستیہ گرہ شروع کردی گئی۔

۷؎ پونہ میں کانگرس نے چند شرائط کے ساتھ مساعی جنگ میں حصّہ لینے کی پیش کش حکومت برطانیہ سے کی۔ لیکن چونکہ یہ پیشکش عدم تشدّد کے اصول کے خلاف تھی

اس لئے گاندھی جی نے بہ ظاہر کانگرس سے قطع تعلق کرلیا۔

۸ے اگر راج گوپال اچاریہ کی تجویز لیگ منظور کرلیتی اور مسٹر جناح وزیر اعظم بنا دیئے جاتے تو بھی اکثریت کے سامنے بے بس ہوتے۔

۹ے ایک زمانہ تھا کہ پنڈت نہرو اپنے آپ کو اشتراکی کہا کرتے تھے۔

پاکستان مان لو!

جون ۱۹۴۱ء

اوٹاکمنڈ (مدراس کا گرمائی دارالحکومت) کے مسلمانوں سے قائدِ اعظم کا خطاب،

حضرات! پاکستان کے خلاف جھوٹے اور گمراہ کن پروپیگنڈے کے باوجود وہ دن دور نہیں کہ پاکستان کو ہر ایک ہندوستانی قبول کرے گا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ میں جس چیز کی حمایت کر رہا ہوں اس میں نہ صرف مسلمانوں کے مفادات مضمر ہیں بلکہ اسمیں دوسرے فرقوں کے لئے بھی افادیت موجود ہے۔

نمائندہ طرز کی پارلیمانی حکومت کا ذکر ہی کیا میری رائے میں ہندوستان کبھی ایک قوم ہی نہیں رہا ہے۔ اور نہ اس میں کبھی ایک قومی حکومت قائم ہوئی ہے۔ خواہ ہندوؤں کی حکومت رہی ہو یا مسلمانوں کی یہاں ہمیشہ ایک شخصی اور مطلق العنان حکومت رہی ہے۔ اور آج بھی وہ برطانی سنگینیں ہی ہیں جو ہندوستان کو جکڑ کر ایک بنائے ہوئے ہیں جس لمحہ یہ سنگینیں یہاں سے ہٹائی جائیں گی ہندوستان ایک جغرافی وحدت بھی نہ رہے گا۔

انفرادی طور پر میرا یہ ایقان ہے اور یقیناً مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت یہی یقین رکھتی ہے کہ ہماری آزادی کے حصول کا واحد ذریعہ پاکستان ہے۔ اور جب میں ہماری آزادی کہتا ہوں تو میرا مطلب ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ آزادی ہوتا ہے، جو ہندوستان کی دو بڑی قومیں ہیں۔

جب تک ہندو ہندو، اور مسلمان مسلمان رہیں گے، ہندو قوم جو ہندوستان میں ایک اکثریت ہے، اپنی مرضی، اپنے اعتقاد، اپنی تہذیب اور اپنے معاشری نظام کو وسیع کرتی رہے گی

اور رضامندی یا ناراضی سے یہ مسلمانوں پر عاید کئے جائیں گے جو بالکلیہ دوسری قومیت اور دوسری تہذیب کے حامل ہیں۔

اسی لئے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ جہاں وہ اکثریت میں ہوں وہاں انہیں اپنے طریقہ زندگی پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہ اپنی طرز پر چلتے رہیں گے اس طرح ہر قوم اپنے معتقدات، فلسفہ، تہذیب ثقافت کے مطابق عمل کرنے پر آزاد ہوگی۔ ایسی تجویز کو "تشریح زندہ" کہنا لوگوں کے دلوں کو زہر آلود کرنا ہے۔

اقلیتوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ خواہ ایسی مسلم اقلیتیں ہندو منطقے میں ہوں یا ہندو اقلیتیں مسلم منطقے میں۔ جب ہم کسی تصفیہ پر پہنچیں گے تو مسلم اقلیت کے تحفظات کا اسی طرح پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا جس طرح کسی اقلیت کا کسی مہذب حکومت میں رکھا جاتا ہے۔ اور یہی امر مسلم منطقوں کی ہندو اقلیت پر بھی منطبق ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ پاکستان مسئلہ اقلیت کا حل نہیں ہے آپ نے پوچھا کہ پھر مسئلہ اقلیت کو حل کرنے کا کیا یہی طریقہ ہے کہ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ہندو راج کے تحت ایک اقلیت بنا دیا جائے؟

لے یہ حقیقت آج روز روشن کی طرح واضح ہے۔ جواہر لال کی ہر دلعزیز اور بھاری بھرکم شخصیت نے گو اب تک ہندوستان کی وحدت قائم رکھی ہے، لیکن جتنی خون ریزی اور خانہ جنگی کے بعد مرہٹواڑہ، گجرات، ناگالینڈ، آندھرا وغیرہ کے نئے صوبے بنانے پر حکومت ہند مجبور ہوئی ہے، اور اب پنجابی صوبہ کے لئے مجبور ہوتی جا رہی ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوستان زیادہ دیر تک ایک وحدت کی طرح قائم نہیں رہ سکتا،

اور یہ صرف ہمارا خیال نہیں ہندوستان کے بلند پایہ اخبارات اور سیاسی رہنما بھی اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرتے رہتے ہیں۔

مشکلاتِ راہ

۲۔ نومبر سنہ ۱۹۴۱ء

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین میں طلبہ سے قائداعظم کا ارشاد،

حضرات! آپ نے جس جوش اور خلوص سے میرا خیر مقدم کیا ہے میں اس کے لئے مشکور ہوں۔ ایسا اعزاز اس ملک یا کسی ملک میں۔ کسی کے لئے بھی باعث صد افتخار ہوگا۔

آپ جیسے ارباب علم و دانش کے وہ جذبات جو اخبار ڈان کی امداد و اعانت میں مضمر ہیں قابل صد ستائش ہیں اور مسلم لیگ کے سرمایہ میں آپ کی امداد کا بھی شکر گزار ہوں، آپ کی یہ امداد میرے لئے ایک پیام اُمید ہے بہرحال نوجوان طلبار سے رقمی معاملوں میں اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ آپ کی اس پیشکش میں جو جذبات کار فرما ہیں وہی میری متاع عزیز ہے بڑی رقمیں تو بھاری بھر کم اشخاص ہی دے سکتے ہیں اور مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا کہ ان سے کس طرح نمٹنا چاہیئے (قہقہہ) لیکن میں یہ بتا دوں کہ بہت سے دولت مند حضرات نے مجھے روپیہ دیا ہے اور فراخدلی سے دیا ہے۔ اب تک چار لاکھ جمع ہوئے ہیں۔

دولت مند اشخاص روپیہ دینے سے پہلے تھوڑی سی بلبلت ناز بیجا کے خواہاں ہوتے ہیں۔ گذشتہ چھ سالوں میں ہم نے مسلمانوں سے مالی امداد کی کوئی اپیل نہیں کی۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بغیر سرمایہ کے ہم نے اس جد وجہد کو کس طرح جاری رکھا۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ غیر معمولی ترقی کر کے ایک وسیع ادارہ ہو گئی ہے اب ایک یا دو اشخاص کی مالی امداد سے کام نہیں چل سکتا۔ اسی وجہ سے میں نے یہ اپیل کی تھی، خدا کے فضل سے اس کا ہر جماعت میں خیر مقدم ہوا، آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ دو آنے اور چار آنے تک کے منی آرڈر وصول ہوئے ہیں۔ غریب مسلمان بڑے خلوص سے اپنے ذرا ذرا سے عطیئے بھیج رہے ہیں اور پُر درد خطوط لکھ رہے ہیں اگر آپ یہ خطوط دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ جذبۂ ایثار کی کتنی تیز آگ اُن کے سینوں میں بھڑک رہی ہے، وہ لکھتے ہیں ہم بہت غریب ہیں روپیہ نہیں دے سکتے۔ مگر اپنی جانیں دے دیں گے۔ اور اس کے لئے وہ بالکل تیار ہیں۔ دولتمندوں کے لاکھوں سے کہیں زیادہ ایسی چھوٹی چھوٹی رقموں نے مجھے بیحد متاثر کیا ھے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ اب ہزاروں اور لاکھوں کی نہیں بلکہ کروڑوں کی نمائندگی کر رہی ہے (نعرہ ہائے تحسین) میں آپ کو یاد دلاؤں کہ مجلس عاملہ کانگریس کے گذشتہ اجلاس میں پنڈت نہرو نے بڑی دیدہ دلیری سے کہا تھا کہ مسلم لیگ برطانی شہنشاہیت کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی ہے اور مسلم عوام کانگرس کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں نے کانگریس سے بالکل علیحدہ رہ کر بلا شک و شبہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں قانون حکومت ہند منظور ہوا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس سے اختلاف کیا۔ لیکن مسلمانوں کا اختلاف اس کے وفاقی جزو کی حد تک تھا وہ اسکے صوبائی جزو کو روبہ عمل لانے اور اس سے جو بھی افادیت ہو سکتی تھی، اس سے مستفید ہونے کے لئے تیار تھے۔ حالانکہ اس کے بہت سے خدوخال قابلِ اعتراض تھے۔

اس کے برخلاف کانگریس نے یہ قطعی طے کر دیا تھا کہ وہ اس قانون اور اس کے دستور کو مٹا کر رکھ دے گی۔ کانگریس کے ان بلند بانگ تخریبی منصوبوں کے باوجود جب اس قانون کا نفاذ ہوا اور صوبائی انتخاب ہوئے تو کانگریس بھی اس میں شریک ہو گئی۔ انہوں نے

متعدد صوبوں میں اس طرح عہدے حاصل کر لئے اگویا مسٹر گاندھی کو برطانوی حکومت سے کوئی باعزت سمجھوتہ کرنے میں کامیابی ہوئی ہے، انہوں نے ایسے بجے کاروں میں پناہ لی کہ گویا پارلیمانی منزل تصور سے نکل کر وجود میں آگئی ہے۔

اس زمانے میں مسلم ہندوستان ایک جسدِ بے جان تھا۔ جہاں تک اس دستور کے صوبائی جزو کا تعلق ہے مسلم ہندوستان کو کانگریس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تھا۔ گورنروں نے چپ سادھ لی تھی، وائسرائے خاموش وساکت ہو گئے تھے اور کانگرسی راج مسلمانوں کے سماجی اور سیاسی زندگی کے ہر شعبہ کو بُری طرح کچل رہا تھا۔ ان کے ساتھ ہر قسم کی بد سلوکی اور ناانصافی کی جارہی تھی، مسلم لیگ مقہور و معتوب تھی اور اس کی صفوں کو پارہ پارہ کرنے کی ساری کوششیں جاری تھیں اس وقت وائسرائے کہاں تھے؟ گورنر کہاں تھے؟ یہ بدترین عہد شکنی کے مجرم ہیں! وہ اس کے مجرم ہیں کہ انہوں نے دستوری ذمہ داریوں سے گریز کر کے اقلیتوں کے مفادات کی حفاظت نہیں کی!

ہم نے ان بھیانک حالات میں ڈھائی سال گزارے۔ اگر اس وقت دستور کے وفاقی جزو کا بھی نفاذ ہو جاتا تو یہ مسلم ہندوستان کے لئے پیام مرگ ثابت ہوتا، اسی اثنا میں جنگ شروع ہو گئی۔ شر سے خیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء تک جبکہ جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، مسلم لیگ نے اپنی تنظیم کو اس قدر استوار اور مستحکم کر لیا تھا کہ حکومتِ ہند اور برطانیہ دونوں اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کے پرآشوب زمانے میں مسٹر گاندھی کے ساتھ کل ہند مسلم لیگ کے صدر کو بھی وائسرائے نے ملاقات کے لئے مدعو کیا۔ کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ یاد ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی مسلم ہندوستان کے کسی مسلّمہ قائد کو کانگریسی رہنما کے ساتھ مدعو کیا گیا ہو؟

بس اسی دن سے مسٹر گاندھی کی ساری توانائیاں اس امر پر مرکوز ہوگئیں کہ صدر مسلم لیگ کی اس محصلہ حیثیت کو گھٹا کر صفر کر دیا جائے۔ حالانکہ ہندو ہندوستان کے مقابلہ میں مسلم ہندوستان کے نمائندے کی یہ مساویانہ حیثیت ہر آئینہ منصفانہ تھی۔ مسٹر گاندھی نے یکے بعد دیگرے روپ دھارنے شروع کر دیئے۔ وائسرائے سے پہلی ہی گفتگو کے دوران میں انہوں نے برطانی پارلیمان اور ویسٹ منسٹر ایبے کی عمارتوں کی ممکنہ تباہی کا تصور کرکے اپنے انتہائی رنج و ملال کا اظہار کیا اور واقعی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

انہوں نے (وائسرائے سے) کہا کہ انگلستان کو اگر شکست ہوگئی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل! پھر ہندوستان کو مشورہ دیا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کی غیر مشروط مدد کرے۔

اس کے بعد وہ کانگریس کی مجلس عاملہ میں شرکت کے لئے چلے گئے (مخفی مباد کہ وہ چار آنے کے رکن بھی نہیں ہیں) اب آپ یہ کہتے ہیں کہ

"میں کیا کر سکتا ہوں؟ مجلس عاملہ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اور یہ اس کے مطالبات ہیں ـــــــ فوری خود مختاری اور اس کے ساتھ ہی عوام کے (لفظ عوام غور طلب ہے) اس حق کا اعلان کہ ایک ایسی مجلس دستور ساز کے ذریعہ جو رائے دہی بالغان کے اصول سے تشکیل پائی ہو، اپنا دستور خود مرتب کریں اور بطور طمانیت مرکز میں فوراً ایک قومی حکومت تشکیل دے کر اختیارات کی ایک حقیقی مقدار اس کو منتقل کر دیں"۔

کانگریسی ان مطالبات پر برابر زور دیتے جا رہے تھے کہ وائسرائے نے اعلان کیا کہ (قانون ۱۹۳۵ء کا) وفاقی جزو ملتوی کر دیا گیا ہے کہ ہم نے عملی آدمیوں کی طرح اس اعلان کا خیر مقدم کیا لیکن ہم نے اس کے ساتھ ہی اسکو قطعی منسوخ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ہمارا یہ بھی مطالبہ تھا کہ کوئی دستور خواہ وہ عارضی ہو یا قطعی ہماری مرضی کے خلاف ہم پر نافذ نہ کیا جائے۔

آخر کار برطانوی حکومت نے (مسلم لیگ کے مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے) وفاقی جزو کو منسوخ کر دیا۔ ہم نے محسوس کیا کہ اس سے ہمارا ایک بہت بڑا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے۔ ۸ اگست ۱۹۴۰ء

میں ہز میجسٹی کی حکومت نے ایک اعلان کے ذریعہ واضح کیا کہ تاوقتیکہ ہندوستان کے بڑے عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں اس کا نفاذ نہیں کیا جائے گا اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر کسی دستور کو جبراً نافذ نہیں کیا جائے گا تاآنکہ وہ اسے منظور نہ کرلیں۔

اس کے ردعمل کے طور پر مسٹر گاندھی نے ایک مخصوص طرز استبداد کا آغاز کر دیا۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں مسٹر گاندھی اور کانگریس نے اس خیال سے اپنی وزارتوں کو مستعفی ہو جانے کا حکم دیا کہ اس عمل سے موجودہ دستور معطل ہو جائے گا۔ سب سے پہلے صوبہ مدراس کی وزارت مستعفی ہو گئی ان کو توقع تھی کہ وائسرائے انہیں واپس بلائیں گے لیکن وائسرائے نے فوراً استعفیٰ قبول کر لیا، اور کانگریس کی ہر ایک وزارت کا یہی حشر ہوا۔ اور ایسے تمام صوبوں کو دفعہ (۹۳) کے تحت لے لیا گیا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس طریقۂ کار کا مدعا کیا تھا؟ مسٹر گاندھی کا مقصد خاص یہ ہے کہ "ہندو اودار پاریشد" کی تجدید کی جائے۔ اور رام راج کے وارثِ حقیقی اور برطانوی راج کے جائز نمائندے کی حیثیت سے سارے برّ اعظم ہندوستان پر حکومت کی جائے، اور مسلمانوں کے کندھوں پر اپنے اقتدار کا جوا رکھ دیا جائے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو یقیناً مسلمان قعرِ مذلت میں جا گرتے۔ آج سے پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ ایک عام سیول نافرمانی کا آغاز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مسلم لیگ اس کے خلاف ہے۔ پھر وہ برطانوی حکومت کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتے اس کے باوجود وہ "آزادیٔ تقریر" کا بہانہ تراش کر استبداد پر اتر آئے وہ چاہتے تھے۔ کہ انصرامِ جنگ سے ان کے اختلاف کی دنیا میں تشہیر ہو۔ اور حکومت پریشان ہو کر طوعاً و کرہاً ان کے مطالبات مان لے۔

انفرادی سول نافرمانی شروع ہوئے جب چودہ مہینے گذر گئے تو ان کو محسوس ہوا کہ اب یہ ناؤ ڈوبنے والی ہے۔ اس وقت مسٹر گاندھی اور کانگریس کو دفعتہً علم ہوا کہ کانگریس نے مسٹر گاندھی کو ایسی مہم جاری کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا تھا! چنانچہ اس مہم کو خیرباد کہہ دیا گیا قوقعتہا[1]

مارچ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے، قدرتی طور پر برطانی حکومت اپنے مفاد کی خاطر اس امر کی خواہشمند تھی کہ ہندوستان کی دونوں بڑی جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا کر دے تاکہ انصرام جنگ میں اُن کی متفقہ امداد و تعاون اُسے حاصل رہے۔ چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس کے ذریعہ انہوں نے ایک تجویز پیش کی میں یہاں مختصر طور پر بتادوں کہ اس تجویز کا کیا مفہوم تھا۔

۱۔ اس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اختتام جنگ کے بعد برطانوی حکومت، ہندوستان کو ایسی ہی مکمل حکومت خود اختیاری دے گی جیسی کہ برطانوی مقبوضات کو حاصل ہے یا ناضح طور پر جیسی کہ خود انگلستان میں موجود ہے۔

۲۔ ہندوستان کو اس کا بھی حق حاصل رہے گا کہ اگر وہ چاہے تو برطانوی دولت عامہ سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

(۳) مرکزی مجلس دستور ساز میں صوبائی مجالس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کی تعداد دس فی صد ہوگی۔

اس طریقۂ کار سے مسلم ہندوستان کو پچیس فی صد نشستیں بھی نہیں مل سکتیں تھیں یہ مرکزی مجلس ایک مخلوط مجلس کی طرح متحدہ ہندوستان کا دستور جمہوری طرز پر مرتب کرے گی۔ اس سے محض کانگرس کی دلجوئی مقصود تھی، لیکن برطانیہ کو اس کا بھی علم تھا کہ اس منزل پر آکر رک جانا مسلمانوں کے لئے موجب تشویش ہوگا۔ اب مسلمان بھی اس ملک میں قابل لحاظ طاقت ہو گئے ہیں اس کے علاوہ انہیں یہ بھی سوچنا پڑا کہ مطالبہ پاکستان کے سلسلہ میں وہ مسلم ہندوستان سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتے ہیں، انہیں وجوہات کی بناء پر انہوں نے اس تجویز میں اختیار علیحدگی کا اضافہ کیا، چنانچہ اس میں یہ بھی درج تھا۔

۴۔ ایک متحدہ مملکت کی طرح جب سارے ہندوستان کا دستور مرتب ہو جائے تو ہر ایک صوبہ کی مجلس قانون ساز میں اس کو منظوری کے لئے پیش کیا

جائے گا۔ اور ان مجالس کو اس میں شرکت یا عدم شرکت کا اختیار ہوگا۔

سارے ہندوستان کی ایک متحدہ مملکت کے لئے ایسی جماعت سے جو دستور تشکیل پائے گا۔ وہ یقیناً سارے کا سارا انہیں (ہندوؤں) کا اپنا ہوگا، لیکن اس میں مسلمانوں کی اتنی اشک شوئی کی گئی تھی کہ ان کو اختیار علیحدگی دیا گیا تھا، یہ سارا طریقہ کار ہمارے خلاف ایک پھیلائی ہوئی بازی کی طرح ہے، پنجاب و بنگال کے اسلامی صوبوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں، لیکن مجلس قانون ساز میں عملاً اقلیت بنائے گئے ہیں۔

اب اس اختیار علیحدگی کی حقیقت سنئے! اس متحدہ مملکت کے دستور کے خلاف اگر ہم نے مجلس قانون ساز میں چالیس فی صد آراء حاصل کر لیں تو ہم صوبے کی آراء شماری کے مجاز ہوں گے۔

گویا ایک بازی گاہ کی طرح اس میں متعدد باڑھیں لگی ہوئی ہیں اور یہ باڑھ نمبر ۱ ہے جس پر سے جست لگانا ہے صوبائی مجلس قانون ساز جس کو شرکت یا عدم شرکت کا اختیار رہے۔ باڑھ ۲ ہے۔

اگر ہم ان دونوں کو پھاندنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو باڑھ ۳ آپ کے سامنے آجاتی ہے یعنی عام آراء شماری!

لیکن کس کی رائے عامہ؟ سارے صوبے کی رائے عامہ! اس تجویز کو روبہ عمل لانے کے لئے جو طریقہ کار رکھا گیا ہے وہ محض اشک شوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن مسٹر گاندھی نے آخر ان تجاویز کو کیوں مسترد کر دیا؟ انہوں نے سوچا کہ اگر ایک دفعہ علیحدگی کے اصول کو کانگریس نے تسلیم کر لیا تو پھر اس کے لاحقات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس میں پاکستان کا بنیادی اصول جنم لے رہا ہے، اس تصور کو پراگندہ اور منتشر کر دینے کے لئے مسٹر گاندھی نے "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ لگا دیا۔

اس نئے اقدام میں کسی جماعت کا مشورہ شامل نہیں ہے گذشتہ بیس سال سے اُنھوں نے یہ راگ الاپا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سوراج نہیں مل سکتا، اس خصوص میں انھوں نے بہت سی باتیں بتائی ہیں، لیکن اتحاد کے راستہ میں وہ خود سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

اُنھوں نے ایک عام سول نافرمانی کا فیصلہ کیا اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ تا وقتیکہ برطانوی ہندوستان سے چلے نہ جائیں، ہندو مسلم اتحاد ملتوی رہے گا۔ کانگریس کی تشفی کرنے کے معنے مسلمانوں کو قربان کر دینے کے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت نے کانگریس کے سامنے اس لئے جھکنے سے انکار کر دیا کہ اس کو ہم سے کوئی اُلفت تھی! اُس نے وہی کیا جو اس کے مناسب حال تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ان دو آدمیوں کو جو ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے لیکن انہیں ایک ہی سمت اور ایک ہی راستے پر چلنا پڑتا ہے۔

پھر انہیں اس کا بھی خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو نیچے گرا دیا گیا تو مسلم لیگ اب اتنی طاقت ور ہو گئی ہے کہ وہ کانگریس سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ایک دوزخ ضرور بنا سکتی ہے، وہ ہم سے خوف زدہ تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی یہ مہم جواری کا آخری پالسہ تھی، آپ کو مسلم لیگ سے کیا توقع تھی؛ کیا آپ کو اُمید تھی کہ کانگریس کے اس داؤ پیچ سے واقف ہونے کے بعد بھی مسلم لیگ اس تحریک سول نافرمانی کی تائید کرتی؛ یہ محض برطانیہ ہی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے، بلکہ کانگریسی مطالبات کے تعلق سے یہ ایک خانہ جنگی ہے، کیونکہ اس کے مطالبات مفاد اسلامی کے منافی ہیں، اگر آزادی اور خود مختاری کے نام پر مسلمان بھی اس تحریک میں شریک ہو جاتے تو مسٹر گاندھی، انگلستان، امریکہ اور ساری دُنیا سے کہتے پھرتے کہ وہی سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں، اور یہ ان کے مطالبات کو مسلم ہندوستان کی تائید بھی حاصل ہے۔ اگر مسلمان اس دام تزویر میں آجاتے تو یہ اُن کی سب سے بڑی غلطی ہوتی۔

اگر ہمیں انگریزوں کی دیانت پر بھروسہ ہوتا تو قدرتی طور پر ہمارے لئے یہی

ایک راستہ رہ جاتا کہ ہم اُن کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کچل دیں، کیونکہ اس تحریک کے مقاصد میں ہماری پامالی بھی شامل تھی، لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہم انگریزوں پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے، وہ اپنے داؤں پر ہیں۔ اس لئے ہم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس معاملہ سے بالکل علیحدہ رہیں۔ ان کو اپنے آپ لڑلے دو۔ یہ انہیں واقعات میں سے ایک ہے جبکہ غیر جانبداری ہی بہترین حکمتِ عملی ثابت ہوتی ہے۔

آخر "ہندوستان چھوڑ دو" کے نعرے کا کیا حشر ہوا؟ اپنے ملک کے دس کروڑ مسلمانوں سے تصفیہ کر لینے کے بجائے وہ انگلستان، امریکہ، چین اور اب تو روس سے بھی استدعائیں کر رہے ہیں کہ وہ وہ معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ان کی امداد کریں! میں کانگرس اور ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ تم نے تو انگریزوں سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں پھر اب یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ تمہارے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں؟ ان سے تم کس امداد و اعانت کی توقع رکھتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ دس کروڑ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف غیر ملکی حکومتیں اس ملک میں کوئی دستور نافذ کر دیں؟

اگر ہندوؤں کے دل میں سمجھوتہ کرنے کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے۔

اس کے برخلاف برطانیہ کا طریقہ کار ملاحظہ فرمائیے۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اور منجملہ دیگر جماعتوں کے ایک ہے۔

بالکل درست! کانگریس ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہے بالکل درست! لیکن جب میں یہ پوچھتا ہوں کہ ان دس کروڑ مسلمانوں کا اور ان کروڑوں اشخاص کا کیا ہوگا جو کانگریس کے مؤید نہیں ہیں، حکومت اس کا ایک انوکھا جواب دیتی ہے۔

اس کی حجت یہ ہے کہ کانگرس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

میں کسی دیانتدار آدمی سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجویز پاکستان جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی مضمر اور جس کی مُد سے تین چوتھائی ہندوؤں کو اور ایک چوتھائی مسلمانوں کو حصہ ملتا ہے کسی طرح بھی ناواجب ہے؛ میں کہتا ہوں کہ آؤ ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اور مخلصانہ طور پر یہ طے کرلیں کہ تم اپنے منطقوں میں ہماری اور ہم اپنے منطقوں میں تمہاری اقلیتوں کی حفاظت کرینگے۔ (نعرہ تحسین)

اگر تمام جماعتیں بشمول حکومت مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کریں اور مسلم رائے عامہ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اس امر کی ضمانت دیں کہ تجویز پاکستان کو روبہ عمل لایا جائے گا تو عارضی حکومت کا مسئلہ بہت آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں مجھے بہت سے ہندوؤں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ ازراہ مہربانی مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے بغیر کسی دل شکنی کے اُن سے پوچھا تھا۔ ہندوؤں کو حکومت کئے کتنا عرصہ گذرا اور ہندوستان کے کس حصہ پر انہوں نے حکومت کی تھی؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال سے ہندوؤں نے ملک کے کسی قابل ذکر حصہ پر حکومت نہیں کی ہے۔ ہماری تجویز کی رو سے تین چوتھائی ہندوستان ان کو دیا جا رہا ہے۔ جہاں وہ اپنی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ میں نے اُن سے اپیل کی کہ وہ حریص نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہیر پھیر سے سارے ملک کو ہتھیا لینا چاہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ تین چوتھائی لے لو اور میری ایک چوتھائی پر حسد نہ کرو۔ مجھے اپنی اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی روایات، اپنی ثقافت، اور اپنی زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی بسر کرنے دو اور تم بھی اپنے منطقوں میں یہی کرو۔ (نعرۂ تحسین)

لیکن بدبختی سے ہندو قیادت کا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمان ان کے سامنے جھک جائیں۔ اور ایک دوامی اقلیت کی طرح اُن کے زیر اقتدار رہیں۔ ہم اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ ہماری عام مسلم آراء شماری کی تجویز اسی بنیاد پر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی بھی تعریف کی رو

سے ایک قوم ہیں (نعرۂ تحسین) دُنیا میں کہیں بھی دس کروڑ اشخاص کو اقلیت نہیں کہا جاتا۔ اس لئے یہاں کسی رعایت، سمجھوتے، یا تحفظات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہ مسلمانوں کے پیدائشی اور وراثتی حق خود ارادیت کا سوال ہے کہ اس فیملی برّاعظم میں رہنے والی ایک قومی جماعت کی حیثیت سے ان منطقوں میں جہاں وہ اکثریت میں ہیں اپنی ریاستیں بنائیں۔ (نعرۂ تحسین)

بہر حال مسلم ہندوستان کسی عارضی حکومت میں محض اقلیت کی حیثیت سے نہیں بلکہ مساوی حیثیت سے ضرور حصّہ ملے گا۔ (نعرۂ تحسین) ہماری اس تجویز کے جواب میں وہ ہوا کے رُخ کا اندازہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک طرف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے جال پھیلاتے ہیں اور دوسری طرف بیرونی ممالک سے استدعائیں کرتے جاتے ہیں۔

بعض اشخاص یہ پوچھتے ہیں کہ فرض کیجئے برطانیہ اور کانگریس کے اختلافات ختم ہوجائیں اور اوّل الذکر کانگریس کے مطالبات تسلیم کرلے تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر برطانوی حکومت ان حتمی عہد و اقرار کے باوجود ہمیں ڈھکیل کر کانگریس کے رحم و کرم پر ڈال دے تو مجھ پر یقین کیجئے کہ اگر ہم متحد اور متفق رہے تو پھر دونوں مل کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (نعرہ تحسین) اب ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایسی حکومت کو ناممکن بنا دیں۔

چین روس اور امریکہ کی متحدہ طاقت بھی کوئی ایسا دستور ہم پر نافذ نہیں کر سکتی جس میں مسلمانوں کو قربان کیا گیا ہو۔ اگر متحدہ اقوام کسی ایسی مجنونانہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو یاد رکھو کہ ایک حقیر کیڑا بھی پلٹ پڑتا ہے۔

ان غیر ملکی سنگینوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جن کے سائے میں کانگریسی راج رچایا جا رہا ہوگا، ہم ملک کے سارے نظام میں زلزلے ڈال دیں گے اور اس کو مفلوج و معطل بنا کر رکھ دینگے

(فلک شگاف نعرے)

۱ے یہ لطیفہ نہیں ایک حقیقت ہے۔

۲ے پاکستان کی تعمیر و تشکیل اور مطالبے ہیں اس کی قومی زبان "اردو" کی حفظ و بقا کا مسئلہ بھی شامل تھا، مسٹر فضل الحق تک نے بارہا یہی بات کہی تھی۔

۳ے جس زمانے میں قائد اعظم نے یہ تقریر ارشاد فرمائی، چین پر جنرل چیانگ کائی شیک کا
ـــــ جواب فارموسا کے جزیرے میں گوشہ نشین ہیں ۔ـــ قبضہ تھا
ماؤ زے تنگ وغیرہ ابھی نمودار نہیں ہوئے تھے،
چیانگ کائی شیک جواہر لال کے ذاتی دوست تھے، اور ان کا امریکہ پر بہت اثر تھا۔

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا خطبۂ صدارت!

وائسرائے اور گورنر بنگال کو تحفے

ایک کو فضل الحق ——— دوسرے کو نواب ڈھاکہ

۲۹ر دسمبر ۱۹۴۱ء

یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ جنگ کی ہولناکی نے انگریزوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے۔ کانگرس نے اس کمزوری کو محسوس کر کے اپنے مطالبات میں شدت پیدا کر دی تھی۔ وہ مسلم قوم پر حکومت کرنے کا حق حاصل کرنا چاہتی تھی ورنہ وہ سارے ملک میں غدر برپا کر دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اتحادیوں کی حالت حد درجہ سقیم تھی اور محوری طوفان ابر و باد کی طرح بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ان کی پیش قدمی کو روک سکے۔

مسلمان جنگجو نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا حکومت ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بیتاب تھی لیکن باگ قائداعظم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ غیر مشروط تعاون کے لئے تیار نہ تھے ان کا کہنا تھا۔ اگر پاکستان مان لیا جائے۔ امور مملکت میں ہمیں حصہ دیا جائے تو ہم تعاون کر سکتے ہیں۔

آخر حکومت نے لیگ اور کانگرس کی ہائی کمان سے مایوس ہونے کے بعد بالا بالا سر برآوردہ لوگوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ وائسرائے نے نیشنل ڈفنس کونسل کے نام سے ایک مجلس قائم کی اور جس فوجی مجلس میں پنجاب کی نمائیندگی نہ ہو وہ بیکار تھی۔ چنانچہ سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب کو اس کا ممبر نامزد کر لیا۔ اسی طرح بنگال کے وزیر اعظم فضل الحق۔ آسام کے وزیر اعظم سر سعد اللہ اور حیدر آباد کے نامزد وزیر اعظم نواب چھتاری کو بھی یہ اعزاز بخشا۔ سر سلطان احمد کو جو مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ اپنی اگزیکٹو کونسل کا ممبر بنا لیا۔

قائدِ اعظم نے مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا۔ اور اعلان کیا کہ لیگ سے سرتابی کرنیوالوں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

مجلس عاملہ میں سر سکندر نے اپنی اور فضل الحق اور سر سعد اللہ کی طرف سے کہا کہ وائسرائے نے ہمیں وزیر اعظم کی حیثیت سے نامزد کیا ہے، اور وزیر اعظم کی حیثیت سے ہم اس نامزدگی کو مسترد نہیں کر سکتے، سر سکندر جانتے تھے کہ قائد اعظم قانونی آدمی ہیں اور وہ قانون کے سامنے جھک جائیں گے۔ لیکن شاید یہ نہیں جانتے تھے کہ قائد اعظم قانونی آدمی بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے سیاستدان بھی، قائد اعظم نے کہا۔ وائسرائے نے اگر آپ حضرات کو وزیر اعظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ مسلم قوم کے نمائندے کی حیثیت سے نامزد کیا ہو تو ؛

سر سکندر نے کہا، ہم فوراً استعفٰے دے دیں گے۔

قائد اعظم نے سر راجر لملے گورنر بمبئی کا مکتوب دکھایا۔ جس میں وہی مرقوم تھا جو ابھی قائد اعظم نے کہا تھا۔

سر سکندر نے ایک شریف آدمی کی طرح فوراً استعفا دے دیا۔ سر سعد اللہ نے ان کی تقلید کی فضل الحق اڑ گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ معتوب ہوئے یہی حشر خان نواب چھتاری اور سر سلطان احمد کا بھی ہوا۔

قائد اعظم نے اس مسئلہ پر اور دوسرے بہت سے اہم اور نازک مسئلوں پر اس خطبے میں روشنی ڈالی ہے۔

ع ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ۔

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! اگرچہ یہاں میرے نوجوان دوستوں کا اجتماعِ عظیم ہے۔ لیکن اس میں غیر طلباء کی تعداد خاصی ہے۔ جیساکہ میں نے کل رات کہا تھا میرا خاص مقصد نوجوان دوستوں سے

خطاب کرنا ہے "آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" آج سے چار یا پانچ سال پیشتر معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اب میں پہلے آپ کی توجہ اس فیڈریشن کے آئین کی طرف منعطف کراتا ہوں آپ کے آئین کی غرض و غایت جو آپ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم طلبار کو خود مختار صوبائی مجالس کے توسط سے ایک منظم جماعت بنایا جائے اور مسلم طلبا کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ نیز مسلم طلبار میں سیاسی شعور کو بیدار اور انہیں ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مناسب حصّہ لینے کے لئے تیار کیا جائے۔ اسی خیال سے میں نے آپ کے اجلاسِ امروزہ کی صدارت کا شرف قبول کیا ہے۔ اس ضمن میں بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو کون سے مسائل پیش ہیں۔ میں آپ کے آئین کی زبان میں ہی اس کی وضاحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مسلم طلبار کو اپنے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مناسب حصّہ لینے کے واسطے تیار کرنا۔

آنے والی ذمہ داریوں کو جو آپ کے دوش پر آنے والی ہیں اٹھانے کے لئے تیاری کرتے ہوئے اس امر کو بھی یاد رکھیئے کہ یہاں آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم بھی ہے جو روز بروز قوی تر ہوتی جارہی ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں تیز رفتار سے ترقی کر رہی ہے مسلم لیگ نے گذشتہ تین سالوں میں نہ صرف نمایاں بلکہ معجزانہ ترقی کی ہے (تالیاں) اس لئے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی سرگرمیوں، پالیسی اور پروگرام سے باخبر رہنا چاہیئے۔ تین سال پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حالت تھی اس کا موازنہ آج کی حالت سے کیجئے۔ پانچ سال پیشتر یہ حالت بہت زبوں تھی اور دس سال پہلے قوم پر ایک موت سی طاری تھی۔ تین سالوں میں آپ نے اس چھوٹے سے برِاعظم کے ایک دوسرے سے دوسرے تک مسلمانوں میں سیاسی شعور و احساس پیدا کر دیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لئے ایک پرچم بنایا۔ ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا۔ ایک نصب العین قائم کیا جو میرے نزدیک آپ کو اس ارضِ موعود تک پہنچائے گا جہاں ہم پاکستان قائم کر سکیں گے (تالیاں)

ہمیں احساس ہے کہ ہمارا کوئی دوست نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم چاروں اطراف سے مخالفوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے صوبہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کی تعداد یہاں چار فی صدی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ۱۹۳۷ء میں بمقام لکھنؤ پیشین گوئی کی تھی، آپ ایک امتحان آتشیں سے گزرے ہیں۔ آپ نے مصیبتیں جھیلی ہیں۔ آپ اس صوبہ میں چار فی صدی ہیں۔ جہاں واردھا کی خاص لیبورٹری میں ایک نئی کارروائی یا عمل کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کو خوفزدہ اور مقہور کرنے کے لئے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ چار فی صدی آبادی کو خوفزدہ کرنے کی پالیسی نہ صرف ناروا اور غیر منصفانہ بلکہ بزدلانہ تھی (شرم! شرم کی آوازیں) آپ کو دل شکستہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں اس پلیٹ فارم پر یہ حقیقت ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے عمر بھر ایسا فخر نہیں کیا تھا۔ جیسا اس صوبے کے مسلمانوں کے شاندار استقلال و عزم کا حال پڑھ کر اور سن کر کیا۔

ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دنیا کی کوئی قوم تکالیف برداشت کئے بغیر قوم نہیں بنی اور نہ کسی قوم نے ایثار کے بغیر اپنا مقصود حاصل کیا۔ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہ بدبخت آئین (جو ۱۹۳۵ء میں مرتب کیا گیا تھا) اس ملک میں مع اپنے صوبائی حصّہ کے بُری طرح ناکام رہا ہمیں اپنے عزائم اور مقاصد کی تجدید کرنی پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس صوبے کے مسلمان خوش اور قوی دل رہیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی ناروا غیر منصفانہ اور بے دیانت اقدام کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کانگرسی لیڈروں میں اتنی دیانت کیوں نہیں کہ وہ آزادی سے یہ تسلیم کریں کہ کانگرس مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔ مقدس راشٹرپتی[1] کے متعلق گفتگو کرنے سے کیا حاصل ہے جب کہ اس کی حیثیت ایک شو بوائے[2] سے زیادہ نہیں۔ کانگرسی لیڈر اپنے سوا اور کس کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اپنے سوا کس کی آنکھ میں دھول جھونک رہے ہیں

میں جانتا ہوں آپ جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی موثق نمائندہ جماعت ہے۔ ابھی باردولی اندھیرے میں ہے (قہقہہ) میں ناگپور میں جو واردھا اور سیواگرام کے قریب ہے دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالےٰ باردولی میں بھی کچھ روشنی پہنچا دے۔

کانگرس کیا چاہتی ہے بعض اوقات یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے ٹینسن کا یہ قول یاد آتا ہے۔

"بعض اوقات ایسے خیالات آتے ہیں کہ میں انہیں جامۂ الفاظ پہنانا گناہ سمجھتا ہوں"۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے اور جس حد تک ایک ذہین آدمی ان کا مطلب سمجھ سکتا ہے میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میں نے کانگرس کو یہ مقصود سمجھا ہے اور کانگرس کی سرکاری قرارداد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برطانی حکومت سے یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا فوری اعلان کر دیا جائے۔ اس حق کے ساتھ کہ لوگ حق رائے دہی بالغان کی بنا پر ایک کانسٹی ٹیوٹ (دستوری) اسمبلی کے ذریعہ اپنا آئین خود مرتب کر لیں۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب دینے کی نوازش کی جائے، جب مسلم مفاد اسمبلی کے فیصلوں سے غیر مطمئن ہوں۔ اور یہ ایسا ہی یقینی ہے، جیسا دن کے بعد رات کا آنا۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان مطمئن نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں ہندوؤں کی ۷۵ فی صدی اکثریت ہو گی اور میں گذشتہ تین سالوں کے متعلق سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں کہ کسی مخلوط جماعت میں جہاں ہندوؤں کی عظیم اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت ہو، کسی بڑے مسئلہ پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔ اس صورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہ رعایت روا رکھی جائے گی کہ وہ ثالث سے رجوع کر سکیں۔ سوال یہ ہے کہ ثالثی عدالت کے ارکان کو کون نامزد کرے گا؟ اگر میں اپنی پسند کے ثالث منتخب کروں گا تو کیا ہندو ان کو منظور کر لیں گے۔ اگر نہیں تو پھر ثالث کون منتخب کرے گا؟ اگر ہم ثالثوں کے مسئلہ پر متفق نہ ہو سکیں۔ تو کیا ہوگا؟ لیکن ان تمام امکانات سے قطع نظر

ہم سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی شرکت صرف اقلیت کے تحفظات کے مسئلہ تک محدود رہیگی۔ جہاں تک دوسرے مسائل کا تعلق ہے۔ ان کا فیصلہ اکثریت ہی کریگی۔ یہ ہے کانگرس کا مقصد۔

کانگرس کا عقیدہ جیسا کہ صفِ اوّل کے رہنماؤں مسٹر گاندھی اور مسٹر جواہر لال نہرو نے حال ہی میں بیان کیا۔ کامل آزادی ہے۔ مسٹر جواہر لال نے ایک تازہ تقریر میں کہا کہ انگریزوں کو اس ملک سے نکل جانا چاہیئے۔ اچھا اگر آپ کا مقصود یہی ہے تو اس پر مردانہ وار قائم رہیئے۔ پہلو تہی نہ کیجئے۔ آپ انگریزوں سے اعلانِ آزادی اور کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی کے قیام میں سہولتوں کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ مردانہ وار اپنے مقصد پر قائم رہیئے اور رکرامویل کے الفاظ میں انگریزوں سے کہہ دیجئے کہ "یہاں سے نکل جاؤ" اب دیکھیئے کہ راشٹر پتی مولانا ابوالکلام آزاد کیا فرماتے ہیں؟ انڈین نیشنل کانگرس کے صدر اور ترجمان کا ارشاد ہے کہ:۔

"جب تک برطانوی حکومت کی روش نہ بدلے کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی"

لیکن اگر برطانوی حکومت کی روش بدل جائے تو آپ کے "عقیدۂ آزادی" کا کیا بنیگا؟ کیا آپ سمجھوتہ چاہتے ہیں۔ کیا آپ اپنی روح کی حوالگی چاہتے ہیں۔ یہ ہے وہ مدعا جسے ایچ پیچ سے ظاہر کرتے ہیں۔ راجگوپال آچاریہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں پونا پیشکش کی تجدید کرنی چاہیئے"

اس کی تجدید کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے محبوب رہنما جناب گاندھی سے محروم ہو جائیں گے جو انگریز حکام سے جبر اور بلیک میلنگ کے ذریعہ انتقال اختیار و اقتدار طلب کرنے کے فن میں بڑے خصوصی ماہر ہیں۔

جناب گاندھی ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ:۔

"میں لڑائیوں کے خلاف ہوں، اگر دفاع وطن کے لئے بھی ہو تو میں جنگ کو پسند نہیں کروں گا۔ ہٹلر آتا ہے تو اسے ہمارے جسموں کو پامال کرنے دو ہم

ستیہ گرہ کرینگے"

لیکن جب پونا کی پیشکش کی گئی تھی تو جناب گاندھی نے اس وقت کیا اقدام کیا؛ پونا کی پیشکش کا مطلب یہ تھا کہ اگر برطانوی حکومت نے کانگرس کے مطالبات تسلیم کر لئے تو کانگرس مساعی جنگ اور ہندوستان اور انگلستان کی مداخلت میں پورا حصہ لے گی۔ جناب گاندھی کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ کانگرس کے جنرل نہ رہ سکے۔ حالانکہ وہ کانگرس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں۔ جناب گاندھی نے فرمایا کہ :۔

"میں ایک ماہر خصوصی اور جنرل کی حیثیت سے کانگرس کے ساتھ نہیں رہ سکتا"

پھر جناب گاندھی نے کیا کہا؟ آپ کو یاد ہوگا کہ دوسرے دن ہی جناب گاندھی نے برطانوی جرائد کے نامہ نگاروں کو ایک بیان دیا جس میں حکومت برطانیہ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ پیشکش پونا کو قبول کر لیں اور موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایسا نہ کیا تو یہ شدید ترین غلطی ہوگی۔ ایک شخص جو تمام لڑائیوں کے خلاف رہا ہے۔ جو اہنسا کا قائل ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کانگرس نے میرے مدت العمر کے عقیدہ اور نصب العین کے خلاف عمل کیا ہے۔ اس لئے میں اس سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے روز ہی برطانی پریس کو بیان دیتا ہے اور پیشکش پونا کی تائید کرتا ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کانگریس کیا چاہتی ہے اور کس مقصد کے لئے کوشش کر رہی ہے۔

راج گوپال اچاریہ صاحب کو دیکھئے ان کا خیال ہے کہ بار بار قید خانہ میں جانا اور قید و بند کو دعوت دینا بیکار ہے۔ اب یہ لوگ باردولی میں جمع ہو رہے ہیں گے۔ کانگرس میں جناب گاندھی بھی ہیں اور جواہر لال نہرو بھی اور راج گوپال اچاریہ بھی۔ لیکن یہ تینوں حضرات متضاد باتیں کہتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذی فہم آدمیوں کی طرح اس مسئلہ پر غور کیجئے اور بتایئے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ کانگرس ایک بلند مقام پر متمکن ہونے کا باطل دعوی کر رہی ہے۔ یہ باطل ادعا ایک ضمنی تماشے کی حیثیت رکھتا

ہے۔اسی مشین کے دوسرے پرزے بھی مصروفِ کار ہیں۔مثلاً ہندو مہاسبھا۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہندو مہاسبھا اپنے عزائم صاف لفظوں میں ظاہر کرتی ہے۔اس کے رہنما جو کچھ کہنا ہو صاف کہتے ہیں۔ساورکر صاحب نے اپنی اس تقریر میں جو بدقسمتی سے بھاگلپور میں نہیں کی جاسکی صاف طور سے اعلان کردیا کہ:-

"میں اپنی قوم اور ہندو اقتدار کا علم بردار ہوں"۔

اُنہوں نے سلیس اور صاف زبان میں کہہ دیا کہ اس چھوٹے برِاعظم میں ہندو راج قائم ہونا چاہیئے۔اگر مسلمان نہیں مانتے تو ہم افغانستان کو ہندوستان سے ملحق کرلیں گے اور سرحد ہندوستان ہندوکش تک وسیع کردی جائے گی۔مسلمان ایک اقلیت سے زیادہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔یہ سب باتیں کسی تشریح اور توضیح کی محتاج نہیں۔میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ساورکر، ڈاکٹر مونجے اور ان کے رفقا کو مالیخولیا ہوگیا ہے۔وہ مسلمانوں کو کم اور اپنی جاتی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔میں خوش ہوں کہ اُنہوں نے کانگریس کی طرح اپنے عزائم اور مقاصد کو چھپانے کی کوشش اور اظہار خیالات کے لئے ڈپلومیٹک زبان استعمال نہیں کی۔میں خوش ہوں کہ خدا کے فضل سے اب کانگریس یا اور کوئی جماعت مسلمانوں کو احمق نہیں بنا سکتی۔

ہندو مہاسبھا کس کام میں مصروف ہے وہ ہندوؤں کو عسکریت اور صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے۔وہ ہندوؤں پر زور دے رہی ہے کہ میدانی، بحری اور فضائی افواج میں بھرتی ہو کر جنگ میں مدد دیں۔کس کو صنعت اور عسکریت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے؟ ہندو قوم کو۔میں جناب ساورکر اور فیلڈ مارشل مونجے سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس ملک میں بسنے والے تمام لوگ بے عقل ہیں۔کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کو بیوقوف بنایا جاسکتا ہے۔پھر ایسی باتوں سے حاصل؟ زبانی اظہار وفاداری اور پوشیدہ مقصد کے ساتھ ہندوؤں کو میدانی، بحری اور فضائی فوج میں بھرتی کرانے کی تحریک سے فائدہ؟

پھر یہ کیا کرینگے؟ اس کا جواب صاف ہے۔ پاکستان بخارات کی طرح ہوا میں اُڑ جائیگا اور انگریز یہاں سے رخصت ہو کر لندن میں جا بسیں گے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ان حضرات کو جو ایسی باتیں کرتے ہیں کسی جگہ بند کر دینا بہتر ہوگا؟

مسلمان کہتے ہیں کہ ہندوستان کا وہ حصّہ ہمارے حوالے کر دو جہاں ہماری اکثریت اور وطن ہے۔ ہمیں اپنی حکومت کے تحت رہنے دو اور ہم ہندو اقلیت کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ تم ہندو ہندوستان میں رہو اور اس کی مسلم اقلیت کی حفاظت کرو۔ تین چوتھائی ملک تمہارے قبضہ میں ہوگا۔ لیکن ہندو تین چوتھائی ملک نہیں پورا ملک چاہتے ہیں۔ پھر انہیں پورا کس طرح مل سکتا ہے ساورکر کی سکیم کیا ہے؟ وہ اسکیم یہ ہے کہ جب میدانی بحری اور فضائی فوج اور نظم و نسق میں ہندوؤں کو ۸۵ فی صدی حصّہ ملجائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تک فیلڈ مارشل اس امر کی کوشش کریں گے کہ ہر ایک ہندو گوشت کھانے لگے تو پھر ہندو راج قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں رہتے ہیں؟ ان سرحدوں پر کیا واقع ہوگا۔ وہ بھی سُنیے۔ سرحدوں پر ہندو فوج اسی طرح مامور کر دی جائیگی۔ جس طرح اب برطانوی متعین ہے اور یہ ہندو فوج اس امر کا لحاظ رکھے گی کہ مقامی مسلمان سر نہ اُٹھانے پائیں ہندو ایک مرکزی حکومت قائم کرینگے۔ جو اس چھوٹے بّراعظم پر ایک سرے سے دوسرے تک حکومت کرے گی، ہو سکتا ہے کہ افغانستان کو بعد میں ملحق کر لیا جائے۔ اسلئے مسلمانوں کو کسی طرح کی ذمہ دار حکومت بھی نصیب نہ ہوگی۔ یقیناً وہ اس حد تک ترقی نہ کر سکیں گے کہ ایک خود مختار ریاست کی صورت اختیار کر سکیں۔ دوسرے الفاظ میں ان کے حقوق ہمیشہ کے لئے سلب کر لئے جائیں گے وہ اپنے علاقوں میں میدانی، بحری اور فضائی فوج نہیں رکھ سکیں گے۔ حضرات یہ خواب ہی نہیں اس امر پر اصرار کرنا ہندو مہا سبھا کی بدترین حماقت ہے۔

ہندو مہاسبھا کا مطالبہ کیا ہے ؛ آج کل تو اُس نے بھاگل پور کے سوا سب مطالبات کو ترک کر رکھا ہے جو چند روز میں طے ہو جائے گا۔ مہاسبھا انگریزوں سے کہہ رہی ہے۔ ہم آپ کے ساتھیوں کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ آپ جو خدمت فرمائیں ہم بجالانے کے لئے تیار ہیں۔ ہندوؤں کے لئے میدانی، بحری اور فضائی افواج کی بھرتی کھول دیجئے۔ آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کرینگے۔

ایک طرف ہندو مہاسبھا ایک پوشیدہ غرض سے جس کے متعلق کسی شخص کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا یہ التجائیں کر رہی ہے اور دوسری طرف اپنے ایک بھائی کے توسط سے اس بات پر زور دے رہی ہے کہ :-

"انگریز ایک وقتِ معین کے اندر ہندوستان کو ویسٹ منسٹر کی نوعیت کا درجہ نوآبادیات دے دیں"

یہ درجۂ نوآبادیات کون دے گا ؛ برطانوی حکومت ؛ میں پوچھتا ہوں کہ کیا صراحتاً بے فائدہ اور لغو نہیں ہے ؛ اوّل اس لئے کہ برطانی حکومت ایسا نہیں کر سکتی۔ اگر کرے بھی تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ساورکر کو گدی پر بٹھا دے گی۔ اور اس کے راج میں پولیس کے فرائض بجالائیگی ویسٹ منسٹر نوعیت کا درجہ نوآبادیات کس طرح دیا جائے گا ؛ جیسا کہ مسٹر ایمری نے بجا طور پر کہا:-

"درجہ نوآبادیات کوئی نشان یا تمغہ نہیں کہ اُسے سیفٹی پن کے ساتھ کوٹ کے کاج میں لگا دیا جائے"

یہ سوال ہے اس چھوٹے برّاعظم میں کاروبار حکومت چلانے کا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ برطانی سنگینوں کی حفاظت میں گدی پر بیٹھے رہیں ؛ کیا آپ اسکی توقع رکھتے ہیں ؛

ہندوؤں کی طرف سے وقت کی تعیین کا مطالبہ کس غرض سے کیا جا رہا ہے ؛ اس معاملہ میں ہمیں اپنے مخالفوں کی ذہانت کی داد دینی چاہیئے۔ خواہ وہ کیسی قدر بے وقوف ہوں آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ ہندو مہاسبھا کا مطالبہ ہے کہ برطانی حکومت وعدہ کرے کہ جنگ کے

ایک یا دو سال بعد ڈیلیٹ منسٹر نوعیت کا درجہ نوآبادیات دے دیا جائے گا۔ اسکے کیا معنی ہیں؟ اگر آج برطانی حکومت موثق طور پر اعلان کر دے کہ ہندوستان میں کینیڈا کی اند ڈولیٹ منسٹر نوعیت کی حکومت ہندوستان میں قائم کر دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان کا آئین یہاں کی بڑی پارٹیوں کی رائے سے مرتب نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کی رضامندی ضروری نہ ہوگی۔ پھر کس کی منظوری سے برطانی حکومت یہ آئین نافذ کرے گی۔ کانگرس اور ہندو مہاسبھا کی منظوری سے اگر ہندو مطمئن اور مسلمان غیر مطمئن ہوں تو برطانی حکومت کہہ دیگی کہ ہم اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں اور ہمیں آئین مرتب کرنا چاہیئے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا موعودہ آئین مرتب ہونے کے بعد ہندوستان سے برطانی فوج چلی جائے گی؟ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ انگریز ایسے بے وقوف نہیں اگر وہ ایسی حماقت کریں بھی تو وہ آئین دو ہفتوں سے زیادہ قائم نہیں رہے گا۔"

جواہر لال نہرو کہتے ہیں ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ سر تیج بہادر سپرو بھی جو زیادہ نرم اور صلح جو اور اس وجہ سے زیادہ عیار ہیں۔ یہی کہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں خاندانی مشابہت دیکھ سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو بہت تیز طرار اور ظاہر دار ہیں۔ ۲۵ دسمبر کے بیان میں کہتے ہیں:۔

"ہندوستانیوں کو یہ محسوس کرا دینا چاہیئے کہ وہ مساعی جنگ میں شرکت کرتے ہوئے نہ صرف دولت مشترکہ کے متعلق اپنے فرائض ادا کر رہے، بلکہ اپنی آزاد زندگی کے تحفظ کے واسطے بھی لڑ رہے ہیں۔"

وہ سفارش کرتے ہیں کہ ایک نیا اعلان کر دیا جائے کہ ہندوستان کے ساتھ محکوم اور زبردست ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دو۔ دوسرا بھائی کہتا ہے۔ اس بات کا یقین دلا دو کہ ہندوستان کے ساتھ زبردست اور محکوم ملک کا سا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ کیا آپ ان دونوں باتوں میں کوئی فرق کر سکتے ہیں

سر تیج بہادر سپرو اور لبرل حضرات ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں شیاستری صاحب ایک تازہ تقریر میں فرماتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ مسلمانوں کو وہ تمام تحفظات دے دیں جو قومی مفاد کے مطابق ہوں۔ کس کے قومی مفاد کے مطابق؟ کون سی قوم؟ ہندو یا مسلمان؟ اس طرح آپ جتنا غور کرینگے اسی ہندو اقتدار کے صوبے مضمر پائیں گے؟

خواتین اور حضرات! اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان نہ صرف اقلیت بلکہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں بھی ہندو راج کے تحت رہیں اور ان کے احکام بجا لائیں، جب تک مسلمان زندہ ہیں اس کو ہرگز برداشت نہیں کرینگے (نعرہ ہائے تحسین) ہندو جس قدر جلد اس باز کو چھوڑ دیں اسی قدر بہتر ہوگا۔

کرسمس میں ہندو لیڈروں کے بیانات کی بھرمار اور بوچھاڑ کیوں ہو رہی ہے؛ ہندو لیڈر اپنی سیاست دانی کے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ جاپان کے شریک جنگ ہونے کے بعد انگریز ایک زیادہ خوفناک کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ برطانیہ پر اتنا دباؤ پڑ رہا ہے اور وہ اس قدر پریشان ہے کہ کسی نہ کسی گوشے سے مدد حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جاپانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے برطانیہ کی تیاریاں اور وسائل کافی نہ ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت برطانیہ متزلزل ہے۔ اور یہ وقت ہے کہ ایک برق رفتار شورش کا آغاز کر دیا جائے اور یہ دباؤ ڈال کر اس سے ہندوستان کے واسطے یہ مراعات حاصل کرلی جائیں۔ ان کی توقعات اس بنا پر بڑھ گئی ہیں کہ حکومتِ ہند نے بعض اقسام کے قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے کانگرس ہنوز غور و خوض کر رہی ہے پہلے روز بارڈولی میں ۹ گھنٹوں تک اجلاس جاری رہا۔ دوسرے روز پھر ۹ گھنٹوں تک بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ اور ابھی کئی روز تک جاری رہے گی۔ یہ چالاک لوگ ہیں وہ اپنی گردن بچانے کے لئے کوئی نہ کوئی سوراخ رکھیں گے آخر کیا ہوگا؛ راجگوپال اچاریہ کامیاب ہوئے تو گاندھی جی کنارہ کش ہو جائیں گے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جناب گاندھی تو کانگرس کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں، لیکن وہ ممبر نہ

ہونے کی حیثیت ہیں کانگرس کے ممبر رہیں گے۔

جناب گاندھی نے پورن سوراج حاصل کرنے کے لئے ۱۲ نکات مرتب کئے ہیں۔جناب گاندھی اپنی تقریر کا جو مطلب چاہتے ہیں بیان کر دیتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں اس کا مطلب بھی جب چاہتے ہیں اپنے حسب مراد بتا دیتے ہیں۔(قہقہہ) یہ حقیقت ظاہر ہے۔جناب گاندھی فرماتے ہیں کہ پہلی شق فرقہ وار اتحاد ہے۔فرقہ وار اتحاد سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اطاعت قبول کرلیں اور اپنے قتل نامہ پر خود دستخط ثبت کر دیں اس کے بعد اچھوت پن کو دور کرنے کا نمبر آتا ہے اور پھر امتناع مسکرات کھادی۔دیہاتی صنعتیں دیہات کی صفائی۔ابتدائی تعلیم۔تعلیم بالغاں۔تعلیم و ترقی نسواں۔تعلیم صحت و تندرستی۔راشٹر سبھا کا پروپیگنڈا زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کی باری ہے۔سوال یہ ہے کہ اقتصادی مساوات کس کے ساتھ؟ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔

میں ایک اہم ترمیم پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ کانگرس پاکستان کو قبول کرلے اور اس طرح ۱۳ کو موجودہ نکات بنا دیا جائے۔اس سے سمجھوتہ آسان ہو جائے گا۔جہاں تک زبان کا تعلق ہے زبان کی خدمت اور اقتصادی مساوات کے معاملہ میں ہم کانگرس سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے ہم اپنے علاقوں میں خود مختارانہ حیثیت سے جو زبان چاہیں گے بولیں گے۔ہندوؤں کو اختیار ہے جو زبان چاہیں بولیں (تالیاں)

جناب گاندھی جو چاہیں کہیں۔آزادی تقریر کا سوال انہوں نے ہی اٹھایا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں صرف آزادی تقریر کے واسطے لڑ رہا ہوں۔کانگرس کے اس بڑے پروہت کا تازہ بیان پڑھیئے۔اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حکام کو مجبور اور تنگ کرنے کا ایک طریقہ باقی تھا جو انہوں نے اختیار کر لیا۔مقصد یہ ہے کہ حکام اس تکلیف دہ لغویت کے آگے سر تسلیم خم کر دیں جس کو انفرادی ستیہ گرہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔آزادی تقریر کے لئے نہیں بلکہ پورن سوراج یا کامل آزادی کے واسطے۔جیسا کہ خود جناب گاندھی نے توضیح کی ہے۔سوال نافرمانی

کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ عام امور مثلاً آزادی کے لئے کبھی اختیار نہیں کی جاتی۔ مسئلہ ایسا صاف اور واضح ہونا چاہیئے کہ آسانی سے سمجھا جا سکے اور تسلیم کرنا مخالف کے اختیار میں ہو۔

میں نے یہ تصریحات اس لئے کی ہیں کہ نوجوان دوست اس ملک کی صحیح صورتِ حال سمجھ جائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان اور مسلم طلباء بہت بے خبر ہیں۔ کانگرس مساعی جنگ کے خلاف ہے۔ وہ جنگ کے خلاف نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن سندھ میں انہوں نے کیا کیا ہے۔ وہاں کانگرس پارٹی الہ بخش صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔ حالانکہ الہ بخش صاحب جنگ میں مدد دے رہے ہیں۔ بلکہ نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت بھی قبول کر لی ہے جب یہ سوال اُٹھایا گیا تو گاندھی جی نے آرام کے ساتھ اُسے پارلیمنٹری کمیٹی کے حوالہ کر دیا۔ اور اس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ سندھ کے خاص حالات ایسے ہیں کہ کانگرس کمیٹی الہ بخش صاحب کی حمایت سے باز نہیں رہ سکتی۔ آسام میں کانگرس پارٹی نے کیا کیا؟ وہ چودھری صاحب کی تائید کے لئے تیار ہے جنہوں نے پُراسرار طور سے کولیشن پارٹی کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ اس کی رکنیت کے باعث وزارت کے بھی رکن تھے، اب ان چودھری صاحب نے ایک اور پارٹی بنالی ہے۔ کانگرس ان چودھری صاحب کی وزارت کی حمایت کے لئے تیار تھی۔ لیکن وہ بلّیوں میں انصاف کے واسطے بندر آ گیا۔ دفعہ نمبر ۹۳ نافذ کر دی گئی۔ اب سر سعد اللہ اور چودھری صاحب دونوں آرام کر سکتے ہیں۔

بنگال میں کانگرس پارٹی کیا کر رہی ہے؛ فضل حق صاحب نے جو نئی وزارت مرتب کی ہے۔ کانگرس پارٹی اس کی حمایت کر رہی ہے اور اسی کی وجہ سے فضل الحق صاحب وزارت قائم کر سکتے ہیں۔ انہی فضل الحق صاحب کے باعث لارڈ لن لتھگو صاحب یہ اعلان کر سکے کہ:-

"اب مجھے اس جلیل القدر وزیر اعظم کی تائید حاصل ہو گی"

وزیر اعظم بنگال اپنے عہدہ کے باعث نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے رکن بھی ہونگے کانگرس ان فضل الحق صاحب کی حمایت کر رہی ہے۔

میں فضل الحق صاحب کو کرسمس کے تحفہ کے طور پر لارڈ لنلتھگو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں (تالیاں) اور گورنر بنگال کی خدمت میں نواب ڈھاکہ کو ھدیۃً پیش کرتا ھوں۔ میں خوش ہوں کہ مسلم ھندوستان کو ان لوگوں سے نجات ملی۔ جو مسلمانوں کے ساتھ بدترین غداری اور دغابازی کے مجرم ھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انجمن میں غداروں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ وہ کتنے ھی بڑے آدمی ہوں ان کو نکال دینا چاھیئے اب ہم آبرومندانہ طور سے بڑھیں گے۔ اور ان غدار قسم کے لوگوں کو خارج کر کے زیادہ طاقت حاصل کرسکیں گے۔ اب دُنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے نہیں روک سکتی۔

برطانوی حکومت اور مسلم لیگ کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم اپنی حیثیت بار بار بیان کر چکے ہیں۔ پرسوں میں نے نیوز کرانیکل کو اسی موضوع پر ایک بیان دیا ہے، ہماری روش معقول اور منصفانہ ہے اور ایسی ہی رہے گی۔ کوئی معقول منصف مزاج آدمی ہمیں الزام نہیں دے سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اور انگلستان کو ایک ہی خطرہ درپیش ہے اور اپنے لوگوں اور گھروں کی حفاظت کی خاطر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن حکومت میں حقیقی اور اصل اختیار کئے بغیر ہم اس خطرہ کا مقابلہ کامیابی سے نہیں کرسکتے۔ گذشتہ دو سال کو رائگاں کرنے کی ذمہ داری برطانیہ پر ہے۔ اگر اس کا عمل یہی رہا۔ تو ایک دن اس کو مسلم لیگ کی مخلصانہ پیشکش مسترد کر دینے پر پچھتانا اور افسوس کرنا پڑے گا۔

ے۱ اشارہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف۔ جو اس زمانے میں کانگرس کے صدر تھے۔

ے۲ یہ لفظ "شوبوائے" سیاسیاتِ ہند میں سخت نزاعی مسئلہ بن گیا۔

ے۳ واردھا، سیوا گرام۔ باردولی یہ سب مقامات گاندھی جی کی اقامت گاہ کا کام دیتے تھے۔

۴۔ جو کانگرسی لیڈر جیل نہیں گئے تھے۔ وہ باہر رہ کر حکومت اور کانگرس میں مصالحت کی کوشش کر رہے تھے۔

۵۔ مسٹر سری نواس شاستری ہندوستان کے معتدل لیڈر جن کا سب احترام کرتے تھے۔

۶۔ باوجودیکہ مسٹر اللہ بخش وزیر اعظم سندھ خان بہادر تھے۔ اور انگریزوں کے نیاز مند تھے۔ لیکن چونکہ مسلم لیگ کے مخالف تھے۔ لہٰذا کانگرس ان کی وزارت کی حمایت کر رہی تھی۔ وہ مساعی جنگ میں بھی حکومت سے مخلصانہ تعاون کر رہے تھے، اور کانگرس تعاون کی سخت مخالف تھی۔ مگر خان بہادر کی تائید سے دستکش نہ ہوئی محض لیگ، کی مخالفت کے باعث

۷۔ وہ "خاص حالات" کیا تھے؟ ——— مسلم لیگ"!

۸۔ فضل الحق مسلم لیگ سے غداری کر کے اور قائد اعظم کے فرمان سے سرتابی کر کے حکومت سے تعاون کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ سے اُن سے ٹھن گئی۔ انہوں نے نئی وزارت بنائی، جس میں لیگ کا کوئی رکن نہ تھا۔ کانگرس اس وزارت کی زبردست حمایت کے لئے وقف ہو گئی۔

یہی فضل الحق تھے، پاکستان بننے کے بعد غلام محمد نے جنہیں وزیر داخلہ پھر بنگال کا گورنر بنایا، جس طرح ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کا پہلا وزیر اعظم بنا دیا۔

۹۔ نواب ڈھاکہ بھی مسلم لیگ سے غدّاری کر کے وزارت کے لالچ میں فضل الحق کے ساتھ ہو گئے تھے۔

۱۹۴۲ء

جب قائد اعظم غیروں سے لڑ رہے تھے ——————

جب قائد اعظم کو اپنوں سے لڑنا پڑ رہا تھا ——————

جب قائد اعظم غدّاروں سے لڑ رہے تھے ——————

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

(جوہر)

بنگال پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کا خطبۂ صدارت!

یہ ہیں فضل الحق!

۱۵ فروری ۱۹۴۲ء

قائدِ اعظم کا یہ نہایت اہم معرکہ آرا اور عہد آفرین خطبہ ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ فضل الحق مسلم لیگ سے غداری کر کے الگ ہو چکے ہیں، کانگرس اور دوسری ہندو جماعتوں کے تعاون سے انہوں نے ایک نئی وزارت بنگال میں بنا لی ہے مسٹر نلنی رنجن سرکار جیسے متعصب اور کٹر مہاسبھائی کو وہ اپنی وزارت میں شریک کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، مسلمانانِ بنگال کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، بنگال کے مسلم لیگی کارکن ہدفِ ستم بنے ہوئے ہیں، فضل الحق نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بنگال میں مسلم لیگ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہنے دیں گے۔ مسلم لیگ کو ختم کرنے اور مسلم لیگیوں کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لئے، وہ ہر جائز اور ناجائز حربہ بے تکلفی سے استعمال کر رہے تھے۔ اور چونکہ مسلم لیگ کی پالیسی کے برخلاف وہ حکومتِ ہند سے تعاون کر رہے تھے۔ لہٰذا وہ بھی اور اس کے اشارے پر گورنر بنگال بھی اُن کی ہر طرح سے ناز برداری میں لگے ہوئے تھے۔

یہ وقت تھا جب قائدِ اعظم بنگال تشریف لے گئے اور بنگال پراونشل مسلم لیگ کے اجلاس منعقدۂ سراج گنج میں یہ ولولہ آفرین خطبہ ارشاد فرمایا:۔

اس خطبہ میں قائدِ اعظم نے جہاں مسٹر فضل الحق کی غداری، خود غرضی اور جاہ پرستی کا پول کھولا ہے۔ وہاں انگریزوں کی فریب کارانہ سیاست کو بھی بے نقاب کیا ہے، اور ہندوؤں کی سامراجی ذہنیت بھی آشکار کی ہے اور ملتِ اسلامیہ کے عزمِ محکم کا بھی اعلان فرمایا ہے۔

اس خطبہ نے مسلمانانِ بنگال میں ایک نئی روح پیدا کر دی، اور وہ فضل الحق کی

دھاندلیوں کے باوجود فرد واحد کی طرح لیگ کے پرچم تلے اکٹھے ہوئے۔

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے "پراونشل مسلم لیگ کانفرنس" کی صدارت کی عزت بخشی۔ میں نے آپ کی دعوت گذشتہ چند ماہ کے سیاسی نشوونما کے پیش نظر اور بھی زیادہ دلی رغبت سے قبول کی۔ آپ لوگ بنگال کے ایک سیاسی طوفان میں سے گزر رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ موجودہ صورتِ حالات کے متعلق میری رائے کیا ہے۔

خواتین و حضرات! مسلم لیگ کے مخالفین بہت ہیں ہم مسلمان حیات و ممات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ہم یہ حقیقت بار بار اور وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ ہم صرف اپنی قوم کی تنظیم کر رہے ہیں اور ہمیں ہندوؤں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔ اور اس برِاعظم کے بسنے والے کسی اور چھوٹے بڑے فرقے سے کوئی نزاع نہیں۔ نیز یہ کہ مسلم لیگ کا اولین اور عظیم ترین اصول یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے درجہ اور وقار اور حقوقِ سیاسی محفوظ کیے جائیں ہم ہمیشہ (اور تمام اقسام کے حالات میں صرف اپنی حفاظت کرتے رہے ہیں اور) دوسروں کے حملوں کے مقابلہ میں دفاع سے آگے نہیں بڑھے اور ہمارا مطالبہ فقط یہ چلا آیا ہے کہ ہم اس ملک میں ایک آزاد قوم کے طور پر زندگی بسر کریں اور ہم پر کسی اور فرقہ یا قوم کی حکومت نہ ہو۔ یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ ہندو رہنما اپنے غرور اور فرعونیت اور مفاخرت اور ہمارے حقوق پر حملوں کا ثبوت دیتے رہتے ہیں اور اس طرح یہ حکم صادر فرماتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ ایک اقلیت کی حیثیت اختیار کر کے ہندوستان میں رہیں۔ چنانچہ ہم لڑتے ہیں تو صرف اُن کی اس حکمتِ عملی پروگرام اور رعونت و حملوں کے خلاف۔ کیونکہ مسلمانانِ ہند فی الواقع ایک قوم ہیں۔ اور اسلئے ہم ہندوؤں کے ساتھ کامل برابری کے علاوہ کسی اور حیثیت کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔

خواتین و حضرات! آیئے اب بنگال کی سیاسی صورتِ حال پر غور کریں۔ اور

بنگال کے اُفقِ آسمان پر نگاہ ڈالیں۔ جس بیہودہ آئین کے ماتحت صوبائی حکومتیں مصروفِ کار ہیں، ہمارا بنایا ہوا نہیں۔ اور بنگال کے ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کے حق میں سخت نامقفی کرتا ہے۔

خواتین و حضرات! بنگال لیجسلیٹو اسمبلی دو سو پچاس ۲۵۰ ممبروں پر مشتمل ہے۔ ان میں مسلمان اراکین ایک سو بائیس یا ایک سو تیئیس ہیں۔ اور ان میں "مخصوص حلقوں" کے نمائندے شامل ہیں۔ ان اعداد سے ظاہر ہوگا کہ عین آغاز سے ھی ھمیں اقلیت میں دکھا گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کی کوئی وزارت قائم ھی نہیں کی جاسکتی، جسے استقلال اور پائیداری حاصل ھو۔ آپ خود ھی سوچیئے کہ ایک اقلیت کس طرح سے ایک معقول اکثریت کے بغیر حکومت کرسکتی ھے؟ یہی بات پنجاب بلکہ سندھ پر بھی صادق آتی ھے۔ ان دو صوبوں میں بھی مسلم لیگ کی وزارت کی تشکیل نہیں کی جاسکتی۔ وہ لوگ جو حساب کتاب کے ضرورت سے واقف ہیں۔ اُن کا یہ جھوٹا دعوٰے ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے میں مسلم لیگ والے اپنی وزارت بنانے سے قاصر ہیں[1]۔

خواتین و حضرات! میں ۳۷-۱۹۳۶ء میں آپ کی سرزمینِ خوابیدگان میں آیا۔ اور جب میں نے ڈھاکہ، میمن سنگھ اور کمیلا وغیرہ کے اضلاع کا دورہ کیا تو دیکھا کہ یہ سوتوں کا نہیں بلکہ جہاں تک درست عمل کو دخل ہے مُردوں کا علاقہ ہے۔ میں نے ایسے مسلمان دیکھے جو ذاتی اغراض پوری کرنے کے لئے عامۃ الناس کی آراء سے بیجا فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ اور ان کو بہلا پھسلا کر خود صوبائی مجالس قانون ساز کی ممبری حاصل کرنے کے درپے تھے۔ ادھر بنگال کی یہ حالت تھی اور ادھر خود مسلم لیگ اس وقت تک محض ایک علمی مجلس سے بڑھ کر حیثیت نہ رکھتی تھی۔ مگر مسلم لیگ حالات کی اصل حقیقت سے آگاہ اور خبردار ہوئی۔ اور اس نے مسلمانوں کو منظم کرنے اور انتخابات میں مسلم لیگ کے اُمیدواروں کی کامیابی میں کوشاں ہونے کی ذمہ داری

اختیار کی۔ خوب یاد رکھئے کہ بنگال بجائے خود ایک برِ اعظم ہے، مگر ہماری غریب اور نو عمر جماعت اس وسیع سرزمین میں پوری سرسٹھ ۶۶ نشستیں اپنے قبضہ میں لانے میں کامیاب ہو گئی۔ کرشک پرو جہ پارٹی نے بھی جس کے سب سے بڑے حامی کار مسٹر فضل الحق تھے، مقابلہ انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ ان کی پارٹی نے بھی چند نشستوں پر قبضہ پایا۔ مگر انتخابات کے بعد انہوں نے ازراہِ صواب دید اپنی پارٹی کو اور بعض دوسرے مددگاروں کو بھی فراموش کر دیا اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کر کے اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی کے لیڈر بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف پرو جوں اور بعض دوسروں کو پس پشت ڈالا بلکہ مسلم لیگ کے ممبر بن کر سارے صوبوں میں اُسی کے سیاسی دین و مشرب کی تبلیغ کی۔ اور اس دوران میں پرو جوں کے چھوٹے سے چھوٹے گروہ کو بھی اپنی جیب میں احتیاط سے رکھا ہے[۲]

خواتین و حضرات! وہ وزارت جو حال میں مستعفی ہوئی تھی[۳] کسی وقت بھی کامل طور پر مسلم لیگ کی وزارت نہ تھی۔ البتہ اکثریتِ اراکین اور تفوق کے لحاظ سے ضرور مسلم لیگ کی وزارت تھی۔ اور ابھی یہ برسرِ کار تھی کہ ایک نیا مسئلہ پیش آیا۔ یعنی وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا سوال اُٹھا جو حکومتِ برطانیہ کی آٹھویں اگست کی پیشکش کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اس پر آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے جس کے ممبر مسٹر فضل الحق بھی تھے۔ غور کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ یہ پیشکش نامنظور کی جائے۔ چنانچہ وہ منظور نہ کی گئی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کونسل نے اس نامنظوری کی تائید و تصدیق کی مسٹر فضل الحق کونسل کے بھی ممبر تھے انجام کار خود آل انڈیا مسلم لیگ کے کامل اجلاس نے عدم قبولیت پر صاد کیا۔

اس کے بعد جناب وائسرائے نے صدر مسلم لیگ کی رائے طلب کرنے کے بغیر اپنی مجلس منتظمہ کی توسیع ایک نام نہاد انڈین ڈیفنس کونسل (ہندوستان کی قومی مجلس دفاع) کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ یہ دونوں وہی تھے جنہیں مسلم لیگ رد اور نامنظور کر چکی تھی پیشکش مذکور کی شرائط کے مطابق مسلم لیگ کو یہ حق حاصل تھا کہ مجلسِ منتظمہ کی رکنیت کے لئے اپنے دو نمائندے نامزد کرے

مگر وائسرائے نے خود ہی دو مسلمان چُنتے اور نامزد کئے۔ آپ تسلیم کرینگے۔ کہ اس طرح نہ صرف مسلم لیگ کو نقصان پہنچایا گیا بلکہ اس پر توہین کا اضافہ کیا گیا ہیں آپ سے پُوچھتا ہوں کہ کوئی وضعدار جماعت یا فرد جس میں حمیت کی کوئی رمق بھی باقی ہو ایسے حالات میں ایسی پیشکش قبول کر سکتا ہے (نہیں نہیں) مگر مسٹر فضل الحق نے انڈین نیشنل ڈیفنس کونسل میں اپنی نامزدگی قبول کی (شرم! شرم!) اور اس سے پہلے صدر مسلم لیگ کی رائے نہ لی۔ جب یہ خبر شائع ہوئی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بعض دیگر اشخاص نے بھی یہ تقرر منظور کیا ہے۔ مگر سر سکندر حیات خاں اور سر سعد اللہ خاں مستحق تحسین و آفرین ہیں کہ انہوں نے مجلس عاملہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہو گئے۔

اب سُنئے کہ مسلم لیگ کے تیسرے یعنی بنگال کے وزیر اعظم نے ——— جس کی مثال کی تخلیق سے دُنیا قاصر تھی ——— اس امر کے لئے مہلت مانگی کہ میں ڈیفنس کونسل کی ممبری سے استعفےٰ دینے یا نہ دینے پر غور کر لوں۔ مہلت طلب کرنا اُن کی ایک منظور نظر چالبازی ہے۔ جس سے ہر شخص واقف ہے۔ جب کوئی مشکل آن پڑے تو مسٹر فضل الحق یا تو مہلت مانگتے ہیں یا بیمار ہو جاتے ہیں۔ ہماری مجلس عاملہ ایک معقول پسند ہوشمند کو ذمہ دار اور فیاض طبع جماعت واقع ہوئی ہے، اس نے دس روز کی مہلت منظور کر کے مسٹر فضل الحق خبردار کیا کہ اگر آپ اتنے وقت تک مستعفی نہ ہوں گے تو آپ کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ مگر بنگال کے وزیر اعظم نے بہت سی فریب کاریوں سے جس کا علم سب کو ہے کام نکالنے کی کوشش کرنے اور کامیاب نہ ہونے کے بعد انجام کار ڈیفنس کونسل سے استعفےٰ تو دیدیا مگر کیسی بری طرح۔ اس کا ثبوت اس مکتوب سے ملے گا۔ جو اُنہوں نے ۸ ستمبر ۱۹۴۱ء کو سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کو بھیجا اور جو آپ نے ضرور پڑھا ہو گا۔ اس میں مسٹر فضل حق نے صدر مسلم لیگ، مجلس عاملہ اور آل انڈیا مسلم لیگ سب کے خلاف غیر معقول ناجائز اور شرمناک اتہام لگائے۔ باوجودیکہ

اس وقت تک اس معاملہ پر کونسل نے تو غور ہی نہ کیا تھا - ظاہر ہے کہ اس قسم کے توہین آمیز اور بدنام کنندہ اتہامات کی اجازت کوئی وضعدار جماعت نہیں دے سکتی مگر مسٹر فضل الحق نے بہتان طرازی کا طریق جاری رکھا اور ملک کے ہر وضعدار مسلمان کے لئے صبر آزما بنے رہے اور آخر کار جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو مسلم لیگ کا مطالبہ اگرچہ رسمی شکل و صورت میں نہیں - مگر فی الحقیقت عملاً مان لیا - چنانچہ ایک بار پھر اس امر کا اقرار کرنے کے بعد کہ میں مسلم لیگ کے حق میں وفادار ہوں - اور یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اپنے بیان سے صدر مسلم لیگ یا کسی ممبر کی توہین مقصود نہ تھی - ہم سے درخواست کی کہ اب یہ معاملہ اور اس کی بحث ختم کی جائے - اس پر مجلس عاملہ نے ایک وسیع اور باوقار جماعت کی شایانِ شان فیاضی سے کام لیا - مسٹر فضل الحق کی درخواست منظور کی اور بات آئی گئی ہو گئی - مگر ابھی اس مقدمہ کی مثل بمشکل مزید غور و فکر سے دور کی گئی تھی کہ بنگال میں نہایت تعجب انگیز واقعات رونما ہوئے - جن سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مسٹر فضل حق کئی ماہ سے نہایت تفصیل اور تکمیل کے ساتھ بعض تیاریاں کر رہے تھے - جن سے مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ کی قیادت کی قید و بند سے آزاد ہو جائیں اور بنگال اسمبلی میں اپنی وزارت کے قیام و دوام کے لئے اس پارٹی کے محتاج نہ رہیں - جس میں مسلم لیگ کو فوقیت حاصل تھی، اسکی کیفیت یہ ہے کہ مسٹر فضل الحق اس پارٹی کی تعمیر و تشکیل کر رہے تھے - جس کا نام جماعت ترقی پسند (پروگریسو گروپ) رکھا گیا اور جس کے لیڈر وہ خود بنے - یاد رہے کہ اس دوران میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر تھے - صوبائی مسلم لیگ کے صدر تھے - اسمبلی کے اندر ممبران مسلم لیگ کے لیڈر تھے اور اجتماعی (کولیشن پارٹی) کے بھی لیڈر تھے - مسٹر فضل الحق نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ایک اور کام یہ کیا کہ بنگالی زبان میں ایک روزنامہ بنام "ناواجوگ" شائع کرنے لگے - اور اس پر جلی حروف میں یہ الفاظ لکھے - زیر اہتمام

مسٹر اے کے فضل الحق اس اخبار کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ مسلم لیگ کو گالیاں دے اور اس کے اغراض و مقاصد کو برا بتائے۔

موجودہ وزارت کے پیش رو وزارت کے مستعفی ہونے کے بعد مسٹر فضل الحق نے بذاتِ خود چل پھر کر اپنی حمایت و اعانت کے لئے ممبران اسمبلی کے دستخط جمع شروع کئے اور جب ایک سو انیس ممبروں کے دستخط جمع ہو گئے تو گورنر کی خدمت میں التماس کی کہ مجھے پروگریسو پارٹی کے لیڈر کی حیثیت میں ترتیب وزارت کا کام تفویض کیا جائے۔ یہ پارٹی مختلف النوع اقتصادی اور سیاسی خیالات کے لوگوں پر مشتمل تھی جن کے اغراض و مقاصد میں اکثر تضاد پایا جاتا تھا۔ اور اس کی تخلیق ایک تازہ ترین شے تھی جس سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممبروں کی یک جہتی تباہ کی جائے اور ان کی جماعت میں فتور ڈالا جائے۔ میں نے آپ کو جملہ تفصیلات سے تو آگاہ نہیں کیا۔ مگر جو کچھ کہا ہے اسکے پیشِ نظر آپ سے فیصلہ طلب کرتا ہوں۔ کیا یہ ساری کوشش جو مسٹر فضل حق نے کی اس امر کے برابر نہیں کہ انھوں نے صرف مسلم لیگ سے غداری کی بلکہ مسلمانان بنگال و ہند سے بھی دغابازی روا رکھی؟ اس کے علاوہ اس عمل سے انھوں نے اس اجتماعی فریق (کولیشن پارٹی) کے حق میں بھی دغابازی اور غدّاری سے ھی کام لیا۔ جس کے لیڈر وہ ساڑھے چار سال تک رہے تھے۔ اور جس کے بَل بوتے پر وہ وزیر اعظم بنائے گئے تھے۔

آیئے اب ہم اس امر کے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس نازک وقت۔ اس آزمائش کی گھڑی میں جو طریق کار اختیار کیا گیا تھا۔ کیا ہم یقین کر سکتے ہیں کہ گورنر اصل واقعات سے باخبر نہ تھا؟ یا اس کو بھی احوالِ واقعی سے اتنی ہی آگاہی تھی جتنی ہمیں تھی؟ ہمارے پاس محکمۂ مخبری نہیں مگر گورنر کے پاس ہے۔ گورنر نے اس دستور پر جسے ایک بہت بڑی حد تک قانون کی قوت حاصل ہے عمل نہ کیا جو برطانوی پارلیمان میں مروّج ہے۔ اس نے اسمبلی کی سب سے بڑی اکیلی

پارٹی کے لیڈر کو تشکیل و ترتیب وزارت کی دعوت نہ دی۔ بلکہ ایک ایسے شخص کو اس کام کے لیے بلایا جو حکومت بنگال کا افسر اعلیٰ ہونے کے وقت بھی سازشیں کرتا رہا تھا۔ جو اپنی ٹوپی ہاتھ میں لیے اور اسے کاسۂ گداگری بنائے ممبروں کی مدد و معاونت طلب کرتا رہا تھا تاکہ ان کی تائید اور سہارے کی بناء پر اسے گورنر یہ کام سپردگی کے لیے درخواست کرے۔ ہاں ایک ایسا شخص جس کا یہ سارا عمل میری رائے میں ایک ایسے شخص کے لیے نادرست ذلت آمیز اور احترام و وقار کے منافی تھا میں اصرار کے ساتھ کہوں گا کہ ایسے طریق عمل کی حوصلہ افزائی دنیا بھر کے اندر کسی پارلیمانی نظام حکومت میں نہیں پائی جاتی۔ دستخط آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کے لیے بعض اقرار کرنے پڑتے ہیں۔ جو اراکین مجلس قانون ساز کو کسی نہ کسی شکل میں رشوت دینے کے برابر ہوتے ہیں۔ "فریق اجتماعی" یعنی کولیشن پارٹی ٹوٹ چکی تھی۔ اس لیے اس وقت اسمبلی کے اندر بلا شبہ سب سے بڑی اکیلی پارٹی مسلم لیگ پارٹی تھی۔ گورنر کو سب سے پہلے اس کے لیڈر سے پوچھنا چاہیے تھا کہ آپ وزارت بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ سر ناظم الدین ایک ذمہ دار شخص ہیں اور ان کی شہرت بے داغ ہے۔ آئین حال کے عمل دخل سے پہلے وہ بڑے بڑے ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ موجودہ آئین کے آغاز سے لے کر وزارت کے استعفے تک اہم ترین وزارت داخلہ (ہوم منسٹری) ان ہی کے قبضے میں رہی ہے ملکی کاروبار میں ان کی زندگی کا ہر عمل کامیاب اور بے داغ رہا اور ان کی دیانت اور ذمہ داری کا ثبوت بہم پہنچاتا رہا۔ یہ فیصلہ سر ناظم الدین کو کرنا تھا کہ وہ ترتیبِ وزارت کی تفویض قبول کریں یا نہ کریں۔ اگر وہ گورنر سے کہتے کہ ہاں میں یہ کام کروں گا۔ لیکن ناکام رہتے یا عدم اعتماد کی قرارداد سے شکست

کھاتے اور اس کے معنے یہ ہوتے کہ لیگ کا جنازہ نکل گیا۔ نہ کہ گورنر کا۔ جس نے ان کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ وہ لیگ کے جنازے سے دوچار ہوتے اور اس کے بجائے ایک ایسے شخص (مسٹر فضل الحق) کو دعوت دی۔ جس کے ہاتھ میں ایک سو انیس اراکین کے تائیدی دستخط کی حامل ایک عرضی تھی جو نہ صرف خلافِ دستور حکومت پارلیمانی تھی اور شیوہ گداگری سے مرتب کی گئی۔ بلکہ خدا ہی کو علم ہے کہ کن حیلوں اور ترکیبوں سے دستخط حاصل کئے گئے تھے۔ یہ شخص بھی با ایں ہمہ ادعائے برتری اپنے کابینہ کے لئے وزیروں کی مکمل فہرست نہ صرف گورنر بلکہ اس کے بعد مجلس کی خدمت میں نہ پیش کر سکا۔ حالانکہ اُسے کافی وقت دیا گیا۔ یہ فہرست کتنی ہی قسطوں میں مہیا کی گئی۔

آج حکومت بنگال نو وزیروں پر مشتمل ہے۔ مجھے حیرت نہ ہوگی اگر مسٹر فضل الحق اس تعداد کو ایک مضحکہ انگیز حد تک بڑھاتے چلے جائیں اور اس طرح وزارتِ عظمیٰ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جب میں کلکتہ میں آیا تو اخبارات میں موجودہ وزارت کے ایک تمسخر انگیز اقدام کا حال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ حکومت تیرہ حکم بردار (وھپ) مقرر کر رہی ہے (آوازیں:۔ تیرہ ۱۳ نہیں سترہ ۱۷) جب میں کلکتہ میں تھا تو یہ تعداد تیرہ تھی۔ اب میرے سراج گنج پہنچتے پہنچتے اس کا سترہ ہو جانا عجیب نہیں۔ مگر خدا ہی جانتا ہے کہ ابھی اور کتنے وھپ مقرر کئے جائیں گے۔ میں گورنر سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ ایسی مثال کہیں مل سکتی ہے، کیا دُنیا بھر میں کبھی کسی حکومت نے محض دو سو پچاس اراکین کے ایوان میں سترہ وھپ مقرر کئے ہیں۔ اور ان کی ضرورت

پڑی ہو؛ کیا اُن کے اپنے ملک انگلستان کی پارلیمان کے اندر ستر ہ وہپ ہیں حالانکہ اراکین چار سو سے زائد ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ کتنے پارلیمانی سکریٹری مقرر کیے جائیں گے۔ مگر ہمارا یہ قیاس غالب ہونا چاہیئے کہ ان کی تعداد ضرور سترہ تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح وزیروں اور پارلیمانی اور وہپوں اور چند دیگر عہدہ داروں کے سمیت ایسے پورے پچاس عہدہ دار جمع کر دیئے جائیں گے جو مجلس قانون ساز میں وقار و اقتدار اور سرپرستی کے اختیار کے مالک براہِ راست ہوں گے اور اس وجہ سے متفق و متحد ہوں گے۔ چنانچہ مسٹر فضل الحق کے ایک سو انیس ۱۱۹ حامیوں سے پچاس اشخاص محض اور فقط اپنے عہدوں کے سبب سے ہمیشہ اُن سے وابستہ رہیں گے۔ آج صوبہ بنگال میں برسرکار وزارت کی یہ ہیئت ہے۔

اب میں ایک اور اہم بات کو توجہ دیتا ہوں جو صوبہ بنگال کے مسلمانوں پر بڑی شدت کے ساتھ مؤثر ہے۔ مجلس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی کو حزبِ مخالف (اپوزیشن پارٹی) کی حیثیت حاصل ہے اور جب تک موجودہ آئین عمل پذیر رہے گا۔ اسی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ جب چاہے مسلمان اراکین اور مسلمان رائے دہندگان کی خدمت میں اپیل کرے اور اُن سے حکومت برسرکار کی بداعمالیوں کا علاج طلب کرے۔ ہم ہندوؤں کے کاموں میں مخل نہیں ہیں۔ ہم فقط اپنے لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیا ہم اس کو اس بات کا حق نہیں؛ ہم اپنے رائے دہندگان کو مسٹر فضل الحق کی دغابازی سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کا ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ کس طرح بنگال کا وزیر اعظم مسلمانانِ صوبہ اور اسلامیانِ ہند کو بے اندازہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ ہمارا مدعا حق گوئی ہے۔ مگر مسٹر فضل الحق کو اس سے نفرت ہے ہم رائے دہندگان سے مطالبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے منتخب نمایندوں سے کہیں کہ ہوش میں آئیں، کیونکہ اس وقت اُن کے ہاتھوں سے مسلمانوں کے اغراض و مقاصد پر

مہلک ضرب لگ رہی ہے۔ اس قسم کی اپیل کرنا ہمارا حق ہے اور یقیناً کسی کو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔ کسی ملک میں بھی جہاں آئینی حکومت عمل پذیر ہو کسی کو اس بنیادی حق سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ مگر یہاں کیا ہو رہا ہے؛ ہمارے حامیوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ اُن کے خلاف فوجداری مقدمے دائر کئے جاتے ہیں۔ اور اس ملک کے قوانین تعزیرات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ قانون دفاع ہند (ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ) جس کے استعمال کی اجازت دینا صرف خاص حالتوں میں منشائے حکومت ہے۔ کھلے بندوں عملِ بیجا میں لایا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کیا کہوں۔ کیا بنگال میں آئینی حکومت کا راج ہے یا مطلق العنانی کارفرما؟ یہ گورنر کی ذمہ داری ہے کہ وزیروں کو اپنے اختیارات کا بیجا استعمال نہ کرنے دیں۔ اور جس قدر جلد گورنر بنگال اس بات کو توجہ دینگے صوبے کے امن و امان کے لئے بہتر ہوگا۔ وزیر اعظم بنگال ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ ہم صوبے کے مسلمان رائے دہندگان سے اس قسم کی اپیل نہ کر سکیں۔ مسٹر فضل الحق کو باقی سب لوگوں سے بڑھ کر اس بات کی ضد ہے کہ بنگال کے قریباً ننانوے ۹۹ فی صدی مسلمان اُن کے خلاف ہیں کیونکہ انہوں نے اسلامی اغراض و مقاصد سے غداری کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنا اور ہمارا معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھنے کا حوصلہ نہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں روکنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم راست گوئی سے کام لے رہے ہیں اور وہ دروغ گوئی سے۔

مسٹر فضل الحق ہماری آئینی تحریک ناراضی (ایجی ٹیشن) کو قانونِ دفاعِ ہند اور دیگر قوانینِ تعزیرات کے بیجا استعمال سے دبانے کے درپے ہیں۔ میں اس پلیٹ فارم سے اپنی کامل ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوئے۔ مگر خفیف ترین تامل کے بغیر کہتا ہوں کہ اگر

جناب گورنر دخل نہ دیں گے اور اس شرمناک حکمتِ عملی پر عمل جاری رہا تو بنگال میں ایک ایسی حالت رونما ہو گی، جسے بنگال کی موجودہ پست اور نالائق حکومت نے بھی نہ دیکھا ہو گا اور جس کی مثال برطانوی راج کی تاریخ میں نہ ملے گی۔ ہم اس بدبخت وزارت سے ہرگز ہرگز نہ دبیں گے۔ اور نہ اس کے ہاتھوں اپنے پر ظلم و تشدد ہونے دیں گے۔ یہ وزارت مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے اور اس کا وزیرِ اعظم اور دوسرے مسلمان وزیر مسلمانوں کے اعتماد سے عاری ہیں، جسے وہ بطور تاوان و جرمانہ کھو چکے ہیں، مجھے یہ بھی امید ہے کہ جناب وائسرائے جلد ہی بنگال کی نئی صورتِ حال سے آگاہ ہو جائیں گے۔

اگر کوئی فریق ہمارے اس بیان کو غلط ٹھیرانے کا دعویدار ہو کہ ہم مسلم لیگ کے پیرو کار ہی صرف وہ لوگ ہیں جو مسلمانانِ ہند کے اصلی نمائندے ہیں تو اس اسمبلی کو توڑ دیجئے اور نئے انتخابات کیجئے۔ پھر آپ کو ثبوت ملجائے گا کہ ہمارا تقاضا اور دعوےٰ بلا مبالغہ درست ہے۔ میرا یہ لازمی فرض تھا کہ اپنے بعض نہایت اہم اور موعودہ کاموں کو چھوڑ کر بنگال میں آؤں اور یہاں کے مسلمانوں کو احوالِ واقعی سے باخبر کر کے ان سے اپیل کروں کہ حالات کی درستی کا فرض انجام دیں کیونکہ یہ آپ کے اختیار میں ہے۔ اتحاد سے کام لیا جائے تو مسلمان جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں مسٹر فضل الحق اور ان کی وزارت کو شکست دینا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مجھے اس بات کا پورا علم نہ تھا کہ بنگال کے مسلمان مسٹر فضل الحق کے داؤں گھات اور اس سے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ ہیں۔ اس لئے میں یہاں آیا اور یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ ننانوے فی صدی مسلمانوں کو اس چالبازی کا احساس ہے اور وہ مسلم لیگ کے حامی ہیں اس کا ثبوت آج سراج گنج کے اس جلسہ نے مہیا کیا ہے، جس میں صوبہ بھر کے مسلمان جمع ہیں مجھے یقین ہے کہ بنگال کے مسلمان بڑے استقلال خاطر اور پامردی کے ساتھ اپنے اس عظیم الشان جھنڈے کے نیچے دادِ اتحاد دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ فتح ان کے قدم چومے گی

مسلم لیگ کا وجود وزیروں اور وزارتوں کے لئے نہیں بلکہ اس کے خلاف وزیروں اور وزارتوں کی بقاء کا انحصار مسلم لیگ کی خوشنودی پر ہے۔[1] میں اس حقیقت سے سب کو خبردار کرتا ہوں کہ ہم کسی شخص کو وزیر بننے کے لئے مسلم لیگ کی طاقت اور اثر و رسوخ سے بیجا فائدہ نہ اٹھانے دیں گے اور نہ ذاتی اغراض کی بارآوری کے لئے مسلم لیگ کا استعمال بطور زینہ ہونے دیں گے اور نہ ذاتی اغراض کی بارآوری کے لئے مسلم لیگ کا استعمال بطور زینہ ہونے دیں گے۔ میں اس بات کی تکرار کرتا ہوں اور آج ہمیشہ کے لئے اعلان کرتا ہوں کہ کوئی شخص ہمارا مطلب سمجھنے میں غلطی نہ کرے اس قسم کی کوشش میں چاپلوسی اور خوشامد کرنے والا آدمی پیشتر اس کے کہ ایک قدم بھی آگے بڑھائے۔ پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔

خواتین و حضرات! میں بنگال کی نسبت کافی عرض کر چکا ہوں۔ اب میں بعض دوسرے اہم امور کی طرف رُخ کرتا ہوں۔ ہمیں ان امور پر بھی غور کرنا ہے، جو سارے ہندوستان سے متعلق ہیں اور بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر میں ان کی نسبت اپنی رائے کا اظہار نہ کروں گا تو اپنے فرائض سے غافل قرار پاؤں گا۔ جہاں تک کانگرس کو دخل ہے۔ میری رائے میں اب ان لوگوں کی زبان اور لب و لہجہ میں نسبتاً کم حملہ آوری اور رعونت ہے مسٹر راجگوپال اچاریہ کی تازہ تقریروں کو ہی دیکھئے۔ میں ان کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرتا۔ بلکہ خود اُنکے بیانات میں سے لے کر ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ اُنہوں نے میری تعریف و توصیف بھی کی ہے اس کے لئے میں اُن کا شکر گزار ہوں۔ ہاں تو وہ فرماتے ہیں

"برطانوی حکومت اور اہل ہند اور بڑی بڑی سیاسی جماعتیں جن کے صدر مہاتما گاندھی اور قائداعظم جناح جیسی پُرجلال شخصیتیں ہیں، ان تینوں کے مابین کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ یہ دو حضرات کوئی معمولی افراد نہیں۔ دونوں ہمسر کے برابر مشہور و معروف ہیں اور دونوں کو ملک بھر میں بے حد و حساب

ہر دلعزیزی حاصل ہے ہر ایک کے پیروکار اندھا دھند اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اچھا ایسا ہی سہی مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ پیروکار سچے مقلد ہیں۔"

خواتین اور حضرات! مسٹر راجگوپال اچاریہ کے الفاظ "سچے پیروکار" کو نگاہ میں رکھیے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے صدر کو سچے پیروکار حاصل ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مسٹر راجگوپال آچاریہ نے یہ بات تسلیم کر کے مجھے معزز فرمایا۔ وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اس وقت ہمارے ملک میں ہم ہندوستانیوں کی دو طاقتور اور منظم جماعتیں ہیں ایک، ہندوؤں کی اور دوسری مسلمانوں کی، دونوں ہر دلعزیز ہیں۔ دونوں موجودہ حکومت سے برسرِ جنگ ہیں اور اس لئے حکومت کے ان کاموں سے بھی جو زیرِ عمل ہیں۔ یہ ہیں حقائق یہ ہیں اُمورِ واقعہ"

یہ پہلا موقع ہے کہ صفِ اول کے ایک کانگرسی لیڈر نے حوصلے سے کام لیا، اور صاف طور پر تسلیم کیا کہ کانگرس ایک ہندو جماعت ہے۔ واقعی ان کا بیان صداقت پر مبنی ہے میں مسٹر گاندھی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ راستے کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں اور اس حقیقت کا اعلان کر دیں کہ کانگرس ہندوؤں کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں محض اس صورت میں ہم اُمید کر سکتے ہیں کہ دونوں جماعتیں حیثیت مساوی سے ایک دوسرے سے ملیں گی۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو دیگر کسی قسم کی شرائط پر وہ کبھی مل نہیں سکتیں۔

خواتین و حضرات! اب میں پاکستان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہم نے پاکستان کے وقت ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق جاری ہے عملی لحاظ سے اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آج اس وقت کیا کیا جائے۔ اس کے متعلق صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف برطانوی حکومت اپنی پیشکش ماہ اگست کو بڑی مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔ اس اعلان کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں ملک معظم کی حکومت نے ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق اپنی حکمتِ عملی واضح کی ہے۔ دوسرے حصے میں بیان کیا ہے کہ کس طرح دورانِ جنگ میں

میں حیران ہوں کہ مسلم لیگ کس طرح تقسیم ہند اور ایک جدا مملکت کی تعمیر کی خواہش مند ہے جب کہ چند اسلامی ممالک جو الگ الگ آزاد حکومت رکھتے تھے۔ اپنی آزادی کھو چلے ہیں۔ وہ لوگ جو تقسیم چاہتے اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان واقعات کی طرف سے جو اس وقت دنیا میں حادث ہو رہے ہیں حقیقت میں آنکھیں اور کان بند کئے بیٹھے ہیں اور جنگ میں سبق لینے سے منکر ہیں میں حیران ہوں کہ ہندوستان کے اندر کس طرح ایک اکیلی مسلم مملکت قائم رہ سکے گی۔ جبکہ آج دنیا میں اس نزاع اور بحث کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو اس وقت ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق جاری ہے۔ عملی لحاظ سے اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آج اس وقت کیا کیا جائے۔ اس کے متعلق صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف برطانوی حکومت اپنی پیشکش ماہ اگست کو بڑی مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔ اس اعلان کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں ملک معظم کی حکومت نے ہندوستان کے آئندہ آئین کے متعلق اپنی حکمتِ عملی واضح کی ہے۔ دوسرے حصے سے بیان کیا ہے کہ کس طرح دورانِ جنگ میں عارضی طور پر وائسرائے کی مجلسِ منتظمہ میں ہندوستانی اراکین کا غالب عنصر شامل کرنے کے لئے اس کی توسیع کی جائے گی اور بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کو دعوت دی جائے گی۔ وہ کسی کونسل کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں۔ لیکن جب اس پیشکش کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو کانگرس نے قطعی طور پر اعلان کیا کہ ہم مرکزی حکومت ہند اور صوبائی حکومتوں میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل میں حصہ نہ لیں گے۔ جبکہ یہ تبدیلیاں موجودہ مروجہ آئین کی حدود کے اندر رہ کر کی جائے گی۔ اسی طرح اہل کانگرس نے ملک معظم کی تجویز کے بنیادی اصول کو نامنظور کیا۔

اس وقت ہندوؤں کی متعدد دوسری سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔ یعنی ہندو مہاسبھا لبرل فیڈریشن اور نان پارٹی کانفرنس جناب سپرو کانفرنس کہلاتی ہے۔ یہ سب کے سب

ہندوؤں کے ادارت ہیں اور مختلف بھیس بدل کر اور مختلف نام اختیار کر کے یہ لوگ کانگرس کے کارندے ہیں۔ اور اس کی طرف سے چوکیداری اور تفتیشِ حال کا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ یُوں سمجھئے کہ ایک بھائی کانگرسی روپے میں سے سولہ آنے کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسرا بطور آغاز پندرہ آنے مانگتا ہے پھر تیسرا کہتا ہے کہ نہیں بھئی چھوڑو یہ جھگڑا۔ مجھے بارہ آنے ہی دے دو تو بہر دست بہت ہیں۔ الغرض اسی طرح یہ سیاسی کھیل جاری ہے۔ مگر سب کا مقصد واحد ہے اگر وہ سامنے ہو کر حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تو پچھلے دروازہ سے داخل ہوتے ہیں۔ یعنی اپنی حکمتِ عملی کا بھیس بدل کر اُسے نئے رنگ میں پیش کرتے ہیں اور قومی حکومت مانگتے ہیں یہ لوگ پاکستان کی تجویز و تحریک کی تباہی کے لئے تمام چال جو اُن سے ممکن ہوں پھیلانے کے لئے تیار ہیں۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ وہ کامیاب نہ ہوں گے۔ اب اسلامی ہند بیدار ہو گیا ہے اور راسخ الارادہ

یہ سب ہندو ادارے بڑی سرگرمی کے ساتھ اس خیال کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ کہ مرکزی حکومت میں وزیروں کا ایک ایسا کابینہ مرتب کیا جائے جو تاج برطانیہ کے سامنے ذمہ دار ہو۔ بظاہر ایسی ذمہ داری اور اس کے مقابلہ میں مجلسِ قانون ساز کے سامنے ذمہ داری کے مابین چنداں فرق نہیں ہے (مگر حقیقت میں بہت بڑا) یہ ایک چال ہے جو ناراستی اور دغابازی پر مبنی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ فریب کاری سے اپنا مطلب حاصل کیا جائے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ وائسرائے کب تک اپنے کابینہ (جو تاج کے سامنے ذمہ دار ہے) کی کثرتِ رائے کے فیصلے کے خلاف عامل ہو سکتے ہیں۔ اگر وائسرائے اس قسم کے عمل پر اصرار کریں گے تو اظہارِ ناراضی کے لئے ایک فلک شگاف شور بلند کیا جائے گا کہ دیکھئے اکثریت پر کتنا ظلم ہو رہا ہے اور وائسرائے کس طرح اپنی طاقت کا بیجا استعمال کر رہے ہیں۔ پھر یہ پراپگنڈا اختیار کیا جائے گا۔ جو بے قابو آگ کی طرح پھیلے گا اور کہا جائے گا کہ خود ہمارا "نمائندہ تاج" (یعنی وائسرائے) ہندوستانیوں کی رائے کو پسِ پشت ڈال کر اس کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ مگر واضح ہو کہ

ہندوستانیوں سے صرف ہندو مراد ہیں۔ اس کے بعد منطقی لحاظ سے دوسرا قدم یہ ہوگا کہ کابینہ کی ذمہ داری تاج برطانیہ کے بجائے مجلسِ قانون ساز کے سامنے کردی جائے گی اور اس طرح سارے ملک پر اقتدار حاصل کیا جائے گا اور مسلمانوں کو ایک اقلیت کی حالت میں رکھا جائے گا۔

جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے۔ وہ آج تک پیشکشِ اگست پر قائم ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں۔ کانگرس نے پیشکش رد کردی ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم نے اُسے اصولاً قبول کرلیا ہے۔ مگر جب ان تجاویز پر عمل کرنے کا وقت آیا تو ایک ایسی حد تک بے اثر اور کم کردی گئیں۔ جسے کوئی معقول پسند اور وضعدار جماعت قبول نہیں کرسکتی۔ چنانچہ ہم نے اس رائے کا اظہار ایک سے زیادہ بار کردیا ہے کہ ہمیں نہ صرف مرکز بلکہ صوبوں میں بھی ایسا حصّہ دیا جائے۔ جو حقیقت میں حصّہ کہلانے کا مستحق ہو[۱]

اس میں کوئی کلام نہیں کہ آج کانگرس ہندوؤں کی متحدہ ٹھوس رائے کی نمائندگی کرتی ہے اور اگر یہ جماعت اس پیشکش کا بنیادی اصول ہی رد کردے تو دوسرا قدم جہاں تک کانگرس کو دخل ہے کس طرح اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اہلِ کانگرس کو چاہیئے کہ پہلے اصول قبول کریں جس سے باہمی مشاورت اور تعاون کا موقع اور امکان پیدا ہوگا۔ صرف اس طرح ہم ایک دوسرے کی معاونت سے ایک خوشگوار حل اختراع کرسکیں گے۔ یہ ہے وہ طریق کہ وہ اپنی کہیں تو ہم سُنیں اور جو کچھ ہم کہیں وہ سُنیں۔

خواتین وحضرات! میں اب خاتمۂ کلام کے وقت مسلمانانِ بنگال کو مخاطب کرکے کہتا ہوں کہ استقلال پامردی اتحاد اور کامل یک جہتی کے ساتھ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے قدم جمائے رکھئے۔ اپنے آپ کو تیار کیجئے۔ پھر یقیناً فتح آپ کی ہوگی۔ آئیے ہم اس امر کا اعلان کریں کہ ہمارے خلاف زبردستی اور دباؤ۔ ظلم اور تشدد اور فوجداری مقدّمات کچھ کام نہ دینگے ان سب کی شدت چاہے کتنی ہو ہم اپنے ارادے سے منحرف نہ ہوں گے۔ اور نہ اپنی

منزلِ مقصود کی راہ سے بے راہ

۱؎ بنگال اور پنجاب میں گو مسلمان اکثریت میں تھے، لیکن مجالس آئین ساز میں وہ ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ بے بس تھے اور سیاسی وزارت بنانے سے قاصر جو مسلم رائے عامہ کے سامنے جواب دہ ہو۔ وزارت سازی کے لئے ہندوؤں اور سکھوں کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور تھے اور ظاہر ہے یہ تعاون اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا، جب من مانے شرائط قبول کر لیں۔

۲؎ یہ مسٹر فضل الحق کا آغاز تھا، جب تک وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ لیگ کو اپنا نیاز مند بنائے رکھیں گے۔ ان سے بُرا لیگی کوئی نہ تھا، لیکن جب لیگ نے اُن کی باگ اپنے ہاتھ میں لینا چاہی وہ اس سے کٹ گئے۔

۳؎ مسٹر فضل الحق نے چونکہ لیگ کا فرمان نہیں مانا۔ اور مسلم لیگ نے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لہٰذا انہوں نے استعفا دے کر مسلم لیگی وزارت توڑ دی اور کانگرس و مہاسبھا کے تعاون اور انگریزوں کی سرپرستی سے نئی وزارت قائم کر لی۔

۴؎ ایسے طنزِ لطیف کی مثال قائدِاعظم کے خطبات میں اکثر ملتی ہے۔

۵؎ آئینی اعتبار سے یہ بات غلط تھی کہ وزیرِاعظم بذاتِ خود اس طرح کی حرکتیں کرے اور اپنی وزارت قائم رکھنے کے لئے ایسے اوچھے طریقوں پر اُتر آئے۔

۶؎ اس واقعہ پر مغربی پاکستان کی ری پبلکن پارٹی یاد آ گئی۔ اُس نے بھی مسلم لیگ کو زک دینے کے لئے وزیروں، نائب وزیروں اور پارلیمینٹری سکریٹریوں کا ایک پورا کارواں تیار کر لیا تھا ——— حق مغفرت کرے . . . !

۷؎ قائدِاعظم کا کوئی معتوب کبھی پھر رائے عامہ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آج تک

یہی کیفیت ہے اخضر حیات خان وغیرہ کی مثال سامنے ہے ؛

ؔ۸ سر سپرو نے ایک نان پارٹی کانفرنس' کی بنیاد ڈالی تھی جو پاکستان کے خلاف اور کانگرس کی تائید میں مصروفِ عمل تھی ؛

ؔ۹ لارڈ ویول کے زمانے میں ایسا ہی ہوا تھا ؛

یومِ پاکستان!

۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء

آج سارے ہندوستان کے طول و عرض میں پورے جوش و خروش کے ساتھ یوم پاکستان منایا گیا۔ تجویز پاکستان کو منظور ہوتے ایک سال کی مدت گزر چکی تھی۔ آج اس کی سالگرہ منائی جا رہی تھی۔

دہلی کے مسلمانوں نے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ یہ دن منایا، ایک عظیم الشان جلوس شہر کا گشت کرتا ہوا اردو بازار پہنچا جہاں قائد اعظم نے سیاسیات حاضرہ پر اپنے افکار و تاثرات کا اظہار فرمایا:-

رئیس احمد جعفری

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر تجاویز کرپس مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہوں گی تو نہ صرف ہم اسے مسترد کر دیں گے بلکہ اپنی پوری طاقت سے اس کے مزاحم ہوں گے اور اس کوشش میں اگر جان بھی دینی پڑے تو لڑتے ہوئے جان دینگے میں حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کو دبانے یا اس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے یہ کہنا سراسر تہمت اور بہتان طرازی ہے کہ ہم برطانی شہنشاہیت کے موید اور معاون ہیں جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ مجھے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوا کہ اس ملک میں کسی اجنبی اقتدار کے تحت رہنا چاہئے

مسلمانوں کو اس کا خوف ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس کانگریس کے دوست ہیں وہ

انند بھون میں پنڈت جواہر لال نہرو کی مہمان نوازی کا لطف اُٹھا چکے ہیں یہ سب صحیح ہے لیکن ہمیں محض اس وجہ سے خوفزدہ نہ ہونا چاہیئے، آپ ذرا حوصلے سے کام لیں! سر اسٹیفورڈ کرپس خانہ جنگی حیثیت سے نہیں، بلکہ برطانی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے ہندوستان آئے ہیں۔ اس لئے حکومت برطانیہ کی جو تجویز یا جو منصوبہ وہ اپنے ساتھ لاتے ہیں، جب تک ہمارے سامنے نہ آجائے ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔

سر اسٹیفورڈ کرپس نے پریس کانفرنس میں اس امر پر زور دیا تھا کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے دل میں جو گہری تشویش جاگزیں ہے اُسے رفع کرنا چاہیئے۔ میں یہ واضح کر دوں کہ ہم بالکل بے خوف ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مقصد صداقت پر مبنی ہے، ہم انصاف اور راست بازی کے طلبگار ہیں، ہمیں اپنے ساتھی فرقوں سے کوئی ناجائز فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہیئے ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی طرح اس ملک میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔

ہم حکومت کو دق کرنا نہیں چاہتے۔ گو ہم حقیقت حال سے باخبر ہیں لیکن ہم بیگاروں کی طرح حکومت کی کوئی مدد دیکھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے ایسی حیثیت نہ کبھی قبول کی ہے اور نہ کرینگے اگر ہندو قیادت یا برطانوی قیادت، الگ الگ یا دونوں مل کر ہمارے خلاف فریب کاریوں اور سازشوں پر اُتر آئیں تو ہم اس کی مدافعت کریں گے تاآنکہ ہم سب کے سب مر جائیں گے۔

لہ اشارہ ہے سر اسٹیفرڈ کرپس وزیر خزانہ حکومت برطانیہ کی طرف جنہیں مسٹر اب سرا چرچل نے کابینہ جنگ کی طرف سے چند تجاویز دے کر، کانگریس اور مسلم لیگ کے پاس بھیجا تھا، اگر یہ منظور ہوں تو قومی حکومت بنائی جا سکتی ہے۔

مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کا خطبۂ صدارت!

تجاویز کرپس کے مضمرات

۴۔ اپریل ۱۹۴۲ء

الٰہ آباد، پنڈت موتی لال اور پنڈت جواہر لال کا وطن ہے، ہندو مہاسبھا کے روح رواں پنڈت مدن موہن مالوی کا ہیڈ کوارٹر بھی یہی شہر تھا، ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو جو فی الحال مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ ہیں، اور جن کی گردن پر مسلمانانِ جبل پور کا خونِ ناحق ہے، اگرچہ ایک مسلمان ریاست جاورہ کی رعیت تھے، لیکن ان کی سرگرمیوں کا مرکز بھی یہی شہر تھا، پنڈت پرشوتم داس ٹنڈن اسپیکر یوپی اسمبلی اور سابق صدر کانگرس جو مسلم آزار ذہنیت کے باعث شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں، اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

دھوم دھام سے لیگ کا اجلاس یہاں ہوا اور قائدِ اعظم نے ایک نہ بھولنے والا خطبہ، ارشاد فرمایا:

رئیس احمد جعفری

خواتین و حضرات! میں سچے دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ریلوے اسٹیشن پر بڑی دھوم دھام سے میرا استقبال کیا۔ میں یہ حقیقت اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ ہر مہینے ہر سال راہِ ترقی پر تیز رفتار ہے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس نے اس برس بھی مجھے اپنا صدر انتخاب کر کے معزز فرمایا۔ میں ان تمام کارکنوں اور عہدہ داروں کو مبارکباد کہتا ہوں جو گذشتہ تین ماہ میں متواتر ان تمام

تیاریوں کے لئے محنت کرتے رہے ہیں جو آج ہمارے سامنے ہیں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ہماری طاقت روز بروز بیش از بیش ہو رہی ہے اور ہم اپنی تنظیم کی قوت اور کاروبار کے اعتبار و انصرام میں ترقی کر رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آج سب سے بڑا موضوع جو نہ صرف سارے ہندوستان بلکہ دنیا بھر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے سر سٹیفورڈ کرپس کا مشن یا کام اور کوشش ہے جس پر ملک معظم کی حکومت نے آپ سے مامور کیا ہے آپ اس کے متعلق حالات اور واقعات کا روزانہ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ میں نہایت مختصر طور پر اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہے مشن مذکور کی تجاویز کے "اعلان بشکل مسودہ" (ڈرافٹ) کی تشریح کرتا ہوں۔ آپ لفظ "ڈرافٹ" کو زیر نظر رکھیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ یہ تجاویز جو ملک معظم کی حکومت کی شدہ فکر و ترتیب ہیں اور وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہے کہ یہ منصفانہ اور آخری ہیں۔ آیئے ہم ان کا منشا سمجھیں اور امتحان کریں۔ میں تفصیلوں پر بحث نہیں کروں گا، بلکہ صرف بڑے بڑے نکات پر نگاہ ڈالوں گا۔ یہ حسب ذیل ہیں۔ اوّل یہ کہ ان کا مقصد ایک جدید انڈین یونین (مملکت متحدہ ہندیہ) کی تخلیق ہے۔ جو ایک ڈومی نیئن یا مملکت ہو اور برطانیہ کی رفیق اور برطانوی تاج کے زیر نگین ہو۔ مگر ہر معاملۂ ملکی میں سلطنت برطانیہ کی باقی سب ڈومی نیئن یا مملکتوں کے برابر ہو۔ اور اپنے داخلی و خارجی معاملات میں کسی طرح بھی ماتحت نہ ہو۔ اس ضمن میں اس جدید انڈین یونین کے احمال اور اختیارات کے متعلق کچھ شک شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً تین چیزیں بالخصوص قابل توجہ اور اہم ترین ہیں۔ ایک تو "درجہ"۔ دوسرے "اختیارات" اور انجام کار "عمل اور کام"، مگر یہ ہے وہ معاملہ جس پر اس وقت غور و خوض کرنا ہوگا جب کہ ہم سلطنت برطانیہ کے کسی ایک ڈومی نیئن یا دو یا دو سے زیادہ کے ساتھ معاہدہ یا معاہدات پر دستخط کرینگے۔

میں نے ابھی کرپس کے مشن اور حکومت برطانیہ کی تجاویز کے متعلق بڑے بڑے امور کے ذکر کے آغاز میں پہلی بات یہ بیان کی تھی کہ ان تجاویز کا مقصد ایک جدید انڈین یونین

کی تخلیق ہے) دوسرا اہم امر یہ ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کے اندر فوراً ایسے اقدامات کئے جائیں گے، جن کے وسیلے سے ایک مجلس منتخب کی جائے گی۔ اور اس کے ذمے یہ کام ہوگا کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت کے لئے ایک نیا آئین وضع کرے، اس مجلس کی تشکیل کا طریق بھی تجاویز میں موجود ہے۔ میں اس کے متعلق اس وقت بحث کروں گا۔ جب کہ تجاویز کی اس دفعہ پر نگاہ ڈالوں گا، جس میں مجلس مذکورہ آئین ساز مجلس کی ترتیب و تشکیل کے لئے قاعد درج کئے گئے ہیں۔

تیسرا اہم امر یہ ہے کہ ایک شرط اور قاعدہ ایسا بنایا گیا ہے، جس سے ہندوستانی ریاستوں کا استقلال مقصود ہے۔

چوتھا اہم امر یہ ہے:۔ ملک معظم کی حکومت اقرار کرتی ہے کہ جب اس قسم کا آئین مرتب ہو جائے گا تو فی الفور عمل میں لایا جائے گا۔

چند مستثنیات رکھی گئی ہیں مگر وہ اس اعلان زیر بحث کے اصولوں کو بہر حال برقرار رکھتے ہوئے کی جائیں گی۔ پہلی اور اہم ترین چیز جو مستثنےٰ ہے یہ ہے کہ:۔

جب آئین جدید بن چکے تو برطانوی ہند کے ہر صوبے کو اس امر کا حق حاصل ہوگا۔ کہ اگر وہ چاہے تو جدید انڈین یونین میں اس جدید آئین کے ماتحت شامل نہ ہو اور اپنی موجودہ آئینی حیثیت پر قائم رہے، لیکن ان شرائط کی تعین بھی کر دی گئی ہے۔ جن کے مطابق کوئی صوبہ جو علیحدہ رہے گا بعد میں شمول اختیار کر سکے گا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب مجلس آئین ساز جسے اختیارات شاہی کی سرمایہ داری کہنا چاہیئے۔ آئین مرتب کر لے گی تو جو صوبہ چاہے یوں کہے "ہم اس آئین سے متفق نہیں۔ پس ہم اس میں شامل نہیں ہوتے"۔ لیکن ہمارے لئے مؤثر ترین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس حق عدم شمولیت کو کس طرح عمل میں لائیں گے اور اس کے متعلق خود کس طرح درست فیصلہ کرینگے، ان سوالات کا جواب اعلان یا وثیقہ زیر نظر میں نہیں۔ لیکن سر سٹیفورڈ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اگر کسی صوبے

کی لیجسلیٹو اسمبلی ساٹھ فی صدی کثرت رائے سے شمولیت کے حق میں ہو تو صوبہ شامل ہو جائے بلکہ اس پر مجبور ہو اور اگر اکثریت کو اُنسٹھ اور اقلیت کو اکتالیس آرا حاصل ہوں تو پھر عامۃ الناس کی رائے براہِ راست لی جائے۔ گویا تمام عام لوگ کثرت رائے سے شمولیت یا عدم شمولیت کا فیصلہ صادر کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدم شمولیت کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایک صوبے یا ایک سے زیادہ صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی ایک جُدا اور علیحدہ انڈین یُونین یا متحدہ مملکت یا ڈومی نئیں مرتب کر لیں۔ اس کے بعد وثیقہ میں وہ شرائط درج کی گئی ہیں، جو ہندوستانی ریاستوں اور علیحدہ رہنے والی مملکت یا مملکتوں اور جدید انڈین یُونین کے مابین معاہدات پر حاوی ہوں گی۔

اب میں حسبِ وعدہ ان دفعات کو لیتا ہوں، جس میں مجلس آئین ساز کی تعمیر ہو گی۔ اگر دورانِ جنگ میں ہندوستان کے بڑے بڑے فرقے آپس میں سمجھوتہ کر کے مجلس آئین ساز کی تعمیر کی شرائط کا فیصلہ کر لیں تو بہتر ورنہ جنگ کے خاتمے کے بعد موجودہ آئین کے مطابق جملہ برطانوی صوبوں کی مجالس قانون ساز کے لئے انتخابات ہوں گے۔ ان سب کے ممبران کی تعداد قریباً سولہ سو ہوگی۔ یہ سب اراکین ایک حلقہ انتخاب متصور ہوں گے اور وہ "متناسب نمائیندگی کے اصول انتخاب" کے مطابق مجلس آئین ساز کے لئے قریباً ایک سو ساٹھ اراکین اپنے میں سے چُن لیں گے۔ یہ ہوگی مجلسِ آئین ساز جس کو آئین سازی کے لئے کامل حاکمانہ اور شاہی اختیارات حاصل ہوں گے۔

اب ہندوستانی ریاستوں کی سُنیئے۔ ان کو دعوت دی جائے گی کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اراکین بھیجیں۔ مگر ان لوگوں کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوگا یا نمائیندگی؟ اس کے متعلق وثیقہ میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ ہے وثیقہ جہاں تک آئیندہ کو دخل ہے۔

اب موجودہ وقت کے لئے یعنی دورانِ جنگ میں طرزِ حکومت کی عارضی تبدیلیوں کی

کیفیت سنیئے۔ موجودہ نازک وقت سے لے کر نئے آئین کی ترتیب و تعمیر تک ملک معظم کی حکومت لامحالہ ہندوستان کے دفاع کی کامل ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھے گی۔ لیکن وہ چاہتی ہے اور اس لئے دعوت دیتی ہے کہ اہل ہند کے بڑے بڑے طبقوں کے لیڈران مشوروں میں موثر اور فوری حصہ لیں۔ جو ہندوستان اور سلطنت برطانیہ اور اقوام متحدہ کے مابین ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کو یہ موقع ملے گا کہ اس کام کے سرانجام میں عملی اور تعمیری امداد دیں یا جو ہندوستان کی آئندہ آزادی کے لئے لازم ولابد اور فیصلہ کن ہے۔

خواتین و حضرات! اس دفعہ میں اہم ترین الفاظ یہ ہیں کہ دفاع ہند کی کامل ذمہ داری تو ملک معظم کی حکومت کے قبضہ میں ہوگی اور بڑے بڑے ہندوستانی طبقوں کے لیڈروں کو صرف مشاورت میں شمولیت کی دعوت دی جائے گی اور محض مشورے دینے کا حق یا اختیار حاصل ہوگا۔

خواتین و حضرات! ان میں مختلف طور پر وثیقۂ ہذا کا مفہوم و منشاء جو میرے ذہن میں آتا ہے پیش کرتا ہوں۔ خواہ ایک ڈومی نیئن یا مملکت یا ایک سے زیادہ کی تخلیق عمل میں آئے اور اس کا یا ان کا درجہ اور اختیارات کیا ہوں گے۔ اور ان دو امور سے کہیں بڑھ کر قابل امر یہ ہے کہ سب سے بڑا مقصد ایک جدید انڈین یونین کی تخلیق ہے۔ سارا معاملہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یونین کی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کے لئے شاہانہ اختیارات رکھنے والی ایک مجلس آئین ساز بنائی جائے گی۔ یہ مجلس بقول سر سٹیفورڈ کرپس اس امر کو ترجیح دے گی کہ سارے ہندوستان کے لئے ایک اور محض ایک یونین بنے۔

غور کیجئے کہ مجلس آئین ساز کے اراکین گیارہ برطانوی صوبوں کی اسمبلیوں کے ممبروں میں سے لئے جائیں گے۔ یہ لوگ محض ایک حلقۂ انتخاب کی حیثیت سے انتخاب کا کام کریں گے اور انتخاب کا اصول "تناسب" ہوگی نہ کہ جُدا جُدا حلقہائے انتخاب" کے ذریعے انتخاب عمل میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تعمیر یافتہ مجلس سے اس کے سوا کوئی توقع میرے

وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی کہ وہ ایک اور محض ایک یونین کو یقیناً ترجیح دے گی اور اسی نتیجہ پر پہنچے گی۔ یاد رہے کہ مجلس آئین ساز کی تعمیر کے قواعد و ضوابط اسی منشاء اور مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ جب مجلس آئین ساز ادنے سے ادنے اکثریت رائے کے مطابق مثلاً اکیاون فی صدی تائید کے ساتھ جدید آئین مرتب کرے گی تو ہر صوبے کے جو آئین جدید کو ناپسند کرے یہ موقع دیا جائے گا کہ اور امتحان میں سے گزرے جس کا ذکر میں ابھی کروں گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حلقہائے انتخاب کی صورت میں بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچیس فی صدی ہوگی۔ لیکن "متناسب نمائندگی" کے طریق کار سے اس کا کم ہو جانا عین ممکن ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ مجلس آئین ساز میں غالب ترین اکثریت غیر مسلموں کی ہوگی۔ اس لئے قیاس غالب یہی ہو سکتا ہے کہ اکثریت کی رائے صرف ایک انڈین یونین کے حق میں ہو۔ دوسرا اہم امر یہ ہے۔ کیا مجلس آئین ساز کا فیصلہ محض ادنے سے ادنے رائے کے مطابق ہوگا؛ اس وثیقے کے مطالعہ سے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہاں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کے قواعد و ضوابط کے وثیقوں میں جب تک ایک مقررہ مقدار کی اکثریت کے لازمی ہونے کا ذکر نہ کیا جائے تو مطلب کم سے کم یا ادنے سے ادنے اکثریت سے ہوتا ہے۔ اور ایک مقررہ اکثریت کی ضرورت ہو تو واضح طور پر لکھ دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر مسلم لیگ کا آئین لیجئے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ اگر آئین میں تبدیلی کی ضرورت لاحق ہو تو دو تہائی اکثریت کی رائے کے بغیر کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔

یہ ہے مجلس آئین ساز کی کیفیت مختصر۔ اور اس کے متعلق اگر میں کسی رائے کا اظہار کروں تو میں کہوں گا کہ جب مسٹر گاندھی اس مجلس میں آئیں گے تو انہیں کامل یقین ہوگا کہ ہمیں ایک ایسا آئین ضرور مل جائے گا۔ جو ایک آل انڈیا یونین کے لئے سارے ہندوستان کی ایک متحدہ ریاست کے لئے ہوگا۔

جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو علیحدگی پسند صوبے یا صوبوں سے یوں خطاب کیا جائے گا:۔

"سنو! سنو! گھبراؤ نہیں۔ تمہیں پھانسی پر لٹکائے جانے سے پہلے ایک موقع دیا جاتا ہے۔" (قہقہہ)

یہ موقع وثیقہ میں درج نہیں۔ محض ہز سٹیفورڈ کا پیش کردہ مشورہ ہے اور ہم بھی جب وقت آئے گا تو اس کے متعلق اپنے مشورے دینگے۔ ہاں تو کیا فرماتے ہیں سر سٹیفورڈ کرپس؟ سنیئے۔ وہ یوں کہتے ہیں:۔

"ادھر دیکھو! اگر تم میں سے اکتالیس فی صدی مخالف ہوئے تو عامۃ الناس سے براہِ راست رائے لی جائے گی۔"

اس پر میں پوچھتا ہوں کہ "کس عامۃ الناس کی رائے؟ جواب اس کا ظاہر ہے کہ صوبہ متعلقہ کے عام لوگوں کی رائے۔ اس کو ہم یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ "کن لوگوں سے آپ ان کا اپنا فیصلہ طلب کرتے ہیں؟ کیا ایک قوم کے لوگوں سے یا دونوں قوموں سے یکجا طور پر؟ (سنیئے سنیئے) اس پر جواب ملتا ہے کہ "دونوں قوموں کو یکجا کر کے" یہ ہے اس موقع کی حقیقت۔ جو وثیقہ عنایت فرماتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اے علیحدگی پسندو! اگر عامۃ الناس کی رائے تمہارے حق میں ہوئی تو تم ذبح خانے سے بچ جاؤ گے۔ اور ایک اور محض ایک یونین بنانے کے خواہشمندوں اور اس لئے کسی صوبے کو علیحدگی سے باز رکھنے کے حامیوں کی قربانی کی باری بعد میں آئے گی۔ (قہقہہ) یہ ہے وہ امر جو اثر و تاثر کی ہمہ گیری کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے اہم ترین ہے۔

میں نے مسودہ قانون کی تجاویز کی تشریح کر دی ہے۔ اس کے متعلق میں کہوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ میری آواز آپ ہی کے احساسات کی صدائے بازگشت ہوگی کہ مسلمانوں کو سخت ترین مایوسی ہوئی ہے، کیونکہ ان کی قومی وحدت اور یقینی اخلاقی قوت کو واضح طور پر اور صاف صاف الفاظ میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ (سنیئے! سنیئے!) یہ کوشش قطعی طور پر بنیادی لحاظ سے غلط ہے کہ مسئلہ ہند کے حل کرنے میں اُمورِ واقعی سے پہلو تہی کی جائے اور صوبوں کی جغرافیائی وحدت کے قیام پر

ضرورت سے زیادہ اصرار کیا جائے۔ کیونکہ یہ تقسیم برطانوی حکومت کی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے اور حکومت کے انتظام و انصرام کے لئے کی گئی۔ (سنیئے! سنیئے) اسلامی ہند کی تسلی و تشفی نہ ہو گی سوا اس کے کہ قومی اختیارِ فیصلہ متعلقہ آئین کا حق صاف اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ (سنیئے! سنیئے) اس حقیقت کا احساس ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کسی زمانے میں بھی نہ ایک ملک تھا نہ ایک قوم پر مشتمل تھا۔ اس برِاعظم تحتی کا مسئلہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ اور تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی اختلافات اس قدر شدید اور بنیادی ہیں کہ ہم ان کو نہ دبا سکتے ہیں نہ چھپا سکتے ہیں نہ خلط ملط کر کے مطلب حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم سب کے لئے لازم و لابد ہے کہ واقعیت پسند، اہلِ عمل کی طرح اُن سے نپٹیں۔

وثیقہ کے مجوزہ آئین کے مطابق وہ نام نہاد اختیار جو اقلیتوں کو حقِ علیحدگی عطا کرتا ہے محض فریب نظر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اہلِ ہنود اس فیصلہ میں غالب فوقیت کے حامل ہونگے کہ سارے ہندوستان کے لئے فقط ایک آل انڈیا یونین (ریاست متحدہ) قائم ہو اور اس میں سب صوبے شامل ہوں۔ چنانچہ مسلمانِ پنجاب و بنگال ہر وقت اپنے اپنے ہاں کی ہندو اقلیت کے رحم پر ہونگے۔ اہلِ ہنود اپنی انتہائی کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ مسلمان ہمیشہ ہندوؤں کی گاڑی کے پہیوں سے بندھے رہیں۔ اس طرح تمام صوبوں کے اندر مسلمان تباہ ہو جائینگے۔

ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے کہ اس وقت ہمیں غیر ملکی حملہ آوروں کی جانب سے سخت خطرہ اور اس بات کی تشویش ہے کہ جس طرح ہو سکے ہندوستان کی حفاظت کی جائے۔ اور جنگ میں ہر طرح سے مدد بہم پہنچائی جائے۔ مگر ان سب اہم اُمور کے باوجود ہم زمانۂ حاضر کی خاطر اپنے مستقبل کو فروخت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہ کام کرینگے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں سے کروڑہا مسلمانوں کے خلاف ایک سخت جرم کے مرتکب ہوئے (سنیئے! سنیئے!)

ان تجاویز کی رُو سے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں میں فوری تغیرات کئے جائیں گے اور موجودہ مروجہ آئین کی حدود کے اندر رہ کر۔ مگر اعلان ہذا کے مطالعہ سے اُن کے متعلق کسی صاف اور عملی تجویز کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ مگر یہ امر ناگزیر ہے کیونکہ تصویر ابھی تکمیل تک نہیں پہنچی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی آخری کیفیت صورت کیا ہوگی۔ سردست تو یہ وثیقہ محض ایک خاکہ یا ڈھانچہ ہے اور ظاہر ہے کہ اُسے قابلِ قبول بنانے کے لئے بہت سی تفصیلوں کی ضرورت۔ اور تجاویز میں تغیرات اور تکمیل کی حاجت۔ یہ معاملہ ان معاملات میں سے ایک ہے جن میں محض اصولوں کے بیان کر دینے سے کہیں بڑھ کر مؤثر اور دُور رس تفصیلات ہوا کرتی ہیں۔ اس اعلان کے سبب ہمیں سخت تشویش ہو رہی ہے اور شدید خطرات کا خدشہ تکلیف دے رہا ہے۔ بالخصوص تجویز پاکستان کے متعلق جو مسلمانوں کے لئے حیات و ممات کا مسئلہ ہے۔ اسلئے ہم انتہائی کوشش کرینگے کہ پاکستان کا اصول صاف صاف الفاظ میں اور قطعی طور پر تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت تو اعلان میں نہایت معمولی طور پر مانا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانانِ ہند یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہماری اپنی پوری تسلی اور تشفی کے مطابق اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ ہم کس طرح اور کن شرائط سے ایک قوم کی حیثیت میں علیحدہ رہ سکتے ہیں یا اگر چاہیں تو شامل ہو سکتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق بھی اپنی شدید کوشش جاری رکھیں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جس طرح گزشتہ جنگِ عظیم کے بعد فلسطین کا حشر ہوا تھا وہی ہم پر اس جنگ کے بعد صادق آئے جبکہ ہم اپنی آزادی اور علیحدگی کے اقراروں کی قیمت میں روپیہ، خون اور ساز و سامان ادا کر چکے ہونگے۔

(سنیے! سنیے!)

اس اعلان سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان دورِ مستقبل کے اندر بہت دُور کی ایک چیز ہے اور اس کی تخلیق کا محض امکان بھی دیر طلب ہے۔ پھر اسکے مقابلے میں ایک نئی متحدہ ریاست ہند" (انڈین یونین) کے لئے قطعی ترجیح موجود ہے۔ بلکہ اس وقت سب سے بڑا مقصد یہی ہے

چنانچہ اس وقت تک بعض اہم اُمور ہمارے خلاف جارہے ہیں۔ یعنی مجوزہ آئین کے متعلق سیاسی اور آئینی مشورے۔ طریق کار کے قواعد وضوابط۔ مسٹر سٹیفورڈ کرپس کے ساتھ ملاقاتیں اور صاحبِ مذکور کی اپنی تشریحات وغیرہ۔ پس ان حالات کے پیشِ نظر میں کہوں گا کہ ہمیں ایک ایسا کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ جس میں فریق مقابل فریب کاری سے کام لے رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری مجلسِ عاملہ ۲۷ مارچ سے ان تجاویز کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کر رہی ہے اور وقتِ نظر سے اس کا امتحان لے رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر سٹیفورڈ کرپس اور ملک معظم کی حکومت بلا تامل وہ ضروری تغیرات کر دینگے جن سے پاکستان کے اصول قطعی طور پر اور واقعی عمل میں لائے جاسکیں اور مسلمانانِ ہند ایک اور محض ایک قوم کی حیثیت میں اپنی حکومت کے متعلق خود فیصلہ کرنے کے مختار ہوں۔ ہمیں اُمید ہے کہ انجام کار ان مشوروں اور باہمی صلاح کار سے ایک ایسا منصفانہ سمجھوتہ پیدا ہوگا جس سے سب کا احترام برقرار رہے گا۔ اور جسے سب قبول کرینگے

(بلند نعرہ ہائے تحسین)

حکومت برطانیہ کا ایک دامِ ہمرنگ زمین

تجاویز کرپس

۱۳ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

برطانوی کابینۂ جنگ نے سر اسٹیفرڈ کرپس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، مقصد یہ تھا۔ کہ وہ کانگرس، مسلم لیگ اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کے سامنے کابینہ کے تجاویز پیش کریں، اگر یہ تجاویز منظور کر لئے جائیں تو دورانِ جنگ میں، امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ نمائندہ، اور ذمہ دار قومی حکومت کی تشکیل کر دی جائے گی، وائسرائے دستوری سربراہ مملکت کی حیثیت رکھیں گے، البتہ امور دفاع پر قومی حکومت کا کوئی کنٹرول نہ ہوگا۔ اور جنگ کے کامیاب اختتام کے بعد انہی لائنوں پر ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا۔

تجاویز کرپس میں زبانِ قلم سے تو نہیں البتہ معنوی طور پر ڈرتے ڈرتے پوری احتیاط اور پیش بندیوں، اشرائط اور قیود کے ساتھ حق خود ارادیت تسلیم کر لیا گیا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ ہر صوبے کو حق دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے مرکز سے وابستہ ہو یا نہ ہو، گویا بنگال اور پنجاب، سرحد اور سندھ و بلوچستان اگر چاہتے تو وفاق ہند سے الگ رہ کر خود اپنا وفاق بنا سکتے تھے۔

کانگرس نے ان تجاویز کو اس لئے رد کر دیا کہ وہ ان میں پاکستان کو چلتا پھرتا دیکھ رہی تھی۔ اور مسلم لیگ نے اس لئے مسترد کر دیا کہ اس میں بہ الفاظ واضح مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

سر کرپس مزدور جماعت سے تعلق رکھتے تھے، وہ کئی مرتبہ ہندوستان آ چکے تھے۔ وہ کانگرس کے ہمدرد اور کئی کانگرسی لیڈروں کے ذاتی دوست تھے، پھر ان تجاویز سے دستبرداری کے بعد

جب وہ لندن واپس پہنچے تو اُنہوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ "بنتی ہوئی بات اسلئے بگڑی کہ کانگرس سب کچھ خود لے لینا چاہتی تھی، دوسروں کے لئے کچھ بھی چھوڑنا اُسے منظور نہ تھا۔"

قائداعظم نے اس سِلسلے میں ایک پریس کانفرنس کو مخاطبہ کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے :-

(رئیس احمد جعفری)

حضرات! ہز میجسٹی کی حکومت کے جو تجاویز سر اسٹیفورڈ کرپس ہندوستان لے کر آئے تھے ناقابلِ ترمیم تھے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس کو جزوی طور پر نہیں بلکہ پوری تجویز قبول کرنی ہوگی ہز میجسٹی کی حکومت نے سر اسٹیفورڈ کو اس کی کسی ایسی متبادل صورت پر بھی غور کرنے کا اختیار نہیں دیا تھا جو تجویز کے حال یا مستقبل پر اثر انداز ہو۔

حالاتِ حاضرہ کے تعلق سے کوئی بدل پیش کرنے کی بھی ہمارے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اس میں صرف یہی دو صورتیں تھیں کہ یا تو ساری تجویز بجنسہٖ قبول کر لی جائے یا پھر اُسے مسترد کر دیا جائے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ہم مستقبل کو نظر انداز کر کے صرف حال پر غور کرتے۔ اس میں پاکستان کو غیر مبہم اور واضح طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا اور نہ مسلمانوں کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نمائندگان پریس سے گفتگو کے دوران میں اب بھی کانگرس کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی نمائندہ ہے اور اسی کی طرف سے بولتی ہے۔ اس ادعا کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مسلم ہندوستان اس دعوے کو رد کر چکا ہے ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ کانگریس نہ صرف مسلمانانِ ہند کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ وہ سارے ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں ہے۔ جیسے غیر برہمن، اچھوت اقوام اور دوسری اقلیتیں ہیں جب سر اسٹیفورڈ نے اپنی تجاویز کی وضاحت کر دی تو مسلم لیگ نے بڑی احتیاط

سے اس کو جانچا۔ ایک تو یہ تجویز ناقابلِ ترمیم اور ایک قطعی انکار یا اصرار کے مترادف تھی دوسرے اگر مستقبل پر اتفاق ہو جاتا تو حالاتِ حاضرہ پر بھی غور ہو سکتا تھا، لیکن سر اسٹیفورڈ یا مستقبل کے کسی بدل پر غور کرنے کے مجاز ہی نہ تھے۔

ان حالات کے تحت ہم نے تمام تجاویز کو ایک دستاویز کی طرح جانچا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مستقبل کے تعلق سے اس میں تقسیم (پاکستان) کے اصول کو قبول نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم کسی صوبے یا صوبوں کے لئے اختیار علیحدگی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو طریقہ بتایا گیا ہے اس کے مدِنظر ہمارا خیال ہے کہ اسلامی صوبوں میں طریقۂ کار کے ضابطے کچھ اس طرح وضع کیے گئے ہیں کہ نو کروڑ مسلمانوں کی قسمت صوبائی مجلس آئین ساز میں چند راؤں سے بندھی رہے گی جہاں مسلمان بنگال اور پنجاب کی طرح مجلسِ آئین ساز میں اقلیت میں ہیں، حالانکہ یہی مسلمانوں کے بڑے صوبے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اسلامی صوبے شمال مغربی سرحد اور سندھ میں غیر مسلموں کو ایسا وٹیسج دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ نہ پاکستان کو اور نہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے یہ تجاویز رد کر دیں۔ لیکن ہم اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس پر آئندہ برطانی حکمت عملی کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

مسلم ہندوستان اس حقیقت کو بنظرِ پسندیدگی دیکھتا ہے کہ اس تجویز میں بہر حال تقسیم ہند کے اصول کو مبہم طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

پھر اس تجویز کی تفصیلات بھی ہمارے سامنے نہیں لائی گئیں!

صورتِ حال کے مدِنظر اصول سے زیادہ تفصیل کی اہمیت تھی سر اسٹیفورڈ اور میرے مابین یہی گفتگو ہوئی کہ وائسرائے متعلقہ جماعتوں کے ساتھ اس کی تفصیل اور ترتیب کا تصفیہ کر لیں گے ان مضامین اور بیانات کے اس طومار سے جو کانگریس کیمپ سے جاری ہوتے ہیں۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سر اسٹیفورڈ نے کانگریسی قائدین سے بعض

متبادل صورتوں پر بھی گفتگو کی، حالانکہ ایسی گفت وشنید سے موصوف نے انکار کیا ہے۔

کانگریس کے متبادل تجاویز[1] ایک قومی حکومت کی آڑ میں ہندوستان کے برتر اور اہم امور کو بے ربط اور متناقص بنا رہے ہیں، یہ تو ابھی ابتداء ہے۔ کانگریس کو علم ہے کہ اس کی تجویز کے تحت جو کابینہ تشکیل پائے گی وہ مخلوط ہوگی اور ملک کی مختلف جماعتوں کے مختلف تصورات کی نمائندہ ہوگی۔ اس میں کچھ تو کانگریس سے، کچھ ہندو مہاسبھا سے۔ کچھ مسلم لیگ اور سکھوں کی جماعت سے نمائندے آئیں گے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ غیر مبہم تشریح میرے پیش نظر ہے کہ پندرہ ارکان کی ایک مفروضہ کابینہ میں کانگریسی اکثریت آٹھ یا نو کی ہوگی۔ پھر اس کانگریسی اکثریت میں ہندو مہاسبھا اور سکھوں کا اضافہ ہوگا اور مسلمان ایک بے اثر قلیت میں رہ جائیں گے۔ اس میں پنڈت نہرو نے اس پیشکش سے مسلمانوں کی اتنک شوئی کی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو متفق ہو سکتے ہیں۔ یہ اکثریت کے استبداد کا مظاہرہ نہیں اور کیا ہے

پنڈت نہرو کے اس بیان سے بھی تعجب ہوا کہ مجھے ایک قومی حکومت کے مطالبہ پر کوئی اعتراض نہ ہوگا میں یقین دلاتا ہوں اگر کانگریس کا یہ مطالبہ منظور ہو جاتا تو یہ مسلمانان ہند کے لئے پیام اجل ہوتا۔

سوال :- موجودہ حالات میں مسلم لیگ کیا چاہتی ہے۔؟

جواب :- اگر تمام جماعتیں مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان و تقسیم ہند اور حق خود ارادیت کو تسلیم کرلیں۔ خواہ اس کی تفصیلات کا تصفیہ بعد جنگ ہی کیوں نہ ہو، تو ہم صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے کسی معقول عارضی انتظام میں شریک ہوں تاوقتیکہ اصول پاکستان کو تسلیم نہ کرلیا جائے۔ ہم کسی عارضی انتظام متفق نہیں ہو سکتے۔ جو مطالبۂ پاکستان کے مغائر ہو۔ یا اُسے کسی طرح متاثر کرتا ہو۔

---

[1] کانگریس کے متبادل تجاویز کا لب لباب اور خلاصہ یہ تھا۔

۱۔ مرکز میں ایک قومی حکومت فوراً بنا دی جائے، جو مرکزی مجلسِ آئین ساز کو جوابدہ ہو، اور جس میں کانگرس کی اکثریت ہو۔

۲۔ آزاد ہندوستان کا دستور وضع کرنے کے لئے جلد از جلد مجلس دستور ساز کا اعلان کیا جائے اور اس کا بنایا ہوا دستور نافذ کر دیا جائے۔

یہ دونوں تجویزیں مسلمانوں کے لئے مضر تھیں کیونکہ مجوزہ حکومت اور مجلس دستور ساز میں لازمی طور پر ہندو اکثریت ہوتی، اور مسلمانوں کی آواز دب کر رہ جاتی ؞

امریکی، چینی اور برطانوی نمائندگان صحافت سے خطاب!

قومی حکومت ایک فریب

۱۳ ستمبر ۱۹۴۲ء

کانگرس کے مطالبہ "قومی حکومت" کے سلسلے میں، اپنے دولت کدے، اورنگ زیب روڈ پر منعقدہ پریس کانفرنس میں امریکی، چینی اور برطانوی نمائندگان صحافت کے سامنے قائداعظم کا بیان۔ رئیس احمد جعفری

قابلِ اطمینان معاہدات اور انتظامات کی رو سے منتقل ہونے والے اختیارات کو میں کسی نوبت پر بھی معین نہیں کرتا۔ خواہ وہ کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں، لیکن یہ اس امر پر لازماً مشروط ہونگے کہ ساری جماعتیں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرلیں اور ضمانت دیں اور مسلم رائے عامہ کے فیصلے پر عمل پیرا ہو کر اس کے مطابق ہندوستان کو تقسیم کرنے کا اپنے آپ کو حلفاً پابند کرلیں۔

اگر اس شرط کو پورا نہیں کیا گیا۔ اور موجودہ دستور کے خاکے کے باہر کوئی عارضی حکومت بنائی گئی اور ان ہی خطوط پر بنائی گئی جن پر کہ چند اہم گوشوں سے اصرار ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم گرفتار دام ہو گئے ہیں، کیونکہ موجودہ دستور کے خاکے کے باہر اگر کوئی عارضی حکومت بنے گی تو میں اس میں دستور کی اساسی اور بنیادی تبدیلیاں ضرور ہوں گی۔ اور ایک دفعہ ایسی تبدیلی ہو جائے اور ہمارے پاس کوئی مابعد جنگ معاہدے یا ضمانتیں نہ ہوں۔ جس پر آج ہمیں اس قدر اصرار ہے تو اس کو مٹانا دشوار ہی نہیں، ناممکن ہو جائے گا۔

ہم نہیں چاہتے کہ جنگ کی ناگہانی ضرورتوں کے دباؤ سے ہمیں بدحواس کر کے تم ایک

ایسی عارضی حکومت ترتیب دے دو جو ہمارے مطالبہ پاکستان کے مغائر ہو یا اس کو متاثر
مفلوج کر دے۔

میں خاص طور پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی یہ تحریک المحض برطانیہ اور حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ اور ان غیر کانگریسی اداروں کے خلاف بھی ہے۔ جن سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا بلکہ ان کی ناراضی کے باوجود انہیں قابلِ اعتنا نہ سمجھ کر اس تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ تاکہ اپنے ان مطالبات کو جبراً منوا لیا جائے جن کی شدید مخالفت مسلم لیگ، دوسری اقلیتوں اور اس میں ملک میں دیگر مفادات رکھنے والوں نے کی ہے۔

قومیت کی آڑ میں کانگریس کا مطالبہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اُسے ایسا اقتدار دے دیا جائے کہ ملک میں ہندو راج قائم ہو جائے۔ ہم نے لمحات آزمائش میں بھی اپنے حق خود ارادیت کی دست برداری سے انکار کر دیا ہے، اس لئے اب کانگریس یہ چاہتی ہے کہ حکومت برطانیہ اسے اقتدار کا کوئی جواز عطا کر دے کہ وہ مسلمانوں اور ملک کے دوسرے غیر کانگریسی اداروں کو حلقہ بگوش بنا سکے۔

مسٹر چرچل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:- کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں تقریر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ:-

"سارے ہندوستان کی نیابت اور نمائندگی کا کانگرس نے جو ادعا کیا ہے وہ سراسر غلط ہے"۔

میرا خیال ہے کہ کوئی سلیم الطبع شخص شاید ہی یہ کہہ سکے گا کہ کانگریس کا یہ دعویٰ کسی حقیقت پر مبنی ہے۔ لیکن ممبئی میں کل ہند کانگریس کمیٹی کے آخری اجلاس میں مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں یہی دعویٰ کیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے اپنی آخری تقریر میں اس پر بے حد زور دیتے ہوئے کہا کہ کانگریس ہی ہندوستان کی واحد نمائندہ

جماعت ہے۔ یہی مسٹر نہرو نے بھی کہا بلکہ یہ اس سے اور آگے گئے اور فرمایا کہ کل ہند مسلم لیگ ایک رجعت پسند جماعت ہے مسلم عوام کانگرس کے ساتھ ہیں اور کانگریس ہی سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہے[۲]

سمندر پار رہنے والے چونکہ صحیح حالات سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتے، اس لئے وہ اس کذب و افتراء کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ شرارت آمیز اور منظم پروپیگنڈا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیئے برابر جاری ہے۔

اس نوبت پر ایک امریکی نامہ نگار نے سوال کیا کہ "کیا آپ کو توقع ہے کہ کوئی ذلت آمیز تصفیہ سر منڈھ دیا جائے گا؟"

آپ نے جواب دیا کہ۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مجھے اس کا خوف ہے۔ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ دنیا کی مہذب ترین اقوام شرمناک اقدامات کی مرتکب ہوئی ہیں۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جیسی کانگریس ہے ویسی ہی مہاسبھا بھی ہے۔ البتہ مسلمانوں کے تعلق سے ہندو مہاسبھا کانگریس سے بھی زیادہ مخاصمت رکھتی ہے۔ اور وہ اسمیں کوئی رازداری نہیں برتتی۔ اس کو ہندو مہاسبھا کا ایک وصف ہی سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کانگریس کی طرح زہد و پاکیزگی کی آڑ تو نہیں لیتی۔ وہ پھکڑپن سے دوٹوک کہہ تو دیتی ہے کہ اس فریق برّ اعظم میں ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر سر تسلیم خم کر دیں ورنہ اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر ایک نامہ نگار نے پوچھا کہ اس بیان سے آیا وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ کل والی "جناح گاندھی" گفتگو بہت زیادہ کامیاب نہیں رہی؟

قائدِ اعظم نے جواب دیا کہ :-

میں اس گفتگو کو ظاہر تو نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ کہوں گا کہ مسلم لیگ نے کبھی ایسا مطالبہ ہی نہیں کیا جسے کوئی انصاف پسند آدمی غیر معقول کہہ سکتا ہو مسلم لیگ تو مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی آزادی چاہتی ہے ہماری تجویز کے مطابق تین چوتھائی ہندوستان تو ہندوؤں کو مل ہی چکا ہے۔ اور اب یہ ہندو اس فکر میں ہیں کہ اگر ہو سکے تو بقیہ ایک چوتھائی کا بھی سودا کر لیں۔ کسی قوم کے حق خود ارادیت پر کوئی سمجھوتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اس کا آبائی اور پیدائشی حق ہے۔ اس سے انکار کرنا خود اس کے وجود سے انکار کرنا ہے۔

آپ نے مسٹر چرچل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ۔ اس تقریر سے مسلمانوں کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ برطانی حکومت مسلمانوں کا تعاون نہیں چاہتی اور اُسے وقیع نہیں سمجھتی۔ مسٹر چرچل نے ان دس کروڑ مسلمانوں کا ذکر کیا جو کانگریس سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ انہیں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

مسلم لیگ کی ۲۰ اگست والی قرارداد بمبئی رجس میں مسلمانوں کے موقف اور ان کے مطالبات کی غیر مبہم وضاحت کی گئی تھی) اسے متعلق برطانیہ کے وزیر اعظم کا بس یہی ایک استعارۂ لطیف ہے! کیا اس سے برطانیہ کی مبینہ تمنائے تعاون کا اظہار ہوتا ہے؛ کیا تمہارے نزدیک مسلم لیگ اور مسلمانوں کی بس اتنی ہی قدر و قیمت ہے؛ کیا تمہارے لئے اسی قدر کافی ہے کہ مسلمان کانگریس کے خلاف ہیں، جو ایک حقیقت ہے اور انہیں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ جو ایک بدیہی صداقت ہے؛ کیا وزیر اعظم کو اسی قدر کہنا ہے؛

حکومت برطانیہ نے کانگریس کے سوا ساری جماعتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر حال ہی میں اخبار ٹائمز نے لکھا تھا کہ کانگرس کو نظر انداز کر کے کوئی تصفیہ نہیں کیا جا سکتا میں اس بیان سے قطعی متفق نہیں ہوں، اس کے پڑھنے سے میرے ذہن میں برطانی حکمت عملی کا جو تصور پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ "کانگرس ناقابل برداشت سہی لیکن جب تک اُسے اپنے ساتھ نہ رکھو۔ کچھ نہیں ہو سکے گا" میں ممکنہ قوت سے اس طریقۂ کار کی تردید کرتا ہوں۔

اسکے معنی تو یہ ہیں کہ تم ایک ایسی جماعت کے تابع فرمان ہو گئے ہو کہ جس کے مطالبات ناممکن اور محال ہیں۔

مسلم لیگ مساعی جنگ کی حمایت نہیں کر رہی ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ لیگ ضدی اور بداندیش ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اسوقت تک کشادہ دلی اور سرگرمی سے مساعی جنگ کی حمایت کرنے سے معذور ہے جب تک کہ عوام کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس ملک کی حکومت میں ان کا حقیقی اشتراک اور آواز ہے۔

گذشتہ سہ سالہ برطانی حکمت عملی کتنی ہی قابلِ ملامت کیوں نہ ہو ہمارا موقف تو محض خربوزے کا سا ہے۔ اب خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر، نقصان تو خربوزے کا ہی ہوگا۔ فرض کیجئے کہ اس برطانی حکمتِ عملی سے تنگ آکر مارے غم و غصے کے کل کو یہ کہدوں کہ "حکومت سے عدم تعاون کرو" تو یقین کیجئے کہ حکومت آج کل جس قدر مصیبت (کانگرس کے ہاتھوں) بھگت رہی ہے۔ اس سے کم سے کم پچاس گنی زیادہ اس کو ہمارے ہاتھوں بھگتنی پڑے گی! یہ بندوق اور تلوار کی بات نہیں ہے مسلمان پچاس گنا زیادہ دلیر ہیں میں ہندوؤں پر کوئی چوٹ نہیں کرتا مسلمان کا مزاج اور طریقہ تربیت ہی کچھ ایسا ہے۔

مسلم لیگ اب اس قدر طاقتور ہو گئی ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنگ کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔

ایک برطانوی نامہ نگار نے پوچھا کہ کیا ایسے اقدام سے فوج اور مشرق وسطیٰ کے مسلمان متاثر ہوں گے؟

قائداعظم نے فرمایا کہ جب یہ مخصوص سوال کیا ہی گیا ہے تو میں اس کا جواب ضرور دونگا میں کوئی سنسنی خیز اور غمگین داستان نہیں سنانا چاہتا، پھر فوج سے میرا ربط بھی نہیں ہے —— لیکن فوج ۶۵ فی صدی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر لیگ اپنی مہم آغاز کر دے تو بڑا حصہ متاثر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ سارا سرحد بھڑک اٹھے گا

افغانستان، ایران، عراق، ترکی، مصر اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو اسلامیانِ ہند کے مطالبات سے پوری ہمدردی ہے۔ ان ممالک کے اخبارات مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اگر حکومتِ برطانیہ اور مسلمانانِ ہند میں ٹھن جائے تو لازماً مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان متاثر ہوں گے۔

کانگرس نے ایک اہم فیصلہ کیا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ ہی اعلان کیا ہے کہ جب تک برطانی یہاں سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم تصفیہ کے سوال پر غور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کانگریس کا تازہ ترین گریز ہے۔ اس کا یہ جدید موقف اس کی بائیس سالہ معلنہ بنیادی حکمتِ عملی کے قطعی مغائر ہے۔ آج سے پہلے وہ یہی کہا کرتے تھے کہ ہندو مسلم سمجھوتے اور اتفاق کے بغیر باشندگانِ ہند کو آزادی نہیں مل سکتی۔

جب تک ایسی ذہنیت کارفرما رہے گی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سمجھوتہ کی گفت شنید کی گنجائش کہاں؟ اس کے باوجود شب و روز کہا جاتا ہے اور خاص طور پر ہندو کہتے ہیں کہ کانگرس سے سمجھوتہ کرنے کے لئے مسلم لیگ کو قدم اٹھانا چاہیئے۔

لہ ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی، غیر معمولی قابلیت کے شخص تھے۔ ہندو مہاسبھا کا دورِ آخر کا فروغ انھیں کا رہینِ منت ہے۔

پروپیگنڈے کا جواب!

۹۔نومبر ۱۹۴۲ء

مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کے خلاف نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ممالک میں بھی کانگرس کی طرف سے وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

قائداعظم نے اس موضوع اظہار خیال فرمایا ہے، یہ تقریر لیگ کونسل کے اجلاس میں ہوئی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

حضرات! ہندوستان کی ایک جماعت ——— ایک نہایت منظم جماعت جس کا خاص کام ہمیں بیرونِ ملک میں بدنام کرنا ہے۔ پروپیگنڈا جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ امریکہ، چین، انگلستان اور دنیا کے دوسرے حصوں کی رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں مصروف و منہمک ہے۔ قدرتی طور پر امریکہ کے عوام ہندوستان کے صحیح حالات سے بہت کم واقف ہیں بڑی دیدہ دلیری و بیباکی سے ہمارے بارے میں یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ ہم ہندوستان میں برطانی شہنشاہیت کے معین و مددگار ہیں۔ اور ملک کی آزادی و خودمختاری کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

جو اشخاص ہندوستان کے حالات اور اس کی سیاسی رفتار کا صحیح مطالعہ کرتے ہیں، اس سے واقف ہیں کہ راہ آزادی میں رکاوٹ پیدا کرنے کا یہ الزام نہ صرف بے بنیاد ہے بلکہ سراسر شرمناک بھی ہے۔

ہندوستان کبھی ایک نہیں رہا، ایک قوم نہیں رہا، ایک ملک نہیں رہا اور اس پر

کوئی ایک طاقت بہ نوکِ شمشیر بھی حکومت نہ کرسکی یہ مختلف اقوام وملل کا ایک فیلی برِ اعظم ہے حتیٰ کہ آج بھی جبکہ برطانیہ قلمروئے ہندوستان پر فرماں روائی کر رہا ہے ایک تہائی حصہ برطانیہ کے زیرِ نگین نہیں ہے۔ نظم و نسق کی موجودہ یکسانیت خالص برطانی پیداوار ہے، پھر اس فیلی براعظم کی یہ حکومت جو ۱۵۰ یا ۱۶۰ سال سے قائم ہے ایسی حکومت نہیں جو عوام کی منظوری سے قائم ہوئی ہو (نعرۂ تحسین)

یہ محض مغل طرزِ حکومت پر جمہوری طرزِ حکومت کا نظری اطلاق ہے۔ اس کی منظوری عوام نے نہیں بلکہ برطانی سنگینوں نے دی ہے (نعرۂ تحسین) عوام میں ایک عظیم سیاسی شعور پیدا ہوچکا ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کے آپ مالک بنیں، اب ہم برطانی حکومت کو خدا حافظ کہنا چاہتے ہیں (نعرۂ تحسین) ہمارے مطالبۂ پاکستان میں ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری مضمر ہے۔ (بلند نعرہ ہائے تحسین)

یہ کس قدر صاف اور واضح ہے —— میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کسی کو غلط فہمی ہونی چاہیئے! —— ہم ہندوستان کی تین چوتھائی دینے کا اقرار کرتے ہیں —— چین اور روس کے سوائے دُنیا کے ہر ایک مُلک سے بڑا علاقہ ۲۵ کروڑ آبادی کے ساتھ ہم ہندوؤں کے حوالے کرنے پر تیار ہیں!

ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے منطقوں میں تم آزادی اور خود مختاری سنبھالو اور ہمارے علاقوں میں ہمیں حکمرانی کرنے دو! لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو قیادت یہ سوچتی ہے کہ "تین چوتھائی تو بہر حال ہماری جیب میں ہے ہی، اب اگر ہوسکے تو باقی ایک چوتھائی بھی ہڑپ کر جاؤ" بس یہی ذہنیت اور چالبازی ان مختلف کانگریسی تجاویز کے پس پردہ کار فرما ہے، جو تاحال ہمارے سامنے لائی گئی ہیں۔ اس ہیر پھیر کا مطلب وہی قومی حکومت! کس قوم کی قومی حکومت، ہندو قومی حکومت!

ایک اور فقرہ ہے۔ اکثریتی حکومت جو مجلس آئین ساز کو جواب دہ ہو! یہ روز مرہ کے

چلتے ہوئے آوازے ہیں اور ان سب کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ مسلمان ایک اقلیت کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہندوراج کے حوالے کردیں لیکن مسلمان اس کو کبھی قبول نہ کرے گا۔ (نعرے) اب وہ زمانہ لدگیا۔ اس وقت تو موت وحیات کی کشمکش جاری ہے، ہندوستان کی سرحدوں کو سخت خطرہ لاحق ہے۔ کسی حملہ آور کے خلاف مدافعت کے لئے ہر ایک سمجھدار ہندوستانی تیار ہو جائے گا۔ اور ہمارے سارے وسائل و ذرائع مجتمع کرنے میں بڑی خوشی سے ممکنہ مدد کرے گا۔ ہمارے امریکی دوست امریکہ جاسکتے ہیں، ہمارے برطانی دوست انگلستان جاسکتے ہیں لیکن میں کہاں جاؤں گا؟ پس اس سرزمین کی حفاظت وصیانت سے تعلق خاطر سب سے زیادہ مجھ کو ہے (نعرۂ تحسین)

انہیں وجوہات کی بناء پر ہم نے حکومت برطانیہ اور اس ملک کی دوسری جماعتوں سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرلیں اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے فیصلے کو مان لیں۔ اگر یہ فیصلہ تقسیم ہند کے حق میں ہو، خود مختار و آزاد اسلامی منطقے بنانے کے حق میں ہو تو تمام جماعتوں کو دیانتداری سے اس کا اقرار کرنا چاہیئے کہ وہ اس کو روبہ عمل لائیں گے۔

اگر ایک مرتبہ ایسے عہد واقرار سے ہمیں طمانیت دلائی جائے تو ہم مساوی حیثیت سے عارضی حکومت میں نہ صرف شریک ہونگے بلکہ اس کی امکانی کوشش کرینگے کہ تمام ضروری اختیارات اس عارضی حکومت کو منتقل ہو جائیں۔

اس کے جواب میں ہندو قیادت صرف ہوا کا رخ دیکھنے کی کوشش کررہی ہے اور غیر اقوام سے استدعائیں کررہی ہے۔ بیگانوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے؟ کیا وہ اس برّاعظم کی حکومت کو چلائیں گی؟ اس ملک کی حکومت کو اصولاً صرف دو بڑی جماعتیں چلائیں گی، وہ ہندو اور مسلمان ہیں! کسی قسم کی تجویز کیوں نہ ہو، ان دونوں کا اس میں شامل ہونا ضروری ہے

برطانیہ کی منطق بھی ناقابل فہم اور انوکھی ہے۔ محض اس لئے کہ ایک جماعت نے یہ مہمل اور ناممکن روش اختیار کی ہے، برطانی حکومت وقت گزاری کر رہی ہے۔ اور "انتظار کرو اور دیکھو" کی حکمتِ عملی پر گامزن ہے! یہ فاش غلطی ہے ——— اب آپ انتظار نہیں کر سکتے! وقت گذر رہا ہے، ہماری سرحدیں محفوظ نہیں ہیں، ہمارے جنگ کے میدانوں سے ابھی خطرہ دُور نہیں ہوا۔ یہ انتظار کرو اور دیکھو کی حکمتِ عملی برطانیہ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی جو اس سے سرزد ہو سکتی ہے۔

میں تو یہ کہوں گا کہ بڑھے چلو! حرکت کرتے رہو! اگر صد فی صد نہیں تو نوّے فی صد سہی، اسی ہی سہی، مگر حرکت ضرور کرو۔

اگر برطانی حکومت نے ہمارے مطالبہ کو تسلیم کر لیا تو نہ صرف ہندوستان کی رائے عامہ کی عدالت کے سامنے بلکہ تمام دنیا پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی وہ باشندگانِ ہند کو بعجلت ممکنہ خود مختاری دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پھر اس ملک کی یا کسی ملک کی رائے عامہ کی عدالت میں ہندو برطانیہ کے اس موقف کو جھٹلانے کے قابل نہ ہوں گے۔ کیونکہ انہیں بہت معقول اور کافی سے زیادہ حصّہ مل رہا ہے۔

مسلم لیگ کے بارے میں مجھے یہ کہنا ہے کہ اب یہ تنظیم سارے ہندوستان میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ ہم نے ایک سول ڈیفنس کمیٹی بنائی تھی جو دو مہینوں میں چودہ ہزار میل کا دورہ کر چکی ہے، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر جگہ مسلمانوں کو منظم کر دیا جائے۔ کوئی فتنہ برپا کرنے کے لئے نہیں بلکہ اندرونی اور بیرونی خلفشار کے مدِنظر مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی خدمتِ خلق اور اپنی مدافعت کے جذبہ کے تحت اپنی آبرو جان و مال کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہ تنظیم غیر مسلموں کی امداد و اعانت نہیں کر سکتی۔

ہماری پنج سالہ تجویز خدا کا شکر ہے کہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچی اس کی تکمیل

کے لئے مسلمانوں سے قسمی اِمداد کی کوئی اپیل نہیں کی گئی - آپ ان شاندار نتائج کو دیکھ کر مجھ سے اتفاق کرینگے کہ ہماری پنجسالہ تجویز کامیاب رہی آج مسلم لیگ کے پرچم تلے ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان متحد ہو گئے ہیں۔ میں نے بیرونی نامہ نگاروں اور انگریزوں سے جو اس ملک کے طول و عرض میں دورے کرتے رہتے ہیں سُنا ہے کہ وہ جہاں بھی گئے مسلمانوں کو اُنہوں نے لیگ کے ساتھ پایا۔

میں نے سرمائے کے لئے جو اپیل کی تھی وہ اس عظیم ادارے کو چلانے کے لئے ضروری ہے لیکن میرا روپیہ جمع کرنے کا طریقہ کسی قدر بے تکا ہے، ممکن ہے بہت سوں کے لئے یہ طریقہ سازگار نہ ہو۔ میں نے کسی کو روپیہ جمع کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے بلکہ معطیان سے اپیل کی ہے کہ وہ براہ راست مجھے بھیج دیں۔ مجھے مسرت ہے کہ چار لاکھ روپے میرے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ نہ کسی کو مجبور کیا گیا اور نہ کسی سے تقاضا کیا گیا۔

ہم نے پہلی مرتبہ ایک درجہ اوّل کا انگریزی اخبار جاری کیا ہے[۱] اس کو چند ہی ہفتے ہوئے ہیں تاہم ہندوستان کے ایسے بہت سے اخبارات سے اسکا موازنہ کیا جا سکتا ہے جو ۲۵ سال سے جاری ہیں۔ جوں جوں دن گذرتے جائیں گے ہم ہندوستان کے اعلیٰ ترین اخبارات سے مسابقت کر سکیں گے۔ اسکے مالیہ کو مسلم لیگ کے سرمایہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف دو یا تین اشخاص کی کوششوں کا نتیجہ ہے[۲] یہ اخبار زندہ رہے گا۔ (فلک شگاف نعرے)

---

[۱] اشارہ ہے روزنامہ ڈان کی طرف، جس کے ایڈیٹر مسٹر پوتھن جوزف سابق ایڈیٹر روزنامہ ہندوستان ٹائمز تھے۔

کانگریس کی طرف سے ہندوستان کی ضمنی قوموں کو بڑھاوا،

دشمن کا نیا حربہ!

۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء

جالندھر میں آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجتماع میں قائد اعظم نے تقریر کرتے ہوئے بعض نہایت اہم اور توجہ طلب باتیں ارشاد فرمائیں جنہوں نے ایک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ (رئیس احمد جعفری)

آپ ہندوستان کے مسلمان طلباء کی اس طرح تنظیم کیجئے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں۔ اور ملت اسلامیہ کی معاشری، اقتصادی اور تعلیمی ترقی و ارتقاء کے لئے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدیؐ کا احیاء کریں۔ اور ہندوستان کے مختلف اقوام و ملل کے درمیان بھائی چارہ اور خیر سگالی کے احساسات کو ترقی دیں۔

پھر آپ کا یہ بھی فرض ہونا چاہیئے کہ ہندوستان، ممالک اسلامیہ اور دیگر اقطاع عالم کے طالب علموں میں باہمی رابطہ و تعاون پیدا کریں اور اسکو وسیع تر کرتے جائیں۔

میں وفاق مسلم طلباء پنجاب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے مارچ ۱۹۴۱ء سے اب تک بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے ضلع ضلع مسلم لیگ کا پیام اور لائحہ عمل پہنچا دیا ہے۔

کل ہند کانگریس کمیٹی نے الہ آباد میں نہ صرف مسٹر راج گوپال اچاری کی تجویز کو جو ہماری تجویز سے مختلف تھی ایک بڑی اکثریت سے مسترد کر دیا بلکہ ایک نئی قرارداد اتنی ہی بڑی اکثریت سے منظور کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ مسئلہ پاکستان یا "تقسیم اکھنڈ ہندوستان" سے کانگریس کو کوئی واسطہ

نہیں رکھنا چاہتی ——— وہ مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ اس لئے اس نے (کانگریس نے) مفاہمت کا دروازہ بھی بند کر لیا ہے۔

اس کے بعد مسٹر گاندھی پر ایک غیر معمولی نظریہ کا القاء ہوا اور وہ یہ تھا کہ برطانی حکومت ہندوستان چھوڑ دے ——— اگر انگریز کل ہی ایسا کریں تو مجھے بڑی مسرت ہو گی ——— پھر ہم ان سے بخوبی سمجھ لیں گے۔ (فلک شگاف نعرے)

اب مسٹر گاندھی یہ کہنے لگے ہیں کہ تا وقتیکہ انگریز ہندوستان سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھایا جاسکتا! حالانکہ یہ اُن کا بنیادی اصول اور ایقان تھا اور جس کو مسٹر گاندھی نے بارہا دہرایا ہے کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر ہندوستان کو آزادی اور خود مختاری نہیں مل سکتی۔

یہ ان شرائط اولین میں سے ایک ہے جو آزادیٔ ہند کے لئے معین کی گئیں تھیں لیکن اسے ایک ہی رات میں دریا برد کر دیا گیا۔ برطانی حکومت کو ہمارے استمزاج کے بغیر تنبیہہ کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دے۔ یہ دفعتاً اور بیک وقت کیونکر ہوا۔ مسٹر گاندھی ادھر ابھی تو حکومت کو کچھ خوشامد کچھ دھمکی اور کچھ گفت شنید میں لگائے ہوئے تھے اور ایک مرتبہ تو اُنہوں نے آنسو بھی بہائے تھے۔

جب یہ سارے حربے ناکام ہو چکے تو انہیں انگریزوں پر اس قدر غصہ آیا کہ اُنہیں ہندوستان سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے! ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا۔ جو وہ کہتے ہیں اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے وہ کہتے نہیں! (نعرۂ تحسین)

حکومت نے ایک ناقابلِ فہم موقف اختیار کر رکھا ہے۔ برطانی کہتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کانگریس کے بغیر ہم کس طرح عارضی حکومت ترتیب دے سکتے ہیں؟

اس کے بعد قائد اعظم نے پنجاب بالمیک اچھوت وفاق لدھیانہ کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ۔

میں جہاں بھی رہوں آپ کے فرقے کے مفادات کو کبھی فراموش نہیں کروں گا۔ آپ میں سے جو لوگ ہمارے پاکستان میں رہیں گے ان سے نہ صرف مہذب حکومت کے ہمارے جدید تصور کے پیشِ نظر انسانیت اور مساوات کا سلوک کیا جائے گا بلکہ ہمارے مذہبی احکامات بھی یہی ہیں کہ ہر اس غیر مسلم اقلیت کے ساتھ جو اسلامی حکومت کے تحت ہو منصفانہ اور مناسب برتاؤ کیا جائے (طویل نعرہ ہائے تحسین)

اس وقت چونکہ میں سرزمین پنجاب میں ہوں اس لئے یہ کہوں گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین جو مسئلہ ہے وہ کل ہند سوال ہے اور سکھوں اور مسلمانوں کے مابین جو مسئلہ ہے وہ پاکستان سے متعلق ہے اور عملی طور پر مسلمانوں اور سکھوں کا مسئلہ ہے۔

اگر ہمارے سکھ دوست چاہتے ہیں ——— اور ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ ان کے اور ہمارے مابین کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو میں اُن سے کہوں گا کہ ایک دوسرے کے خلاف نہ کہیں بلکہ ایک دوسرے سے کہیں! ہم اپنے سکھ دوستوں سے کسی جلب منفعت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ میں ان سے صرف یہی اپیل کروں گا کہ وہ بیرونی اثرات سے آزاد ہو جائیں، ہم سے ملیں، مجھے یقین ہے کہ ہم ایک ایسے سمجھوتے پر پہنچ جائیں گے جو ہمارے سکھ دوستوں کو معقول حد تک مطمئن کر دے گا۔ (نعرۂ تحسین)

یوں تو تجویز پاکستان پر متعدد اعتراضات وارد کیے گئے جن کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا گیا ہے اور اب اُن کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی ہے۔ لیکن اب ایک نئی چال چلی گئی ہے ——— نیا ضابطہ یہ ہے کہ حق خود ارادیت صرف مسلمانوں تک کیوں محدود رکھا جائے اور اسے دوسرے فرقوں تک کیوں نہ وسیع کیا جائے؟!

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ہر فرقہ خود ارادیت رکھتا ہے، اس لئے پنجاب صوبہ سرحد سندھ وغیرہ کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے اس طرح سینکڑوں پاکستان ہو جائیں گے۔ یہ ضابطہ کہ ہر فرقہ کو حق خود ارادیت حاصل ہے یا تو سراسر جہالت ہے یا پھر فتنہ انگیزی

ہے ——— میں اس کا جواب دوں گا مسلمان ایک نشان زدہ علاقے میں جو ان کا وطن ہے من حیث القوم اپنے حق خود ارادیت کا مطالبہ کر رہے ہیں - اور وہ خطے ایسے ہیں جہاں ان کی اکثریت ہے -

کیا آپ نے تاریخ میں کہیں دیکھا ہے کہ منتشر ذیلی جماعت ہائے قومی کو مملکت کا مستحق سمجھا گیا ہو؟ ان کو تم کہاں سے مملکت دلواؤ گے؟ جب یہی ٹھہری تو صوبجات متحدہ میں ۱۴ فی صد مسلمان ہیں، انہیں ایک مملکت کیوں نہیں دے دیتے؟ صوبجات متحدہ میں مسلمان من حیثیت قوم نہیں ہیں۔ وہ منتشر ہیں جنہیں دستوری زبان میں ذیلی جماعت قومی کہا جاتا ہے اور جس قدر کسی مہذب حکومت میں ایک اقلیت کو مل سکتا ہے انہیں ملے گا لیکن اس سے زیادہ کی وہ توقع نہیں کر سکتے۔

۱؎ مسٹر راج گوپال اچاریہ نے کانگرس میں تجویز پیش کی تھی کہ مسٹر جناح کا پاکستان مان لیا جائے۔

۲؎ لیکن کانگرس نے اس تجویز کو مسترد کر کے ایک دوسری تجویز منظور کی جس کا مطلب تھا کہ ہندوستان اکھنڈ ہے اور اکھنڈ رہے گا۔

۳؎ اگر سکھوں نے اس اپیل پر لبیک کہا ہوتا تو آج ان کی حالت بالکل مختلف ہوتی۔ اور وہ ازاں سو رانده ازیں سو درمانده نہ ہوتے۔

۴؎ ذیلی اقوام، جو کسی ایک جگہ مرتکز نہ ہوں بلکہ مختلف مقامات پر بکھری ہوں، جیسے ہندو مشرقی پاکستان میں، مسلمان یو پی سی پی اور بہار وغیرہ میں، اقلیت کی حیثیت سے رہنے پر مجبور ہیں۔ جداگانہ وطن کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

۱۹۴۳ء

جب کانگرس پوری قوت سے قائدِ اعظم پر حملہ آور تھی،
جب برطانوی حکومت قائدِ اعظم کو دبا رہی تھی۔
جب احرار، خاکسار اور نیشنلسٹ مسلمان قائدِ اعظم کی قیادت کو چیلنج کر رہے تھے۔
جب بلوچستان کے پٹھان مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہونے لگے تھے۔
اور جب قائدِ اعظم ان کے بارے میں کہہ رہے تھے:

اے ز خود پوشیدہ خود را باز یاب
در مسلمانی حرام است ایں حجاب
رمزِ دینِ مصطفےٰ دانی کہ چیست؟
فاش دیدن خویش را شاہنشہی است
بندۂ حق وارثِ پیغمبراں
او نہ گنجد در جہانِ دیگراں!
تا جہانے دیگرے پیدا کند
ایں جہانِ کہنہ را برہم کند۔!

اخلاص کا دعویٰ سچا ہے تو ثبوت کیوں نہیں دیتے؟

تبدیلیٔ قلب و نظر کا مطالبہ!

۲۴ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء

جب اقلیتوں پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص کانگریس کی بالادستی برطانوی حکومت تسلیم نہ کرسکی، تو مساعی جنگ میں رخنہ ڈالنے اور انگریز کو مرعوب کرکے اس سے اختیارات لینے کے لئے گاندھی جی نے "ہندوستان خالی کردو" کا نعرہ لگایا اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کردیا۔

حکومت نے اقدام وعمل سے پہلے تمام کانگرسی لیڈروں کو گرفتار کرلیا۔ گاندھی جی پونہ کے آغاخان پیلس میں محبوس کردیئے گئے۔ جواہر لال، مولانا آزاد اور سردار پٹیل وغیرہ احمد نگر کے قلعہ میں بند کردیئے گئے۔

تحریک سول نافرمانی شروع نہ ہوسکی، گاندھی جی ہار گئے، ملک پر ایک عام تعطل طاری ہوگیا۔

اس موقع پر ان کانگرسی لیڈروں نے جو جیل نہیں گئے تھے اور قائداعظم کے بدترین نکتہ چیں تھے ___ اور ان اخبارات نے جو ہمیشہ قائداعظم کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ ان سے رجوع کیا اور مطالبہ شروع کیا کہ وہ اس تعطل کو دور کرائیں، اُن کا کہنا یہ تھا کہ یہ تحریک انگریزوں سے زیادہ خود مسلمانوں کے خلاف تھی، لہٰذا جب تک کانگرس اور گاندھی جی تبدیلیٔ قلب و نظر کا ثبوت نہ دیں۔ وہ کیا کرسکتے ہیں؟

قائداعظم نے یہ تقریر بمبئی میں کی تھی۔

(رئیس احمد جعفری)

حضرات! موجودہ تعطل کو دُور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگرسی زعماء کو حاصل ہے۔ اگر مسائل کو سلجھانے کی کوئی حقیقی خواہش نہیں ہے تو سارا معاملہ باسانی طے ہو سکتا ہے یہ کہا جا رہا ہے کہ میں بحیثیت صدر مسلم لیگ کے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لوں اور کانگرسی قائدین کو جیل سے رہائی دلواؤں، میں اسے ستائش اور قدر افزائی پر محمول کروں گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کی صورت حال کیا ہے۔

کانگرس کی ۸ اگست والی قرار داد اور آزادیٔ ہند سے متعلق اس کے گزشتہ رویّہ میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے ۱۹۴۲ء میں کہا تھا کہ

"تاوقتیکہ مسلم لیگ سے کوئی قابلِ عمل سمجھوتہ نہ ہو جائے سیول مدافعت، "مخالف لیگ مدافعت" میں تبدیل ہو جائے گی، اور کوئی کانگریسی ایسی تحریک کا مؤید نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور موقع پر مسٹر گاندھی نے کہا تھا کہ:

"فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے بغیر دوران جنگ میں اگر کبھی عام تحریک کا آغاز کر دیا جائے تو یہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لے گی۔ اور یہ خودکشی کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔"

الغرض مسٹر گاندھی نے اس پر زور دیا تھا کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کے بغیر آزادی کبھی نہیں مل سکتی۔ کیا اب مسٹر گاندھی یا کانگرس یہ سمجھتی ہے کہ مسلم لیگ سے کسی سمجھوتے کے بغیر ہی وہ آزادی حاصل کر لیں گے؟ یہ حکمتِ عملی خود مسٹر گاندھی کے قول کے مطابق خودکشی کے مترادف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمان تعداد میں ایک چوتھائی ہیں، لیکن تم ہمیشہ سروں کو گن کر تو کام نہیں چلا سکتے! اس برِاعظم میں مسلمان ایک طاقت ور قوم ہیں۔ کانگرس کا طرزِ عمل بالکل صاف ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ برطانی حکومت کو جھکانے کے لئے

کافی ہیں تاکہ حکومت مجبور ہو کر مسلمانوں کے اہم ترین اور وسیع مفادات کو پامال کر دے۔ مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کا مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے۔

ہندو مہاسبھا جو کانگریس کا ثمنیٰ ہے۔ ان ارادوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی وہ کہتے ہیں" ہم ہندوستان کی آزادی و خودمختاری اگر آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ مل کر اور اگر آپ نہ چاہیں تو آپ کے بغیر ہی حاصل کریں گے۔

فرض کیجئے کہ کانگریس کامیاب بھی ہو گئی اور انگریزوں نے ہندوستان بھی چھوڑ دیا، اور کانگریس ہی کے تصور کے مطابق ہندوستان کو خودمختاری مل گئی تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کانگریس اس خیالی برِاعظم کی آزادی برقرار رکھ سکے گی؟ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلامی ہندوستان کبھی ہندو راج قبول نہ کرے گا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں صرف انتشار اور طوائف الملوکی ہو گی۔

خود مسٹر گاندھی نے بڑے وثوق سے کہا ہے کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہو سکتا ہے کہ کوئی مصالحت ہو یا نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خونریزی اور خانہ جنگی برپا ہو جائے۔ ان متضاد تصورات کے مدِ نظر کانگرس اور ہندو مہاسبھا کی حکمتِ عملی کو سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے لیکن ہندو اخبارات برابر لکھ رہے ہیں کہ "کسی نہ کسی سمجھوتے پر پہنچنا ہی چاہیئے۔"

اس کے علاوہ متعدد سمتوں سے مختلف مشورے دیئے جا رہے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "ہندوستان چھوڑ دو" کی حکمتِ عملی پر وہ ایقان نہیں رکھتے۔ وہ صرف مصالحت چاہتے ہیں مسلمانوں سے نہیں بلکہ برطانی حکومت سے! اگر ان کی مبینہ حکمتِ عملی یہ نہیں ہے لیکن وہ چاہتے یہی ہیں کہ انگریز اس ملک میں رہیں۔ وہ ہندوستان کی فوری آزادی یا ہندوستان چھوڑ دو کی حمایت نہیں کرتے بلکہ وہ ایک ایسی طرز حکومت چاہتے ہیں کہ جس میں ہندو برطانیہ کے سہارے سے مسلمانوں پر مسلط ہوں اور آہستہ آہستہ ان کا گلا گھونٹ دیں۔

اُدھر مسٹر ایمری تاریخ ہند پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف تھے[۱] اور متحدہ ہندوستان کی تلقین کر رہے تھے اور ادھر لارڈ لن لتھگو وائسرائے ہند نے یہاں سات سال گزارنے کے بعد دفعتاً انکشاف کیا کہ ہندوستان ایک جغرافی وحدت ہے[۲]۔ کوئی سمجھدار آدمی اس سے کس نتیجہ پر پہنچے گا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہندو مہاسبھا اکھنڈ ہندوستان کی قرارداد کانپور کو برطانی قدامت پرستوں کی خدمت میں سالِ نو کے تحفہ کے طور پر پیش کرتی ہے۔ ان حالات میں اب آپ ہی بتایئے کہ میں اس بینہ تعطل کو کس طرح ختم کر سکتا ہوں ۸ اگست سے اب تک کانگریس کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہر چند کہ بہت سے کانگریسی جیل میں تھے۔ تاہم سب کے سب تو جیل میں نہیں تھے۔ ہندو پریس تو جیل میں نہیں تھا۔ تاحال کسی ذہنی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں نظر آتے۔ اور ان کے پیشِ نظر اہم تجویز بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ کانگریس کے اس موقف کی شدت سے حمایت کی جائے جو ۸ ر اگست کی قرارداد سے پیدا ہوا ہے اور ہندو مہاسبھا نے جس کی انتہائی جارحانہ انداز میں توثیق کی ہے۔

کیا سلیم الطبع اشخاص کی کوئی جماعت موجود نہیں ہے۔ ہندو فہم ورائے کی ایک ایسی مختار و مجاز جماعت جس کے پاس موجودہ تعطل کو ختم کرنے کی کوئی تجویز ہو؛ کیا کوئی ایسا صاحب الرائے ہے جو کسی قدر طمانیت دلا سکتا ہو اور کوئی ایسی تجویز پیش کرنے کا مجاز ہو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ اب ذہنیت تبدیل ہو چکی ہے اور گفت و شنید کے ذریعہ اسلامی ہند اور مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے کی تمنّا پیدا ہو چکی ہے؟

اب اگر آپ سارے موقف کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ موجودہ تعطل کو دُور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریس کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ اپنی ذہنی تبدیلی کے ذرا سے اشارے سے ایسا کر سکتے ہیں۔

وہ اختیار و مجاز جو مجھ سے منسوب کیا گیا محض قدر افزائی ہے۔ جب انہیں جیل

بھیجنے ہی کا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے تو پھر جیل کے دروازے کھولنے کا اختیار کہاں سے لاؤں ؟

۱؎ مسٹر ایمری وزیر ہند، انہوں نے شہنشاہِ اکبر کے نظامِ مملکت کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ تاکہ آزاد ہندوستان میں آئینِ اکبری کا سا نظام رائج ہو۔

۲؎ کرسمس کے موقع پر لارڈ لن لتھ گو نے کلکتہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہندوستان جغرافی وحدت ہے اور جغرافیہ میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی، یعنی پاکستان کا مطالبہ نہیں مانا جاسکتا۔

بلوچستان مسلم لیگ کے اجتماع سے خطاب

۳ ر جولائی ۱۹۴۳ء

قاضی محمد عیسےٰ کی زیرِ صدارت بلوچستان مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ جلسہ کوئٹہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر قائدِاعظم بھی تشریف فرما تھے۔ اور انہوں نے ایک دلنشیں تقریر بھی ارشاد فرمائی تھی جو درجِ ذیل ہے:-

رئیس احمد جعفری

ہم ایک اضطراری دَور سے گزر کر ایک جادۂ مستقیم پر گامزن ہو گئے ہیں۔ اسلامی اکثریت کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم ہو چکی ہیں، بنگال، پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد سب کے سب معاشری اصلاحات اور ثقافتی و اقتصادی ترقی کے لئے کوشاں ہیں، آسام کی وزارت میں بھی مسلم لیگ ہی کا اقتدار ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان آج سے پہلے کبھی اس قدر متحد نہیں ہوئے تھے۔

اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانانِ بلوچستان بھی اپنی گراں خوابی سے چونکیں اور اُمتِ مسلمہ کی صفوں میں شامل ہو جائیں آپ کے صوبے میں بھی مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ آپ کی یہی بیداری قومی تعمیر کی خشتِ اوّل ہوگی۔ کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بڑی عظمت ہے۔ اس کو منظم کرنا اس بھی بڑی عظمت ہے۔ بس اب اُٹھو اور دوسرے صوبوں کے شانہ بشانہ صف آرا ہو جاؤ۔!

باہمی حسد و کینہ پروری اور اپنے ہی کنبوں کے فائدوں کو نظر انداز کردو، ذرا ذرا سے

اختلافات، نجی قضیئے اور قبیلوں کی تو ہم پرستیوں کو خیرباد کہہ دو، اگر تم نے اتنا کر لیا تو یقیناً بلوچستان آگے بڑھ کر ہندوستان میں اپنا باعزت مقام حاصل کرلے گا۔

میں بلوچستان کے نوابوں کو یہ مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھیں۔

بلوچستان میں تعلیمی فقدان کی تمام تر ذمہ داری موجودہ نظم و نسق کی مجرمانہ غفلت پر عاید ہوتی ہے۔ یہاں کی مدنی و شہری ترقی درجہ صفر پر ہے، کوئٹہ جیسے مقام پر بھی مقامی حکومت خود اختیاری نہیں دی گئی ہے۔ حالانکہ ایسے شہروں میں جو کوئٹہ سے کمتر درجہ کے ہیں منتخب بلدیات اور مقامی مجالس قائم ہیں۔ میں مرکزی مقننہ کی مسلم لیگی جماعت کو اس کی پوری اطلاع دوں گا۔

لیکن ان مشکلات سے باشندگان بلوچستان کو پست ہمت نہ ہونا چاہیئے ان کو چاہیئے کہ اپنی تنظیم کریں اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔ دوسرے صوبوں کے سارے مسلمانوں نے مسلم لیگ میں شریک ہو کر اسے ایک مستحکم تنظیم بنا دیا ہے۔

کانگرس نے مسلم لیگ میں اختلال پیدا کرنے کے لئے بڑی باریک چالیں چلیں، لیکن آخر میں وہ سب ناکام ہو گئیں۔ جب ہم ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتے اور ان میں افتراق نہیں پیدا کرتے تو پھر وہ کیوں اپنے اعمال سے باز نہیں رہتے ؟

اسی کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں مسلمانان بلوچستان نے قائداعظم کی خدمت میں ایک تاریخی تلوار پیش کی جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے متعدد اسلامی محاربات میں اس سے کام لیا گیا ہے۔ قائداعظم نے اس تحفہ کو قبول کرتے ہوئے بلوچیوں کی بیداری پر اظہار مسرت فرمایا اور حسب ذیل تقریر فرمائی :-

آپ کی منظورہ قرارداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی مشکلات اور ذمہ داریوں کا

احساس ہے۔ اب تک آپ ظلمت اور تاریکی میں تھے۔ مسلم لیگ اس تاریکی کو منور کرنے کے لئے ایک شمع نور لائی ہے۔ ہندوستان کے دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کے قوائے عقلی میں مضمحل اور مفلوج ہو چکے تھے اور احساسِ زیاں جاتا رہا تھا۔ مسلم لیگ نے آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور آپ کو صحت و توانائی کا پیام پہنچایا ہے۔

اگر آپ سب لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں تو نہ صرف آپ اپنی ہی رکاوٹوں کا خاتمہ کر دیں گے بلکہ اسلامی ہندوستان کے حقیقی اقتدار کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ یہ پرچم آپ کا محافظ ہے۔ اور یہی آپ کو اقتدار بھی عطا کرے گا۔

یہ تلوار جو آپ نے مجھے عنایت کی ہے صرف حفاظت کے لئے اُٹھے گی لیکن فی الحال جو سب سے ضروری امر ہے وہ تعلیم ہے۔ علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہے جائیے اور علم حاصل کیجئے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر وقت آجائے تو ہم اپنی جان اور سب کچھ قربان کر دینگے لیکن پہلے اس کی تیاری تو کرلو! ہم بے کار اور بے مقصد قربانی نہیں چاہتے۔

وفاق مسلم طلباء بلوچستان کے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔

ہندوستان اور دُنیا کے سیاسی تغیرات اور مسائل حاضرہ کا مطالعہ بھی تمہاری تعلیم کا ایک لازمی جزو ہونا چاہیئے۔ تم اپنے قومی ادارے کل ہند مسلم لیگ کی حکمتِ عملی اور لائحۂ عمل کا بغور مطالعہ کیا کرو۔ تمہارے ملک کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے۔ گردشِ ایام نے اس ملک میں بڑے بڑے انقلاب کئے ہیں۔ لیکن تم کو کم و بیش صدیوں پہلے کی سی زندگی بسر کر رہے ہو تم اس سے بالکل بے خبر رہے ہو کہ تمہارے پڑوس میں کیا ہو رہا ہے، بلکہ اس سے بھی ناواقف ہو کہ خود تمہیں کیا ہو گیا ہے۔

دُنیا سے دور تم اپنی ہی مخصوص دُنیا میں تنہا رہتے ہو جیسا کہ صدیوں پہلے ہوتا تھا ——— اگر آج بھی تم بلوچستان پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ واقعی تم نے کوئی ترقی نہیں کی ہے۔

خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات

اقبالؔ

سنہ ۱۹۴۵ء

جب قائد اعظم نے برطانوی امپیریلزم کا چیلنج "ہندوستان، ایک جغرافی وحدت ہے" قبول کر لیا تھا۔

جب قائد اعظم نے کانگرس کے دعوائے ہمتائی کو چیلنج کیا تھا اور اسے شکست دے دی تھی

جب قائد اعظم نے سرحد کا دورہ کیا تھا، اور زبانِ حال سے کہا تھا!

طے نمودم باغ و راغ و دشت دور
چوں صبا بگذشتم از کوہ و کمر
خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست
در دلِ او صد ہزار افسانہ ایست
سرزمینے کبک او شاہیں مزاج
آہوئے او گیرد از شیراں خراج
لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز
بے نظام و ناتمام و نیم سوز!

تجاویز ویول

۱۴۔ جولائی ۱۹۴۵ء

گاندھی جی کی تحریری اجازت سے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے لیاقت علیخاں سے ہندو مسلم مساوات کی بنیاد پر سمجھوتہ کر لیا (یہ گویا "تبدیلی قلب نظر کا ثبوت تھا) اور اس کی اطلاع لارڈ ویول کو بھی دے دی۔

لارڈ ویول ایک فوجی آدمی تھے۔ اور ابھی کچھ مدت پہلے تک ہندوستان کے کمانڈر انچیف بھی رہ چکے تھے، لیکن وہ ایک مدبر اور سیاست دان بھی تھے، جیسا کہ مولانا آزاد نے اپنی خودنوشت میں اعتراف کیا ہے، اُنہوں نے اس روشنی میں تجاویز کا ایک خاکہ مرتب کیا، لندن اُڑ کر گئے اور برطانوی کابینہ سے اس کی منظوری بھی لے آئے۔

تجاویز ویول کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد مساوی ہوگی۔

۲۔ یہ اگزیکٹو کونسل رائج الوقت دستور کے ماتحت کام کرے گی۔

۳۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ تمام ممبران اگزیکٹو کونسل ہندوستانی ہوں گے آخرالذکر کی حیثیت وزیر جنگ کی ہوگی۔

۴۔ امور خارجہ کا محکمہ بھی ہندوستانی ممبر کے سپرد کر دیا جائے گا،

۵۔ حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنا ایک ہائی کمشنر مقرر کرے گی جو اس کے تجارتی اور دوسرے مفادات کی دیکھ بھال کرے گا۔

۶۔ یہ اگزیکٹو کونسل، آزادیٔ ہند کی طرف پہلا قدم ہے۔ اس کے ممبر سیاسی جماعتوں کے

کے منتخب کردہ ہوں گے لیکن ملک معظم کی توثیق لازمی ہے۔

۷۔ یہ اگزیکٹو کونسل، رائج الوقت دستور کے ماتحت کام کرے گی، گورنر جنرل کو اس کے فیصلوں میں مداخلت کا حق ہو گا۔ لیکن اس حق کا کم سے کم استعمال کیا جائے گا۔ وہ بھی صرف ناگہانی موقع پر۔

۸۔ مجوزہ قومی حکومت ہندوستان کے آئندہ دستوری خاکے پر اثر انداز نہ ہو گی، بالاتفاق جو اور جیسا دستور بھی منظور ہو جائے۔

۹۔ نئی اگزیکٹو کونسل یعنی قومی حکومت کے خاص فرائض یہ ہوں گے۔

الف۔ جاپان کے خلاف اس وقت تک پوری شدت سے جنگ جاری رکھنا، جب تک اُسے شکست کامل نہ ہو جائے (واضح رہے جرمنی کو شکست فاش ہو چکی تھی، ہٹلر نے خودکشی کر لی تھی، اور مسولینی مارا جا چکا تھا)

ب۔ جدید دستور کے نفاذ تک یہ حکومت کام کرتی رہے گی۔

ان تجاویز پر غور کرنے کے لئے شملہ کی وائسرائیگل لاج میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے مجتمع ہوئے لیکن کانگرس کی ہٹ دھرمی کے سبب یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ ناکامی کے اسباب پر قائداعظم نے پریس کانفرنس میں جو بیان دیا درج ذیل ہے

رئیس احمد جعفری

تجاویز ویول کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ دام تزویر ہے۔ ہندو قومیت کے علمبردار آزادی مسٹر گاندھی اور کانگرس، جغرافی وحدت ہند کے قائل لارڈ ویول، اسلامیان پنجاب میں تشتت و تفرقہ اندازی پر آمادہ گلانسی[1] خضر[2] میں ایک اتحاد اور اشتراک موجود ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان انتظامات میں ہمیں پیچھے ڈھکیل دیں۔ لارڈ ویول کی تجاویز اگر ہم قبول کر لیتے تو گویا یہ اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط کرنے کے مترادف ہوتا۔ آئیے لارڈ ویول

کی تجاویز کا صحیح صحیح تجزیہ کر ڈالیں۔

۱۹۴۰ء سے ہم نے متعدد مرتبہ اس کا اظہار کیا ہے ــــــــــــ کہ ہم کسی عارضی تجویز یا حکومت میں شریک نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ حکومتِ برطانیہ اس کا اعلان نہ کرے کہ مسلمانوں کو حقِ خود ارادیت حاصل ہے۔ اور مابعد جنگ یا جس قدر بھی جلد ممکن ہو قراردادِ لاہور کے بموجب پاکستان کا قیام عمل میں آ سکتا تھا۔

کسی عارضی انتظام میں ہمارے اشتراک کی یہی شرطِ اولین تھی۔ دوسرے یہ کہ ہم اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔ کسی ہنگامی انتظام میں ہماری شرکت اور انصرام جنگ میں ہماری امداد و تعاون اسی امر پر موقوف و منحصر ہے کہ مجوزہ مجلس عاملہ میں ہماری نمائندگی مساوی تعداد پر ہو۔

لیکن اس کی کوئی طمانیت تجاویزِ ویول میں نہیں دی گئی تھی اس کے باوجود ہم سے عظیم ترین ایثار و قربانی کی خواہش کی گئی ہے۔ مجھے علم ہے کہ لارڈ ویول نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا تھا کہ ہندوستان کے کسی آئندہ دستور پر یہ تجویز اثر انداز نہ ہوگی۔ اور پاکستان اس سے متاثر نہ ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف انہیں کے الفاظ سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔

ہر ذی فہم شخص یہ جانتا ہے کہ اگر ہم نے اس انتظام کو قبول کر لیا ہوتا تو مسئلہ پاکستان نذرِ طاق ہو جاتا اور بلا تعیین مدت ایک سرد خانے میں دھرا رہتا، پھر کانگریس کی تمنائیں پوری ہوتیں اور اس کو ہندوؤں کی قومی آزادی کے لئے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل جاتا اس لئے کہ ایک متحدہ حکومت کی طرح یہ عارضی حکومت ایک غیر معیّن مدت تک برسرِ کار اور برقرار رہے گی۔ برطانیہ کی وہ شہرۂ آفاق حکمتِ عملی اور لارڈ ویول کا یہ نظریۂ وحدتِ ہند ہمارے لئے موجبِ تباہی و ہلاکت تھا۔

اس موقع پر میں مسٹر ایمری کے بیان کا حوالہ دوں گا۔ انہوں نے سمجھوتے کی کوشش

تو کی تھی لیکن صرف اشک شوئی کر کے رہ گئے۔ ان کا بیان غیر مبہم ہے اور اس سے برطانی حکمتِ عملی کی صحیح وضاحت ہوتی ہے۔ مسٹر ایمری نے "وہائٹ ہاؤس" میں قرطاس ابیض کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ۔

"ہمارا مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ریاستوں کے اشتراک و تعاون کے ساتھ ایک کل ہند وفاق قائم ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ کہ متحدہ ہندوستان کے مسئلہ پر ہندو اور مسلمان متفق نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ ایسا کوئی عارضی انتظام نہ ہونا چاہیئے جو مستقبل کے منقسمہ یا متحدہ ہندوستان کے مسئلہ پر اثر انداز ہوتا ہو۔"

دوسرا امر یہ ہے کہ اس مجوزہ مجلسِ عاملہ میں تجویز کے بموجب ہم ایک اقلیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ہماری تعداد گھٹ کر صرف ایک ثلث رہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تمام دوسری اقلیتیں، پست اقوام، سکھ اور پارسیوں کا وہی مقصد ہے جو کانگرس کا ہے۔ ہر چند کہ انہیں کچھ شکایات اور دعاوی ہیں لیکن یہ محض اقلیت ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ان کے تصورات اور مطمح نظر ایک متحدہ ہندوستان ہی ہے۔ اس کے خلاف ہو نہیں ہو سکتا۔ تہذیب اور ثقافت کے نقطۂ نظر سے بھی ان اقلیتوں کا ہندو معاشرے سے بالکل قریبی رشتہ ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اُن کے ساتھ منصفانہ سلوک نہ کیا جائے۔ ان کو تحفظات نہ دی جائیں اور وہ جہاں بھی آباد ہوں ان کی نگہداشت نہ کی جائے۔ میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ جب عملی طور پر رائے شماری کا وقت آئے گا تو ان اقلیتوں کی آراء ہمارے خلاف ہوں گی۔

اس خطرناک حیثیت کے بارے میں ہمیں کوئی تحفظ نہیں دیا گیا ہے البتہ وائسرائے کو حق تنسیخ حاصل ہے، لیکن مقنن اور دستور ساز جانتے ہیں کہ ملک کے نظم و نسق یا مقننہ کی حکمتِ عملی

کے خلاف اکثریت کے فیصلوں کو اس حق تنسیخ سے بار بار بے اثر نہیں کیا جا سکتا۔

سب سے آخری نکتہ یہ ہے کہ مجلس عاملہ کی جن پانچ نشستوں کا فرقہ وارانہ اساس و بنیاد پر تعیین کیا گیا تھا۔ اور جو منصوبہ ویول کی روح ہے۔ ان پر ہم اپنے نمائندوں کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

اس کے دو دعوے دار تھے۔

ایک کانگرس جس کا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے حصہ رسدی میں سے دو نشستیں اسے دی جائیں[۱]

دوسرے گلانسی[۲] حضر پنجاب کی طرف سے دو نشستوں کے طالب تھے۔ یہ مطالبات مسلم لیگ کے وجود، موقف اور وقار پر ایک کاری ضرب تھے۔

گفت و شنید اس امر پر ناکام ہو گئی کہ پنجاب کی جانب سے لارڈ ویول ملک خضر حیات کے نامزد ایک غیر لیگی مسلمان کو لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ صرف کور چشم ہی اس حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے کہ کل ہند مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔

اگر ہم لارڈ ویول کے مجوزہ موقف کو قبول کر لیتے تو گویا ہم اس کانفرنس سے سب کچھ کھو کر لوٹتے۔

---

[۱] کیونکہ کانگرس اپنی "قومی" حیثیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی، اور اپنے نامزد کردہ مسلمان کو پیش کر کے ثابت کرنا چاہتی کہ مسلمانوں کی نمائندگی جزوی طور پر سہی اُسے بھی حاصل ہے۔

[۲] سر برٹرینڈ گلانسی، گورنر پنجاب جنہوں نے پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ کی اکثریت کے باوجود لیگی حکومت نہ بننے دی اور یونینسٹ پارٹی کے سربراہ ملک سر خضر حیات خان کو جو مولانا آزاد کی رہنمائی میں کانگرس سے سمجھوتہ کر چکے تھے وزیر اعظم بنا دیا۔

عام قومی نمائندگی کے صحیح معیار اور امتحان کی کسوٹی

حکومتِ ہند سے انتخابات کا مطالبہ

۶ر اگست ۱۹۴۵ء

ویول کانفرنس ختم ہو چکی ہے، لارڈ ویول وائسرائے ہند کا منصوبہ کانگرس اور مسلم لیگ کی طرف سے مسترد کیا جا چکا ہے، کانگرس کی طرف سے اسلئے کہ وہ سب کچھ لے لینا چاہتی تھی۔ اور مسلم لیگ کی طرف سے اس لئے کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں تھی۔

اب صوبائی مجالس آئین ساز اور مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں اور انہی انتخابات پر اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے یا نہیں؛ اس کا مطالبۂ پاکستان درخورِ اعتنا ہے یا نہیں؛ ہندوستان تقسیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؛

کانگرس کی مشینری پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آچکی ہے، یہ اس کے لئے بھی امتحان کا نازک وقت ہے، اب تک وہ دعویٰ کرتی آئی تھی کہ وہ "قومی" جماعت ہے مسلمان بھی اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں وہ مسلمانوں کی نمائندگی کا بھی حق رکھتی ہے اب اس دعوے کو پرکھنے کا وقت آیا ہے، آنے والے انتخابات فیصلہ کرینگے کہ اس کا دعویٰ کہاں تک مبنی بر صداقت ہے؛

ویول کانفرنس کی ناکامی کے بعد قائدِ اعظم کی یہ پہلی پبلک تقریر ہے، اس تقریر میں اُنہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔

اس جلسہ میں ممبر ایسوسی ایشن بمبئی نے ایک لاکھ روپیہ نذر کیا۔

(رئیس احمد جعفری)

حضرات! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ میری اپیل کا آپ نے اس قدر خلوص اور گرم جوشی

سے جواب دیا ہے۔ انتخابات کی مہم کے سلسلہ میں آپ کی مالی امداد سے مستحکم عزائم کا اظہار ہو رہا ہے۔ شملہ کانفرنس کے دوران میں حکومت اور کانگرس کی اس روش کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ مسئلۂ پاکستان پر ان میں سے کسی کو بھی خاطر میں نہ لائے گی۔ حکومت سے میری یہ خواہش ہے کہ وہ انتخابات کا فوراً اعلان کر دے تاکہ ملّتِ اسلامیہ ہند اس خصوص میں اپنا فیصلہ صادر کر سکے۔

اس کانفرنس میں مسٹر گاندھی نے شرکت کیوں نہیں کی؟ انہوں نے درپردہ ریشہ دوانیوں کے لئے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔ وہ محض کانگرس کے مشیر بننے پر قانع نہیں تھے، بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو وائسرائے کا اور ان کے توسط سے برطانوی قوم کا بھی مشیر بنا لیا تھا[۱]۔ شملہ میں مجلس عاملہ کانگرس کے روح رواں اور ہدایت کار مسٹر گاندھی ہی تھے۔ جب ان کے مفید مطلب ہوتا ہے تو وہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتے، وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں[۲]۔ وہ چار آنے کے رکن بھی باقی نہیں رہتے اور سیاسی امور تنقیح طلب پر فاقے شروع کر دیتے ہیں[۳]۔ اور جب ضرورت ہوتی ہے تو اپنے آپ کو گھٹا کر درجہ صفر تک پہنچا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنی اندرونی آواز پر عمل پیرا ہیں[۴]۔ اور کبھی اس کے خلاف وہ کانگرس کے اعلیٰ ترین اور مطلق العنان آمر بن جاتے ہیں اور سارے ہندوستان کی نمائندگی کا ادعا کرتے ہیں۔ ایسے شخص سے ہم کس طرح سمجھوتہ کر سکتے ہیں؛ وہ ایک چیستاں، ایک معمہ ہیں۔

کانگریسی حلقوں میں مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف خوب زہر اگلا گیا۔ اس وقت دو مقاصد کانگرس کے پیشِ نظر تھے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے وہ کسی حد تک بھی جانے کے لئے تیار تھے پہلا تو یہ تھا کہ مسلم لیگ کو نیچا دکھایا جائے۔ اس خصوص میں جبر و استبداد کے سارے طریقے آزمائے گئے۔ ہمیں جھکانے اور سرنگوں کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ دوسرے یہ کہ ان کی خواہش تھی کہ مسلم لیگ کسی طرح سے نظر انداز ہو جائے۔ اور اس کے لئے انہوں نے اپنے اصولوں کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ درجہ مقبوضات کے مدّعی بھی نہیں، بلکہ ہندوستان چھوڑ دو اور

مکمل آزادی کے سُور ما جس کو وہ ہر سال عہدو اعلان سے دُہرایا کرتے ہیں ایک عالم مایوسی میں ناکام و نامراد شکست خوردہ اور ہزیمت اُٹھائے ہوئے اس آس میں شملہ پہنچے تھے کہ انہیں لارڈ ویول کے داہنے بازو نشست مل جائے گی۔

پہلے پہل تو اُنہوں نے مسلم لیگ کو دھمکانے کی کوشش۔ پھر لارڈ ویول کی خوشامد کرنے لگے کہ وہی مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیں۔ لیکن انکی غیر عاقبت اندیشانہ حکمتِ عملی قطعی ناکام رہی۔ اب اُنہوں نے لارڈ ویول کو عہد شکنی کا مجرم ٹھہرایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ لارڈ موصوف نے اُنہیں یقین دلایا تھا کہ اگر لیگ نے خود رائی کی تو وہ اُسے نظر انداز کر دینگے۔ میں باور نہیں کرتا کہ اُنہوں نے ایسی کوئی ضمانت دی ہوگی، اگر وہ چاہتے بھی تو ایسا نہ کر سکتے تھے۔

وائسرائے کی نشری تقریر کی شرائط کے لحاظ سے اور اس قرطاس ابیض کی رو سے جو وزیر ہند نے جاری کیا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں دو بڑی جماعتیں ہیں۔ چنانچہ مسٹر گاندھی کو اور مجھے دونوں اہم جماعتوں کے مسلمہ قائدین کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ برطانوی اُنہیں جماعتیں کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ دو اقوام ہیں بیشک اور اقلیتیں بھی تھیں، جیسے اینگلو انڈین عیسائی اور پارسی جن کے مفادات کا تحفظ بھی ضروری تھا۔

بہر حال مسلمانوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ ہندوستان کے مغربی اور مشرقی منطقوں میں ایک ٹھوس اکثریت رکھتے ہیں۔ جہاں پاکستان کا قیام عمل میں آئے گا۔

کانگرس ہندو راج کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ کہ جیسے ہی برطانیہ کا اقتدار ہندوستان سے اُٹھ جائے گا مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔ اب شملہ کانفرنس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو چکا ہے۔

اب جبکہ یورپ میں جنگ اختتام کو پہنچ چکی ہے۔ اس لئے ہندوستان میں کسی عارضی حکومت سے متعلق گفت و شنید کو جاری رکھنا بے سود ہوگا۔ برطانی حکومت اور وائسرائے بڑی خوبی سے اس ملک کے لئے مستقل دستور کی تجویز سوچ سکتے ہیں۔ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کو خود مختاری ملتی ہے

تو اس کا واحد اور منصفانہ حل ہندوستان اور پاکستان کا دستور ہے۔ سرِ دست یہ انتخابات میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بے شمار غریب مسلمان بھی اس میں بڑے جوش سے حصّہ لے رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان سے انہیں کس قدر گہری وابستگی ہے۔

۱۔ گاندھی جی نے شروع شروع میں تجاویز ویول کا بڑے زور شور سے خیر مقدم کیا تھا، انہیں اُمید تھی کہ اب گوہرِ مقصود ہاتھ آجائے گا، انہوں نے جوشِ مسرت سے بے قابو ہو کر شملہ جاتے وقت اعلان کیا تھا کہ وہ کانفرنس کے مندوب بن کر نہیں بلکہ لارڈ ویول اور برطانوی قوم کے "مشیر" بن کر جا رہے ہیں۔

۲۔ گاندھی جی جب بھی وائسرائے سے گفتگو کرتے تھے، انفرادی حیثیت سے یہ دوسری بات ہے کہ کانگرس کے ڈکٹیٹر تر جمان، اور نمائندے کی حیثیت سے ہمیشہ وہی بلائے جاتے تھے، اور جو فیصلہ بھی وہ کر لیتے تھے، کانگرس بے چون وچرا اُسے تسلیم کر لیتی تھی۔

۳۔ اور جب انہیں تدبّر کے میدان میں شکست ہوتی تھی تو مرن برت رکھ کر ساری دنیا میں ہلچل پیدا کر دیتے اور بالآخر اپنی بات منوا لیتے تھے جسے ایک وائسرائے —— لارڈ لنلتھگو —— نے بلیک میلنگ کہا تھا اور جس کے بارے میں سیاست دانوں کی عام رائے یہی تھی کہ یہ مرن برت بھی ایک قسم کا تشدد ہے

۴۔ گاندھی جی کا جب استدلال، اور حقائق کی دنیا میں مقابلہ کیا جاتا تھا، تو وہ اپنے ہر قول اور فیصلے کی بنیاد "اندرونی آواز" کو قرار دیتے تھے۔ جس کے بعد بحث و دلیل اور افہام تفہیم کی گنجائش ہی نہیں باقی رہ جاتی تھی۔

۵۔ گاندھی جی اور اربابِ کانگرس کا مطالبہ لارڈ ویول سے یہ تھا کہ ہم آپ کی تجاویز مان لیتے ہیں، ہمیں "قومی حکومت" بنانے کا موقع دیجئے۔ مسلم لیگ اگر اپنی ضد پر اڑی ہے تو اُسے نظر انداز کر دیجئے۔ لیکن لارڈ ویول مسلم لیگ جیسی عظیم اور منظم جماعت کو ——

کم از کم فی الحال —— نظر انداز کر کے اپنے لئے درد سر مول لینا نہیں چاہتے تھے

۶ لارڈ ویول نے جب کانگریس کا یہ مطالبہ نہیں مانا تو کانگریس کی طرف سے ان پر تابڑ توڑ حملے شروع ہو گئے۔ اور انہیں عہد شکنی کا مجرم قرار دیا گیا۔ حالانکہ انہوں نے وعدہ یہ صرف یہ کیا تھا کہ اگر تمام قابلِ ذکر سیاسی جماعتیں (یعنی مسلم لیگ اور کانگریس) ان تجاویز پر متفق ہو گئیں تو اپنی ایگزیکٹو کونسل میں توسیع کر لیں گے ——— !

۷ یورپ کی جنگ اب ختم ہو چکی تھی، ہٹلر خود کشی کر چکا تھا، مسولینی ہلاک کیا جا چکا تھا، لیکن جاپان نے اب تک ہتھیار نہیں ڈالے تھے، اب اتحادیوں کی ساری طاقت اسی کو زیر کرنے میں صرف ہو رہی تھی !

چاندی کی گولیاں!

۱۲۔ اگست ۱۹۴۵ء

جدید انتخابات کا وقت قریب تر آتا جارہا تھا، قائد اعظم نے اس جنگ کو جیتنے کا فیصلہ کر لیا تھا، سارے ہندوستان میں انتخابات کی مہم کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے روپے کی ضرورت تھی، کانگریس کے پاس روپے کی کمی نہ تھی، لیکن مسلم لیگ کا خزانہ خالی تھا، اور اسلئے خالی تھا کہ اب تک قائد اعظم نے پبلک سے چندے کی کوئی اپیل نہیں کی تھی۔

اب انہوں نے اپیل کی اور مسلم قوم نے جوش وخروش کے ساتھ اس اپیل پر لبیک کہا، ٹمبر ایسوسی ایشن ایک لاکھ روپیہ اسی سلسلے میں ابھی چند روز پہلے نذر کر چکی تھی، اب مسلمانانِ بمبئی نے تین لاکھ گیارہ ہزار روپے کی تھیلی اپنے قائد کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی، قائد اعظم نے اسی تقریر میں اپنی قوم سے مطالبہ کیا کہ میرے جیب ودامن کو چاندی کی گولیوں سے بھر دو تاکہ اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ اتمام تک پہنچا سکوں!

(رئیس احمد جعفری)

مسلمانوں کے مطالبات اس قدر واضح اور عام فہم ہیں کہ ان کو ایک طفل مکتب بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس اجتماع سنی، شیعہ، مومن، بوہرے اور خوجے سبھی موجود ہیں۔ اور یہ اس حقیقت کی ایک ناقابلِ تردید دلیل ہے کہ یہ سب بحیثیت مسلمان یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے ملت اسلامیہ ہند کا ایک جزو، اتحاد بین المسلمین کے اس بصیرت افروز مظاہرے سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

اس وقت خانگی اختلافات کو یک لخت ختم ہو جانا چاہیئے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی صفوں کو درست کر کے ایک جسدِ واحد کی طرح کھڑے رہیں، جس کے بعد نہ صرف ہمارا قومی کردار نمایاں اور وقیع ہو گا۔ بلکہ ہمارا قومی مطالبہ بھی قبولیت حاصل کر لے گا۔ یاد رکھیئے کہ کوئی قوم مکمل اتحاد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی! کیا انگلستان کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوتی اگر انگریز آپس کے اختلافات میں اُلجھے رہتے؟

نجی اختلافات کو آئندہ کے لئے اُٹھا رکھیئے۔ اس سے نمٹنے اور کسی تصفیہ پر پہنچنے کے لئے کافی وقت ملیگا۔ لیکن اس وقت سب سے اہم اور اوّلین ضرورت اس امر کی ہے کہ اقتدار حاصل کیا جائے۔ میں آپ سے جو کچھ چاہتا ہوں، وہ تھوڑا سا ایثار ہے کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ انتخاب کے فنڈ میں آپ کو حسبِ استطاعت دے کر اپنا فرض ادا کرنا ہے، بالفاظ دیگر یہ ایک ایسی جنگ ہے جو صرف چاندی کی گولیوں سے لڑی جاتی ہے۔ مجھے آپ چاندی کی گولیاں دیجئے۔ میں اس کو کامیاب اختتام تک پہنچا دوں گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس ہمارے لئے سخت ترین مشکلات پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے گی۔ مسٹر گاندھی نے پھر اپنے لائحہ عمل کی تلقین شروع کر دی ہے۔ جو دراصل مسلمانوں کے لیے تخریبی لائحہ عمل ہے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ کانگرس ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو کانگرس کی یہ ساری کوشش ناکام ہو جائے گی۔

مسلمانوں میں تشتت و افتراق پھیلانے کے لئے کانگرس اپنا روپیہ ضائع کر رہی ہے کاش اس روپیہ کا کوئی بہتر مصرف ہوتا۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اب ہم مسلمانوں کی ٹھوس تائید اور پُرخلوص تعاون سے منزل مقصود کو جالیں گے۔ مسلمانوں کی یہ سیاسی بیداری موجبِ مسرت و اطمینان ہے اور میں سیم و زر سے بھی زیادہ اسکی قدر کرتا ہوں۔ آپ کا یہ تیقن

کہ مسلم لیگ پوری دیانت کے ساتھ آپ کے مفادات نبرد آزما ہے۔ ایک واقعہ میری قوت عمل کو ہمیشہ بیتاب رکھے گا۔ شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد کانگریس نے مجھ پر یہ بہتان تراشا کہ حکومت نے مجھے اختیار تنسیخ دے رکھا ہے اور یہ کہ میں نے رجعت پسندی سے آزادی ہند کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ یہ کانگریس کا ایک مخصوص کرتب ہے۔ اور سراسر کذب و افترا پر مبنی ہے جس کو یہ بہتان طراز بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور جب وہ زیادہ سمجھ سے کام لیں گے تو انہیں محسوس ہوگا کہ اس پروپیگنڈا کو جاری رکھنا کس قدر احمقانہ فعل ہے۔

وہ جانتے ہیں کہ ان چالبازیوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اسلامی صوبجات کو ایک عارضی یا مستقل کل ہند وحدت کے تحت جبراً لایا جائے اور انتہا یہ ہے کہ وہ اس مذموم مقصد کی تکمیل برطانوی سنگینوں سے کروانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے طریقۂ کار میں وہ تبدیلی بار بار کرتے رہتے ہیں۔ کبھی تو برطانی حکومت کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ کبھی گالیاں دیتے اور جھنجھلاتے ہیں۔ اور کبھی دھمکیوں پر اتر آتے ہیں۔

ہمارا ایک ہی عزم ہے اور غیر متزلزل! ہم کسی کل ہند وفاق کی تجویز کو قبول نہ کریں گے خواہ وہ عارضی ہو یا مستقل! اور ہم ہر ایسی کوشش کو بے اثر کر دیں گے، ایسی وحدت کو ہم پر زبردستی عاید کرے۔ ہمارے حق مدافعت کو وہ شر انگیزی سے "اختیار تنسیخ" کہتے ہیں یہ لغویت ہے اور اس سے وہ لوگ بھی پوری طرح واقف ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہماری روش ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی میں حائل ہے۔ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ کیونکہ ہندو اور مسلم ہندوستان کی آزادی تو ہماری عین خواہش ہے لیکن ہم کسی ایسے نظام کو قبول نہیں کر سکتے۔ جس کا مطلب ہندوؤں کی آزادی اور ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی ہے۔ یعنی اسلامی ہند کا برطانی راج سے ہندو راج کو انتقال،

کانگریس جو کچھ چاہتی ہے یہی ہے کہ اسلامی اکثریت کے صوبوں کو ایک کل وفاق کے تحت لایا جائے۔ جبراً و قہراً لایا جائے۔ اس سے نہ صرف ہم بنیادی اختلاف رکھتے ہیں۔

بلکہ اگر ایسا ہوا تو ہم اس کی مدافعت میں اپنی ساری طاقتیں اور توانائیاں صرف کر دیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ ہندوؤں کا سمجھدار طبقہ آخر کار اس کو محسوس کرے گا۔ برطانوی حکومت سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ مسلم ہندوستان کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر ڈال دے گی۔ مسلم ہندوستان پر کسی ایسے دستور کو نافذ کرکے جو انہیں تصورات پر مبنی ہو برطانی سنگینوں سے اُسے قائم رکھنا قطعی احمقانہ حرکت ہو گی۔ ہندوستان کے دستوری مسئلہ کا منصفانہ اور واحد حل پاکستان اور ہندوستان کا قیام ہے۔ جس کی ہم اندرون اور بیرون ملک شرح و توضیح کر رہے ہیں۔

یہ کانگرس ہی ہے جو تمام باشندگان ہند کی آزادی میں حائل ہو رہی ہے، اور اس سارے خلفشار کی ذمہ دار ہے کیونکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ یا تو سب کچھ اسی کو ملے یا پھر کسی کو کچھ نہ ملے۔ اور یہ ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا۔

لہ واقعی یہ قائد اعظم کی کرامت تھی!!

ہندوستان میں تحریک خلافت سے بڑھ کر طوفان بدوش پر جوش پر خروش، ہنگامہ خیز اور زبردست تحریک مسلمانوں نے کوئی نہیں اٹھائی، اس تحریک نے انگریزوں کو مرعوب کر دیا تھا، اور ہندو بھی خائف ہو گئے تھے۔ لیکن اتحاد بین المسلمین کی وہ کیفیت جو قائد اعظم کے دور قیادت میں نظر آئی وہ چیز ہی اور تھی، تحریک خلافت کے دور میں شیعہ من حیث الجماعت غیر جانبدار تھے، خوجے بالکل الگ تھے، بوہروں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تجارت پیشہ طبقہ بھی بہ حیثیت مجموعی کوئی حصّہ نہیں لے رہا تھا۔

لیکن قائد اعظم نے اپنے دور قیادت میں مسلمانوں کے ہر فرقے کو ایک پلیٹ فارم پر اس طرح مجتمع کر دیا کہ واقعی مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

ہم کامیاب ہوں گے

اکتوبر ۱۹۴۵ء

قائداعظم نے یہ تقریر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان کے اجلاس کوئٹہ میں ارشاد فرمائی تھی۔

اس تقریر میں قائداعظم نے آنے والے دور کی ایک جھلک پیش کی ہے وہ دور جس سے بہت جلد مسلمان دوچار ہونے والے ہیں، اور جو ان کی قسمت کا فیصلہ کردے گا ——— یا ادھر یا ادھر، یا تخت یا تختہ، یا کامرانی کی خوش کامیاں، یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناکامی کی نامرادیاں،! (رئیس احمد جعفری)

حضرات! میں مسلم طلباء کو ہدایت کروں گا کہ وہ سیاست کا بنظر تعمق مطالعہ کریں۔ سیاست تمہاری تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ میں تمہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری سیاسی بیداری اور جدوجہد کے راستہ میں چند شخصیتوں اور حکومت کی طرف سے رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری متحدہ اور پیہم کوشش ملک کے اندر ایک انقلاب برپا کرسکتی ہیں۔ تم اپنی جدوجہد جاری رکھو، مخالفین اور رکاوٹوں کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ مجاہد کی طرح اپنے عزم و استقلال کے ہتھوڑے سے راستے کے پتھروں کو پاش پاش کردو۔ تمہاری پیش قدمی جاری رہنی چاہیئے۔ آگے بڑھو۔ فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کے لئے بیتاب و بیقرار ہے۔

آپ کے سپاس نامہ میں یہ سنکر مجھے دلی مسرت حاصل ہوئی کہ آپ اپنی جماعت میں

تمام طبقوں کے درمیان اتحاد و تعاون کی اہمیت کا احساس رکھتے ہیں صرف آپ ہی کو اپنے صوبہ کے حکام کی روش کے خلاف شکایت نہیں بلکہ اس قسم کی شکایات دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی ہیں ہر صوبہ میں عوام حکام کے رویہ سے نالاں ہیں۔ اگر آپ منظم اور متحد ہو کر اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کریں گے تو یقیناً بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور حکومت آپ کے مطالبات سننے کے لئے مجبور ہو سکتی ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ بلوچستان کروٹ بدل رہا ہے، بلوچستان کی نیم سیاسی اور فوجی حکومت کے نظم و نسق کو بدلنے کے لئے عوام میں بیداری کی لہر اور جدوجہد کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی بیداری، آپ کی جدوجہد، آپ کی یکجہتی اور عزم اور استقلال سے اس صوبہ کے نظام میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی جدوجہد آزادی میں صبر و استقلال کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں۔ خواہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز کیوں نہ ہوں۔

میں بہت ہی خوش ہوا ہوں کہ آپ ہندوستان کے سیاسی معاملات سے پوری پوری دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آئندہ انتخابات ہندوستانی سیاست کا ایک نہایت اہم مرحلہ ہوں گے۔ یہ بہت بڑی آزمائش کی ساعت ہے یہ آخری اور فیصلہ کن آزمائش ہے۔ ان انتخابات سے بہت سی گتھیاں وابستہ ہیں، جو ان کے نتائج کے بعد حل ہو جائیں گی ان انتخابات ھی سے ھمیں بتانا ہو گا کہ مسلمان پاکستان چاھتے ھیں یا کانگرس کے اکھنڈ ھندوستان کے حامی ھیں؟

ہمارا پرزور مطالبہ یہ بھی ہے کہ انتخابات آزادانہ ہونے چاہئیں اور کسی قسم کا سرکاری دباؤ یا اثر استعمال نہ کیا جائے۔ ہم کانگرس کے مقابلہ میں نمایاں اکثریت سے کامیاب و کامران ہوں گے۔ کانگرس کے ساتھ چند مسلمان ہیں وہ گنتی کے مسلمان ہیں، کانگرس ان کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کانگرس کے پاس دولت ہے۔ کانگرس

کے پاس مضبوط اور طاقت ور پریس ہے، لیکن ہمارے ساتھ خدا ہے۔ انشاء اللہ ہم ان طاقتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔

پنجاب میں ایک جماعت خفیہ طور پر ہمارے خلاف کوشاں ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پنجاب کا گورنر مسٹر گلانسی یونی نسٹ پارٹی کی حمایت میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی پوری کوشش کرے گا اس کی طرف سے ہر وہ کارروائی کی جائے گی۔ جس سے مسلم لیگ کو ناکام بنایا جاسکے۔ میں ببانگِ دہل اعلان کرتا ہوں کہ نوکر شاہی کی پروردہ یونی نسٹ کی طاقت کو پنجاب میں توڑ کر رکھ دیں گے اور ملتِ اسلامیہ فتح وظفر کا پرچم اُڑاتی ہوئی مخالفتوں کے گرداب سے ابھرے گی۔ (نعرہ ہائے تکبیر)[۳]

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ۱۹۴۲ء کی کانگریسی تحریک سے مسلمان بالکل الگ تھلگ رہے۔ میں خوش ہوں کہ انہوں نے حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے۔ مسلمانوں نے ۱۹۱۸ء سے لے کر ۱۹۳۱ء تک آزادی کی جد وجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قید وبند کی مصیبتیں جھیلیں گولیاں کھائیں۔ عمر قید اور پھانسی کی سزائیں پائیں۔ آج میں فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کی ہدایات کے مطابق مسلمان ۱۹۴۲ء کی تحریک سے بالکل الگ رہے اور انھوں نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی ان کا نمائندہ ادارہ ہے۔ (پرزور تالیاں)[۴]

۱؎ یہ عجیب بدبختی اور پریشانی کا دور تھا، ہندو اکثریت کے صوبوں میں کانگرس کی حکومت تھی، اور وہ مسلمانوں کے سیاسی بلوغ وشعور سے اتنی برہم تھی کہ جو کچھ نہ کر گزرتی کم تھا

اور اُسے ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا، آخر اسے ہم سے اور ہمارے مطالبات سے کیوں ہمدردی ہوتی؟ اُس نے متحدہ ہندوستان کا ایک نقشہ بنا رکھا تھا وہ جمہوریت کے نام پر سارے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لینے کا فیصلہ کر چکی تھی، اب مسلمانوں کے عملِ پیہم اور پُرجوش کردار کے باعث یہ نقشہ کٹ رہا تھا، اس فیصلے کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات ختم ہو رہے تھے، للٰہذا یہ حکومتیں اور اُن کے حکام و عمال اگر مسلمانوں کے راستے میں روڑے اٹکا رہے اور انہیں پریشان کر رہے تھے، تو یہ بات نہ خلاف توقع تھی، نہ حیرت انگیز۔

لیکن جو بات حد درجہ خلاف توقع اور حیرت انگیز تھی، یہ تھی کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی عامۂ مسلمین کو دبایا اور کچلا جا رہا تھا، وہاں کی حکومتیں ملّت کے غدّاروں کے ہاتھ میں تھیں وہ بھی اپنے حکام و عمال کے ذریعہ مسلمانوں کو دبا رہی تھیں، کچل رہی تھیں، یہی حال پنجاب کا تھا، یہی سرحد کا، یہی سندھ کا، یہی بنگال کا ان حالات میں پاکستان کا نام لینا اور پاکستان کے لئے جدوجہد کرنا بظاہر بڑا مضحکہ خیز تھا، جب مسلم اکثریت کے صوبے ہی پاکستان نہیں چاہتے تو ہندو اکثریت کی مسلم اقلیتیں کیوں اس منزلِ نامعلوم کی طرف لپک رہی ہیں، لیکن یہ بھی قائداعظم کی قیادت کا کرشمہ تھا کہ اُنہوں نے ان حالات میں بھی جدوجہد جاری رکھی، اور بالآخر پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

۲ ؎ بلوچستان کی پس ماندگی سے قائداعظم بہت متاثر تھے، چنانچہ پاکستان بننے کے بعد پہلا کام اُنہوں نے یہ کیا کہ اُسے چیف کمشنر کا صوبہ بنا کر براہِ راست اپنی نگرانی میں لے کر اُس کی سیاسی پس ماندگی دور کرنے کی مساعی کا آغاز کر دیا اور ذاتی دلچسپی کا ثبوت یوں دیا کہ "زیارت" کو اپنا گرمائی صدر مقام بنا لیا۔

۳ ؎ پنجاب میں سر خضر حیات خان یونینسٹ پارٹی کے لیڈر اور وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز تھے، اور مسلم لیگ کو زک دینے اور مطالبۂ پاکستان کو تارپیڈو کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کر رہے تھے، اور پنجاب کا انگریز گورنر مسٹر ٹرینیڈ گلانسی، خضر حیات خاں کا پشت پناہ بنا ہوا تھا، اور ان کی ہر جائز اور ناجائز کارروائی کی تائید و توثیق کر رہا تھا، مسلم اکثریت کے اس صوبے میں ان مسلم عوام پر جو پاکستان کے لئے مصروف سعی و جہد تھے، اتنی سختی روا رکھی گئی کہ بالآخر انہیں سول نافرمانی تک کرنا پڑی۔

۴۔ کیونکہ ۱۹۴۲ء میں کانگرس نے جو تحریک انگریزوں کے خلاف "ہندوستان خالی کردو" کے نعرے سے شروع کی تھی، وہ درحقیقت مسلمانوں کے خلاف تھی، اس کا مقصد یہ تھا، کہ ہندوستان تقسیم کئے بغیر پورے ملک کی حکومت کانگرس کے حوالے کر کے انگریز یہاں سے چلے جائیں اور پھر وہ اپنے من مانے طور پر اقلیتوں کا مسئلہ "حل" کر دے!

سرحد کے شاہین زادوں سے بابائے قوم کا خطاب

زندہ رہنا ہے تو مُسلم لیگ کا ساتھ دو!

۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء

صوبۂ سرحد ——————— شاہینوں کا مسکن - بہادر، نڈر، جری، دلیر، بیباک اور غیور مسلمانوں کا علاقہ، جنہوں نے جبر و استبداد، قہرمانیت اور فرعونیت، تشدّد اور سختی کا ہمیشہ مردانہ مقابلہ کیا - جو انگریز کی بے پناہ قوّت سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے، جنہوں نے انتہائی بے سر و سامانی کے باوجود ہمیشہ ڈٹ کر، اس فوجی قوّت کا مقابلہ کیا جس کی مملکت میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، ہندوستان کا ہر صوبہ آئین و قانون کی نعمت سے مالامال تھا - وہ کوئی چور ہو یا ڈاکو، یا قاتل، یا باغی اس وقت تک سزا نہیں پاسکتا تھا، جب تک عدالت اُسے مجرم نہ قرار دے - جب تک اُسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ حاصل ہو، جب تک اسے عدالت بالا میں اپیل کرنے کی سہولت نہ حاصل ہو، اور آخر میں درخواست رحم پیش کرنے کی اجازت نہ حاصل ہو،

لیکن سرحد میں، نہ کوئی آئین تھا، نہ قانون، یہ سرزمین بے آئین تھی، یہاں چیف کمشنر کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ، حرفِ آخر تھا، اس کے فیصلہ کی نہ اپیل ہو سکتی تھی، نہ دلیل سے اسے بدلا جا سکتا تھا - نہ اُس کے نفاذ میں تاخیر روا رکھی جا سکتی تھی، ایک شخص حبیب نور نے ایک افسر پر گولی چلائی، نشانہ خطا گیا، انگریز افسر زندہ رہا، لیکن چند گھنٹوں کے اندر ساری عدالتی کارروائیاں چیف کمشنر کے دربار میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں - اور "مجرم" زندگی سے محروم کر دیا گیا -

ان حالات میں بھی سرحد کے غیور باشندے، غیر اسلامی تسلط کے خلاف برسرِ پیکار تھے

مگر یکایک خان عبدالغفار خان نمودار ہوئے، عدم تشدد کا ورد کرتے ہوئے اور انہوں نے اس جیالی قوم میں افسردگی اور اضمحلال پیدا کرنے کی سعی شروع کر دی، کیونکہ وہ سرحدی گاندھی کے پیرو تھے اور اصلی گاندھی کا حکم بھی تھا۔ اس پر تو اقبال نے جل کر کہا تھا۔

؎ خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

یہ پورا صوبہ، خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کے باعث کانگرس کے طلسم میں اسیر تھا، یہاں مسلمانوں کی کوئی تحریک پروان نہیں چڑھ سکتی تھی، مسلم لیگ کے ذکر پر ایک مرتبہ چمک کر ڈاکٹر خانصاحب نے فرمایا تھا۔ اور شاید بجا فرمایا تھا۔

"مسلم لیگ؟ ——— وہ کہیں اور ہو تو ہو سرحد میں تو نہیں ہے!"

ان الفاظ میں کتنا ہی تکبر ہو، رعونت ہو، خود پرستی ہو، مگر ان کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا!

لیکن مسلم لیگ کو سرحد میں بھی کامیابی حاصل کرنی تھی، بغیر اسکے پاکستان نہیں بن سکتا تھا۔ یہاں عبدالرب نشتر، اور اورنگ زیب خان وغیرہ عرصۂ دراز سے مصروفِ جہد و عمل تھے۔ لیکن اس کا نتیجہ اب تک زیادہ حسبِ دلخواہ نہیں نکلا تھا۔ اب ایک نئی قوت بھی مسلم لیگ کو حاصل ہو رہی تھی، وہ مرکزی اسمبلی میں کانگرس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر اور بھولا بھائی ڈیسائی کے دستِ راست خان عبدالقیوم خان کی تھی۔

غرض قائداعظم ان حالات میں پشاور پہنچے، یہاں ان کا شاہانہ استقبال ہوا اور انہوں نے ایک معرکہ آرا تقریر ارشاد فرمائی۔ (رئیس احمد جعفری)

معزز حضرات! سب سے پہلی بات جو مجھے آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انتخابات میں مسلم لیگ کو ووٹ دیں، یہاں مسلمانوں کی کل ۳۸ نشستیں ہیں، اور اس کے لئے سو سے زائد درخواستیں آچکی ہیں، بورڈ کی اولین کوشش یہی ہوگی کہ بہتر سے بہتر اُمیدوار کا

انتخاب کیا جائے۔

مسلمانوں سے یہ اُمید نہیں رکھنی چاہیئے کہ وہ غلامی کے لئے اپنا خون بہائیں گے، جب تک میں زندہ ہوں ہندوؤں کی غلامی کے لئے مسلمانوں کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہ ہونے دوں گا

حضرات! یہ فیصلہ کرنا لیڈر کا کام ہوتا ہے کہ اس کے پیرو کس وقت اپنے مخالفوں پر چوٹ لگانے کے قابل بنیں گے۔ ایک اچھا جرنیل اسوقت تک حملہ نہیں کرتا، جب تک اُسے فتح کا یقین نہ ہو۔ یا کم از کم اسے عزت مندانہ شکست کا یقین ضرور ہونا چاہیئے، میں اسمیں یقین نہیں رکھتا کہ پہلے لوگوں کو گولیاں کھانے اور جیل جانے پر آمادہ کروں اور اس کے بعد جیل سے معصومانہ انداز میں یہ اعلان کر دوں کہ اس معاملہ میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ اور جیل سے باہر آؤں تو لوگوں کی قربانیوں کا کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔

یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے کہ مسلمانوں نے قربانیاں نہیں کیں، ۱۹۲۱ء کی جدوجہد میں مسلمان پیش پیش تھے، ۱۹۳۰ء میں اسی صوبہ کے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں قربان کی تھیں، لیکن اسکے برعکس ہندوؤں نے اور کانگرس نے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی مخالفت کی۔

میں نو سال کے بعد پشاور آیا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ پٹھانوں میں بہت ہر دلعزیز ہو چکی ہے۔ یہاں مسلمان کانگرس کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئے تھے، اب اس سازش سے نجات حاصل کر چکے ہیں، مسلمان ایک خدا ایک کتاب اور ایک رسولؐ میں یقین رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کی کوشش یہ ہے کہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر ایک پرچم تلے جمع کیا جائے۔ یہ پرچم پاکستان کا پرچم ہے۔

ہمارا کوئی دوست نہیں ہے۔ ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے نہ ہندو پر ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔

کانگرس کے لیڈر جو ہر سال یوم آزادی منایا کرتے ہیں اور "ہندوستان خالی کر جاؤ"

کے نعرے میں یقین رکھتے ہیں۔ شملہ کانفرنس میں انہوں نے لارڈ ویول کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہندو مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے تھے، لیکن اس قسم کی کوششیں اب مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتیں، شملہ کانفرنس میں کانگرس کا حقیقی مقصد مسلم لیگ کو خوفزدہ کرنا تھا۔ اور جب کانگرس مسلم لیگ کو جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے لارڈ ویول کے سامنے سر جھکانا شروع کر دیا۔ تاکہ وائسرائے یہ اعلان کر دے کہ حکومت بھی لیگ کے خلاف ہے۔ لیکن کانگریس یہاں بھی ناکام رہی۔

میں ایک بار پھر اپیل کروں گا ـــــ کہ جن لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کے لئے مسلم لیگ بورڈ کی طرف سے ٹکٹ نہیں ملے۔ اگر انہوں نے دس کروڑ مسلمانوں سے غداری کی تو وہ خود بھی وزیراعظم یا وزیر بننے کے لئے زندہ نہ رہ سکیں گے۔ (پرزور تالیاں)

---

۱ یہ ایک حقیقت ہے مرکزی اسمبلی میں جب صوبہ سرحد کو سیاسی اصلاحات دینے کی تجویز پیش ہوئی تو کانگرس پارٹی نے (یہ واقعہ ۲۵ء یا ۲۶ء کا ہے) اس کی مخالفت کی، اور کانگرس پارٹی کے مرد آہن پنڈت موتی لال نہرو نے مسلمان ممبروں کو یہ اجازت تک نہ دی ـــــ جیسا کہ بارہا ہوتا رہا تھا ـــــ کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق رائے دے سکیں یا کم از کم غیر جانبدار رہ سکیں، اسی بات پر سید مرتضیٰ بہادر (مدراس) اور مولانا شفیع داؤدی (بہار) نے مرکزی اسمبلی کی کانگرس پارٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا، اور مولانا محمد علی نے جو اب تک کانگرس کے لیڈر رہتے تھے ہمدرد میں ایک زبردست مقالۂ افتتاحیہ میں پنڈت موتی لال کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"پنڈت جی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اس طرح کے

معاملات میں مسلمانوں کا تعاون حاصل نہیں

کر سکتے ۔"

اور مولانا کے اس مقالے پر ایک شور مچ گیا تھا کہ لیجیئے، مولانا محمد علی بھی چلے

وہ بھی کانگرس کے باغی بن گئے۔

جیتتے ہوئے کھلاڑی کی عالی ظرفی اور شرافت طبع

نیشنلسٹ مسلمانوں سے اپیل!

۲۱- دسمبر ۱۹۴۵ء

مرکزی اسمبلی کا انتخاب ختم ہو چکا ہے، اسمبلی کی تمام مسلم نشستوں پر مسلم لیگ نے قبضہ کر لیا ہے، کانگرس کا کوئی مسلمان امیدوار کامیاب نہیں ہو سکا، کوئی آزاد امیدوار بھی کامیاب نہیں ہو سکا،

سیاست کی دنیا میں، مسلم لیگ کی یہ کامیابی عدیم النظیر تھی، دنیا کے کسی ملک میں کوئی مثال ایسی شاندار اور یادگار کامیابی کی نہیں ملتی، اس کامیابی نے مسلم لیگ کا سر اونچا کر دیا ہے، اور مسلم لیگ کے مخالفین سرنگون ہو گئے ہیں۔

لیکن نہیں، ابھی صوبائی مجالس آئین ساز کا انتخاب باقی ہے، اور یہ جنگ بھی مسلم لیگ کو جیتنی ہے، قیام پاکستان کا انحصار اسی پر ہے۔

مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں شکست فاش سے دوچار ہو کر کانگرس اب سارا زور صوبائی مجالس آئین ساز پر لگا رہی ہے، اس میدان میں مسلم لیگ کو شکست دینے کا وہ فیصلہ کر چکی ہے سردار پٹیل نے احمد آباد سے ایک بیان شائع کیا ہے، اور مسلم لیگ کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ مرکزی اسمبلی میں رائے دہندگان کی تعداد محدود تھی، لہٰذا اس انتخاب میں کامیاب ہو کر لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی، صوبائی مجالس آئین ساز کے لئے ہم مسلمان امیدوار کھڑے کر رہے ہیں اور ڈٹ کر لیگ کا مقابلہ کریں گے۔ لیگ نے یہ چیلنج بڑی خوشی سے قبول کر لیا ہے۔

قائد اعظم نے یہ تقریر مسلم چیمبر آف کامرس کے اجلاس میں بہ مقام بمبئی ارشاد فرمائی تھی،

اس موقع پر سوا لاکھ سے زیادہ کی رقم قائداعظم کی خدمت میں پیش کی گئی تھی!

(رئیس احمد جعفری)

حضرات! آپ نے ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے کا کیسہ زر پیش کر کے مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں کامل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ کے اس جوش کو دیکھ کر میں دلی مسرت کا اظہار کرتا ہوں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے پچھلے دنوں آسام اور بنگال میں بہت زور شور سے تقریریں کی ہیں حقیقت میں یہ تنک مزاج پنڈت کوئی نئی چیز سیکھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات نے ان لوگوں کا دماغ درست کر دیا ہے۔ اگر صوبائی انتخابات آزاد ماحول میں ہوئے تو مسلم لیگ کو ہر صوبے میں کامیابی حاصل ہو گی۔

نیشنلسٹ مسلمان جانتے ہیں کہ انہیں صوبائی انتخابات میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا وہ مسلم لیگ کے کارکنوں اور حامیوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس طرح ملک بھر میں فسادات کرائیں گے۔ لیکن میں مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ صوبائی انتخابات کے دوران میں کیا ہے۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے جدوجہد کی پہلی منزل طے کر لی ہے۔ کانگرس نے نہایت بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے دیانتداری کے ساتھ کانگرس ٹکٹ پر کسی مسلمان کو کھڑا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کانگرس نے یہ راہِ فرار کیوں اختیار کی؛ اُسے خوب معلوم تھا کہ اس کے لئے وہی ناکامی مقدر ہو چکی ہے، جو اسکے نام نہاد قوم پرست حلیفوں کے حصّہ میں آئی ہے، وہ اب منہ کی کھا چکے ہیں مسلمان ثابت کر چکے ہیں کہ وہ پاکستان اور صرف پاکستان ہی چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ آخری فیصلہ ہے۔ مسلمان دنیا پر یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی ہند بیدار ہو چکا ہے۔

پنڈت نہرو نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ کانگریس کے انتخابی منشور میں ہندوستان کے مستقبل کا واضح خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت نہرو ہندوستان میں کس قسم کا آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ آج وہ آزادی کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ کیا سرزمین ہندوستان میں ایک متنفس بھی ایسا موجود ہے۔ جو اس برعظم کی آزادی اور خود مختاری کا حامی نہیں۔ ہمارے پیش نظر اصل سوال یہ ہے کہ کانگرس حکومت کا انتظام و انصرام کسے سونپنا چاہتی ہے؛ ہم پوری طرح جانتے ہیں کہ کانگرسی قائدین اپنی تقریروں میں کہہ چکے ہیں کہ وہ یہاں "کاسٹ ہندو" کانگرس کی حکومت چاہتے ہیں۔

پنڈت نہرو نے ایک بیان میں کہا کہ کانگرس نے مسلم لیگ سے مصالحت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کانگرس خواب و خیال کی دنیا میں ہی رہنا چاہتی ہے۔ اور اس طرح مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرنا چاہتی ہے تو میں فخر کے ساتھ کہوں گا اس کی کوششیں ناکام ہوئی ہیں تو نہایت ہی اچھا ہوا ہے، جب تک کانگرس خواب و خیال کی دنیا میں رہے گی۔ اسے آزادی کی جدوجہد میں اپنا قدم آگے بڑھانے میں ناکامی ہی رہے گی۔

اگر قوم پرست مسلمان واقعی دیانتدار ہیں تو انہیں مسلم لیگ کی حریف کانگرس کی پناہ چھوڑ دینی چاہیئے۔ وہ مسلمانوں کی قومی تنظیم میں شریک ہوں اور اس کی رہنمائی کریں۔ اگر انہیں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام سے اختلاف ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ مسلم لیگ میں آئیں اور اس کی پالیسی اور پروگرام کو متشکل کریں اور وہ اپنی علیحدہ آزاد جماعت قائم کریں۔ اور اپنی پالیسی اور پروگرام مسلمانوں کے سامنے رکھیں۔ یہ خودکشی کی پالیسی ترک کر دیں اگر مسلمان ان کے پروگرام سے متفق ہو گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ مسلم لیگ کی پالیسی نقصان دہ ہے تو وہ ان کی تائید پر آمادہ ہو جائیں گے۔

مسلم لیگ صرف مسلمانوں کے طبقۂ امراء پر مشتمل نہیں ہے۔ بلکہ مسلم لیگ کی پشت پناہی عوام الناس کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی قومی بیداری کی وہ طوفانی لہر ہے جسے دُنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہم پاکستان کی طرف قدم بڑھاتے چلے جائیں گے۔

۱؎ قائدِ اعظم بار بار نیشنلسٹ یعنی کانگرسی مسلمانوں سے اپیل کرتے رہے کہ وہ مسلم لیگ میں شریک ہو کر اپنا نقطۂ نظر پیش کریں، اور مسلمانوں کو ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن مسلمانوں سے کٹ کر حریف کے کیمپ میں جا کر، اپنے خلوص اور صداقت کا ڈھنڈورا پیٹنا شیوۂ دانش نہیں۔

۲؎ یہ حقیقت سورج کی طرح روشن اور واضح تھی، اگر عوام مسلم لیگ کے پشت پناہ نہ ہوتے تو اتنی نمایاں کامیابی کسی طرح اُسے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

اقبالؔ

سنہ ۱۹۴۶ء

- جب برطانیہ کا "کابینۂ مشن" اپنے ساتھ دامِ ہمرنگ زمیں لایا تھا۔
- جب کانگرس مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کے لئے اپنے تمام وسائل و ذرائع استعمال کر رہی تھی۔
- جب وائسرائے نے بدعہدی کر کے عارضی حکومتِ ہند کی تشکیل کا کام مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے پنڈت نہرو کے سپرد کر دیا تھا۔
- جب صوبۂ بہار میں پچاس ہزار کے قریب بے گناہ اور معصوم مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا تھا۔
- جب قائدِ اعظم تدبیر و سیاست، تنظیم و وحدتِ ملی کی چومکھی جنگ لڑ رہے تھے۔
- جب :۔ ہو رہے تھے جورِ ہفت افلاک کے
  امتحاں تھے ایک مشتِ خاک کے!

مسلم کنونشن کا خطبۂ صدارت!

پاکستان - ورنہ موت

۷ - اپریل ۱۹۴۶ء

پاکستان کی منزل قریب تر آتی جا رہی ہے،

مسٹر چرچل کی حکومت انتخابات میں شکست کھا کر ختم ہو چکی ہے - اب لیبر پارٹی کے ہاتھ میں برطانیہ کی حکومت ہے - مسٹر اٹیلی وزیر اعظم ہیں مسٹر اٹیلی ہمیشہ سے ہندو نواز رہے ہیں مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ سے معاندانہ رہا ہے - اور قائدِ اعظم کے تو وہ بدترین دشمن ہیں - انہوں نے وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر جلوس فرماتے ہی اعلان کر دیا تھا کہ "اقلیت کو اکثریت کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا، کابینہ وفد جو لارڈ پیتھک لارنس، وزیر ہند سر اسٹیفرڈ کرپس اور مسٹر الیگزینڈر پر مشتمل تھا، وارد ہند ہو چکا ہے - مرکزی اسمبلی اور صوبائی مجالسِ آئین ساز کے انتخابات ختم ہو چکے ہیں اور مسلم رائے عامہ نے متفقہ طور پر پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے -

اس موقع پر قائد اعظم نے دہلی میں جملہ صوبائی مجالس آئین ساز اور مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبروں کا ایک کنونشن طلب کیا تا کہ ملتِ اسلامیہ کے یہ نمائندے ایک بار پھر متفقہ طور پر دنیا کو اور خاص طور پر حکومت برطانیہ کو بتا دیں کہ وہ پاکستان سے کم پر کسی طرح رضامند نہیں ہو سکتے، یہ اُن کا آخری اور ناقابلِ مفاہمت مطالبہ ہے -

قائد اعظم نے اس کنونشن میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ جوشِ بیان، زورِ خطابت اور معنوی (مفرد) کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے - (رئیس احمد جعفری)

"مرکزی اور صوبجاتی مجالسِ مقننّہ کے معزز ارکان!

میں آپ جملہ حضرات کی خدمت میں جو اس کنونشن میں شرکت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں صمیم قلب سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں، اور اس کنونشن میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

"آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ گذشتہ چند مہینوں میں ہندوستان کے طول و عرض میں جنگ انتخابات لڑی جا رہی تھی۔ اس معرکہ میں خدائے بزرگ و برتر کی تائید اور آپ حضرات کی عرق ریزی اور جانفشانی سے ہم نے ایک ایسی فتح حاصل کی ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی ہماری کامیابی کا یہ تاریخی کارنامہ اس امر کا شاہد ہے کہ ہم نے تقریباً نوّے فی صدی مسلم نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ (نعرہ ہائے تکبیر اور تالیاں) اور آپ حضرات ہندوستان کے مختلف مسلم حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب شدہ واضعان قانون کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں۔ یہ اجتماع ایک ایسی بے مثل نوعیت رکھتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں آج تک ایسا کوئی دوسرا اجتماع منعقد نہیں ہوا ہے۔ اس لئے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ یہ غور کریں کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

"ملت کے منتخب شدہ اور پسندیدہ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ کنونشن آئندہ کے لئے قطعی اور غیر مبہم اور الفاظ میں اس امر کا اعلان کرے گا کہ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ مجھے اس امر میں مطلق کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری ایک اور صرف ایک ہی رائے ہے اور وہ یہ کہ ہم پاکستان چاہتے ہیں اور اس کے حصول کی جنگ میں ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں گے اور ہم پیش قدمی کرنے میں پس و پیش نہ کرینگے اور اگر ضرورت پڑی تو ہم پاکستان کے لئے اپنی جانیں دے دیں گے۔

ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا فنا ہو جائیں گے۔

(مسلسل کئی منٹ تک نعرے اور تالیاں)

خواتین و حضرات! میں آپ کے سامنے موجودہ صورتِ حال رکھنی چاہتا ہوں۔ میرا

ارادہ طویل تقریر کرنے کا نہیں ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ موجودہ حالات کی ایک تصویر مختصر سے مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

آپ نے وہ بیانات اور تقاریر پڑھی ہوں گی جو روزانہ کی جا رہی ہیں۔ اور بالخصوص آپ نے گذشتہ تین ہفتوں میں کانگریسی قائدین کے بیانات اور تقاریر کا مطالعہ کیا ہوگا میں نے کانگریس کی پوزیشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور میں نے اس کے متعلق جو کچھ سمجھا ہے اس کو آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کے جواب میں کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں نے جو تازہ ترین اعلانات کئے ہیں اور خصوصاً اس ہفتہ میں انہوں نے جو بیانات دیئے ہیں، ان بیانات کے بموجب کانگریس کی پوزیشن یہ ہے۔ سردار پٹیل یہ فرماتے ہیں کہ "کانگریس اس حد تک مسلم لیگ کے لئے گنجائش نکالنے کو تیار ہے کہ صوبوں کی از سر نو تنظیم کی جائے اور ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے جہاں تک ہو سکے پوری خود مختاری دے دی جائے۔" وہ مزید فرماتے ہیں کہ "اور یہ اس شرط کے ساتھ ہوگا کہ ایک مضبوط مرکز قائم رہے۔ جس کا ہونا ہندوستان کی مدافعت کے لئے ضروری ہے۔" سردار پٹیل یہ بھی کہتے ہیں کہ کانگرس کبھی بھی اس نظریئے کو قبول نہ کرے گی کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں۔ اور نہ وہ مذہب کے اساس پہ قومیت کے وجود کو تسلیم کرے گی۔[۱]

پنڈت جواہر لال نہرو ۲۴ اپریل کو فرماتے ہیں کہ "موجودہ صورت حال کو طے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو واضح طور پر تسلیم کر لیا جائے اور ہندوستانیوں کو علیحدہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ مداخلت کے بغیر اپنے اختلافات کو طے کریں اور حل تلاش کریں۔" ایک ایسی تیسری پارٹی کی موجودگی میں جو صورت حال پر قابو رکھتی ہے۔ ان اختلافات پر غور کرنا ہمیشہ دشوار ہوا کرتا ہے۔ اور جب یہ بات بالکل صاف صاف اور واضح طور پر محسوس کر لی جائے گی کہ ہندوستان ایک آزاد وجود کی حیثیت رکھتا ہے تو ہندوستان کے فرقوں اور گروہوں کو لازماً سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔[۲] پنڈت جی یہ بھی فرماتے ہیں کہ آزادی

تسلیم کر لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ایک آئین ساز مجلس کی تشکیل کی جائے جس کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہو۔ انہوں نے اپنی ایک دوسری حالیہ تقریر میں از راہ کرم ایک ایسے مسخ شدہ پاکستان کی پیشکش کی ہے جو ایک مضبوط مرکزی کانگریسی حکومت کے تابع رہے گا۔

اگر آپ اس کانگریسی فارمولے کا تجزیہ کریں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو برطانوی حکومت آزادی تسلیم کرے اور حکومتی نظام جس میں سول اور ملٹری تمام امور شامل ہیں۔ کانگرس کے حوالہ کر دے جو اپنے تخیل کے بموجب قومی حکومت کی تشکیل کر لے۔ اور برطانی حکومت بے تعلق ہو جائے، اور جب کانگریسی مکمل طور پر حکومت و اقتدار کے تخت پر براجمان ہو جائیں گے۔ اس وقت وہ آئین ساز مجلس کی تشکیل کا کام شروع کریں گے جس کو اختیار حاکمیت حاصل ہوگا۔ اور یہ آئین ساز جماعت اس وسیع بر کوچک کے چالیس کروڑ باشندوں کے مقدر کا فیصلہ کرے گی۔ پنڈت نہرو کے قول کے مطابق اس وقت مختلف فرقوں اور گروہوں کو اس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ ورنہ جنگ و جدال کریں اور جب ہی حقیقی صورت نمایاں ہوگی۔

"لیکن ہمارے سامنے تو اس وقت بھی حقیقی صورتِ حال موجود ہے، اور یہ حماقت ہوگی، کہ ہم اُن کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، اور یہ تصور کر لیں کہ عارضی کانگریسی قومی حکومت یا کانگریسی قائدین کے نقطۂ نظر کے مطابق بنی ہوئی مجلس آئین ساز کا کوئی حکم نامہ یا فیصلہ لوگوں کی تائید و وفاداری حاصل کر سکے گا۔ اگر اس تجویز کو عملی صورت دی گئی اور پنڈت نہرو کے منصوبے کے بموجب حکومت کا قیام ہوا تو یہ حکومت اڑتالیس گھنٹے بھی قائم نہ رہ سکے گی۔

"یہ امر ناقابلِ یقین ہے کہ اس فسطائی گرانڈ کونسل کو ایسے مکمل اختیارات تفویض کر دیئے جائیں گے کہ فوراً دس کروڑ کی قوم کے مستقبل اور مقدر کا فیصلہ نافذ کر سکے۔ یا یہ کہ موجودہ حکومتی مشینری اس کے سپرد کر دی جائے گی تاکہ وہ دس کروڑ مسلمانوں۔ دیگر کروڑوں اقلیتوں اور دیگر مفادات

کے خلاف اس کو استعمال کرے، اس کی یہ تجویز اور اسکیم خواہ اس کا آپ کچھ بھی نام رکھیں، انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

اس کے برخلاف مسلم لیگ جو طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہے، وہ حقیقت پر مبنی ہے جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بنیادی اور اساسی اختلافات کو مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ ان دونوں بڑی قوموں کے درمیان پچھلی تمام صدیوں میں کسی وقت بھی معاشرتی، مجلسی یا سیاسی اتحاد نہیں ہوا ہے، ہندوستانی وحدت کا جو اگ الاپا جاتا ہے، وہ محض مادی ہے۔ ہندوستان پر برطانوی حکومت مسلط ہے، پولیس اور فوج کی قوت سے اس ملک میں قانون اور امن و امان برقرار رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ہندوستان کو ایک مادی وحدت میں جکڑ لیا گیا ہے۔

"کانگریس کا دعویٰ قومیت کی بنیاد پر قائم ہے۔ متحدہ قومیت تو عالم وجود میں ہی نہیں ہے۔ اور جو لوگ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ موجود ہے۔ ہمارا فارمولا اس اساس پر قائم ہے کہ اس برکوچک کی زمین کو دو علیحدہ با اقتدار اور آزاد مملکتوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں منقسم کر دیا جائے۔

"کسی عارضی مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کے تعاون کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے کی لازمی شرط یہ ہے۔ کہ پاکستان کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لیا جائے اور غیر مبہم الفاظ میں واضح طور پر یہ عہد کیا جائے کہ قیام پاکستان کو بلا تاخیر پورا کیا جائے۔ صرف اس وقت ہم دوسرا قدم اٹھائینگے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ صرف ایک دستور ساز اسمبلی کے نظریہ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور ہم اس کو منظور نہ کرینگے۔ کیونکہ ایک دستور ساز اسمبلی کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر جو کہ ناممکن ہے کارروائی کرنے پر رضامند ہوں گے دیگر متعدد اعتراضات کے علاوہ ایک یہ اعتراض بھی ہے جو کہ بالکل واضح ہے کہ ایک آئین ساز جماعت صرف کانگرس کے حکم کی پابند ہوگی۔ اور یہ نتیجہ پہلے ہی سے ہمارے سامنے ہے کہ مسلمان اس میں بے یار و مددگار اقلیت کی حیثیت سے ہوں گے۔

"اس کے برخلاف ہمارے فارمولے کے مطابق دو بااختیار آئین ساز مجالس ہوں گی۔ ایک ہندوستان کے لئے اور دوسری پاکستان کے لئے۔ پاکستان کی مجلس آئین ساز کا یہ کام ہوگا کہ وہ باہمی ربط و اتصال کے لئے ڈیفنس یا دیگر امور جن کو ترتیب دینا ضروری ہو۔ ان کو طے کرے اور یہ سب کچھ پاکستان اور ہندوستان ہر دو مملکتوں کے درمیان معاہدوں اور عہدناموں کے ذریعے طے پاسکے گا۔

ہم کوئی ایسی تجویز منظور نہیں کر سکتے جو کسی صورت میں بھی پاکستان کے مکمل اقتدار کے لئے تنقیص آمیز اور حقارت آمیز ہو۔

ہندوؤں کو ہمارے فارمولے سے اس برِ کوچک کا تین چوتھائی حصہ مل جاتا ہے۔ جس کی آبادی تقریباً پچیس کروڑ ہے۔ مملکت ہندوستان چین کے ماسوا دنیا کی ہر مملکت سے رقبہ اور آبادی میں بڑی ہوگی۔ ہم کو تو صرف ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس طرح سے ہم دونوں بڑی قومیں اپنے اپنے نظریوں تمدن اور معاشرتی ساخت کے مطابق زندگی بسر کرینگے۔ اس کے برخلاف، اگر کانگرس کا مطالبہ منظور ہو جاتا ہے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہم نہ صرف ہندو راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ بلکہ سامراجی عزائم والی کانگرس کو یہ دلیری حاصل ہو جائے گی کہ وہ یہ دعوےٰ کرے کہ وہ تن تنہا ہندوستان کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ لوگ یہ بھی دعوے کریں گے وہ برطانوی راج کے واحد وارث ہیں اور اسلئے کانگریسی راج قائم کرینگے۔

"اس ناپاک منصوبہ کی تکمیل پر اسلامی ہند کبھی متفق نہ ہوگا مسلمانانِ ہند مجبور ہوں گے اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا چارہ کار بھی باقی نہ رہے گا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اس کی مزاحمت کریں۔

"برطانیہ کو یہ دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ اگر اس نے کانگریس کے مطالبہ کے آگے سرنگوں نہ کیا تو کشت و خون ہوگا، جس کے لئے تیاریاں بھی ہو رہی ہیں اور وہ برطانوی تجارت کو

کو مفلوج کر دیں گے۔ برطانیہ کو مزید یہ بھی دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر اس نے مطالبہ پاکستان کی تائید کی تو اس کے نتائج بھی بری ہوں گے۔

"اگر بدقسمتی سے خونریزی کی دھمکی سے جو محض گیدڑ بھبکی ہے اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ برطانیہ نرغہ میں آجاتا ہے تو اس مرتبہ اسلامی ہند غیر جانبدار اور تماشائی نہیں رہے گا۔ اسلامی ہند اپنا کام کریگا۔ اور تمام خطرات کا مقابلہ کرے گا مسٹر نہرو بہت زیادہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معمولی شورش ہو گی، وہ ابھی تک انند بھون کی فضا میں رہتے ہیں۔

"اسی طرح اگر برطانیہ کانگرسی عیاری کا شکار بن جاتا ہے اور اپنے لئے تجارتی سہولتیں حاصل کرنے کے لالچ میں مسلمانوں کو فروخت کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ سہولتیں جو آج کل انتہائی فراخدلی کے ساتھ کانگریسی رہنما پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مسٹر گاندھی تو بہت سبقت لے گئے ہیں اور انہوں نے پرزور طریقہ پر اس امر پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ وہ برطانوی سامانِ تجارت کو "ترجیحات" دے دیں گے۔ لیکن کانگریسی قائدین یہ بھول جاتے ہیں کہ اس مسئلہ میں نہ صرف کانگریس کے مربی اور سرپرست ہندو سرمایہ دار بلکہ سامان خریدنے والے اور استعمال کرنے والوں کو بھی دخل ہے اور یہ حقیقت بھی بھول جاتے ہیں کہ برطانوی مال کے سب سے زیادہ خریدار اور استعمال کرنے والے مسلمان ہیں، مجھے توقع ہے کہ برطانیہ کے تجارتی رجحانات، ان حرص دلانے والے وعدے اور دلکش تجارتی پیش کشوں سے نرغہ میں نہ پھنسیں گے۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ کانگرس ہمیشہ سے وعدے کرنے اور شرائط پیش کرنے کے عادی رہے ہیں۔ مگر وہ ان پر کاربند ہونے کی نیت نہیں کرتے۔ حالات کے موجب اور حسبِ ضرورت اپنے سابقہ وعدوں اور عہد کو مسترد کر دیا کرتے ہیں۔

"اس سب سے قطع نظر کیا برطانیہ ہندوستان میں تجارتی خوشحالی سوداگری اور منڈیوں کی

پُرفریب اُمیدوں اور وعدوں کے عوض دس کروڑ مسلمانوں اور کروڑوں دیگر اقلیتوں کو فروخت کرنا چاہتا ہے؟ اگر برطانیہ اس حد تک جانے کو تیار ہے۔ تو برطانیہ عظمیٰ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا سانحہ ہوگا۔

معزز حضرات! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے۔ میں نے وزیر ہند سے غیر سرکاری طور پر متعدد طویل گفتگوئیں کی ہیں۔ اور اس کے بعد بحیثیت مجموعی سرکاری طور پر گفتگو کی ہے درست میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ آپ سے اس کے متعلق کچھ کہوں۔ ماسوائے اسکے مسئلہ دستور ہند کے حل کے سلسلہ میں ہم سب کے درمیان آزادانہ صاف صاف انتہائی خوشگوار انداز میں تبادلہ خیالات ہوا۔ لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے پاکستان کے بنیادی نظریوں اور اس کے حاکمانہ اقتدار پر کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔

"ہم ایک دستور ساز مجلس پر متفق الرائے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم خود اپنے پروانۂ موت پر دستخط کر رہے ہیں۔ ہم کسی عارضی انتظام کے مسئلہ پر بھی غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جب تک کہ پاکستان کی اسکیم کو لازمی شرط کی حیثیت سے منظور نہیں کر لیا جاتا۔

اگر کوئی عارضی نظام اور آئین ہم پر زبردستی نافذ کیا گیا تو ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہ ہوگا۔ کہ ہم ہر ممکن طریقہ سے اس کی مخالفت کریں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ سب کی جانب سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم اپنی ہر متاع عزیز کو حتیٰ کہ سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن نظام حکومت کے متعلق کسی ایسی تجویز کو جو ہماری رضامندی کے بغیر مرتب کی گئی ہو۔ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اگر برطانیہ اس حد تک تجاوز کرے تو وہ ان حلیفہ بیانوں اور رحمیٰ وعدوں کی بدترین اور صحیح عہد شکنی کا مرتکب ہوگا، جو اس نے ہمارے ساتھ اعلان اگست ۱۹۴۲ء کے ذریعہ اس وقت کئے تھے، جب کہ وہ مصائب جنگ میں گھرا ہوا تھا اور ہمارے خون و مال کی ضرورت

تھی۔ حکومت کے اس طرزِ عمل سے معاملات انتہا کو پہنچ جائیں گے اور ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائیں گے۔ مگر انہوں نے ہمارے ساتھ غداری کی تو ہم عزمِ مستقیم اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ اور تمام ممکن طریقوں سے اس کی مزاحمت کریں گے۔

اس برکوچک میں بسنے والی ہر دو قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے پہلا مطالبہ یکساں طور پر مبنی بر انصاف ہے۔ اور ہمارا مقصد عادلانہ ہے۔ اس لئے خدا ہمارے ساتھ ہے تامل یا تردد نہ کرنا چاہیئے۔ اور پاکستان کے منظم تربیت یافتہ مجاہدوں کی طرح اپنی صفوں میں کامل اتحاد کے ساتھ ہم کو اپنے قدم آگے بڑھانے چاہئیں۔

"حضرات! مجھے یقین ہے کہ انتخابات میں ہم نے جو عظیم الشان کامرانی حاصل کی ہے۔[1] آپ سب اصحاب اس پر مسرور و شادماں ہوں گے۔ آپ نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ ہم ایک "ملتِ متحدہ" ہیں اور یہ کہ ہم کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔

"اب صرف ایک اور بات عرض کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ کوئی ایسی طاقت اور حکومت نہیں ہے جو ہم کو اپنے محبوب ترین نصب العین پاکستان کے حصول سے باز رکھ سکے۔ لیکن صرف ایک شرط ہے اور وہ شرط ——— اتحاد ہے۔ اور مجھے یقین واثق ہے کہ ہم یکے بعد دیگرے فتح و کامرانی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں گے۔ اور ہم پاکستان حاصل کر کے ہی رہیں گے۔

---

[1] مسلم لیگ کی یہ کامیابی سیاسی دنیا کا ایک معجزہ ہے، کسی جمہوری ملک میں بھی کسی پارٹی نے اتنی نمایاں اور زبردست کامیابی کبھی نہیں حاصل کی،

[2] لیکن یہی سردار پٹیل تھے جنہوں نے مذہب کی اساس پر دو قوموں کا وجود، مولانا ابوالکلام آزاد کے سامنے قبول کیا اور مذہب کی اساس پر دو قوموں کا وجود تسلیم کرنے کے بعد

بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ بھی کیا۔

۳؎ یعنی اکثریت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہو گا۔

۴؎ یہ مسولینی کی با جبروت اور تشدد پسند اور جابر پارٹی کا نام ہے، قائد اعظم کانگرس کی مجلس عاملہ کو اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

حلف نامہ!

جس پر قائدِ اعظم نے بھی دستخط کیے

۱۷- اپریل ۱۹۴۶ء

انگریزوں اور کانگرس کی سازش نے جب بظاہر یہ امکان پیدا کر دیا تھا کہ پاکستان نہیں بننے دیا جائے گا تو قائد اعظم نے مرکزی اسمبلی اور تمام صوبائی مجالس آئین ساز کے مسلم ممبروں کا ایک کنونشن دہلی میں طلب کیا، اور ایک مرتبہ پھر مطالبہ پاکستان کا اعادہ کیا، اور ساتھ ہی سب نے ایک حلف نامے پر دستخط بھی کیے۔

یہ حلف نامہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

حلف نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

کہدو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے

میں .... رکن مسلم لیگ پارٹی صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی / کونسل صوبہ ...

.... اپنے اس پختہ عقیدہ کا اعلان کرتا ہوں کہ برکوچک ہند میں بسنے والی مسلم قوم کی نجات، اس کی سلامتی، اس کا تحفظ اور اس کا مستقبل حصولِ پاکستان میں مضمر ہے اور پاکستان ہی اس وسیع برکوچک کے پیچیدہ دستوری مسائل کا حل ـــــ باوقار اور معقول

حل ہے اور اسی کے ذریعہ یہاں بسنے والی تمام قوموں اور فرقوں کو امن آزادی اور خوش حالی حاصل ہو سکتی ہے۔

میں بصمیم قلب اقرار کرتا ہوں کہ اس مقصد عزیز یعنی پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے جو تحریک بھی روبہ عمل لائی جائے گی اور اس سلسلہ میں ہدایات و احکام جاری کئے جائیں گے۔ میں بلا پس و پیش کمال رضامندی کے ساتھ ان کی پوری پوری تعمیل کروں گا اور اس امر کا یقین کامل رکھتے ہوئے کہ میرا مقصد و مدعا حق و انصاف پر مبنی ہے میں عہد کرتا ہوں کہ اس راہ میں جو خطرات اور آزمائشیں پیش آئیں گی اور جن قربانیوں کا مطالبہ ہوگا انہیں برداشت کروں گا۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ ط

اے پروردگار! ہمیں صبر و استقامت دے۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کفار پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔

دستخط . . . .

مورخہ . . . .

ہندو مسلم نزاع کا برطانیہ کی طرف سے آخری حل

کابینہ وفد کی پیشکش

۲۲ مئی سنہ ۱۹۴۶ء

کابینہ وفد نے جو تجاویز پیش کئے تھے۔ ان کے سلسلے میں قائد اعظم نے شملہ سے یہ بیان جاری کیا تھا:! (رئیس احمد جعفری)

مسلم لیگ کی پوزیشن یہ تھی کہ:۔

۱۔ شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان پاکستان میں شامل ہیں۔ اور اسے (پاکستان کو) خود مختار اور آزاد حکومت کی حیثیت سے حاصل ہونا چاہیئے۔ نیز یہ کہ بلا تاخیر قیام پاکستان کا صاف الفاظ میں وعدہ کیا جائے۔

۲۔ دونوں حکومتوں کا آئین بنانے کے لئے پاکستان اور ہندوستان کے لوگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دستور ساز جماعت بنائی جائے۔

۳۔ پاکستان اور ہندوستان کی اقلیتوں کے تحفظات لاہور والے ریزولیوشن کے خطوط پر کئے جائیں۔

۴۔ مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے اور مرکز میں عارضی حکومت کے قیام میں اس کے شریک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور اس پر فوری طور سے عمل درآمد ہو۔

۵۔ ہم نے متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر کوئی وفاقی آئین مسلط کرنے یا مسلم لیگ کے مطالبہ

کے خلاف مرکز میں عارضی حکومت کے قیام پر زور دینے کے خلاف حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا۔ اگر کوئی ایسا اقدام کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلم ہندوستان اس کا مقابلہ کرے گا علاوہ ازیں یہ اقدام حکومتِ برطانیہ کے اس اعلان کے صریحاً خلاف ہو گا، جو اگست ۱۹۴۰ء میں برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری سے کیا گیا تھا۔ نیز یہ اقدام ان بیانات کے بھی خلاف ہو گا۔ جو وزیر ہند اور دیگر ذمہ دار برطانوی سیاستدان حکومت برطانیہ کے اعلان کی تصدیق میں وقتاً فوقتاً دیتے رہے ہیں

"ہم نے بلا کسی تعصب کے خود کو کسی بات کا پابند کئے بغیر وزارتی مشن کے دعوت نامہ کو منظور کر لیا۔ ہم نے وزیر ہند کے خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء کے حسب ذیل الفاظ کے مطابق مشن کے مندرجہ بالا مختصر فارمولے پر اظہار رضامندی کئے بغیر گفت و شنید میں حصہ لیا، وزیر ہند کے اس خط کے الفاظ یہ ہیں :-

"ہم نے یہ بات پیشِ نظر رکھتے ہوئے کانگرس اور مسلم لیگ کو مدعو نہیں کیا ہے کہ کانفرنس میں ان کی شرکت کے لئے خط میں درج کی ہوئی شرائط منظور کرنا لازمی ہے۔ ہم نے ان شرائط کو سمجھوتہ کے لئے بنیادی تجویز کے طور پر رکھا ہے، اور ہم نے کانگرس ورکنگ کمیٹی سے یہی درخواست کی ہے کہ وہ ہمارے اور مسلم لیگ کے نمائندوں کے ساتھ اس پر گفتگو کرنے کے سے رضامندی کا اظہار کرے۔

"مشن کے دعوت نامہ کے جواب میں کانگریس نے اپنے ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء کے خط میں اپنی پوزیشن کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ مرکز میں ایک مضبوط وفاقی حکومت قائم ہو جس کے وفاقی یونٹ (واحدہ) موجودہ صوبجات ہوں۔ مرکزی وفاقی حکومت امور خارجہ، دفاع، امکہ (اسکہ جات) محاصل و جنگی کے شعبہ جات ہوں علاوہ ازیں دیگر ایسے شعبہ جات بھی اس میں شامل ہوں جن کا بہت قریبی تعلق ہو۔ کانگرس نے صوبوں کی گروپ بندی کے خیال سے انکار کر دیا۔ وزارتی مشن کے فارمولے پر گفت و شنید کرنے کے لئے وہ بھی کانفرنس میں شریک ہونے پر رضامند ہو گئی۔

بحث وتمحیص کے کئی روز بعد بھی گفت وشنید میں کوئی خاص تبدیلی ہوئی تو پھر مجھ سے کہا گیا کہ ہم اپنی کم از کم شرائط تحریری صورت میں پیش کریں نتیجہ کے طور پر ہم نے اپنے خاص مطالبات کی شرائط کو پُر امن اور دوستانہ سمجھوتہ کی خواہش کے پیش نظر ہندوستان کے عوام کی فوری آزادی اور خود مختاری کے حصول کی خاطر ایک پیش کش کے طور پر تحریری صورت دے دی - ۱۲ مئی کو ان تجاویز سے کانگریس کو مطلع کر دیا گیا - اور اسی وقت اس کی ایک نقل وزارتی مشن کو بھیج دی گئی -

پیش کش کے شرائط حسب ذیل ہیں :-

۱ - چھ مسلم صوبوں (پنجاب ، صوبہ سرحد ، بلوچستان ، سندھ ، بنگال اور آسام) کا ایک گروپ ہونا چاہیئے - یہ صوبے ، امور خارجہ ، ڈیفنس اور ذرائع رسل و رسائل (جس حد تک ڈیفنس کے لئے ضروری ہوں اس کے علاوہ تمام معاملات کے خود ذمہ دار ہوں گے - امور خارجہ ڈیفنس اور ذرائع رسل ورسائل کا دونوں گروہوں مسلم صوبوں (پاکستان گروپ) اور ہندو صوبوں کے گروپ کی آئین ساز جماعتیں مل کر انتظام کریں گی -

۲ - مذکورہ بالا چھ مسلم صوبوں کے لئے علیحدہ ایک آئین ساز اسمبلی ہونی چاہیئے - جو گروپ اور گروپ کے صوبوں کے آئین بنائے گی اور پاکستان وفاق کے تحت صوبہ واری اور مرکزی معاملات کی فہرست مرتب کرے گی - اس طرح کہ صوبوں کو باقی ماندہ معاملات میں اختیار کلی حاصل ہوگا -

۳ - آئین ساز جماعت کے نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ ایسا ہوگا - جس سے پاکستان گروپ کے ہر صوبے میں بسنے والے ہر فرقے کی آبادی کے لحاظ سے اُسکی مناسب نمائندگی ہو -

۴ - جب پاکستان کی وفاقی حکومت اور صوبوں کے آئین کی ترتیب آئین ساز جماعت مکمل کر دے اس کے بعد گروپ کے ہر صوبے کو حق حاصل ہوگا کہ وہ گروپ سے

علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس صوبے کے باشندوں کی رائے اس علیحدگی کے متعلق شورائے عام کے ذریعہ حاصل کر لی جائے۔

۵ - یہ بات مشترکہ آئین ساز جماعت میں بحث سے طے ہوگی یونین کے لئے مالیات فراہم کرنے کے ذرائع کے متعلق بھی دونوں آئین ساز جماعتیں مشترکہ طور پر طے کریں گی ٹیکس کے ذریعہ کسی صورت میں روپیہ فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۶ - اگر یونین میں اگزیکٹو اور لیجسلیچر ہوئی تو ان صوبوں کے دونوں گروپوں کی نمائندگی برابر کی ہوگی۔

۷ - یونین کے آئین میں کوئی چیز جو فرقہ وارانہ سوال کے متعلق ہو مشترکہ آئین ساز جماعت میں اس وقت پاس نہیں کی جائے گی۔ جبکہ ہندو صوبوں کی آئین ساز جماعت کے ممبروں کی اکثریت علیحدہ علیحدہ اسکے حق میں رائے نہ دے۔

۸ - کسی ایسے مسئلہ پر جس کے متعلق اختلاف ہو، یونین کوئی قانونی، انتظامی اور عادلانہ فیصلہ اس وقت تک نہیں کرے جب تک کہ تین چوتھائی اکثریت اس کے حق میں نہ ہو۔

۹ - گروپوں اور صوبوں کے آئین میں مختلف فرقوں کے مذہب، معاشرت اور دوسرے فرقہ وارانہ معاملات میں ان کے بنیادی اور ان کی حفاظت کا انتظام رکھا جائے۔

۱۰ - یونین کے آئین میں ایک ایسی مد بھی ہوگی جس کے ذریعہ سے ہر صوبہ اپنی لیجسلیٹو اسمبلی میں ووٹوں کی اکثریت کی بنیاد پر آئین کی شرائط پر نظر ثانی کا مطالبہ کر سکے گا۔ اور اسے حق حاصل ہوگا کہ ابتدائی دس سال گذرنے کے بعد کسی وقت بھی وہ یونین سے الگ ہو جائے۔

ہماری پیشکش کا لبِ لباب، جیسا کہ اس کے متن سے ظاہر ہوگا۔ یہ تھا کہ چھ مسلم صوبوں کا ہندوستان گروپ اور دو وفاقوں کی بنیاد پر ہم یونین یا متحدہ وفاق پر

غور کرنے کے لئے تیار رہتے۔ کہ اس کے تحت صرف تین چیزیں ہوں، یعنی امور خارجہ دفاع
اور دفاع کے لئے جس حد تک ذرائع رسل و رسائل ضروری ہوں۔ یہ دونوں آزاد وفاق خوشی کے
ساتھ یہ چیزیں متحدہ وفاق کے سپرد کر دیتے۔ باقی تمام معاملات اور اختیارات وفاق اور
صوبوں کو حاصل رہتے، یہ انتظام صرف عبوری دور کے لئے تھا اور ابتدائی دس سال کے زمانے
کے بعد ہم یونین سے علیحدگی کے لئے آزاد ہوتے۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اس مصالحانہ اور
معقول پیشکش کا انہوں نے جواب دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے برعکس کہ ان کی بنیادی
تجاویز مرکز میں رہنے والے معاملات کے متعلق وہی تھیں جو کانگرس کی کانفرنس میں شرکت
سے قبل تھیں۔ اسکے علاوہ انہوں نے ایک اور سخت تجویز ہمارے سامنے رکھی وہ یہ کہ مرکز
کو اختیار ہونا چاہئے کہ وہ آئین کی شکست اور نازک موقعوں پر فوری
اقدام کر سکے۔ یہ چیز ان کے ۱۲ مئی کے جواب میں تھی، جو ہمیں پہنچایا گیا تھا۔

یہ بیان بے روح ہے اس میں کئی جگہ خلا ہے اس کا عملی حصہ چند مختصر پاروں پر مشتمل ہے
جس پر میں آئندہ تبصرہ کروں گا۔

مجھے افسوس ہے کہ مشن نے کیسے مسلمانوں کا یہ مطالبہ نظر انداز کر دیا کہ پاکستان کی کامل خود مختار
حکومت قائم کی جائے جس کے متعلق ہمارا اب بھی یہی نظریہ ہے کہ ہندوستان کی آئینی مشکلات
کا وہی واحد حل ہے اور اسی کے ذریعہ پائیدار حکومتیں قائم ہو سکتی، (جو نہ محض دونوں بڑی قوموں کے
لئے ہے) باعث فلاح و خوشحالی ہوگی، بلکہ اس برِ کوچک کے تمام باشندوں کے لئے بھی اس سے
بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ مشن نے پاکستان کے خلاف وہی عامیانہ باتیں پیش کرنی
مناسب سمجھیں جس کی دھجیاں اڑائی جا چکی ہیں اور ایسی خاص چیزوں کی وکالت کی ہے اور ایسے
ناگفتہ بہ انداز میں کہ مسلم ہند کے جذبات کو صدمہ پہنچنا یقینی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشن نے
یہ سب کچھ محض کانگرس کو خوش کرنے کے لئے کیا ہے، کیونکہ جب ان لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ
پیش ہوا تھا تو انہوں نے حسب ذیل اعلان کیا تھا جو بیان کے پانچویں پارے میں موجود ہے

"یہ خیال بہر حال ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکا کہ ہم اچھی طرح اور غیر جانبدارانہ طریقہ سے ہندوستان کی تقسیم کے امکان پر غور کریں۔ اسلئے کہ ہم پر مسلمانوں کے ان نہایت صحیح جذبات اور فکر کا گہرا اثر پڑا تھا۔ کہ کہیں وہ اپنے آپ کو مستقل طور پر ہندو اکثریت کا محکوم نہ بنا لیں۔

یہ جذبات مسلمانوں میں اتنی شدت سے ہیں اور عالمگیر ہیں کہ اُن کی تسکین محض کاغذی تحفظات کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔ اگر ہندوستان میں امن قائم کرنا ہے تو اسے ایسے اقدامات کے ذریعہ محفوظ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے تمام امور میں اقتدار کامل حاصل ہو۔ جن کا تعلق ان کی تہذیب، مذہب اور معاشی اور دوسرے امور سے ہے،

اور پھر بارھویں پیرے میں ہے۔

اس فیصلے کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کی اس حقیقی تشویش کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ کہیں ان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی خالص ہندوانی ہند میں غرق نہ ہو جائے جس میں ہندوؤں کا ان کی بہت بڑی عددی قوت کی بنا پر غالب عنصر ہو گا۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنے بیان کے بارھویں پارے میں جن نہایت واضح اور زوردار نتائج پر وہ پہنچے ہیں۔ ان کے حصول کے لئے اُنہوں نے کیا طریقہ کار اختیار کیا ہے،

اب میں اس بیان کے عملی حصہ کے چند اہم نکات پر بحث کروں گا۔

۱۔ اُنہوں نے پاکستان کے دو حصے کر دیئے ہیں جن میں شمال مغربی علاقوں کو وہ "سیکشن بی" کہتے ہیں۔ اور شمال مشرقی علاقوں کو سیکشن سی،

۲۔ بجائے دو دستور ساز اسمبلیوں کے انہوں نے دستور اساسی بنانے والی ایک ہی جماعت بنائی ہے یعنی سیکشن اے۔ بی اور سی تینوں کے لئے۔

۳- وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک یونین ہو جس میں برطانوی ہند اور ریاستیں شامل ہوں اور جو حسب ذیل امور سے تعلق رکھے گا، امور خارجہ وفاع اور رسل و رسائل - نیز اسے یہ بھی طاقت ہو کہ مذکورہ بالا امور کے لئے ضروری روپیہ بھی فراہم کر سکے۔

اس کی کوئی توضیح نہیں کہ رسل و رسائل کے تحت صرف اتنا ہی آئے گا جس کا تعلق دفاع سے ہے - نہ اس کی تشریح کی گئی ہے کہ کس قسم کی طاقت یونین کو ان تینوں امور کے لئے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے دی جائے گی اس کے برخلاف ہماری رائے یہ تھی کہ مرکزی یونین کے اخراجات دونوں مجموعے اپنے حصے کے طور پر ادا کریں ٹیکس کی صورت میں نہیں -

۴- یہ تجویز ہے کہ یونین میں ایک مجلس عاملہ اور ایک مجلس واضعان قانون ہو گی جو برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو گی - اگر کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ مجلس واضعان میں پیدا ہو تو اس کے فیصلے کے لئے دونوں بڑے فرقوں کے موجود اور رائے دینے والے نمائندوں کی اکثریت ضرور ہو گی -

۵- ہماری یہ تجویز بھی حذف کر دی کہ پاکستانی مجموعے کو یونین سے ابتدائی دس سال کے بعد الگ ہو جانے کا حق رہے - حالانکہ کانگرس کو اس سے شدید اختلاف نہ تھا اور اب ہم صرف اس روک کے ساتھ محدود کر دیتے ہیں کہ یونین کے دستور اساسی میں ہر دس سال کے بعد ترمیم کرا سکیں -

۶- دستور اساسی بنانے والی جماعت کے متعلق یہ ہے کہ برطانوی بلوچستان کا نمائندہ شعبہ (ب) میں شامل کر دیا گیا ہے - لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا انتخاب کیونکر ہو گا -

۷- رہی دستور اساسی بنانے والی جماعت جو سامنے بیٹھے گی کہ مجوزہ یونین کا دستور بنائے تو اس میں ہندوؤں کی بہت بڑی اکثریت ہو گی - وہ سو بانوے کے ایوان میں برطانوی ہند سے مسلمانوں کی تعداد صرف اناسی ہو گی - اگر وہ تعداد بھی جو ریاستوں کے لئے متعین کی گئی ہے

ہے یعنی ترانوے شامل کر لی جائے تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا تناسب اور بھی گھٹ جائیگا اس لئے ریاستوں کے نمائندوں میں بھی بہت بڑی اکثریت ہندوؤں کی ہوگی۔ اس طرح جو اسمبلی بنے گی وہ اپنی کثرت سے اپنے صدر اور دوسرے افسروں کا انتخاب کرے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشاورتی کمیٹی کے ارکان بھی یہی اسمبلی چنے گی جیسا کہ بیان کے بیسویں پارے میں ہے اور یہی اصول دوسری عمومی کارروائیوں میں مدِ نظر رہے گا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تحفظ ایک جملہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"یونین کی کانسٹی ٹوانٹ اسمبلی کی تجویزوں میں جو مذکورہ الصدر پندرھویں پارے کے تحفظات کے خلاف ہوں یا کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ کے متعلق ہوں تو اس کے منظور ہونے کے لئے موجودہ نمائندوں کی اکثریت بھی ضرور ہوگی، اور دونوں فرقوں میں سے ہر ایک کی اکثریت بھی۔ اسمبلی کا صدر فیصلہ کرے گا۔ کہ کونسی تجویز ایسی پیش ہوئی ہے جس سے فرقہ وارانہ سوال اٹھتا ہے۔ اور اگر نمائندوں کی اکثریت اس سے مطالبہ کرے گی تو اپنا فیصلہ دینے سے پہلے وہ فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے گا۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ فیصلہ صدر کرے گا اور وہ فیڈرل کورٹ کی رائے کا پابند نہیں ہوگا۔ اور نہ کوئی شخص یہ جان سکے گا کہ وہ رائے کیا ہے۔ اس لئے کہ چیرمین کو صرف یہ ہدایت ہے کہ وہ فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔

۸۔ رہا صوبوں کا اپنے مجموعے سے نکل جانے کا مسئلہ تو اس کا فیصلہ صوبے کی مجلس واضعان قانون پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو نئے آئین کے تحت عام انتخابات سے بنے گی کہ وہ اس کا فیصلہ کرے۔ حالانکہ ہماری تجویز تھی کہ تمام باشندوں سے عام استصواب رائے کیا جائے۔

۹۔ رہا بیسواں پارہ جس کے الفاظ یہ ہیں:-

"ایڈوائزری کمیٹی جس کے متعلق شہریوں، اقلیتوں، قبیلوں اور خارجی علاقوں کے حقوق کا تحفظ ہوگا۔ اس میں متعلقہ لوگوں کی پوری نمائندگی ہوگی، اور اس کا کام یہ ہوگا کہ یونین کی کانسٹی ٹوانٹ

اسمبلی میں ان کے بنیادی حقوق اقلیتوں کے تحفظ کے لئے دفعات اور قبائلی نیز خارجی علاقوں کے انتظام کی اسکیم پیش کرے اور یہ مشورہ دے کہ آیا یہ حقوق صوبوں، مجموعوں اور یونین کے دستورِ اساسی میں شامل کر دیئے جائیں یا نہیں[1]؟

اس سے ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یونین کی کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی ہی پر یہ فیصلہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی اکثریت سے رائے دے کہ ایڈوائزری کمیٹی کی سفارشات یونین کے دستورِ اساسی میں شامل ہوں یا نہیں تو اس سے راستہ کھل جاتا ہے کہ مزید شعبے یونین گورنمنٹ کے حوالے ہو جائیں۔ اس سے یہ بنیادی اصول تباہ ہو جائے گا کہ یونین سختی کے ساتھ تین شعبوں تک محدود رہے۔

یہ ہیں چند بڑے نکات جو میں نے یہ اہم دستاویز پڑھنے کے بعد پبلک کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور کونسل کے فیصلے کے متعلق جس کا اجلاس عنقریب دہلی میں ہونے والا ہے۔ قبل از وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ برطانوی وزارتی وفد اور ہزایکسیلینسی وائسرائے کے بیان کا گہرا اور غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنے اور پورے غور سے اس کے مالہ وما علیہ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم جو کچھ بھی مناسب سمجھیں گے وہی آخری فیصلہ کریں گے۔"

---

[1] ظاہر ہے یہ تجویز زیادہ منصفانہ اور علاوانہ تھی۔

پاکستان نہیں تو ——— کچھ نہیں،

سب کچھ قربان کر دینے کا عہد!

گزشتہ صفحات میں جس مسلم کنونشن کا خطبہ صدارت قائد اعظم نے دیا تھا۔ اس کے بعد تمام ممبران نے ایک حلف نامے پر دستخط کیے کہ حصول پاکستان کے لئے وہ اپنی جان بھی قربان کر دیں گے، اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے۔

اسی حلف نامے پر دوسروں کی طرح خود قائد اعظم نے بھی دستخط کئے تھے، یہ بڑا اثر آفرین اور جذبات انگیز موقع تھا، اس منظر کی کیفیت کا اندازہ صرف وہی خوش قسمت کر سکتا ہے۔ جس نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔

حلف نامے پر دستخط کے بعد قائد اعظم نے پھر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی کبھی فراموش نہ کی جا سکے گی۔ (رئیس احمد جعفری)

ہم کس لئے جدو جہد کر رہے ہیں؟ ہمارا نصب العین کیا ہے؟ ہمارا مقصد تنگ نظری اور تعصب نہیں۔ ہم ایسی مملکت کا قیام نہیں چاہتے، جو تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر قائم ہو مذہب ہم کو انتہائی محبوب ہے، مذہب کے مقابلہ میں تمام دنیاوی چیزیں ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن بعض دوسرے امور بھی ہیں جو ملی زندگی کے لئے اہم اور ناگزیر ہیں۔ مجلسی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی قوم کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ سیاسی قوت کے بغیر آپ اپنے مذہب کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور آپ کی اقتصادی زندگی کا بھی تحفظ نہیں ہو سکتا۔

ہم نے مکمل غور و فکر اور بحث و مباحثے کے بعد ایک قرارداد منظور کی ہے، ہم نے اس عالیشان اور تاریخی کنونشن میں ایک حلفیہ اعلان کیا ہے۔ ہم اگرچہ بہتری کی توقع رکھتے ہیں۔ مگر بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں ہم نے ایک واضح، غیر مبہم اور پرزور اعلان کیا ہے ہم نے تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی باقی نہیں ہے۔

جہاں تک مسلم اقلیت کے صوبوں کا مسئلہ ہے میں بھی ایک اقلیت کے صوبہ سے تعلق رکھتا ہوں ان صوبوں کے مسلمان پاکستان کے مجاہد ہیں انھوں نے پاکستان کی جانب سب کی رہبری کی ہے اب اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال نہیں رہا۔ پاکستان کے اصول پر سب کو اتفاق ہے۔ ہاں چند مسلمان اب بھی ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ میں ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانی نہیں چاہتا۔ اور اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں۔ یہ لوگ تو کسی شمار میں نہیں ہیں، لیکن ان لوگوں کو اب خاموش ہو جانا چاہیئے۔ لیکن وہ خاموش نہ ہوں گے۔ وہ اپنی حرکات جاری رکھیں گے۔ کیونکہ ان کا کام تو یہ ہے کہ اپنے آقاؤں کے سُر سے سُر ملائیں۔

(تالیاں)

کبھی ایسے آدمیوں کا خیال نہیں کیا جاتا، آج صرف ہندو ہی نہیں بلکہ انگریز اور امریکی بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے لوگ کانگریس کے نمائشی کھلونے کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے میں اس پلیٹ فارم سے بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ اسلامی ہند کلیتاً متحد و متفق ہے اور پاکستان ہمارا مطالبہ ہے۔

"جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ میرا تعلق بھی ایک اقلیت کے صوبہ سے ہے، سات کروڑ برادرانِ اسلام کو اپنی مملکت قائم کر لینے دیجئے

اگر دُنیا میں اقلیت والے صوبوں کے لئے کوئی تحفظ ہوسکتا ہے تو سب سے زیادہ مؤثر تحفظ قیامِ پاکستان ہے۔

اگرچہ موجودہ دستور میں تحفظات موجود ہیں مگر یہ تمام محض کاغذی ہیں، ان سے مطلق کوئی فائدہ نہیں۔

اگر اکھنڈ ہندوستان قائم ہوجائے اور ہندو اس آئین کو تبدیل کرنا چاہیں تو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ ان کو پھر کون روک سکے گا؟ اگر پانچ یا دس سال کے بعد وہ یہ کہیں کہ ہم جداگانہ طریق انتخاب کو ختم کرتے ہیں تو پھر اِن کے ہاتھ کون پکڑے گا؟ وہ روزافزوں طاقتور ہوتے جائیں گے اور آپ اکھنڈ ہندوستان میں کمزور ہوتے جائیں گے اور تمام تحفظات یکے بعد دیگرے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔

"ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ اختلافات اور جھگڑے شروع ہوجائیں۔ ہمارے سامنے بہت کافی کام ہوگا۔ اسی طرح برادرانِ وطن کو اپنی مملکت میں بہت سے کام کرنے ہوں گے۔ لیکن اگر وہ ہماری اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دیتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں تو پاکستان ایک خاموش تماشائی نہ بنے گا۔ (نعرہ ہائے تکبیر)

اگر گلیڈ اسٹون کے زمانہ میں برطانیہ اقلیتوں کے تحفظ کے نام پر امریکہ میں مداخلت کرسکتا تھا۔ تو اگر ہندوستان میں ہماری اقلیتوں پر مظالم کئے گئے تو ہمارا مداخلت کرنا کیونکر حق بجانب نہ ہوگا؟

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے اکثریت کے صوبوں میں اپنی وزارتیں تک نہیں بنا سکتے تو پاکستان کا خواہ مخواہ کیوں چرچا کیا جاتا ہے؟ میں ان لوگوں سے

کہتا ہوں کہ یہی تو اصل وجہ ہے، جس کی بنا پر ہم ۱۹۳۵ء کے موجودہ آئین سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لئے تو ہم پاکستان قائم کرنا چاہتے ہیں۔

مجھے نواب صاحب ممدوٹ کا یہ جملہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ اصول کے لئے ہزاروں وزارتیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ فی الواقع وزارتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ یہ تو ذریعہ ہیں۔

"ہم مسلمانوں کو خدا کے فضل سے بہت سی چیزیں حاصل ہیں۔ ہمارے پاس دماغ، فہم، ادراک قابلیت اور ہمت موجود ہے۔ یہی وہ تمام خصوصیتیں ہیں جو قوموں کو حاصل کرنی ضروری ہیں۔ لیکن ہماری راہ میں کچھ دشواریاں حائل ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی تمام توجہات ان کی جانب مرکوز کرلیں۔ ہم گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے غیر ملکی اقتدار اور ہندو غلبہ کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ برطانیہ اور ہندوؤں کے اس میل نے جو ممکن ہے کہ کسی سازش کا نتیجہ نہ ہو یا مخصوص حالات کے دباؤ سے پیدا ہوا ہو۔ ہماری حالت پر ضرر رساں اثر ڈالا ہے، جس سے ہماری مذکورہ صلاحیتوں کو نقصان پہنچا ہے۔

کردار کسے کہتے ہیں؟ کردار کا مطلب یہ ہے کہ عزت، خودداری، ارادہ اور عزم کی پختگی دیانتداری ان تمام خصوصیات کا بدرجۂ اتم موجود ہونا بلندی کردار ہے۔ قوم کے اجتماعی مفاد کے لئے افراد کا اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لئے ہمہ وقت آمادہ تیار رہنا اچھا کردار ہے

قومی کردار کی موجودہ کمزوری کے باوجود ہم نے حیرت ناک ترقی کی ہے۔ ہم نے اپنی نشاۃِ ثانیہ کے اس پنج سالہ دور میں معجزانہ انداز میں کامیابیاں حاصل کی ہیں، جب میں ملت کی اس محیر العقول ترقی کا خیال کرتا ہوں تو مجھ کو خواب کی سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ کتنی تیزی کے ساتھ ملت اپنے کردار کی سابقہ عظمت و رفعت تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے، مردوں عورتوں اور بچوں سب کے بات کرنے سوچنے اور عمل کرنے کا انداز ہی مختلف ہو گیا ہے۔

"مسرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان عورتوں میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ یہ تبدیلی بہت

اہمیت رکھتی ہے۔ دنیا میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس قوم کے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی دوش بدوش آگے بڑھیں۔

"میں آخر میں ایک مرتبہ پھر نظریہ پاکستان پر اپنے عقیدہ کا اعادہ کرتا ہوں کیا برطانیہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ نہیں مسلمانوں کے مقدمہ کا فیصلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

"مخالفین رخنہ اندازی کر سکتے ہیں وہ ہمیں تاخیر پر مجبور کر سکتے ہیں وہ ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں، لیکن وہ ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے روک نہیں سکتے۔ اس لئے اس تاریخی کنونشن کے برخاست ہونے پر آپ پورے یقین مکمل اعتماد اور ہمت کے ساتھ یہاں سے اٹھیں۔"

پاکستان لیکر رہیں گے

۵ ؍جون سنہ ۱۹۴۶ء

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدۂ نئی دہلی کا افتتاح کرتے ہوئے قائد اعظم نے یہ تقریر ارشاد فرمائی، اور کابینۂ وفد نے جو تجاویز پیش کئے تھے ان کے مالہ و ماعلیہ پر اظہار خیال فرمایا:- (رئیس احمد جعفری)

ورکنگ کمیٹی نے برطانوی وزارتی مشن کی تجاویز کے عواقب و نتائج پر غور کیا ہے لیکن اسے کونسل کے فیصلہ پر جو مسلم قوم کی پارلیمنٹ ہے اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے، لہٰذا ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر کونسل ہی اس سلسلہ میں کوئی قطعی فیصلہ کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر ممبر آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کرے اور اس سلسلہ میں خود کو کسی پابندی میں جکڑا ہوا نہ سمجھے۔

میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلم ہندوستان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا۔ جب تک ہم کامل طور پر خود مختار آزادانہ پاکستان قائم نہ کرلیں۔ (پرزور تالیاں "پاکستان لے کے رہینگے" نعرے) میں پوری قوت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ مشن نے جن اسباب اور دلائل کے ساتھ نیز جس طریقہ سے حقائق کو مسخ کیا ہے اس کا مقصد سوائے کانگریس کو خوش کرنے کے اور کچھ نہیں درا صل ان کے اپنے بیان میں پاکستان کی اساسی حیثیت سے موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ کانگریسی اخبارات اور ہندو شکر سے لپٹی ہوئی ان گولیوں پر بہت مسرور ہوئے۔ مگر ان

گولیوں پر شکر اتنی کم تھی کہ انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس کی اصلیت نہیں (قہقہہ)
جیسا کہ میں نے حال میں شملہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اہم ترین مسائل محض جذبات اور نعروں سے اور تلخ حالات میں طے نہیں ہو سکتے اور یہ کہ ہم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے نہیں رہ سکتے اس سے میرا مطلب برطانیہ والیانِ ریاست، کانگرس اور مسلم لیگ سے تھا۔

"ان اخبارات میں اطلاع یوں دی گئی ہے کہ" ہم مسٹر جناح اب اپنے حواس میں آگئے ہیں" مجھے مسرت ہے کہ میں اپنے حواس میں آگیا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی ہوش میں آئیں۔ یقیناً کسی جھگڑے کے لئے دو جماعتوں کی ضرورت ہوتی ہے، مگر یہاں تو تین نہیں چار ہیں۔ اور اقلیتوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

"میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں نے مصائب برداشت کئے ہیں۔ اور انہیں اب بھی زبردست مصیبتوں کا سامنا ہے۔ ان آلام و مصائب کا سامنا ہے۔ ان آلام و مصائب کا خاتمہ صرف قیام پاکستان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

پاکستان منظور کرنے میں تاخیر سے کام لینا برطانیہ یا ہندو کے لئے کسی طرح بہتر ثابت نہیں ہوگا۔ اگر انہیں آزادی محبوب ہے، اور اگر انہیں ہندوستان کی خود مختاری اور اس کا استقلال عزیز ہے اور وہ آزاد ہونا چاہئیے تو جتنا جلد وہ اس حقیقت کو سمجھ لیں اتنا ہی بہتر ہے کہ اس کے حصول کے لئے سب سے قریبی راستہ پاکستان پر رضامند ہونا ہے۔ یا تو تم متفق ہو جاؤ اور ورنہ ہم تمہارے بغیر اس کو حاصل کر کے رہیں گے (چیرز) "اس کے لئے کیا طریقہ اور ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔ یہ وقت اور حالات پر منحصر ہوگا۔

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ میں جانتا ہوں کہ جنرل اسمٹس یہی کہے گا کہ ہندوستان میں بھی تو چھ کروڑ اچھوت بستے ہیں۔ اور یہ صورت شرمناک ہے مگر کیا اس کا مطلب ہے کہ دو کالوں کو ملا کر ایک سفید بنتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کے ماتھے پر

یہ ایک سیاہ دھبہ ہے، اس لئے کسی مہذب قوم کا کوئی سردار یہ کہہ سکتا ہے کہ "اسی لئے میں بھی یہ کلنک کا ٹیکہ لگانا چاہتا ہوں اور چونکہ ابھی تک یہ دھبہ نہیں لگا ہے۔ اس لئے اب لگانا چاہیئے"۔

دیانتدار آدمیوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ یہ قانون تہذیب کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے، ہماری ساری ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ ہیں، جو اس قانون کے مقابلہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔

اینگلو امریکی کمیٹی نے ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلہ کی اجازت دینے کی جو سفارش کی ہے وہ قابلِ مذمت ہے

کیا آپ اس کے سوا کسی اور فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں کہ یہ نہایت ہی بے ایمانی کا فیصلہ ہے اور اس میں انصاف کا خون کر دیا گیا ہے۔

عربوں کو چاہئے کہ وہ ان سفارشات کا مقابلہ کریں اور ایک یہودی کو بھی فلسطین میں داخل نہ ہونے دیں۔ مسلم ہندوستان ان کی ہر ضروری امداد کرے گا۔

"میں برطانیہ سے کہتا ہوں کہ تم خود یہ اعلان کر رہے ہو کہ شہنشاہیت مردہ ہو چکی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کے لئے ہی وزارتی مشن دہلی آیا تھا۔ کیا تم اس تجہیز و تکفین کو لندن میں انجام نہیں دو گے۔ اور ولندیزوں سے انڈونیشیا خالی کرنے کو نہ کہو گے[۱]

جو وعدے لیبیا اور سرنیکا سے کئے گئے تھے کہ انہیں اٹلی کو واپس نہ کیا جائے گا ان وعدوں کو پورا کیا جائے۔ اگر برطانیہ ایک دوست قوم کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ دہلی سے لے کر لیبیا اور سرنیکا تک سب اس کے دوست رہیں، لیکن اگر تم ایسا ہی کرتے رہے جیسا کہ اس وقت فلسطین، لیبیا، شام اور انڈونیشیا میں کر رہے ہو، تو تمہیں یہ

سمجھ لینا چاہیئے کہ تم کمزوروں اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر رہے ہو۔ اور ان جذبات کا بڑھنا خطرناک ہوگا۔[1]

کشمیر سے متضاد اطلاعات آرہی ہیں مگر مسلم کانفرنس کے جن لیڈروں نے مجھ سے شملہ میں ملاقات کی تھی۔ انہوں نے مجھے پوری رپورٹ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جھگڑے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ مگر حکومت کا طریقہ تشدد کا ہے اور ہر جگہ مسلمان ہی نشانہ بنے ہوئے ہیں، جب تک رپورٹ پہنچے میں اپنی رائے کے اظہار سے اجتناب کروں گا۔ مگر میں مہاراجہ کشمیر اور وہاں کے وزیر اعظم سے یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ براہِ مہربانی آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بے گناہ مسلمان کو کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچے میں اس بات پر زور دوں گا کہ لاپرواہی کام نہ لیا جائے ورنہ آپ مسلمانوں کو اس آگ میں کودنے کے لئے مجبور کر دیں گے۔

1۔ قائدِ اعظم کو گوان کے دشمن آمر کے نام سے یاد کرتے تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اُن کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔

2۔ جنگ عظیم ثانی ختم ہونے کے بعد جب جاپانی فوجوں نے انڈونیشیا کو خالی کر دیا تو ولندیزی پھر اس پر قابض ہوگئے، اور حکومت برطانیہ نے اُن کی ہر طرح سے مدد کی۔

حیدرآباد دکن کے اجتماع عام سے خطاب

۱۱-جولائی سنہ ۱۹۴۶ء

حیدرآباد دکن کے ایک اجتماع عام میں قائداعظم کا خطاب!

میں ہندوستان میں کسی قوم کے جائز حقوق و مفاد کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا، لیکن یہ بھی گوارا نہیں کرسکتا کہ ہماری گردنوں میں اغیار کی غلامی کا گراں بار طوق پڑا رہے۔ پاکستان کے مطالبہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کی فضا میں زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔ میں نے بابِ عالی کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو مشورے دیئے ہیں۔ ان سے حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کو فائدہ پہنچے گا۔ اور کسی قسم کی حق تلفی نہیں ہوگی۔

مملکتِ نظام میں مسلمانوں کی تعداد صرف پچیس لاکھ ہے۔ اور وہ اقلیت میں ہیں لیکن انہوں نے شجاعت مستقل مزاجی اور ایمان و ایقان کی قوت سے دولتِ آصفیہ کی تاریخ میں حیرت انگیز اور نمایاں ترین حصہ لیا ہے۔ جغرافیائی حدود اسلام کے عالمگیر رشتہ اخوت کو منقطع نہیں کرسکتیں، تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور انہیں مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے۔ مسلمانانِ حیدرآباد کو میرا مشورہ یہ ہے کہ لیڈروں کے انتخاب میں وہ ہمیشہ احتیاط کریں۔ آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب ہی سے فتح ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں کوئی قابلِ ذکر جماعت ایسی نہیں جو ریاستوں میں ذمہ دار حکومت

کے قیام کی حامی نہ ہو، لیکن ہر مقام کے حالات دوسرے مقام سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور ساری دنیا کے لئے ایک ہی دستور مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ انگلستان، فرانس امریکہ اور روس وغیرہ میں کیا ایک ہی دستور رائج ہے؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی ریاستوں پر ایک ہی دستور مسلط کرنے کی کوشش کی جائے۔ انصاف اور حقِ خود اختیاری کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ریاست کو اس کے حالات کے مطابق دستور مرتب کرنے کا حق دیا جائے۔ حیدرآباد و کشمیر کے حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ تاریخ کا ہر مبصر مجھ سے اتفاق کرے گا کہ ان دونوں کی تاریخ و روایات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس وقت میدانِ سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کون فتحیاب ہوگا۔ علم غیب خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی رؤس الاشہاد کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوہ صبر و رضا پر کاربند ہیں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔

ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتحیاب ہوں گے۔ اور اسی طرح فتحیاب ہوں گے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے۔

میں نے اعلیٰ حضرت نظام دکن کی اگزیکٹو کونسل کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو مشورے دیئے ہیں۔ وہ حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کے لئے یکساں مفید ہیں۔ اور ان سے نہ کسی ہندو کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ نہ اچھوت کو نہ عیسائی کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان کسی قوم کے بھی جائز حق کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

وائسرائے اور وزیرِ ہند کی ملّتِ اسلامیہ سے غدّاری

۲۷ جون سنہ ۱۹۴۶ء

کابینہ وفد چلا گیا۔ کانگرس نے اس کی سفارشات کو قبول بھی کیا اور مسترد بھی کر دیا۔ مسلم لیگ نے بادلِ نخواستہ محض اتحاد اور آشتی کی خاطر یہ تجویزیں مان لی تھیں اور اب تک وہ اپنے مسلک پر قائم تھی۔

حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ملک کی جو پارٹیاں ان تجویزوں کو مان لیں گی، انہیں تشکیل حکومت کا موقع دیا جائے گا۔ اگر کانگرس نہ شریک ہوئی تو بھی، لیکن ہوا یہ کہ اٹیلی کی ہدایت کے مطابق لارڈ ویول وائسرائے ہند نے کانگرس کے ترکِ تعاون سے خوف زدہ ہو کر مسلم لیگ کو بھی جو کانگرس کے بعد سب سے بڑی پارٹی تھی، تشکیل وزارت کا موقع نہیں دیا۔ یہ حالات تھے جب قیصر باغ بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا اور قائدِ اعظم نے وہاں ایک ناقابلِ فراموش تقریر ارشاد فرمائی۔

اسی موقع پر قائدِ اعظم کے حسب الحکم مسلم لیگ کے تمام ممبران نے اپنے خطابات واپس حکومت برطانیہ کو بطور احتجاج واپس کر دیئے۔ (رئیس احمد جعفری)

تین ماہ کی گفت و شنید اور برطانوی مشن کے ہندوستان سے جانے کے بعد جو کچھ ہوا اس کی بناء پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلم لیگ کے لئے اپنی طاقت پر بھروسہ رکھنے اور اپنے نصب العین پاکستان پر جمے رہنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ برطانیہ کے وعدوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ دس دن کے اندر ہی حکومت برطانیہ کے نمائندے اپنے وعدے

سے منحرف ہو گئے۔ وزارتی مشن نے کانگریس دیوی کو منانے کے لئے بہت کوشش کی اور اُنہوں نے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کر دی۔ مشن نے اعلان کر دیا ہے کہ کانگریس نے طویل مدت کی تجویزیں منظور کر لی ہیں، لیکن درحقیقت اُسے صحیح معنوں میں منظوری نہیں کہا جا سکتا

میں محسوس کرتا ہوں کہ اب مسلم لیگ کے لئے وہ وقت آ گیا ہے، جبکہ ہمارا نعرہ تنظیم اتحاد اور اپنی قوم پر اعتماد ہونا چاہیئے۔ اگر تمہاری قوم میں کافی طاقت نہیں ہے تو ہمیں طاقت پیدا کرنی ہو گی۔

مسلم لیگ نے ایماندارانہ اور منصفانہ کارروائی کے لئے جتنی کوششیں کیں وہ سب بیکار ثابت ہوئیں۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لئے جتنی بھی سعی مفاہمت کی وہ سب بے اثر رہی

اُس نے التجائیں اور استدعائیں کیں۔ مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وزارتی مشن کانگریس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا ہے۔ وہ اپنا ہی کھیل کھیلتا رہا ہے۔

میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس نے ہندوستان کے باشندوں کو جن میں اونچی ذات کے ہندو بہت بڑی اکثریت میں ہیں، حالیہ آئینی گفت و شنید کے دوران میں اپنی خفیف الحرکات اور کوتاہ اندیشانہ رویہ کی بدولت انتہائی زبردست نقصان پہنچایا، کانگریس مسلمانوں کی مخالفت کے جذبات سے مغلوب ہو چکی ہے۔

کانگریس نے دہلی میں نوکر شاہی حکومت اور شخصی راج قائم کرا کر ملک کو چالیس برس پیچھے دھکیل دیا ہے۔ کانگریس کا یہ خیال ہے کہ وہ عارضی حکومت میں شامل ہو جائے گی اور مسلم لیگ کو ایک طرف چھوڑ دے گی۔ کانگرس بخوشی مرکزی حکومت میں جائے۔ ہم اس سے خائف نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہو گا۔ جب کانگریسی دستور ساز اسمبلی کو آزاد اور خود ساز اسمبلی کو جسے وائسرائے طلب کر رہے ہیں، اور جس کا تقرر حکومت برطانیہ نے کیا ہے، کیا پنڈت جواہر لال نہرو کے طفلانہ بیانات اور دلیرانہ الفاظ کے ذریعہ آزاد اور خود مختار جماعت میں نہیں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

وزارتی مشن کے بیان میں انیسواں پیراگراف جو صوبوں کی گروپ بندی اور دستور ساز اسمبلی کے طریقۂ کار کے متعلق اسلامی زاویہ نظر سے پوری اسکیم کا بہت ہی اہم ضروری حصّہ ہے۔ اس رُو سے کسی صوبہ کو اس وقت تک اپنی مقررہ گروپ سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا جب تک صوبوں اور ان کے گروپوں کے دستاتیر مرتب اور نئے صوبائی دستور کے ماتحت عام انتخابات نہ ہو جائیں۔ لیکن پنڈت جواہر لال نہرو اپنے بیان کے مطابق اسکیم کے اس ضروری جزو کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صوبوں کو ابتدائی موقع ہی پر مقررہ گروپوں سے علیحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہے۔ کانگرس کی اس پُر غرور ہٹ دھرمی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسے دستور ساز اسمبلی میں بھیمانہ غلبہ حاصل ہے۔ اور اسی بل بوتے پر اسے اُمید ہے کہ وہ وزارتی مشن کی تجاویز کے ہر جزو جس طرح چاہے گی توڑ مروڑ کر یا نظر انداز و مسترد کر کے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کر سکے گی۔ کانگریسی لیڈروں کی موجودہ پالیسی کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم تجاویز کی کسی شرط کے پابند نہیں۔ ہم دستور ساز اسمبلی میں صرف اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے شریک ہو رہے ہیں۔ اور اپنی من مانی تاویلات کے مطابق جن سے ہم دنیا کو روشناس کر چکے ہیں۔ جو چاہیں گے کرینگے۔ یہی وہ صورتِ حال ہے جس کی بنا پر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

وزیرِ ہند نے کہا ہے کہ ہندوستانی پارٹیوں کو منظور کردہ تجاویز کے دائرہ سے قدم نہیں بڑھانا چاہیئے کیونکہ اس طرح دوسری جماعتوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی، لیکن اس مخلصانہ مشورہ کے علاوہ وزیرِ ہند نے یہ نہیں بتایا ہے کہ اگر کانگریس نے اپنے بھیمانہ غلبہ کے بل پر شرائط کی خلاف ورزی کی، اور فیصلے کئے جو اسمبلی مذکور کے دائرۂ عمل سے باہر ہیں تو حکومت اس کی روک تھام کے لئے کیا مؤثر تدابیر اختیار کرے گی۔ وزارتی مشن کے ارکان اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ کانگرس نے وزارتی مشن کی تجاویز محض نام کے لئے اپنی من مانی تاویلات کی بنا پر منظور کی ہیں میں نے اور نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اپنے بیانات میں اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا

پارلیمنٹ میں مباحثہ شروع ہونے سے پیشتر تمام تفصیلات حکومت کے علم میں تھیں لیکن اس کے باوجود وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس اس مخلصانہ مشورہ کی حد سے آگے اپنے قدم نہیں بڑھاتے کہ ہندوستانی پارٹیاں تجاویز مشن کی منظور کردہ حد سے آگے قدم نہ بڑھائیں، کیا اس طرح صاف ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ وزارتی مشن کے ارکان ہندوستان میں ساڑھے تین ماہ گذارنے کے بعد معاملہ فہمی کے اعتبار سے کورے رہے۔ نہ تو اب تک ان پر حقیقت منکشف ہوئی، اور نہ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔

پنڈت جواہر لال نے ۲۳ جولائی کو دہلی کے جلسہ عام میں کہا ہے کہ ہم دستور ساز اسمبلی سے اپنی مرضی کے مطابق کام نہ کر سکے تو اسے ختم کر دیں گے۔ اور جب اخبارات نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پنڈت جواہر لال نے بمبئی کے اجلاس میں ہنگامی جذبات سے مغلوب ہو کر دستور ساز اسمبلی اور وزارتی مشن کی تجاویز کے متعلق اس قسم کے خیالات ظاہر کر دیئے ہیں۔ تو پنڈت نہرو نے اس نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے عمداً کہا ہے۔ اور میں اپنی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کا اعادہ کر کے پھر کہتا ہوں کہ کانگریس اس پالیسی پر عمل کرے گی اور ضرورت ہوئی تو وہ دستور ساز اسمبلی کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ وزیر ہند پیتھک لارنس اس عالم آب و گل میں نہیں۔ بلکہ خوابوں کی دنیا میں بستے ہیں اور کانگریس کے ان صاف و صریح عزائم کے باوجود سنہرا خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں کسی فیصلہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔

ہم بحث و تمحیص کرتے کرتے تھک گئے، کسی سے استعانت کرنا بے سود ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی عدالت نہیں جس سے ہم استعانت کر سکیں، ہماری آخری عدالت ملتِ اسلامیہ ہے اور ہم اسی کے فیصلے کی پابندی کریں گی۔ (نعرہ ہائے تحسین)

مسلمانوں کا منہ دھونے کے لئے لارڈ پیتھک لارنس یا سر سٹیفورڈ کرپس کا یہ زبان سے

کہہ دینا کہ مسلم لیگ نے مذاکرات کے دوران میں فراخ حوصلگی و رواداری کا ثبوت پیش کیا، اور کانگریس اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہٹی - ہمارے لئے باعثِ طمانیت نہیں ہو سکتا - اگر وزارتی مشن کے طرزِ عمل میں جرأت و تدبر کا شائبہ بھی ہوتا تو میں خندہ پیشانی سے اعتراف کرتا، لیکن انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اخلاق و جرأت اور فہم و تدبر کے اعتبار سے دیوالیہ ہیں - اور کانگریس کی جانب سے بھی نہ تو نیک نیتی اور مفاہمت کا کوئی اشارہ ہے - اور نہ خواہشِ اشتراک کا -

میں وزارتی مشن پر صاف الفاظ میں الزام لگاتا ہوں کہ اس نے کانگرس کے ساتھ سازش کی اور وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر ان میں ہمت ہے تو اس واقعہ کی تردید کریں کہ ۲۴ - جون کو رات کے اجلاس میں کانگرس ورکنگ کمیٹی نے مشن کی طویل مدت والی تجاویز بھی مسترد کر دی تھیں اور عارضی حکومت کی اسکیم بھی، کانگرس کے اس فیصلہ سے وزارتی مشن کے ارکان گھبرا گئے - ۲۵ - جون کو سر اسٹیفورڈ کرپس علی الصباح بھنگی کالونی میں پہنچے - مسٹر گاندھی کو سوتے سے جگایا اور انہیں بہت دیر تک سمجھاتے بجھاتے رہے کہ کانگرس مشن کی تجاویز کو مسترد نہ کر دے - لیکن جب مسٹر گاندھی کسی طرح رضامند نہ ہوئے تو واپس چلے گئے اور وزیرِ ہند لارڈ پیتھک لارنس کانگریس کے روئین تن لیڈر سردار پٹیل کی تلاش میں نکلے اور انہیں گھیر گھار کر اپنی قیام گاہ پر لے آئے - اور وہاں دونوں کے مابین یہ سازش ہوئی کہ کانگرس اپنا سابقہ فیصلہ واپس لے کر وزارتی مشن کی طویل مدت والی تجاویز کی منظوری کا اعلان کر دے - اور وزارتی مشن اس کے معاوضہ میں عارضی حکومت کی اسکیم کو ختم کر دے گا - اس سے مقصد یہ تھا کہ وزارتی مشن کے ارکان لندن واپس جا کر کہہ سکیں کہ دہلی میں ساڑھے تین ماہ تک بھاڑ نہیں جھونکتے رہے بلکہ ہندوستان کو دونوں پارٹیوں سے اپنی تجاویز منظور کرا لائے -

میں اپنی ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے پورا ایک

مرتبہ کہتا ہوں کہ میں نے جس سازش کا انکشاف کیا ہے وہ واقعہ ہے۔ عین حقیقت ہے میں وائسرائے کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس واقعہ کی تردید کریں اور اس کی تردید ان پر فرض ہے کیونکہ یہ ایسا الزام نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جائے بلکہ اس سے وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے کی عزت پر حرف آتا ہے۔

ان تمام باتوں سے بلا شک و شبہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ واحد حل پاکستان ہے۔ جب تک کانگریس اور مسٹر گاندھی "اکھنڈ بھارت" کی ترجمانی و نمائندگی کا خواب دیکھتے رہیں گے۔ جب تک کانگریس مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لئے اپنے روپیہ سے چند بے غیرتوں اور بے شرموں کے ایمان خریدتی رہے گی۔ جب تک کانگریس اس حقیقت سے انکار کرتی رہے گی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اس وقت تک آزادی کے سوال پر کسی تصفیہ یا مفاہمت کا امکان نہیں۔

کانگریس کا یہ دعوٰے کہ وہ پورے ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دستور ساز اسمبلی کی ۷۹ مسلم نشستوں میں وہ صرف تین نشستیں حاصل کر سکی۔ کانگریس نے صوبہ جات متحدہ سے جو اپنا امیدوار منتخب کیا ہے اسلامی حلقوں میں اس کی عزت کا یہ حال ہے کہ پراونشل اسمبلی کے انتخابات میں وہ تین مسلم نشستوں سے بطور امیدوار کھڑا ہوا۔ اور ہر جگہ اس کے ٹھوکر رسید کی گئی۔

مسٹر گاندھی کو اب ساری دنیا کا مشیر بننے کا شوق چرایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کانگرس تمام ہندوستان کی نمائندہ اور اس کے چالیس کروڑ باشندوں کی امین ہے۔ تم دہلی میں بیٹھ کر تو یہ کہتے ہو کہ ہمیں وزارتی مشن کی تجاویز منظور نہیں۔ اور بمبئی جا کر کہتے ہو کہ ہم تجاویز کے کسی جز کے خلاف نہیں ہیں۔

میں بلا خوف تردید اعلان کرتا ہوں کہ مذاکرات کے دوران میں مسلم لیگ نے قدم قدم

پر اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ ایک شریف اور معزز جماعت ہے۔ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں اُلجھتے۔ بلکہ اعلیٰ مقاصد کو سامنے رکھا۔ ہم نے حیرت انگیز رواداری سے اس لئے کام نہیں لیا کہ ہم نے دوسروں کو رعایت پر رعایت اس لئے نہیں دی کہ ہم کسی سے ڈرتے تھے بلکہ صرف اس لئے کہ مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کامل کی تڑپ ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ متنازعہ مسائل حسن و خوبی کے ساتھ طے ہو جائیں۔ برِ صغیر کی ترقی میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہوں اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور تمام دوسری قومیں برطانوی شکنجۂ استعمار سے نجات پاکر آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ ہمارے مقابلہ میں کانگریس کا طرزِ عمل افسوسناک تھا۔ اس نے قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالیں اور ثابت کر دیا کہ اسکے سامنے سوائے اسکے اور کوئی نصب العین نہیں کہ وہ مسلم لیگ کو نیچا دکھائے۔

مذاکرات میں تین پارٹیاں شریک تھیں۔ مسلم لیگ کانگریس اور حکومت ان میں صرف مسلم لیگ ہی وہ جماعت ہے جس نے شریفانہ طریقہ پر ایمانداری سے کام لیا۔ وزارتی عارضی حکومت کے سلسلہ میں مشن اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا۔ اور کانگریس نے ایسی ذلیل حرکتیں کی ہیں کہ ان کے ارتکاب پر ایک معمولی انسان بھی شرم محسوس کرے گا۔ میں کانگریسیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم میں دیانت و شرافت کا خفیف ترین شائبہ بھی ہے۔ کیا تم میں اخلاقی جرأت بھی ہے جو تم صاف الفاظ میں کہدیتے کہ وزارتی مشن کی تجاویز چونکہ ہماری بنیادی اصول و مقاصد کے خلاف ہیں۔ اس لئے ہم انہیں منظور نہیں کر سکتے۔ سو برس سے ایک "امین" کی امانت و دیانت کا تلخ ذائقہ چکھ رہے ہیں۔ اور اب ہمیں کسی بھی دوسرے امین کی ضرورت نہیں۔ اب ہم بچے نہیں بالغ ہو چکے ہیں۔ (قہقہہ) ملتِ اسلامیہ اپنی امین آپ ہے۔

مسٹر گاندھی کچھ عرصہ سے اچھوتوں کے خود ساختہ امین بنے ہوئے ہیں۔ مسٹر گاندھی سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اچھوتوں کا اعتماد حاصل ہے۔

اچھوتوں کا وجود کسی بھی مہذب قوم کی پیشانی پر مکروہ ترین

داغ ہے۔ چھ کروڑ انسان صدیوں سے ذات والے ہندوؤں کے اقتصادی اور سماجی شکنجۂ عذاب میں جکڑے ہوئے ہیں اور جن کی حالت نہایت دردناک ہے۔ میں اچھوتوں کسان خودساختہ امین مسٹر گاندھی سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے مظلوم اچھوتوں کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے اب تک کیا کیا ہے مظلوم اور بے کس اچھوت ستیہ گرہ کرکے جیل جا رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی جماعت یہ حربہ اس وقت تک استعمال نہیں کرتی جب تک کہ مصائب ناقابل برداشت حد تک نہ پہنچ جائیں اور مظلوموں کے ضبط و صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے۔ وزارتی مشن نے بھی کانگرس کی دیوی کو خوش کرنے کے لئے مظلوم اچھوتوں کے مفاد سے غداری۔

عارضی حکومت کے سلسلہ میں یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں نے مسلم لیگ کی طرف سے کوئی فہرست پیش کی تھی واقعہ یہ ہے کہ میں نے والسرائے سے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میں اپنی فہرست اس وقت تک پیش نہیں کروں گا۔ جب تک آپس میں سمجھوتہ نہ ہو جائے یا سمجھوتہ ہونے کی صورت میں اس بات کا یقین نہ دلایا جائے کہ کسی بڑی پارٹی نے اسکیم کو مسترد کر دیا تو والسرائے دوسری پارٹی کی مدد سے عارضی حکومت قائم کرینگے۔ ایسی صورت میں جب کہ میں نے یہ بات بالکل واضح کر دی تھی۔ والسرائے کو اپنی فہرست میں میرا نام شامل کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ والسرائے نے مجھے شیشہ میں اُتارنے کی کوشش کی۔ لیکن میں اس بات پر قائم رہا کہ جب تک میں آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر ہوں کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا۔

کانگرس نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ اور اس کے بعد مسلم لیگ نے بھی۔ اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ آٹھویں پیراگراف کے معنی وہ ہیں جو در حقیقت نہیں ہیں۔ میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جب دارالعوام میں سر اسٹیفورڈ کرپس سے سوالات کئے گئے تو وہ جواب

شافی نہ دے سکے۔ اور انہوں نے الفاظ کے گورکھ دھندے سے ہاؤس کو گمراہ کرنا چاہا۔ مجھے افسوس ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے اپنی قانونی صلاحیتوں کا احترام مدِنظر رکھا اور آٹھویں پیراگراف کی وہ تشریح کھلی ہوئی بددیانتی پر مبنی ہے۔

۲۵ جون کو رات میں وزارتی مشن سے میری جو ملاقات ہوئی تھی اسے بہت اہمیت دی جارہی ہے۔ والسرائے کے پاس کانگرس کا جواب ۲۵ جون کو ۱۱-۱۲ بجے پہنچ گیا تھا۔ ہمیں بالکل نہیں بتایا گیا کہ عارضی حکومت کے لئے وزارتی مشن کی پیش کش واپس لے لی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ پیش کش صرف اسی وقت واپس لی جاسکتی تھی جب دونوں پارٹیاں اُسے مسترد کردیتیں اور ان ملاقاتوں میں الفاظ سے مشہور کھیلنے والے سر اسٹیفورڈ کرپس نے آٹھویں پیراگراف کی غلط تاویلات شروع کیں صرف مسٹر الگزینڈر نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی وزارتی مشن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے وہ مسٹر جناح کے خیالات معلوم کرنا چاہتی ہے۔

لارڈ پیتھک لارنس نے دارالامراء میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسٹر جناح مسلمانوں کی نامزدگی کے اجارہ دار نہیں ہیں سوداگر نہیں ہوں۔ میں کسی ملک سے پٹرول کی اجارہ داری نہیں مانگ رہا ہوں۔ میں کسی بنئے کی طرح مول تول نہیں کررہا ہوں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا وزیر ہند کے شایان نہیں۔ کیا ملتِ اسلامیہ بھی مالِ تجارت ہے جس کا کوئی اجارہ دار ہو علاوہ بریں میرا مطالبہ شروع سے یہ ہے کہ عارضی حکومت میں کسی "کوئزلنگ" کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ خود وائسرائے نے ۲۲ جون کو صدر کانگرس کو لکھا تھا کہ وہ عارضی حکومت میں کسی غیر مسلم لیگی کو شامل نہیں کریں گے۔ میں لارڈ پیتھک لارنس سے پوچھتا ہوں کہ اگر "مسٹر جناح" کو پہلے مسلم نامزدگیوں کی اجارہ داری حاصل تھی تو وہ دو دن بعد کیوں ختم ہوگئی؛ کیا صرف اس لئے کہ کانگرس کو اس پر اعتراض تھا۔

برطانوی حکومت شدید وعدہ خلافی کی مرتکب ہوئی۔ اور اس نے کانگریس کو خوش کرنے کے لئے عارضی حکومت کی تشکیل ملتوی کردی۔ اور وزارتی مشن نے جو افسوسناک اختیار کیا ہے اُسے

سامنے رکھتے ہوئے مشن کے ارکان ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ برطانوی حکومت جس نے تجاویز کی تصدیق کی تھی اسلامی ہند کے کسی اعتماد کی مستحق نہیں رہی ہے۔ جب ملک معظم کی حکومت کے ارکان صرف دس دن کے اندر زبان پلٹ کر اپنی ذات اپنی حکومت اور اپنی قوم کو رسوا کر سکتے ہیں تو ہم ان لوگوں پر کیا بھروسہ کر سکتے ہیں؟

۱؎ حالانکہ کابینہ وفد کے ارکان کئی مرتبہ وضاحت کر چکے تھے کہ کوئی صوبہ گروپ سے اسی وقت الگ ہو سکتا ہے، جب دستور ساز اسمبلی بن لے۔ اور نئے انتخابات ہو جائیں، لیکن کانگرس کی طرف سے جواہر لال نے اعلان کیا کہ ہر صوبہ کو حق ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی بننے سے پہلے بھی اپنے گروپ سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

۲؎ اچھوتوں کے مسلمہ لیڈر ڈاکٹر امبیدکر بھی ان سفارشات سے نالاں تھے۔ کیونکہ اچھوتوں کا سیاسی وجود بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ناگپور، بمبئی، اور دوسرے مقامات پر اچھوتوں نے باقاعدہ سول نافرمانی شروع کر دی تاکہ حکومت کی اندھی آنکھیں دیکھ سکیں، اور بہرے کان سن سکیں، لیکن نہ ان آنکھوں نے دیکھا نہ اُن کانوں نے سنا۔

مسلم لیگ کی طرف سے قانون شکنی کا فیصلہ

۳۱ جولائی ۱۹۴۶ء

کانگرس کی ہٹ دھرمی، حکومتِ برطانیہ کی دھاندھلی مسٹر اٹیلی کی غداری، اور لارڈ ویول کی بدعہدی کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا کہ مسلم لیگ میدانِ عمل میں اتر آئے،
چنانچہ لیگ کونسل نے "راست اقدام" یعنی سول نافرمانی کی تجویز منظور کر لی۔ راست اقدام کی تفصیلات طے کرنے کے لئے، ایک کمیٹی قائد اعظم نے نامزد کر دی، جس کے ممبران نواب اسمٰعیل خاں، لیاقت علی خاں اور چودھری خلیق الزماں تھے،
لیگ کے اس فیصلہ نے سارے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچا دیا، حکومتِ برطانیہ بھی دم بخود رہ گئی، وہ اس کا گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ قائد اعظم جیسا آئین پسند شخص، قانون شکنی بھی کر سکتا ہے
اس تجویز کی وضاحت قائد اعظم نے ایک پریس کانفرنس میں فرمائی،!

(رئیس احمد جعفری)

ہم سمجھوتے کے لیے بہترین کوششیں کر چکے ہیں۔ اب اگر مزید کوئی اقدام ہونا ہے تو وہ برطانی حکومت یا کانگریس کی طرف سے ہونا چاہیئے۔

پریس کانفرنس میں قائد اعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے فیصلے پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ امر واضح کیا کہ براہِ راست اقدام کا فیصلہ کسی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے ریزولیوشن مذکور محض ایک بیان ہے، جس میں وہ کارروائی ظاہر کی گئی ہے۔ ہم اپنے وجود کے بقا و تحفظ کے لئے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

کانگریس نے وزارتی مشن کے ۱۶ مئی کے بیان کو جس طرح قبول کرنا نہیں ہے - کیونکہ یہ مشروط ہے اور اس وجہ سے مسترد کرنے یا زیادہ صحیح یہ کہ جوابی پیشکش کے برابر ہے -

کانگریس خفیہ طور پر ایسی تحریک شروع کرنے کی زبردست تیاریاں کر رہی ہے جو ۱۹۴۲ء کی تحریک سے بھی زیادہ خطرناک ہو گی - اور اس کے لئے کانگریسیوں کو خفیہ ہدایات بھیج دی گئی ہیں، اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے آزاد ہند فوج کے لوگوں سے مدد لی جا رہی ہے -

ایسی صورت میں جبکہ برطانی حکومت اور کانگریس دونوں اپنے اپنے طریقہ پر مسلح ہیں - ایک کے پاس آتشیں اسلحہ ہیں اور دوسرے کے پاس تحریکِ عوامی کی دھمکیاں - مسلم لیگ نے محسوس کیا کہ اس وقت کی سخت ضرورت ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے طور پر اپنی قوت کو مجتمع کرکے چنانچہ پاکستان کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے وہ بھی تیار ہو گئی ہے -

ہم جانتے ہیں کہ کانگریس نے ۱۶ مئی کے بیان کی اسکیم کو منظور نہیں کیا ہے اور یہ صدر کانگریس کے مکتوب مورخہ ۲۵ جون کے فیصلے میں شامل ہے اور جس سے اس کو مزید تقویت پہنچتی ہے - پھر ۱۷ جولائی کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کی تائید بھی کر دی ہے اور سابق و موجودہ صدر کانگریس اور دوسرے چوٹی کے کانگریسی لیڈروں نے اپنی تقریروں میں اسے بالکل پاک صاف کر دیا - لہٰذا قدرتی طور پر ہم نے سوچا کہ یہ صورت حال کسی قدر سنگین ہے - اسی اثنا میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے خاتمہ کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۰ جولائی کو یہ بات واضح کر دی کہ کانگریس کسی چیز کی بھی پابند نہیں ہے - انہوں نے کہا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی کو آزاد و خود مختار بنانے کے لئے اس میں شرکت کر رہی ہے -

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہم دستور ساز اسمبلی کے مخالف ہیں حقیقت میں ہمارا مطالبہ یہ رہا ہے کہ دو آزاد خود مختار دستور ساز اسمبلیاں قائم کی جائیں اور اگر ایک آزاد خود مختار دستور ساز اسمبلی ہو گی تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک قوم کی اکثریت اپنی کثرتِ تعداد کی بنا ہو جس کا تناسب ۳ : ۱ ہے دوسری قوم کی اکثریت پر اپنے فیصلوں کو مسلط کرے گی -

طویل المدت اسکیم سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر کے بہ نسبت وراصل کانگریس کے نقطۂ نظر کے بہت زیادہ موافق ہے۔ سوال صرف یہ تھا کہ اُسے کیا جائے یا نہ کیا جائے ہم نے اسے قبول کر لیا ہے۔ جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں اُسے پھر دُہراتا ہوں کہ ہم نے اُسے پُورے علم و وقوف کے ساتھ بغیر کسی تذبذب کے قبول کیا تھا، مگر کیوں کیا تھا۔

ہم نے محدود پاکستان کو منظور کر کے زبردست قربانی کی ایسا محدود پاکستان جو دفاع، مواصلات اور خارجی معاملات کے اختیارات سے بھی محروم تھا، اسلئے کہ ہمارے پیشِ نظر ہندوستان میں بسنے والے ہر فرقہ کی فلاح تھی اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس سے کم سے کم مدت میں ہم غیر ملکی اقتدار سے آزاد ہو جائیں گے اور ہم سب کی گلوخلاصی ہو جائے گی۔ ہم نے جو کچھ کیا پوری طرح سوچ سمجھ کر کیا اور یہ اس کے قبول کرنے کا ایک سبب تھا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ ہم نے سوچا کہ اگر ہمیں قربانی بھی کرنا پڑے تو لڑائی جھگڑے، خونریزی اور جمود و تعطّل کے سدّ باب کے لئے کرنا چاہئے۔ ہم نے خیال کیا پُرامن اور دوستانہ تصفیہ زیادہ قیمتی ہے۔ چنانچہ ہم نے رضاکارانہ طور پر مرکزی یونین کو تینوں اختیارات تفویض کر دیئے۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تو وزارتی مشن اور وائسرائے ۱۶ مئی کے بیان کے سلسلہ میں اپنے عہد سے دس دن کے اندر پھر گئے، حالانکہ اعلان یہ کیا گیا تھا کہ یہ بیان واقعی اور فیصلہ کن ہے۔ انھوں نے اس کے پیراگراف نمبر ۸ کو بد دیانتی کے ساتھ خلاف حقیقت معنے پہنائے اور اب میں دیکھتا ہوں کہ اُنھوں نے ایک نئے لفظ کا انکشاف کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تجاویز کی مدت ختم ہو گئی۔ کیوں ہو گئی اس لئے نہیں کہ مسلم لیگ نے بیان مذکور کو

قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس لئے کہ کانگرس نے ۱۶ مئی کے بیان کو منظور کیا۔

وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے جیسے تجربہ کار آدمی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قبولیت قبولیت ہے۔ مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں سمجھا محض اس لئے کہ ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے برطانوی پارلیمنٹ اور دنیا کو دھوکا دیا۔

وزارتی مشن ہمارے اعتماد کو متزلزل کر چکا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کانگرس کی دھمکیوں جو گفت و شنید کے دوران میں وہ دیتی رہی ہے۔ مرعوب و مجبور ہو کر اس کے سامنے جھک گیا ہے۔

کانگریس عام سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کے لئے اپنے آپ کو منظم کر رہی ہے۔ پوری تیزی کے ساتھ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آزاد ہند فوج کے آدمی بلائے جا رہے ہیں۔ ان کو بھرتی کیا جا رہا ہے۔ ان کی مالی امداد کی جا رہی ہے اور تمام ملک میں انہیں بھیجا جا رہا ہے مختلف دوسری جماعتیں مقرر اور قائم ہو چکی ہیں۔ اور وہ ضروری قواعد اور جسمانی تربیت کا کام کر رہی ہیں موقعہ موقعہ ہر شخص سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ہمارے مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو ہم جدوجہد شروع کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جو ۱۹۴۲ء کی جدوجہد سے ہزار گنی سخت ہو گی

صرف مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جو نہایت احتیاط کے ساتھ آئینی طریقہ پر قائم اور آئینی طریقے اختیار کرتی اور آئین پسندی پر اعتماد کرتی چلی آئی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کانفرنس میں اور گفت و شنید میں آئین پسندی اور آئینی طریقوں سے اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے رہے۔ مگر ہم نے دیکھا کہ برطانوی مشن وائسرائے اور برطانوی حکومت کے سر پر کانگرس کی دھمکیوں کی تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ اور اس پر ان کا جادو چل رہا ہے۔ اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اگر کانگرس کو ٹھنڈا نہیں کیا گیا تو یہ ایسی جدوجہد شروع کر دے گی جو ۴۲ء کی جدوجہد سے ہزار گنی زیادہ سخت ہو گی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس طرح بیٹھے رہیں

اور ہمارے ہاتھ پیر بندھے رہیں۔ برطانیہ کے پاس مشین گنیں ہیں اور وہ اپنی قوت کو جس طرح چاہیں تعمیر کریں کوئی عدالت نہیں جہاں ہم اس کے خلاف اپیل کریں وہ اپنے قول و عمل میں آزاد و مختار ہے دوسری پارٹی کانگرس ہے وہ پوری طرح دوسری قسم کے ہتھیار کو استعمال کریگی دشمن کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے اب ہم اپنے حفظ و بقا کے لئے آئینی طریقوں کو خدا حافظ کہنے پر مجبور ہیں اور اب ہم نے یہ طے کیا ہے کہ براہ راست اقدام کی تیاریاں اور عمل ہماری پالیسی و پروگرام کا جزو ہو گا۔

کانگرس سرکاری دستاویز کے متعلق اپنی تعبیر کو آسام اسمبلی کی کانگریس پارٹی کو یہ ہدایت دے کر عملی جامہ پہنا چکی ہے۔ ایوانِ اسمبلی میں یہ تجویز منظور کی جائے کہ صوبوں کی گروپ بندی سے آسام کو کوئی سروکار نہیں ہوگا، کانگرس ہائی کمانڈ کی حاکمیت کے ماتحت آسام اسمبلی کی یہ قطعی اور واضح کارروائی ہے[1]

وزیرِ ہند لارڈ پیتھک لارنس ۱۶ مئی کی نشری تقریر میں کہا کہ مشن تجاویز پاکستان کے فوائد اس کے نقصانات سے محفوظ رہتے ہوئے ممکن بناتی ہیں اور تمام جماعتوں کے ہندوستانیوں کو دعوت دی تھی کہ وہ دستور سازی کے کام میں حصّہ لیں۔ مسلم لیگ نے بھی سمجھا تھا کہ گروپ بی اور سی سے مرکزی یونین کے تین مضامین نکال کر پاکستان بن جائے گا۔ اور وہ اس پر رضامند ہو گئے کہ دس سال تک مرکزی یونین کے اختیارات انہی تینوں مضامین تک رہیں گے۔ لیکن پنڈت نہرو نے اُسی وقت سے یہ واضح کر دیا کہ کانگرس اپنے آپ کو صرف ان تینوں مضامین تک محدود رکھنے کی پابند نہیں ہے۔ بلکہ مرکزی یونین کے اختیارات اور اس کی طاقت کو وسیع کرنے کی اُسے آزادی ہوگی[2]

مسلم لیگ کے ریزولیوشن پر غیر ملکی اخبارات کے ردِعمل کے متعلق قائدِاعظم نے فرمایا کہ

میں برطانوی اخبارات سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ کہیں گے کہ مشن عہد شکنی کے جرم کا مجرم ہے۔ اس آن کا تبصرہ قدرتی طور پر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ مسلم لیگ کا فیصلہ سنگین ہے، اور یہ بھی میرا خیال ہے کہ یہ چیز اصل حالات سے ناواقفیت کے سبب سے ہے۔ جب کچھ اخبارات جمہوریت کے چرچے کرتے ہیں تو وہ ہندوستان کے حقائق کو بھول جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان ایک ایسا ملک ہوتا، جس کے تمام حصے یکساں ہوتے اور ایک قوم آباد ہوتی تو جمہوریت کی گفتگو کی گنجائش تھی۔ لیکن ہندوستان بر کوچک ہے جس میں مختلف قومیں رہتی ہیں اور اس کا اعتراف لارڈ پیتھک لارنس نے پارلیمنٹ کے حالیہ مباحثہ میں کیا ہے۔ اور یہی ہماری ساری تکلیفوں کی جڑ ہے۔ جب ملک میں دو یا دو سے زیادہ قومیں آباد ہوں تو جمہوریت کی گفتگو کس طرح کی جا سکتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت والی قوم دوسری قوم کے لئے ہر معاملہ کا فیصلہ کرے گی۔ خواہ وہ اس کے خلاف کیسی ہی متفق الرائے اور ہم آواز ہو۔ اگر تمام مسلمان یہ کہیں کہ ہم اس کو منظور نہیں کرتے جب بھی اکثریت کا فیصلہ مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تناسب تین ایک کا ہے۔ اگر ایک قوم ہوتی تو کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ ان دونوں قوموں کو مغربی جمہوریت سے جانچا جا سکتا۔

جب آپ سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ دوسری مخالف سامراج جماعتوں مثلاً کانگریس سے اشتراک عمل کرے گی تو آپ نے فرمایا کہ کانگریس کی براہ راست کارروائی برطانیہ کے خلاف نہیں ہوتی۔ مختلف مواقع پر کانگریس نے جو براہ راست کارروائی کی ہے۔ وہ اور ۱۹۴۲ء کی تحریک برطانیہ کو ڈرانے، مرعوب کرنے اور مسلم لیگ نظر انداز کر کے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے تھی اور یہی وہ اب بھی کر رہی ہے۔ اور اسی سے وزارتی مشن مرعوب اور خوف زدہ ہوا۔ کانگریس نے برطانوی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ کر چل دے۔ اب وہ کس طرح خودداری کے ساتھ ایسی عارضی حکومت کو منظور کر سکتی ہے جو ۱۹۱۹ء کے آئین کے

ماتحت قائم ہو گی۔ مگر وہ اس کے لئے شملہ میں تیار تھی۔ بشرطیکہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

سوال کیا گیا کہ کیا آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ریزولیوشن کے بعد گفت وشنید کا امکان ختم ہو گیا ہے۔ آپ نے جواب دیا باہر دیکھئے دوسری قومیں کیا کر رہی ہیں وہ انتہائی طور پر مسلح ہیں یہاں تک کہ ایٹم بم بھی ان کے پاس ہیں مگر کیا وہ بحث و گفتگو نہیں کر رہی ہیں؛ اور اسی کے ساتھ جنگی تیاریوں میں بھی مصروف نہیں ہیں؟ کیا حکومت ہند ہر اس جماعت کو جسے وہ چاہے کچلنے کی تیاریاں نہیں کر رہی ہے۔ آپ صرف مسلم لیگ سے یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ ہاتھ باندھے ہی بیٹھی رہے اور اپنی تیاری نہ کرے۔ مسلم لیگ بھی ہر صورت حال کے لئے تیار رہنا چاہتی ہے۔

سوال کیا گیا کہ مجوزہ براہ راست اقدام تشدد کے ساتھ ہو گا یا بغیر تشدد کے؟ تو قائداعظم نے فرمایا کہ میں اخلاقی اصولوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔

سوال کیا گیا کہ کیا یہ فیصلہ ناقابل تنسیخ ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اگر آپ سیاستدان ہیں تو مجھ سے یہ سوال نہیں کرینگے۔

ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ براہ راست اقدام میں ہم ہر اس شخص کو اپنے ساتھ ساتھ شامل کر لیں گے۔ جو ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہو گا۔

سوال:۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ کانگرس سے مفاہمت کی گفت وشنید کا کوئی امکان ہے؛

آپ نے کہا کہ میں اپنے امکان بھر کوشش کر لی۔ اب پہل یا تو برطانوی حکومت کی طرف سے ہونی چاہیئے یا کانگریس کی طرف سے،

سوال کیا گیا کہ عارضی حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں آپ کو وائسرائے کا کوئی خط موصول ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا: "ہاں۔ ایک خط موصول ہوا ہے مگر مجھے لکھا گیا کہ یہ بالکل پرائیویٹ ہے

آپ نے اس خط کی نوعیت پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔

ا؎ آسام بنگال کے گروپ میں شریک تھا، لیکن کانگرس نے اُسے اس گروپ سے علیحدہ ہو جانے کا حکم دیا۔

۲؎ یہ بھی کانگرس کی کھلی ہوئی دھاندلی تھی، کیونکہ کابینۂ وفد کے سفارشات کے بموجب وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی، اور ان سفارشات کو اُس نے قبول کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا،

۳؎ جو اسمبلی کے سامنے نہیں بلکہ وائسرائے کے سامنے جواب دہ ہو گی۔

کانگرس اور مسٹر اٹیلی کی سازش

نام نہاد قومی حکومت کا قیام!

۲۶ اگست سنہ ۱۹۴۶ء

اور ——————

اور پھر ایک دن کانگرس اور اٹیلی کی سازش رنگ لائی، لارڈ ویول نے، تمام گذشتہ اعلانات کے برعکس اور تمام یقین دہانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو کو تشکیل وزارت کی دعوت دے دی۔

اس مبارک موقع پر والسرائے اور پنڈت نہرو دونوں نے مسلم لیگ کو شریک وزارت ہونے کی دعوت دی، لیکن اس نے پائے حقارت سے یہ دعوت ٹھکرا دی۔

مسلم لیگ وزارت کی بھوکی نہیں تھی، وہ چاہتی تھی اکانگرس کابینہ وفد کی تجویزوں کو اگر قبول کرتی ہے تو گروپنگ کے اصول کو بھی مانے، کانگرس کہتی تھی ہم کابینہ وفد کی تجویزیں قبول کرتے ہیں، لیکن گروپنگ کو نہیں مانتے، قائد اعظم کا ارشاد تھا پھر تم تجاویز ہی کو نہیں مانتے۔

اس دھاندلی اور ہٹ دھرمی کے باوجود وائسرائے نے حکومت کانگرس کو سونپ دی، یہ بڑا نازک اور کٹھن وقت تھا۔ اگر اس وقت قائد اعظم ذرا بھی کمزوری دکھاتے تو پاکستان ایک خواب ہی رہ جاتا، ایک ٹھوس اور اٹل حقیقت کبھی نہ بن سکتا، لیکن کمزوری قائد اعظم کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتی تھی، انہوں نے اس سازش کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

ذیل کا بیان اسی موقع پر قائد اعظم نے جاری فرمایا تھا۔

رئیس احمد جعفری ——————

وائسرائے کی نشریاتی تقریر نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان پر ایک ضرب کاری لگائی ہے مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ ہند اسے پوری ہمت اور جوانمردی کے ساتھ برداشت کریں گے۔ اور عارضی حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں اپنا باعزت اور انصاف کے مطابق مقام حاصل کرنے میں اپنی ناکامی سے سبق حاصل کریں گے۔

وائسرائے نے جو قدم اٹھایا ہے وہ انتہائی غیر دانشمندانہ اور غیر مدبرانہ ہے، اور وہ خطرناک اور نازک ترین نتائج سے مملو ہے انہوں نے تین مسلمانوں کو نامزد کرکے اور مزید دو مسلمانوں کو جن کے ناموں کا اعلان کیا جانا باقی ہے مسلمانوں پر زخم لگانے کے ساتھ ہی ان کی توہین بھی کی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں نامزد کردہ مسلم ممبروں کو مسلم ہندوستان میں کسی قسم کی وقعت اور اعتماد حاصل نہیں۔

مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کا مطلب دونوں بڑی قوموں کی صحیح آزادی اور دونوں ریاستوں میں اقلیتوں کے لئے ہر ممکن تحفظ ہے

میں پھر اپنے سوال کو دہراتا ہوں کہ وائسرائے اور وزارتی وفد اپنے ۱۶ رجون کے بیان سے جسے قطعی و آخری بتایا گیا تھا، اور ۲۰ رجون کے خط میں مسلم لیگ کو جن باتوں کا یقین دلایا گیا اُن سے کیوں پھر گئے۔ ۱۶ جون اور ۲۲ رجولائی کے وقفہ میں کون سی ایسی بات تھی جس کے باعث وائسرائے نے اس فارمولا میں اہم تبدیلیاں کرنا ضرور سمجھا۔ نیز ۲۲ جولائی اور ۲۴ راگست کے درمیانی عرصہ میں کونسی ایسی چیز ہوئی ہے جس کی بنا پر وہ آگے بڑھے ہیں اور بالجبر ایک پارٹی کی حکومت قائم کر دی ہے۔"

وائسرائے نے اپنے نشریہ میں کہا ہے کہ "میں ان لوگوں سے خطاب کر رہا ہوں جن کا یہ مشورہ تھا کہ اس وقت اور اس طریقہ پر یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔" میں بھی ان بدقسمت لوگوں میں سے تھا میں اب بھی ان پر قائم ہوں۔

وہ (وائسرائے) ابھی تک یہی راگ الاپ رہے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت کی اس خاص پالیسی کے خلاف نہیں کہ ملک معظم کی حکومت ہندوستان کو خود اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے آزاد کر کے

اپنے مواعید پورے کرے، بیشک ہم ہندوستان کے لوگوں کی آزادی کے مخالف نہیں اور ہم نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ مسئلہ ہند کا واحد حل ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنا ہے۔ جس کا مطلب دونوں بڑی قوموں کے لئے حقیقی آزادی اور اقلیتوں کے لئے دونوں ریاستوں میں ہر ممکنہ تحفظ ہے۔

مشترکہ حکومت قائم کرنے میں اپنی ناکامی سے وائسرائے کو صدمہ پہنچا ہے۔ مجھے اب تک میں ان سے بھی زیادہ رنج ہے۔ مگر میرے رنج کا سرچشمہ مختلف ہے اور اس کے اسباب بھی مختلف ہیں مجھے مسرت ہے کہ وائسرائے یہ سمجھتے ہیں کہ اصل ضرورت مشترکہ حکومت کی ہے۔ جس میں دونوں بڑی جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہو اور مجھے اس پر بھی مسرت ہے کہ انہوں نے یہ بات پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کی جانب سے بھی کہی ہے کہ ان کی طرح کانگرس کا بھی یہ پکا خیال ہے کہ وہ حکومت میں شامل ہونے کے لئے مسلم لیگ کو ترغیب دینے کی کوشش جاری رکھیں گے۔ وائسرائے نے اپنی نشریاتی تقریر میں کہا ہے کہ جو پیشکش کی گئی ہے وہ ابھی تک قائم ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کا اس سے کیا مطلب ہے سوائے اس کے کہ مسلم لیگ کو پانچ نشستیں ملیں گی۔ یہ بالکل مبہم ہے اور اس کے علاوہ کوئی بات صاف طور پر بیان نہیں کی گئی۔

انہوں نے بہت سی دیگر چیزوں کا حوالہ دیا ہے۔ جن کے متعلق اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ دستور ساز اسمبلی کا تعلق ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کا ان الفاظ سے کیا مطلب ہے کہ "پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ لیگ کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ صوبوں اور گروپوں کا آئین بنانے میں ۱۶ مئی کے بیان میں پیش کردہ طریق کار پر دیانتداری کے ساتھ عمل کیا جائے گا"

پھر آگے چل کر وہ (یعنی وائسرائے) کہتے ہیں کہ ۱۶ مئی کے بیان میں پیرا ۱۵ میں آئین ساز اسمبلی کے لئے جو بنیادی اصول تجویز کئے گئے ہیں، ان میں تبدیلی کا کوئی سوال پیدا

نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ کسی کی آواز پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کانگرس اس بات پر رضامند ہونے کے لئے تیار ہے کہ کسی قسم کے نزاع یا الفاظ کی ترجمانی کو فیڈرل کورٹ میں پیش کیا جاسکتا ہے ؎۲

لیکن ہم ان شرائط اور بنیادی اصولوں پر جو ۱۶ مئی کے بیان میں تجویز کئے گئے ہیں کس طرح سمجھوتہ ہونے کی توقع کر سکتے ہیں، جبکہ ایک پارٹی مشن کے ۱۶ مئی کے مستند بیان میں پیش کردہ شرائط اور اصولوں کے معنی دوسرے لے رہی ہو، اور دوسری پارٹی اس کا دوسرا مطلب لیتی ہو۔ جو ۲۵ مئی کے بیان کے زیادہ مطابق ہو۔ لیکن وہ بڑی صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی قسم کے جھگڑے اور (غلط) ترجمانی کو فیڈرل کورٹ میں پیش کرنے کے بارے میں کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ دونوں جماعتیں ابتدا، ہی میں اہم بنیادی اختلاف رکھتی ہیں اور بنیادی شرائط کی مختلف ترجمانی کرتی ہیں۔

کیا ہم ان جھگڑوں اور مقدمات کو فیڈرل کورٹ میں لے جاکر آئین ساز اسمبلی کی کاروائیوں کی ابتدا کریں گے۔ کیا اس جذبے کے تحت اس برکوچک کے ۴ کروڑ انسانوں کے لئے مستقبل کا آئین وضع کیا جائے ہوگا۔

؎۱ یہ تین مسلمان یہ تھے،

۱۔ سر شفاعت احمد خان

۲۔ سیّد علی ظہیر،

۳۔ مسٹر آصف علی

؎۲ قوموں اور ملتوں کے مستقبل کا فیصلہ عدالتیں نہیں کرتیں، اور فیڈرل کورٹ، جس کے چیف جسٹس سر مارس گائر، ہندو نوازی میں مسٹر اٹیلی سے کسی طرح کم نہ تھے۔

پیامِ عید!

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے!

۲۹ر اگست ۱۹۴۷ء

یہ پیام ایک نہایت غم انگیز موقع پر دیا گیا ہے، جب مرکز میں مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے نام نہاد قومی حکومت کی تشکیل پنڈت جواہر لال نہرو کر چکے ہیں، اور وائسرائے، نیز حکومتِ برطانیہ کی پوری تائید انہیں حاصل ہے (رئیس احمد جعفری)

اس مبارک اور سعید موقع پر میں تمام مسلمانوں کو تہِ دل سے "عید مبارک" کا ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور ان کی عظمت و اقبال مندی کے لئے دست بدعا ہوں۔ رمضان کا پاکیزہ مہینہ جسے تمام مسلمانوں نے کمال استقلال اور خود اعتمادی کے ساتھ گذارا اور ختم ہو گیا ہے یہ مبارک مہینہ بجائے خود علم و معارف کا سرچشمہ ہے۔ اور مسلمانوں کو ایک بصیرت افروز پیام دیتا ہے کہ سخت کوشی، رنج و محن، صعوبتوں اور قربانیوں کے بغیر کوئی شخص اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہ مبارک مہینہ اسلامیان ہند کو نظم و ضبط کا ایک زبردست درس دیتا ہے۔ اب ہمیں حقائق پر نظر ڈالنی ہے اور میں مسلمانوں سے التجا کروں گا۔ کہ وہ ایک منظم، باعظمت اور تربیت یافتہ قوم کی طرح اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کریں مصیبتیں جھیل کر اور قربانیاں دے کر اپنے راستہ سے تمام رکاوٹیں دور کریں، اس کے سوا آزادی کی اور کوئی شاہراہ نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ آج اس مبارک موقع پر تمام اسلامیانِ ہند مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے ایک تربیت یافتہ سپاہی کی طرح پوری مستعدی کے ساتھ زندگی کے تمام تعلیمی ترقی، معاشرتی اور

سیاسی شعبوں میں کام کرنے کا عہد کریں تاکہ دس کروڑ مسلمانوں کی اس زندہ جاوید قوم کو اپنے درخشندہ ماضی اور تاریخی روایات کے مطابق عظمت و سربلندی حاصل ہو۔

آج ہمارے سیاسی افق پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ سلطنت برطانیہ اور وائسریگل لاج کی کارروائیاں صیغۂ راز میں ہیں ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے حق نمائندگی کو مسخ کیا گیا ہے۔ ہمیں ہر طرف سے دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ وائسرائے نے متشددانہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مسلم لیگ کو موردِ الزام بنانے کے لئے نہایت وسیع پیمانہ پر ایسا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے جس کو انصاف پسندی اور صداقت سے ذرہ بھر بھی تعلق نہیں ہے۔ حکومت برطانیہ کے ارباب حل وعقد اور جناب وائسرائے نے کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور اب ان کے لئے کھلے الفاظ میں صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا ہے کہ ہم سب ذمہ داریوں سے دستکش ہوچکے ہیں اور اس ملک کی حکومت اونچی ذات کے ہندوؤں کو سونپنے والے ہیں۔ برطانوی عوام الناس محض تاریکی میں ہیں اور پارلیمنٹ کو تفریح و تفنن میں مصروف کر دیا ہے۔ ہمارے لئے نہایت نازک اور خطرناک حالات پیدا ہوچکے ہیں ہمیں ان نامساعد حالات کا ایک منظم اور متحد قوم کی طرح مقابلہ کرنا ہے اور کامیابی حاصل کرنی ہے، میں کامل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ہم دس کروڑ مسلمان متحد و منظم ہو جائیں تو ہمارے مخالفین کی تمام سازشیں اور تدبیریں بری طرح ناکام ہوں گی، اور ہم اس جدوجہد میں فتحیاب ہوں گے۔ ہم پاکستان حاصل کرکے رہیں گے۔ کیونکہ ہماری مشکلات کا واحد حل پاکستان ہے اور اس کے بغیر ہم نیست و نابود ہو جائیں گے۔

ہم نے دلائل پیش کئے، اسباب و علل بیان کئے۔ ہم نے رواداری سے درخواستیں کیں اور حتی الامکان مراعات دیں، لیکن بے سود اب ہمارے سامنے ایک صبر آزما

جد وجہد ہے اور ہمیں نہایت تہوّر و استقلال اور بلند حوصلگی سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ یہ مقابلہ نظم و ضبط کے ساتھ کیا جائے گا ہمیں اپنی پسپائی اور ناکامی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور نہ اپنی فتحیابی پر مغرور ہونا چاہیئے

ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں اس لئے ہم کبھی خاسر و ناکام نہیں ہو سکتے۔ میں ہر مسلمان سے التجا کرتا ہوں کہ ایسے نازک موقع پر قطعی طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ ہماری صفوں میں کسی قسم کی باہمی ناراضی اور مخاصمت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس وقت ہمیں ایک متحد و منظم قوم کی طرح ایک پرچم کے نیچے ایک پلیٹ فارم پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور بلند کردار آدمیوں کی طرح اپنے لائحہ عمل اتحاد و خود اعتمادی اور نظم و ضبط کے ماتحت ہر قسم کی صعوبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے عزم بالجزم کر لینا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔

مسلم سیاسی جماعتوں سے اتحاد کی اپیل!

۳۰؍اگست ۱۹۴۶ء

قیصر باغ بمبئی میں بسلسلۂ جشنِ عید قائدِ اعظم کا حالاتِ حاضرہ پر مدبرانہ تبصرہ،

(رئیس احمد جعفری)

حضرات! "عید مبارک" کا ہدیہ تبریک پیش کر چکا ہوں۔ بلا شبہ اسلامی دنیا کے لئے آج کا دن مسرت و شادمانی کا دن ہے۔ لیکن ہم حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ آج ہمارے سروں پر سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا منڈلا رہا ہے۔ ایسے نازک حالات میں میں اسلامیانِ ہند سے درخواست کروں گا کہ وہ آنے والے خطرات کو محسوس کریں اور اپنے اختلاف کو بھول جائیں شانہ سے شانہ ملا کر سارے ملک میں متحد و منظم ہو جائیں۔ اور اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ میں جمعیۃ العلماء ہند مجلس احرار، خاکسار اور مسلم مجلس سے اپیل کرتا ہوں کہ اسلام کی فلاح و سربلندی کی خاطر متحد ہو جائیں اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔

ہمارے مخالفین اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم میں اتنی قوت و طاقت نہیں ہے کہ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کر سکیں گے۔ ہمیں یہ غلط فہمی دور کرنی ہے اور انہیں احساس دلانا ہے کہ انہوں نے

اسلامیان ہند کے عزم استقلال کا کتنا غلط اندازہ لگایا تھا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر ہم متحد و منظم ہو کر مقابلہ کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو مخالفین کی تمام طاغوتی سازشوں کو بری طرح ناکام بنادیں گے۔ ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے، دس کروڑ مسلمانوں کی زندہ اور جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی۔ اگر ہم منظم ہو کر ایک پرچم تلے جمع ہو جائیں تو ہم اپنے محبوب نصب العین کو حاصل کر کے رہیں گے، خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گذرنا پڑے۔ ہم پاکستان حاصل کریں گے۔ پاکستان کے بغیر مسلمانانِ ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

مسلم ہندوستان کو حکومتِ برطانیہ کی بدعہدیوں اور وعدہ خلافیوں نے ورطۂ استعجاب میں ڈال دیا ہے۔ ہم نے اگست ۱۹۴۰ء کے اعلان کے ماتحت اُن سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ جب تک ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتوں اور قومی زندگی کے دوسرے اہم عناصر میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو جائے حکومت کے اختیارات کسی ایک پارٹی کے نام منتقل نہیں کئے جائیں گے۔ اس اعلان میں یہ بھی تحریر ہے کہ جب تک ہندو مسلم سمجھوتہ نہیں ہو گا، ہندوستان کے لئے کوئی نیا آئین متشکل نہیں کیا جائے گا۔ صرف یہ بلکہ جب تک ملک کے قومی زندگی کے اہم عناصر آپس میں کوئی سمجھوتہ نہ کرلیں۔ نیا دستور مرتب کرنے کی مشینری بھی معرضِ وجود میں نہیں آسکتی، لیکن آج حکومتِ برطانیہ نے اس صاف اور واضح اعلان کے پرزے پرزے کر دیئے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں اسلامیانِ ہند اور مسلم لیگ کو یہ زبردست دھکا دیا گیا ہے لیکن مجھے کامل یقین ہے کہ ہم اسی مستعدی سے آگے بڑھتے جائیں گے۔ ہمارے راستہ میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز ہمیں اپنے نصب العین سے منحرف کر سکتی ہے۔ ہم تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کریں گے۔ مصائب جھیلیں گے یہاں تک کہ آگ کے شعلوں کو بھی پار کر کے آگے نکل جائیں۔ راستہ میں ہمیں ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہمیں نقصانات بھی برداشت کرنا پڑیں گے۔ لیکن کوئی چیز ہمارے راستہ میں حائل نہ ہو گی۔ کوئی چیز ہمیں مغلوب نہ کر سکے گی۔

وائسرائے کی تقریر جو انہوں نے عبوری حکومت کے سلسلہ میں ۲۴ اگست کو دہلی سے نشر کی تھی بعض لوگوں نے جب اُسے ریڈیو پر سُنا تو بہت متاثر ہو گئے تھے۔ لیکن جب وہی چیز اخبارات میں شائع ہوئی اور اس پر غور و خوض کیا گیا تو اس کی اصلیت کُھل گئی بلاشبہ تقریر کے الفاظ بہت چالاکی سے مرتب کئے ہوئے تھے۔ وائسرائے نے اپنا وعدہ ایفا نہ کر کے اور اس کے ساتھ مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے دوہری بدعہدی کا ثبوت دیا۔ میں نہیں جانتا کہ برطانوی حکومت یا مزدور پارٹی اصل حالات سے واقف ہے یا نہیں۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی عوام اور برطانوی پریس کو حقائق کی طرف سے تاریکی میں رکھنے کے لئے در پردہ کوئی تحریک کام کر رہی ہے وائسرائے کا طرزِ عمل ۱۹۴۰ء کے اعلان سے ایک شرارت آمیز انحراف ہے، یہ اعلان برطانوی حکومت نے تیار کیا تھا۔ اور اس کی ترتیب میں مزدور پارٹی بھی شریک تھی۔

آج کانگرس خوش ہے کہ اس کی دلی مراد پوری ہو گئی اور مسلم لیگ کو نظر انداز کرانے میں کامیاب ہو گئی۔ اگر برطانوی حکومت کانگرس کی نخوت و خود نمائی کو متحرک کر کے خوش ہے اور اس سے سودا بازی کی متمنی ہے تو ہم بھی خوش ہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے غیر مطمئن ہونے کے باوجود طویل المیعاد اور قلیل المیعاد تجاویز کو صرف اس لئے منظور کر لیا تھا کہ وائسرائے کے ۳ جون کے وعدے کے مطابق کوئی قابلِ عمل فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے اصل تجاویز میں تغیر و تبدل کر کے اپنے وعدے سے انحراف کیا۔ اس کے بعد فی الفور مرکز میں عبوری حکومت بنانے کا اعلان کر دیا۔ کانگرس نے قلیل المیعاد اسکیم کو مسترد کر دیا لیکن طویل المیعاد سکیم کو منظور کر لیا اس کی یہ منظوری محض دکھاوے کی منظوری تھی۔ بایں ہمہ وزارتی کابینہ کے وفد نے بدعہدی کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کارروائی کے پیچھے کوئی پُر اسرار ہاتھ تھا۔ یہ کانگرس کے ساتھ خفیہ ساز باز بھی

میں نہیں سمجھ سکتا کہ وزیر ہند اپنے دونوں خصوصی ساتھیوں اور والسرائے کے ساتھ اپنے صاف و صریح وعدوں کی موجودگی میں کسی طرح بدعہدی پر آمادہ ہو گئے۔ اب مسلم لیگ سے بدعہدی کرنے کے بعد والسرائے نے کانگریس کے ساتھ عہد و پیمان کی تکمیل کر لی ہے اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا۔

۱؎ یہ بھی ایک نیشنلسٹ جماعت تھی جس کے صدر مسٹر عبدالمجید خواجہ تھے۔

تاریخ شقاوت کا سب سے زیادہ لرزہ خیز باب

مسلمانانِ بہار کا قتلِ عام

۶ر نومبر ۱۹۴۶ء

پاکستان، تخیل سے حقیقت کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔!

پاکستان کا قیام اب روز بروز نائل ہوتا جا رہا ہے!

لیکن۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے اپنی قیمت بھی طلب کر رہا ہے! —— کٹی ہوئی گردنوں، لٹی ہوئی عصمتوں، اور بے گور و کفن لاشوں کی صورت میں۔

اور مسلمان یہ قیمت خوشی خوشی دے بھی رہے ہیں!

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے بارہا کہا تھا گو ہمیں ہندو اکثریت کا بہرحال غلام بن کر رہنا ہے لیکن جن مقامات پر مسلمانوں کی اکثریت ہے، اپنی وجہ سے ہم انہیں بھی غلامی کے حلقہ میں جکڑا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے۔

ہمارا کچھ بھی حشر ہو، لیکن پاکستان قائم ہو جائے ہم خوش ہیں۔!

اور اب وقت آ رہا تھا کہ یہ دعوائے عمل کی کسوٹی پر کسا جائے،!

اور وہ وقت آ گیا۔!

محشرستان بہار،!

صوبۂ بہار کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہو گئی، سارے صوبے میں،

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو!

یہ صوبہ کوئی معمولی صوبہ نہ تھا، اس صوبے کی اقلیت، اپنی ایک باعظمت اور ناقابلِ فراموش

تاریخ رکھتی تھی۔ فتوحات اور کشور کشائی کی بھی، لیکن اسے چھوڑیئے آزادی ہند کی تحریک میں ہر طرح کی قربانی دینے کی ------ طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے کی تھی -!

یہ مظہر الحق کا صوبہ تھا، مظہر الحق جسکے متبعین میں کبھی راجندر پرشاد بھی تھے، اور جو آج حکومتِ ہند کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے!

یہ سر علی امام کا صوبہ تھا ------ سر علی امام جنہوں نے مسلمان قوم سے کٹ کر مسلمانوں کے جذبات نظر انداز کر کے، مسلمانوں کی رائے عامہ ٹھکرا کر، ہندوؤں کا ساتھ دیا تھا - نہرو رپورٹ کی تائید کی تھی۔

یہ حسن امام کا صوبہ تھا ------ حسن امام، کانگرس کا سابق صدر، اور نیشنلسٹ تحریک کا روحِ رواں،

یہ ڈاکٹر سید محمود کا صوبہ تھا ------ سید محمود جنہوں نے گاندھی جی، اور نہرو کے لئے اپنے ہمیشہ کے ساتھیوں کو چھوڑا، جنہوں نے خلافت سے ترک تعلق کیا، اور کانگرس سے وابستہ ہو گئے۔ جنہوں نے اپنے محسن اور معمار، محمد علی شوکت علی سے ناتہ توڑ لیا۔

یہ پروفیسر عبد الباری کا صوبہ تھا ------ پروفیسر عبد الباری، جنہوں نے اپنی ساری زندگی کانگرس کے لئے وقف کر دی تھی، جنہوں نے کبھی ایک مسلمان کی حیثیت سے کچھ نہیں سوچا، جب سوچا ایک ہندوستانی کی حیثیت سے،

یہ عزیز ملت سید عبد العزیز کا صوبہ تھا ------ سید عبد العزیز جن کے احسانات سے کوئی ہندو مسلم قومی کارکن سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

یہ ابو المحاسن مولانا سید سجاد بہاری، امیر شریعت صوبہ بہار کا صوبہ تھا ابو المحاسن ------ جنہوں نے نہرو رپورٹ کی تائید کی، سول نافرمانی کی تھی، کانگرسی تحریکوں کی عملی تائید، جب قید و بند کا موسم آیا، یہ بھی داخل زنداں ہوئے۔

اس صوبے میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا! ------ محض اس جرم

ہیں کہ وہ مسلمان تھے، اور پاکستان کے دل و جان سے حامی تھے۔

ہزارہا مسلمان قتل ہوئے، ان قتل ہونے والوں میں جوان بھی تھے، بوڑھے بھی، بچے بھی اور عورتیں بھی، اور —— کانگرسی مسلمان بھی!

پروفیسر عبدالباری تک قتل کر ڈالے گئے۔

سیکڑوں کنوئیں ان مسلمان عورتوں کی لاشوں سے پٹ گئے جو اپنی لاج بچانے کے لئے کود پڑی تھیں۔

یہ وہ دور ہے کہ مرکز میں عارضی قومی حکومت قائم ہے۔ اور یہ حکومت کانگرس ہی چلا رہی ہے۔

وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل ہیں، جن کے ایک اشارے پر یہ خون ریزی رک سکتی تھی لیکن وہ ایک غیر جانب دار تماشائی کی طرح یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔

گاندھی جی اور جواہر لال نے لاکھ لاکھ اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے —— اس لئے بھی کہ وہ یہ قتلِ عام اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے، اور اس لئے بھی کہ اس طرح ہندوستان بدنام ہو رہا تھا، اور اس لئے بھی کہ اس طرح پاکستان کا قیام یقینی ہوتا جا رہا تھا۔!

مسلمان ہونا اور پاکستان کا حامی ہونا، اتنا بڑا جرم تھا جسے صوبہ کی اکثریت معاف نہیں کر سکتی تھی، اس نے معاف نہیں کیا، وہ معاف کر ہی نہیں سکتی تھی!

کوئی حادثہ کتنا ہی الم انگیز اور روح فرسا ہو، لیکن اس کی وجہ سے تقویم ماہ و سال تو نہیں بدلتی۔ اسی زمانے میں آسمان کے ایک گوشہ پر عید کا چاند نمودار ہوا —— ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے!!

عید بھی آئی، اور مسلمانوں نے دوگانۂ شکر بھی ادا کیا۔

جان دی —— دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا،

اس موقع پر قائداعظم دہلی میں تھے، مسلم ایسوسی ایشن نے قرول باغ میں عید پارٹی دی، قائداعظم تشریف لائے، اور وہاں درد سے بھری ہوئی ایک تقریر بھی ارشاد فرمائی،

(رئیس احمد جعفری)

ہم انتہائی المناک ماحول میں عید منا رہے ہیں۔ میں اپنے دلی احساسات الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہار کی المناک صورت حال کی وجہ سے میں نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا ہے اب میں ایک ہفتہ کے لئے باغپت نہ جاؤں گا اور دہلی میں مقیم رہوں گا، جب اور جس وقت میں محسوس کروں گا کہ میرا بہار جانا ضروری ہے تو فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ مسلمان دلیر اور بہادر ہیں مگر یہ وقت ایسا ہے انہیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہیئے۔ کیا تم نے اپنے گھر کی حالت درست کر لی ہے؟ اس سوال پر غور کیجئے۔ اور خود اپنے دل سے پوچھیئے کہ اس کا جواب کیا ہے۔ میں جہاں کہیں جاتا ہوں یہی نعرے سنتا ہوں "قائداعظم ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں"۔ میں کہتا ہوں قائداعظم ہرگز ہرگز حکم دینے کے لئے تیار نہیں جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کا جو خون بہے گا وہ رائیگاں نہ جائے گا۔ اگر میں یقین کئے بغیر مسلمانوں کو حکم دے دوں تو میں جنرل نہیں ہوں گا بلکہ مجرم ہوں گا۔ اسی لئے میں تم سے کہتا ہوں پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرو۔ کافی تاخیر ہو چکی ہے۔ مگر ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ بلند بانگ دعووں اور باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈھ لیا ہے۔ جو ان کی کمزوریوں اور خوبیوں دونوں سے واقف ہے لہٰذا اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔

ہم نے گذشتہ پانچ سال کے دوران میں بہت کچھ حاصل کیا ہے، ہم نے ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا۔ مگر ابھی بہت کچھ کرنا ہے، اپنی کمزوریاں معلوم کرو۔ اپنی کوتاہیاں معلوم کرو۔ اپنے دلوں کا جائزہ لو۔ دیکھو کہ تم نے کیا نظر انداز کیا ہے۔ اور کیونکر کیا ہے۔

متحد ہو جاؤ، منظم ہو جاؤ، سوسائٹی کے گوشہ گوشہ میں تحقیق اور جستجو کرو۔ اور طے کرو کہ کیا کرنا ہے۔

اس تیاری اور حصولِ طاقت کی مہم میں سماج کے ہر طبقہ کو حصّہ لینا چاہیئے۔

بہار میں وحشت ناک واقعات ہو رہے ہیں۔ میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اسلئے کہ صورت حال بہت نازک ہے، دستور اور تربیت کے اعتبار سے میں ایک ٹھنڈے دل کا آدمی ہوں اور ہر چیز منطق اور دلیل کے نقطہ نگاہ سے دیکھتا ہوں، جب میں اس نتیجہ پر پہنچوں گا کہ میرا بہار جانا مفید ہے، فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔

اگر کل میں یہ سمجھوں کہ مجھے وہاں پہنچنا چاہیئے تو کل ہی بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو جاؤں گا میں باغپت جانے والا تھا۔ مگر بہار کے واقعات کی وجہ سے میں نے وہاں جانا ملتوی کر دیا میں دہلی ہی میں ٹھہروں گا اور حالات و واقعات کا قریب ہی سے مشاہدہ کرتا رہوں گا۔

مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ "میں خلوصِ دل سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے اور محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی قوم ہر امکانی امداد کی مستحق ہے، یہ نہایت ہی شرمناک ہے کہ چھ کروڑ انسانوں کو اچھوت قرار دیا جائے گول میز کانفرنس میں میں ہندوؤں سے زیادہ اچھوتوں کے حقوق کے لئے لڑا۔ وائسرائے سے اپنی حالیہ مراسلت میں بھی اچھوتوں کے لئے لڑا ہے

میں نے محسوس کیا کہ آپ کی قوم کو محض اس لئے نظر انداز کیا کہ وہ کمزور تھی، آپ لوگوں کانگریس اور مسٹر گاندھی کی قربان گاہ پر چڑھایا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان قوم ان تمام باتوں کو دور سے کھڑی ہو کر نہ دیکھ سکتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ اب باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے آپ کی مدد اور آپ کی امانت کا وقت آ گیا ہے

میں بھی انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے کہ میرے کام کے بارے میں مشورے دے اور اس پر

تنقید کرے۔ یقین کیجئے کہ ہر خط اور ہر تار جو مجھے بھیجا جاتا ہے میں بذاتِ خود پڑھتا ہوں۔ ایک ایک سطر پڑھتا ہوں اور میرا زیادہ تر وقت اسی میں گزرتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان زبانی باتوں کی بجائے جو کچھ سوچے، محسوس کرے مجھے لکھے میں غور کروں گا اور مناسب ہے تو اُس کا مشورہ قبول کروں گا۔

میں مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر خدا نے میری مدد کی تو انشاء اللہ میں ان کو ان کی منزل سے قریب لے جاؤں گا۔

۱؎ نواب سر جمشید علی خان رئیس اعظم باغپت (میرٹھ) مسلم لیگ کے سرگرم حامیوں میں تھے اور قائدِ اعظم کی ذاتِ گرامی سے گہری عقیدت رکھتے تھے، مسلسل کام کے باعث قائدِ اعظم کی صحت پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا، انہوں نے استدعا کی کہ کچھ عرصہ کے لئے باغپت میں آرام فرمائیں، قائدِ اعظم نے یہ استدعا قبول کر لی تھی، کہ اسی عرصے میں بہار کا حادثہ رونما ہوا اب ضرورت تھی کہ وہ اس وقت دہلی میں رہیں، چنانچہ انہوں نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور باغپت نہیں گئے۔

۲؎ قائدِ اعظم فوراً آجانا چاہتے تھے، لیکن انہیں بتایا گیا کہ اگر اس موقع پر وہ تشریف لے گئے، تو مسلمانوں کو اور زیادہ ستایا جائے گا، لہٰذا حالات قابو میں آجائیں، جب تشریف لے جائیں،

۳؎ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل بنگال کے اچھوت لیڈر تھے مسٹر شہید سہروردی نے اپنی وزارت میں شریک کر لیا تھا، پھر انہی کی سفارش پر قائدِ اعظم نے انہیں مرکز کی عارضی قومی حکومت میں نامزد کر دیا تھا۔

مسٹر منڈل پر قائدِ اعظم اور پاکستان کے بڑے احسانات تھے، پاکستان میں بھی انہیں

مرکزی وزیر بنا لیا گیا ۔

لیکن مسٹر منڈل یہ چاہتے تھے کہ بنگال کے اچھوتوں کا انہیں واحد نمائندہ تسلیم کر لیا جائے جسے وہ نامزد کریں، اسی کو صوبائی وزارت میں لیجائے، لیاقت علی خان نے یہ مطالبہ نہیں تسلیم کیا، اور نور الامین نے جن اچھوتوں کو صوبائی وزارت میں شریک کیا تھا، انہیں برقرار رکھا کیونکہ مشرقی پاکستان کی اچھوت سیاسی جماعتوں کے وہی اصل نمائندے تھے، مسٹر منڈل اس بات پر اتنے برافروختہ ہوئے کہ ایک دن چپکے سے کلکتہ اُڑ گئے، خیال تھا کہ وہاں ہاتھوں ہاتھ لئے جائیں گے، اور مرکزی حکومت میں نہیں تو صوبائی وزارت میں فوراً شریک کر لئے جائیں گے لیکن نہ نہرو نے منہ لگایا، نہ گھوش نے، نتیجہ یہ ہوا کہ ازیں سو راندہ و زاں سو درماندہ، کلکتہ کے گوشۂ گمنامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں ——— غداروں کا انجام یہی ہوتا ہے

۴ے اچھوتوں کے مفاد کا قائدِ اعظم نے ہمیشہ خیال رکھا، گول میز کانفرنس (۱۹۳۰ء) میں بھی وہ اچھوتوں کے حقوق اور مفادات کے لئے جدوجہد کرتے رہے، حالانکہ اس وقت تک نہ وہ مسلمانوں کے قائدِ اعظم تھے۔ نہ کانگریس کے حریف۔

۵ے مسلم لیگ کو پانچ نشستیں وائسرائے نے عارضی قومی حکومت میں پیش کی تھیں قائدِ اعظم نے اس کوٹے میں سے ایک نشست مسٹر منڈل کو دے دی تھی۔

مسلم لیگ عارضی حکومت میں کیوں شریک ہوئی

۷۔ نومبر ۱۹۴۶ء

عرب نیوز ایجنسی کے نمائندے کو قائدِ اعظم نے حسبِ ذیل بیان دیا،

اس بیان میں انہوں نے جہاں سیاسیاتِ ہند کا مختصر سا جائزہ لیا ہے،

——— اور سیاستِ ہند کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے وہاں اس حقیقت کو بھی بے نقاب کیا ہے کہ لیگ نے وائسرائے اور حکومت برطانیہ کی غداری اور بدعہدی کے باوجود کیوں عارضی حکومت میں شرکت گوارا کی۔

ساتھ ہی ساتھ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد عالم اسلام سے متعلق بھی اپنا نقطۂ نظر پیش فرمایا۔

(رئیس احمد جعفری)

قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے عرب نیوز ایجنسی کے ایک نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے، اس امید کا اظہار کیا کہ جلد ہی ہندوستان میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں تمام مسلمان ملکوں کے ممتاز زعماء شرکت کریں گے۔ قائدِ اعظم نے کہا۔ کہ یہ تجویز قاہرہ میں سب سے اوّل پیش کی گئی اور مسلم لیگ نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ آپ نے کہا اس جلسہ کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان لیڈروں کو مصر، عراق، سعودی عرب، شام و لبنان ایران اور تمام ان ممالک کے لیگی لیڈروں سے ملاقات کرنے کا موقع ملے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ہم سب کے بہت سے مفاد مشترک ہیں اور باہمی تہذیبی اور نظریاتی مفاہمت کی وجہ سے بہت کچھ فائدہ پہنچے گا اور اس قسم کے جلسہ سے باہمی روابط میں اضافہ ہوگا۔ یہ کانفرنس اس

مفہوم میں سیاسی کانفرنس نہ ہوگی۔ جس مفہوم میں بلووان کانفرنس ایک سیاسی کانفرنس تھی البتہ اس قسم کی کانفرنس میں سیاسی مسائل پر غور کرنا ایک حد تک ضروری ہے اور ہم سب کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کے سیاسی سوالات کو سنیں اور سمجھیں۔ ہم سب کے سوالات مخصوص قسم کے ہیں۔ اور یہ جاننا کہ کس طرح ایک ملک نے ان سوالات کو حل کیا۔ جو کسی ایک ملک سے مخصوص ہیں ہم سب کے لئے مفید اور فائدہ رساں ہے کہ آخر کس طرح اس قسم کے سوالات کو کسی نے حل کیا۔ اس لئے اس پہلو سے بھی اس کانفرنس سے فائدہ پہنچے گا۔ یہ کانفرنس مفید اور نتیجہ خیز ہو۔ اس کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ ان تمام ملکوں کے زعماء جو اس کانفرنس میں شریک ہوں گے۔ وہ ان ملکوں کے با اثر نمائندے ہوں عملی مشاورتیں ہو رہی ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا اس وقت یعنی موسم سرما میں جبکہ ہندوستان میں بہترین موسم ہوتا ہے۔ اس کانفرنس کا انعقاد ممکن ہے یا نہیں۔ قائداعظم نے کہا کہ مسلم ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے درمیان قریبی روابط کا ہونا ضروری ہے۔ خصوصاً اس صورت حال کے پیش نظر کہ مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہوگئی ہے۔

قائداعظم نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ لیگ عارضی حکومت میں مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے مفادوں کا تحفظ کرنے کے لئے شریک ہوئی ہے، چونکہ عارضی حکومت وائسرائے نے ہماری شرکت سے پہلے بنائی تھی، اور عارضی حکومت صرف اونچی ذات کے ہندو کے اقتدار والی کانگرس کے اثر میں تھی اور مسلمان قوم اونچی ذات کے ہندوؤں سے کسی بھی چیز میں کسی بھی ایک چیز میں مشترک نہیں ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کسی بھی قسم کا اشتراک و اتحاد مقاصد نہیں ہے، بلکہ اتنا ہی نہیں، ہمارے انفرادی اور قومی مفاد کے مختلف اہم پہلوؤں کے پیش نظر ہندو مسلمانوں کے بالکل ہی مخالف ہیں۔ ان حالات میں ہم نے سوچا کہ حکومت کے نظم و نسق کی ساری مشینری کانگریس کے ہندوؤں کے قبضہ میں دے دینا سخت مہلک ثابت ہوگا۔ ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ اگر مسلم لیگ کے نمائندے عارضی حکومت میں شرکت

نہ کرتے تو مرکز میں ہندو حکومت اور وائسرائے ایسے مسلمانوں کو شامل کر لیتے جن پر مسلم ہندوستان کو نہ کوئی اعتماد ہوتا اور نہ بھروسہ۔ یہ چیز سخت نتائج کی حامل ہوتی بلکہ حامل ہوئی بھی،

اس سے ہندوستان بھر میں اضطراب و بے چینی کے احساسات پھیل گئے جن سے وہ صورت حال پیدا ہوئی جس میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں۔ ان فسادات میں ہزارہا آدمی مارے گئے۔ اور زخمی ہوئے، اور یہ ابھی تک ملک کے مختلف حصوں میں ہو رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں حکومت کا اثر و نفوذ اور اس کے اقدامات عملاً ہماری زندگیوں کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ حکومت تمام فرقہ کے مفادوں کو ترقی دینے کا خیال رکھے۔ اونچی ذات کے ہندو مسلمانوں کے مفادوں سے یہ دلچسپی نہیں رکھتے تاریخ روایات، مذہب، غرضیکہ ہر عنصر کے پیش نظر ہندو مسلمانوں سے بالکل ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اگر مسلمان قوم کو ترقی کرنا ہے جو کہ پچھلے چھ سات سال میں جبکہ مسلمان پیدا ہوئے ہیں شروع ہوئی ہے۔ بلکہ اگر مسلمان قوم کو زندہ بھی رہنا ہے تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں بھی عارضی حکومت کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے چاہئیں چنانچہ انہوں نے چارج لے لیا ہے، اور اب وہ مالیات و تجارت ڈاک و ہوا صحت اور قانون کے محکموں کا انتظام کر رہے ہیں اس وقت صورت حال یہ ہے کہ میں مستقبل کی بابت کچھ کہنے سے معذور ہوں میرے خیال میں ہندو اور مسلمان اس سے زیادہ اشتراک عمل نہیں کر سکتے، جتنا اب تک ہو چکا ہے میرے خیال میں وہ دو قطعی جداگانہ قومیں ہیں، اور انہیں جدا جدا اپنے اپنے مستقبل کو بنانا چاہیئے۔

لے یہ محکمہ لیاقت علی خاں کو تفویض کیا گیا تھا جنہوں نے پہلا عوامی بجٹ پیش کر کے سارے ہندوستان میں ہلچل پیدا کر دی تھی، گو یہ عوامی بجٹ تھا، اس میں عوام کے مفاد کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا، لیکن سرمایہ داروں پر اس سے زد پڑتی تھی اور یہ کانگرس برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی۔ نہ صرف

پٹیل نے زہریلی مخالفانہ تقریر کی، بلکہ راج گوپال اچاریہ جیسے انسان نے بھی اسے سرمایہ دارو کے لئے پروانۂ موت، لہٰذا ناقابلِ قبول قرار دیا۔

۲ے یہ محکمہ مسٹر چندریگر مرحوم کے ہاتھ میں تھا، انہوں نے متعدد اسلامی ممالک میں تجارتی مشن قائم کیے، جس سے گو رفقائے وزارت سخت برہم ہوئے، لیکن مسلم ممالک میں مسلمانوں کی رائے عامہ کی اچھی خاصی تشہیر ہو گئی۔

۳ے یہ محکمہ زعیم ملت، سردار عبدالرب نشتر مرحوم و مغفور کو تفویض ہوا، اور انہوں نے بھی اپنے مختصر دورِ وزارت میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

۴ے یہ محکمہ راجہ غضنفر علی خاں کے ہاتھ میں تھا۔

۵ے اس محکمہ کے سربراہ جوگندر ناتھ منڈل تھے۔

خبردار غیر مسلم اقلیت سے انتقام نہ لینا

۱۱-نومبر سنہ ۱۹۴۶ء

ہندوستان میں حکومت کی باگ عملی طور پر کانگرس کے ہاتھ میں ہے، سارے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک رہی ہے، اقلیتی صوبوں کے مسلمان لوٹے، پیٹے اور قتل کئے جا رہے ہیں۔

بہار میں قیامتِ صغریٰ کا نمونہ پیش آچکا ہے، یو پی کے ایک مقام گڑھ مکتیشر میں مسلمان مولی، گاجر کی طرح کاٹ کر پھینک دیئے گئے، بمبئی میں فساد کی آگ بھڑکی، اور بھڑکتی پھیلتی چلی گئی۔

مسلم اکثریت کے صوبوں میں عام طور پر قوم کے غدّار کانگرس سے سازباز کرکے حکومت پر قابض تھے، لیکن وہاں کے عوام میں ہلچل پیدا ہو رہی تھی، وہ ہر روز ریڈیو سنتے اور اخبارات میں پڑھتے تھے کہ آج فلاں شہر میں فساد ہوا، اور مسلمان قتل و غارت کا نشانہ بنائے گئے۔ آج فلاں ضلعے میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، یہ سب کچھ سنکر اور پڑھ کر ان کے جذبات بھڑکتے تھے۔ ان صوبوں کی وزارتیں لاکھ غدّار ہوں، لیکن ان کے عوام سچے، مخلص اور کھرے مسلمان تھے۔ دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ اور تحریک پاکستان کے ہمنوا تھے۔

اب اندیشہ یہ پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں اکثریتی صوبوں کے مسلمان جوابی کارروائی کرکے ہندو و سکھ اقلیت کو نشانۂ ستم نہ بنالیں۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے قائد اعظم یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے بر وقت ایک بیان شائع کرکے اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں سے پُرامن رہنے کی اپیل کی، اور چونکہ یہ

اپیل قائد اعظم کی تھی، لہٰذا کامیاب ہوئی۔ (رئیس احمد جعفری)

وقت کا تقاضا ہے اور مجھے اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایماندار سمجھدار آدمی اچھی طرح جانتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے مسلمانوں اور مسلم لیگ کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لئے اس کا پروپیگنڈا بڑے زور شور سے کیا جا رہا ہے۔ مسلم لیگ کے خلاف جو کچھ الزامات لگائے جا رہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ بڑا سخت نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے لیکن سانحہ بہار کے سامنے دیگر تمام واقعات اور مظالم کوئی حقیقت نہیں رکھتے[1] میں بربریت اور ظلم کو سخت نفرت سے دیکھتا ہوں خواہ وہ کسی شکل وصورت میں ہو، لیکن بہار میں جو قیامت بپا کی گئی ہے۔ اس کی نہ تو کوئی مثال ہے اور نہ اس کا ثانی ہندوستان میں پیش کیا جا سکتا ہے یہ وہ سفاکانہ قتل عام ہے جو ہندو اکثریت نے مسلمان اقلیت کو نہایت بے دردی کے ساتھ کیا ہے۔[2]

مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہے مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان مظلوم مسلمانان بہار کا بدلہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں لینا ایک بڑی بھاری سیاسی اور اخلاقی غلطی ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو ہم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلیں گے۔[3]

اگر آپ حقیقت میں پاکستان چاہتے ہیں تو میں خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمان کے دامن پر وہ بدنما داغ نہ لگے، جس کا مظاہرہ مظلوم مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کر کے بہار میں کیا گیا ہے۔ ہمیں تہذیب و شرافت کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں۔ ان سے ہمارا کلیجہ چھلنی ہو رہا ہے۔ مگر ہم مسلم اکثریت والے صوبوں میں بے گناہوں کو مار کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کریں گے ہم تو سیاسی طور سے بتا دینا چاہیئے کہ ہم بہادر اپنے دشمنوں کو

معاف کر دینے والے ایماندار اور سچے مسلمان ہیں۔ پاکستان میں غیر مسلم اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت خود مسلمانوں سے بڑھ کر پائیں گے۔ اگر مسلمانوں نے دامن صبر و رضا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنا توازن کھو دیا اور اسلام نے جو عدیم المثال سبق دنیا کو سکھلایا ہے اسے بھلا دیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ نہ صرف اپنے حق پاکستان کھو دیں گے بلکہ ہندوستان میں وہ کشت و خون ہوگا جس سے ہماری آزادی کے دن دور ہٹ جائیں گے۔ اور ہم اپنی غلامی کی بیڑیاں اپنے ہی ہاتھوں سے مضبوط کریں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں امن و امان ہے اور وہ اس ظلم و فساد اور کشت و خون میں شامل نہیں ہیں جس کا مظاہرہ باقی تمام ہندوستان میں ہو رہا ہے۔

میں ایک بار پھر ان تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جہاں بھی اکثریت میں ہوں غیر مسلموں کی حفاظت جان و مال کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو کریں۔ اور ان میں پھر وسہ پیدا کریں۔[5]

اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے ہیں، جو بے گناہ مسلمان شہید کئے گئے ہیں۔ یا زخمی ہو گئے ہیں یا مال اسباب لوٹا گیا ہے ان کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی وہ یہ سمجھ لیں کہ انہوں نے جنگ پاکستان اور آزادی کے لئے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔[6]

---

[1] اس حادثہ کی سنگینی اور بربریت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا اس نسل کشی کے خلاف چیخ اٹھی تھی۔

[2] اور محض اس جرم میں کہ یہ اقلیت مسلمان تھی اور پاکستان کا دم بھرتی تھی۔

[3] ایسے اشتعال انگیز اور ہیجان آفریں موقع پر بھی ہوش و حواس کا قائم رکھنا اور اعتدال و توازن کے راستے پر گامزن رہنا قائد اعظم ہی کا کام تھا۔

۴؎ اور حقیقتہً ہوا بھی ایسا ہی۔

۵؎ اس اپیل پر مسلمانوں نے امکانی حد تک پوری صداقت اور سچائی سے عمل کیا۔

۶؎ اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں نے یہی سمجھ کر کہ اس قتل و غارت اور کشت و خون کی صورت میں اُن سے پاکستان کی قیمت طلب کی جا رہی ہے، یہ مظالم ایسی استقامت و عزیمت سے برداشت کئے، جس کی مثال دنیا کی تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔

غیر ملکی نمائندگان اخبارات و صحائف سے خطاب

صرف پاکستان!

۱۴۔ نومبر ۱۹۴۶ء

عارضی قومی حکومت میں لیگ کی شرکت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ لیگ اب مطالبۂ پاکستان سے دستبردار ہو جائے گی، خود مسلمانوں میں بھی ایک گروہ یہی خیال رکھتا تھا ہندو پریس کی طرف سے بھی کھلے الفاظ میں یہی کہا جا رہا تھا، اور غیر ملکی پریس کا عام تاثر بھی یہی تھا،

غیر ملکی نمائندگان اخبارات سے ملاقات کے دوران میں قائد اعظم نے اس غلط فہمی کی طرف توجہ فرمائی، اور بہ اسلوب احسن اُسے رفع کر دیا۔ (رئیس احمد جعفری)

قائد اعظم محمد علی جناح نے غیر ملکی اخبار نویسوں کے مختلف سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عارضی حکومت کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی انتظامی فیصلہ یا رواج سے ہندوستان کے آئندہ دستوری مسائل و حقائق پر اثر اندازی کرے یا انہیں ختم کرنا چاہے آپ نے فرمایا کہ اگر عارضی حکومت نے ہمارے مطالبۂ پاکستان کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی قدم اٹھایا تو ہم اس کی ضرور مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے کہ برطانیہ میں لیبر حکومت کی نیت بری نہ ہو، لیکن وہ شدید غلطیوں کی مرتکب ہوئی اور اب بھی فاش کر رہی ہے۔ لیبر حکومت گم کردہ ہے۔ اور خوابوں کی دنیا میں زندگی گذار رہی ہے۔ ہندوستان کا موجودہ انتظام مجھے قطعاً پسند نہیں اور اُسے ہم پر جبراً مسلط کر دیا گیا ہے۔ عارضی حکومت کے مسلم لیگی ارکان نظم و نسق میں مدد کریں گے، لیکن اُن کی حیثیت مفاد اسلامی کے پاسبانوں کی ہے

مسئلہ ہند کا واحد حل یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کے دستور و کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلیاں علیحدہ علیحدہ مرتب کریں، جب تک ایک قوم دوسری قوم پر حکمرانی کے خیال خام سے باز نہ آئے گی، موجودہ کشمکش جاری رہیگی لیکن ہندوستان کے تقسیم ہوتے ہی یہ جھگڑے فساد ختم ہو جائیں گے۔ اقلیتیں ان دونوں ریاستوں میں اقلیتوں کی حیثیت سے پُرسکون طریقہ پر آباد ہو جائیں گی۔ اور دونوں بڑی قوموں کے درمیان کوئی تنازعہ باقی نہ رہے گا! اسوقت ہمارے سامنے یہی سوال باقی رہ جائے گا کہ اقلیتوں کے حقوق و مفاد کا تحفظ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ ہمیں حیوان نہیں سمجھتے ہیں تو یاد رکھیئے کہ مسلمان اپنی اقلیتوں کے ساتھ بہترین فیاضانہ سلوک روا رکھیں گے[۱]

قائد اعظم نے مختلف سوالات کے جواب میں فرمایا کہ جب میں پاکستان کا مطالبہ کرتا ہوں تو آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں صرف مسلمانوں کے حق کے لئے لڑ رہا ہوں۔ میری یہ جنگ ہندوستان کی مکمل آزادی کے لئے ہے، کیونکہ صرف تقسیم ہند ہی کے ذریعہ ہندو مسلمان دونوں قلیل ترین مدت میں آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ پان اسلامزم کا نظریہ اب فرسودہ ہو چکا ہے[۲]۔ دوسرے خواہ کچھ بھی کہیں، لیکن میری قطعی رائے یہ ہی ہے کہ مشترکہ مفاد اور حق ہمسائگی کی بنا پر ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات دوستانہ رہیں گے۔ خطرات کے موقعوں پر دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور مشترکہ دشمن کے سامنے سینہ سپر ہوں گے۔ اس وقت ہم ایسی موثر پالیسی پر عمل کریں گے۔ جو امریکہ سے زیادہ ٹھوس ہوگی[۳]

ایک غیر ملکی اخبار نویس نے سوال کیا کہ اگر ۶ ماہ یا ایک سال کے اندر تقسیم ہند کے سوال پر کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت نہ ہوئی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ قائد اعظم نے جواب دیا کہ وہ ہی جو اس وقت ہو رہا ہے، اور جو کچھ آپ اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں[۴]

موجودہ فسادات کی بابت قائد اعظم نے ارشاد فرمایا کہ خاص کر بہار کے خونین ڈرامہ سے ہمیں

حتی الامکان آبادی کے تبادلہ کے سوال پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔[5]

ایک اخبار نویس نے سوال کیا کہ موجودہ عارضی حکومت کی کامیابی کے امکانات کس حد تک ہیں، قائد اعظم نے جواب دیا یہ جواب بہت تفصیل طلب ہے آپ نے فرمایا کہ موجودہ عارضی حکومت نہ کابینہ ہے نہ کولیشن بلکہ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل ہے جو ۱۹۱۹ء کے انڈیا ایکٹ کے مطابق عالم وجود میں آئی ہے۔ جہاں تک میں کانسٹی ٹیوشن کو سمجھ سکا ہوں، کولیشن یا مخلوط حکومت صرف اس صورت میں قائم ہو سکتی ہے، جب کوئی آزاد پارلیمنٹ متحد سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ہو۔ اور وہ پارٹیاں اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قوم کے لئے کوئی خطرہ لاحق ہو تو تمام پارٹیاں قوم اور قومی مفاد کی حفاظت کے لئے متحد ہو جائیں۔ ایسی کولیشن گورنمنٹ میں ذمہ داری یقیناً مشترکہ ہوتی ہے، اور جب تک خطرہ رفع نہ ہو جائے، کولیشن پارٹیاں باہمی اتحاد سے کام کرتی ہیں۔[6]

غیر ملکی پریس میں پروپگنڈا کیا جاتا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں اور عارضی حکومت جس کی حقیقت واضح کر چکا۔ نہرو گورنمنٹ ہے۔ پنڈت نہرو کو وائس پریذیڈنٹ بھی ظاہر کیا جاتا ہے، حالانکہ حکومتِ ہند کے وائس پریذیڈنٹ ۱۹۱۹ء سے مقرر ہوتے چلے آئے ہیں، موجودہ کانسٹی ٹیوشن کی رو سے وائسرائے ایک وائس پریذیڈنٹ مقرر کرنے پر مجبور ہیں اور اس کا کام صرف اس قدر ہے کہ وہ وائسرائے کی عدم موجودگی میں ایگزیکٹو کونسل کے جلسوں کی صدارت کرے۔[7]

---

[1] اس کا ثبوت مسلمان آج تک دے رہے ہیں،
پاکستان بننے کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ خاص طور پر مشرقی پاکستان میں اور مغربی بنگال میں تو یہ آگ اس تیزی سے بھڑکی کہ اس نے پورے طور پر خرمنِ امن و امان جلا کر خاکستر دیا۔

چنانچہ ۱۹۵۲ء میں "لیاقت نہرو معاہدہ" ہوا۔ اس معاہدے کی رُو سے دونوں حکومتوں نے اپنے اپنے ملک میں اقلیتوں کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا۔

لیکن اب تک کہ اس معاہدے کو تقریباً دس سال ہو چکے ہیں پاکستان میں ایک مرتبہ بھی ہندو مسلم فساد نہیں ہوا، کسی ہندو کی نکسیر تک نہیں پھوٹی، مشرقی پاکستان میں اور مغربی پاکستان کے بعض شہروں میں پورے مساویانہ حقوق کے ساتھ ہندو رہ رہے ہیں تجارت ان کے ہاتھ میں ہے کاروبار میں ترقی کر رہے ہیں، لیکن ہندوستان میں فسادات کا سلسلہ ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتا، آخری شاہکار جبل پور ہے، جہاں بے گناہ مسلمانوں کا اس طرح قتل عام کیا گیا، جس طرح جنگل میں شکار کھیلا جاتا ہے۔ اس کے باوجود جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، معاہدہ آج بھی قائم ہے، اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ کیونکہ اسلام اس کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ بے گناہوں کو قتل کیا جائے۔ ہم جبل پور اور دوسرے مقامات کے مقتول و ستم مسلمانوں کا بدلہ ان ہندوؤں سے تو لے سکتے ہیں جو اس قتل و غارت میں شریک تھے، لیکن ان ہندوؤں سے نہیں لے سکتے، جو پاکستان میں ہیں، اور جن کا کوئی تعلق ان حادثات سے نہیں ہے۔

۲ے پان اسلامزم سے مراد یہ تھی کہ پاکستان بعض اسلامی ممالک سے مل کر ہندوستان پر حملہ کرے گا، اور اسے فتح کرے گا، یا کوئی اور مسلمان ملک ہندوستان پر حملہ کرے گا تو پاکستان اس کی امداد کرے گا۔

ایک عرصہ تک یہ ہوّا انگریزوں کو ڈراتا رہا، پھر ہندوستان بھی اس مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس طرح کے اندیشے ظاہر کئے جانے لگے، قائد اعظم نے اس وہم باطل کی تردید کی ہے۔

۳ے قائداعظم کی یہ خواہش تھی کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ایک دوسرے کے ایسے دوست ہو جائیں کہ ایک دوسرے کے دفاع کے ذمہ دار بن جائیں جس طرح امریکہ اور

کناڈا ہیں، امریکہ پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو یہ حملہ کناڈا پر سمجھا جائے گا، اور وہ پوری قوّت سے اسکے دفاع میں حصّہ لے گا، اسی طرح کناڈا پر کوئی دشمن حملہ کرے تو اُسے امریکہ اپنے اُوپر حملہ تصوّر کرے گا، یہ معاہدہ بین الاقوامی سیاست میں "منرو ڈاکٹرین" کے نام سے مشہور ہے۔ قائداعظم کی تمنا تھی کہ ہندوستان اور پاکستان بھی، اسی طرح کا معاہدہ کر لیں۔

۴ یعنی خانہ جنگی، طوائف الملوکی، انارکی،

۵ تبادلۂ آبادی کے سوال پر غور کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان میں اور پاکستان کے غیر مسلم ہندوستان میں منتقل کر دیئے جائیں گے، بلکہ یہ تھا کہ ہر صوبے میں بکھری ہوئی کم تعداد اقلیتیں ایک مقام پر آباد کر دی جائیں، تاکہ بات بات پر انہیں قتل نہ کیا جا سکے، لوٹا نہ جا سکے۔

۶ جب ملک ہی ابھی آزاد نہیں ہوا، تو ایسی اصطلاح سے جی خوش کرنا بیکار ہے، جو صرف آزاد قوموں اور ملکوں ہی میں بروئے کار آ سکتی ہے۔

۷ یہ کابینہ (عارضی قومی حکومت) قوم یا اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہ تھی، وائسرائے کے سامنے تھی، لہٰذا اس کے تمام ممبر یکساں حیثیت رکھتے تھے، نہ کوئی "پریمیر" تھا نہ نائب وزیر اعظم۔

محمد علی اور شیخ الہند کی بنائی ہوئی ایک ذہنی تربیت گاہ!

جامعہ ملیہ میں ایک تقریر

۱۹ نومبر ۱۹۴۶ء

آل انڈیا خلافت کمیٹی ——— جیسا کہ ڈاکٹر امبیدکر نے بھی اپنی مشہور کتاب (گاندھی اور کانگرس نے اچھوتوں کے لئے کیا کیا؟)

میں لکھا ہے ——— سب سے پہلے برطانوی حکومت کے مقابلہ میں آئی، کانگرس نے کافی سوچ بچار اور رد و کد کے بعد اس کا پروگرام قبول کیا، چنانچہ برطانوی مصنوعات، برطانوی عدالتوں اور برطانوی تعلیم گاہوں کے مقاطعہ کا حکم بھی خلافت اور کانگرس، علی برادران اور گاندھی جی نے دیا لیکن اس حکم پر کسی نے مسلمانوں کی سی صداقت اور وفاداری کے ساتھ عمل نہیں کیا۔

تعلیم گاہوں کے مقاطعہ کا جب سوال پیدا ہوا، تو مالوی جی نے بنارس میں ڈیرہ ڈال دیا اور ہندو یونیورسٹی کی تعلیم ایک دن کے لئے بھی بند نہیں ہونے دی، گاندھی جی بھی کچھ نہ کر سکے محمد علی شوکت علی نے علی گڑھ میں جاکر وہاں کے طلبہ اور اساتذہ اور ممبران کورٹ کو یہی پیام دیا، ممبران کورٹ نے یہ پیام رد کر دیا۔ اساتذہ کی ایک بڑی جماعت اپنے شاندار حال اور روشن مستقبل کو تباہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا، لیکن طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود باہر نکل آئی۔

محمد علی نے "نیشنل مسلم یونیورسٹی" ——— جامعہ ملیہ اسلامیہ ——— کے نام سے ایک نئی تعلیم گاہ کی بنیاد ڈال دی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس کا افتتاح کیا، محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ بنے، اور درختوں کے نیچے چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جب تک خلافت کمیٹی کے پاس روپیہ رہا، وہ جامعہ کے جملہ مصارف جو کئی لاکھ سالانہ تھے برداشت کرتی رہی، مسلمانوں کا جوش جب کم ہوا تو خلافت کمیٹی کی ساکھ بھی ختم ہوگئی، اور ساکھ ختم ہوتے ہی اس کا خزانہ بھی خالی ہوگیا،

آخر مسیح الملک حکیم اجمل خاں اسے دہلی لے آئے۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر ذاکر حسین خان ——— جنہوں نے مسلم یونیورسٹی سے ترک تعلق کر کے جامعہ کو آباد کیا تھا، اور پھر تکمیل تعلیم کے لئے جرمنی چلے گئے تھے ——— جرمنی سے واپس آگئے، اُنہوں نے عہد کیا، ہم فاقے کریں گے لیکن جامعہ کو بند نہ ہونے دیں گے، حکیم صاحب نے یہ ذمہ داری ڈاکٹر صاحب کو سونپ دی۔ اُنہوں نے فقید المثال ایثار کے ساتھ نہایت نامساعد اور ناقابل برداشت حالات میں واقعی فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے، اور اپنے رفقا میں یہی جذبہ پیدا کر کے جامعہ کو چلایا، ڈاکٹر صاحب جب جرمنی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، تو وہاں اُن کی ملاقات پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر عابد حسین سے بھی ہوئی، یہ دونوں بھی تکمیل تعلیم کے لئے وہاں تشریف رکھتے تھے، چنانچہ اب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ یہ دونوں دوست بھی جامعہ کی تعمیر نو میں مصروف ہو گئے، عابد صاحب نو بیچ بیچ میں دوسرے مشاغل بھی اختیار کرتے رہے لیکن مجیب صاحب نے بد ترین اور بہترین کسی دور میں بھی جامعہ کے سوا اپنا کوئی اور مشغلہ نہ رکھا اور اب تک شیخ الجامعہ کی حیثیت سے وہ اسی کے لئے اپنی زندگی وقف کئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کو تقسیم ہند کے بعد مسلم یونیورسٹی کا وائس چانسلر بننا پڑا، ورنہ یونیورسٹی ختم ہو جاتی، اور اب وہ بہار کے گورنر ہیں۔

جامعہ کے اکثر اساتذہ اور طلبہ کا رجحان کانگرس کی طرف زیادہ رہا، لیکن ایک جماعت طالب علموں اور استادوں کی ایسی بھی رہی، جو خلافت اور بعد میں مسلم لیگ کی جان و دل سے حامی تھی، عام شہرت یہی تھی کہ جامعہ کے کارکن کانگرسی ہیں، اسی کے سبب قائد اعظم بھی کچھ بدظن سے تھے۔

لیکن نومبر ۱۹۴۶ء میں جب جامعہ کا جشن سیمیں اوکھلا (جامعہ نگر) میں منعقد ہوا، تو

ڈاکٹر صاحب کی سحر طرازی، جہاں جواہر لال کو کھینچ لائی وہاں قائد اعظم کو بھی لے آئی،
قائد اعظم نے یہ تقریر اسی موقع پر کی تھی۔ (رئیس احمد جعفری)

اسلامی ہند جامعہ کو امداد دے کر اسے اپنے خاص قومی ادارہ میں تبدیل کر چکا ہے۔ اب جامعہ کے کارکنان کو مالی امداد کے بارے میں پریشاں اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ مسلمان اس قومی ادارہ کی طرف دست تعاون ہمیشہ بڑھاتے رہیں گے۔ جامعہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ترقی کے منازل طے کرتا جارہا ہے۔ اب یہ بلاشبہ مسلمانوں کی قومی یونیورسٹی بن چکا ہے۔ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک کا موجد ہے اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی جامعہ کی مثال قابل تقلید ہو گی۔" ڈاکٹر ذاکر حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا "آپ نے ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جو ایک صحیح طرز تعلیم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ماضی میں جامعہ کے متعلق جو تعصبات اور غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کا رفع کرنا اب اشد ضروری ہے۔ اب آپ کو عملی طور پر یہ ثابت کرنا ہو گا کہ وہ حقائق پر مبنی نہیں تھیں۔ بدقسمتی سے اب تک اسلامی ہند مردہ تھا لیکن اب قوم میں نئی زندگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ہم تعلیم کے فوائد کے احساس سے سرشار ہو چکے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ مسلم قوم کی ضروریات کی تکمیل کرنے میں سرگرم کوششیں جاری رکھیں گے۔

کانگرسی لیڈروں سے اپیل!

مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کرو

۱۵- نومبر سنہ ۱۹۴۶ء

ہندوستان میں فسادات کا سلسلہ جاری تھا، مسلمان کٹ رہے تھے، لٹ رہے تھے، نہ اُن کی جان محفوظ تھی نہ مال، نہ اُن کی فریاد سننے والا تھا، نہ دادرسی کرنے والا۔ دیہاتوں کی حالت خاص طور پر ناگفتہ بہ تھی، شہروں میں تو خوں ریزی کا سلسلہ مسلسل نہیں جاری رہتا تھا، لیکن مسلم دیہاتوں کا توصفایا ہو جاتا تھا۔

قائداعظم کی تجویز یہ تھی کہ ہر صوبہ میں جو اقلیت کے افراد بہت حقیر اور معمولی تعداد میں اکثریت والی قوم کے حلقے میں گھرے ہوئے ہیں، انہیں ایسی جگہ لا کر آباد کر دیا جائے، جہاں ان کے ہم قوم زیادہ تعداد میں بستے ہوں، فسادات کے تواتر اور تسلسل نے اس ضرورت کی اہمیت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا تھا۔

لیکن کانگرس نے یہ تجویز نہیں تسلیم کی۔

کراچی کی ایک کانفرنس میں قائداعظم نے اس مسئلہ پر پھر پوری سنجیدگی کے ساتھ اظہار خیال فرمایا۔

ساتھ ہی ساتھ ملک کے عام حالات، اور خاص طور پر مرکز کی عارضی اور نام نہاد قومی حکومت اور اس سے متعلق کانگرسی تصورات کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

(رئیس احمد جعفری)

اس سوال کے جواب میں کہ وائسرائے کے اس مکتوب کے مطابق جو انہوں نے پنڈت نہرو کو تحریر کیا تھا، مسلم لیگ کے عارضی حکومت میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ برطانوی وزارتی وفد کی اسکیم کو قبول کرلے۔ قائداعظم نے کہا کہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، یہ بالکل ظاہر ہے کہ کانگریس نے برطانوی مشن کی ۱۶ مئی کی تجاویز اور ۲۵ مئی کی تصریحات کو کبھی قبول نہیں کیا پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے اس خط میں جو انہوں نے مسٹر گوپی ناتھ باردولی کو بھیجا تھا، اور جس کا حوالہ میں نے وائسرائے کے نام اپنے خط میں دیا ہے، اس کو خود واضح کردیا ہے اور مسٹر گاندھی نے بھی یہ اعلانات ابھی حال ہی میں ۳۰ ستمبر اور ۲۳ اکتوبر کو کیے ہیں۔[2]

مزید برآں میں نے کبھی ایک لمحہ کے لیے وائسرائے کو یقین دہانی کے طور پر یا کسی اور پیرایہ میں اس کے علاوہ کچھ سمجھنے کا موقع نہیں دیا کہ طویل المدت اسکیم پر صرف آل انڈیا مسلم لیگ کونسل ہی غور اور فیصلہ کرسکتی ہے، بالکل ابتدا سے اور اس وقت تک جب کہ ہم عارضی حکومت میں شامل ہوئے ہیں، وائسرائے سے یہی کہتا رہا کہ طویل المدت اسکیم پر اسی وقت غور ہوسکتا ہے جب دونوں بڑی جماعتوں کے درمیان ایک مناسب دوستانہ فضا پیدا ہوجائے۔

کانگریس نے ذرا بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ اور وائسرائے نے بار بار یہ وضاحت کی کہ اس خیال سے کہ کانگریس سے ۱۶ مئی کے بیان و توضیحات کو غیر مبہم طور پر تسلیم کرایا جاسکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مزید بحث و تمحیص محض تضیع اوقات ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ مسلم لیگ کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے سلسلہ میں کیا رویہ اختیار کرے گی، قائداعظم نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ ہم زندہ رہ سکیں گے لیکن میں یہ سمجھنے سے معذور ہوں کہ ان حالات میں اور خصوصاً اس آتشگیر ماحول میں جو ملک کے اطراف خصوصاً بہار میں قتل کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے۔ کوئی شخص کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے جاری رکھنے پر کیونکہ مصر ہوسکتا ہے[3]۔ یہ قطعی حماقت اور عاقبت نااندیشی ہے کہ اس راہ پر چلتے رہنے پر اصرار کیا جائے۔ اور مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کانگریس

کے لیڈروں اور کانگریس کے اجلاس میرٹھ نے اس آگ پر تیل چھڑکنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے
قائد اعظم نے کانگرس کے اجلاس میرٹھ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ پنڈت نہرو کے الزامات کے
متعلق جو انہوں نے مسلم لیگ پر عاید کئے ہیں، صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُنہوں نے جو کچھ کہا
اس میں حقیقت کا شائبہ بھی نہیں ہے

پنڈت نہرو نے عہدہ قبول کرتے وقت دو حلف اُٹھائے تھے، ان میں سے ایک میں
اُنہوں نے ملک معظم کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا تھا، اب انہوں نے ہم کو شاہی پارٹی کہہ کر
نیز ہم پر شہنشاہیت پسند برطانوی حکومت کی مدد کرنے کا الزام لگا کر صرف دنیا کو دھوکا دینے
کی کوشش کی ہے۔ یہ الزامات سراسر بے بنیاد ہیں۔

دوسرے بیوقوف سے بے وقوف آدمی سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے عہدہ قبول کرتے وقت
گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کے ممبر کی حیثیت سے غیر مبہم طور پر حلف اُٹھایا تھا، یہ قطعی واضح اور ظاہر
ہے، اور بارہا اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ خصوصاً وائسرائے ۱۷ ستمبر کی نشریاتی تقریر میں کہ
اُنہوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنی ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کو روزمرہ کے انتظامی معاملات
میں زیادہ سے زیادہ آزادئ عمل دیں گے۔ یہ محض پرواز خیال اور افسانہ طرازی ہے۔ کہ اسے کابینہ
قومی حکومت یا مخلوط وزارت کہا جائے۔

کانگریس کمیٹی کو بھی بعض اوقات کابینہ کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی میں نے مسلم لیگ ورکنگ
کمیٹی کو بھی کابینہ کے نام سے موسوم کئے جاتے سنا ہے صرف نام رکھ دینے سے آپ اُسے آئینی یا
قانونی طور پر کابینہ کے اختیارات نہیں دے سکتے۔

آگے چل کر قائد اعظم نے کہا کہ "یہ ظاہر ہے کہ عارضی حکومت کے ممبروں کا انتخاب فرقہ واری بنیادوں
پر کیا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں تک روزمرہ کے انتظامی امور کا تعلق ہے۔ وہ صرف ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ
آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ہی عمل کر سکتے ہیں۔ اور وہ تھوڑے بہت اختیارات اور مواقع جو روزمرہ
کے انتظامات کے سلسلے میں حاصل ہیں۔ عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں"

ہم وہاں صرف اسی مقصد سے گئے ہیں۔ لیکن پنڈت نہرو کی خوش فہمیاں سدِ راہ ہو جاتی ہیں، وہ شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ ۱۹۱۹ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ خلاف آئین ہو چکا ہے۔

اپنے تخیل کی بلند پروازیوں کے دوران میں، وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ واقعی قومی حکومت ہے جو ووٹ دینے والوں اور عوام کے روبرو جواب دہ ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح کام کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر وہ زمین پر پاؤں رکھ سکیں اور ٹھنڈے دل سے سکون کے ساتھ غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ نہ وہ وزیر اعظم ہیں۔ نہ یہ حکومت نہرو گورنمنٹ ہے وہ صرف امور خارجہ اور تعلقات دولت مشترکہ کے محکمے کے ممبر ہیں۔

قائد اعظم نے مزید فرمایا۔ جب تک پنڈت نہرو اور کانگریس یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عارضی حکومت کے اقدامات کے ذریعہ اپنی اکثریت کے بل پر رشوت دہی یا ہتھکنڈوں سے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کر سکتے ہیں یا رفتہ رفتہ ایسی حرکتیں کر سکتے ہیں جس سے ہندوستان کے آئندہ دستور اساسی کے تصفیے پر بُرا اثر پڑ سکے یا جو اسکے لئے مضرت رساں ہو تو مسلم لیگ ہر ایسے اقدام پر ترکیب کا مقابلہ کرے گی جس کا مقصد ہندوستان کے آئندہ آئین کے تصفیے کو بیش از بیش دشوار بنا ہو۔

پنڈت نہرو اور کانگریس مسلم لیگ کے ممبروں یا مسلم لیگ سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل کریں۔ گویا کہ وہ ان سے کمتر درجہ رکھتے ہیں یہ صورت ہمارے لئے قطعاً ناقابل قبول ہے۔ ہم نہ پنڈت نہرو کی فرمانبرداری کر سکتے ہیں اور نہ کانگریس کی اور جب تک کانگریس کی یہ پالیسی ہے کہ وہ ایگزیکٹو کونسل کے اندر سے یا باہر سے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کرنے کی خواہش مند رہے گی اور جب تک کہ کانگریس مسلم لیگ کو اپنے مساوی مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہمارے لئے مشکل ہے کہ عارضی حکومت کا مقابلہ و مزاحمت نہ کریں۔

قائد اعظم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ وائسرائے نے اپنی سرکاری خط و کتابت میں

"کابینہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قائد اعظم نے جواب دیا: ہاں وائسرائے پر زور ڈالا گیا۔ اور اُسے عارضی حکومت کہنے سے کوئی فائدہ نہیں، پنڈت نہرو لفظ "کابینہ" پر نہایت مصر تھے اور وائسرائے نے اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ اگر اس سے پنڈت نہرو خوش ہو سکیں تو وہ یہ الفاظ استعمال کر لیں چھوٹی طبیعتیں چھوٹی باتوں کو پسند کرتی ہیں لیکن آپ گھوڑے کو ہاتھی کہہ دینے سے اُسے ہاتھی نہیں بنا سکتے۔

ایک نمائندے نے سوال کیا کہ اجلاس میرٹھ میں سردار پٹیل نے جو تقریر کی ہے اس کے متعلق آپ کے کیا تاثرات ہیں۔ قائد اعظم نے جواب دیا: "کانگرس والوں کے خیال میں سردار پٹیل سخت آدمی ہیں۔ اور اسی لئے وہ سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن الفاظ سے ہڈیاں نہیں ٹوٹا کرتیں۔ اگر یہ کہنے سے کہ تلوار کا مقابلہ "تلوار سے کیا جائے گا" ان کا مطلب یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں اکثریت اقلیت کا خون بہائے گی۔ تو یہ ایک نہایت ہولناک امکان ہوگا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ جو شخص اس قسم کی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے وہ ہر قوم کا بدترین دشمن ہے۔

سردار پٹیل کی تلوار کہاں ہے؟ کانگریسی وزارتیں اور وہ لوگ جو اس وقت ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر ان پر سے برطانوی سنگینوں کا سایہ اُٹھا لیا جائے تو وہ ہرگز کام نہ کر سکیں گے۔

اپنے سندھ کے دورے کے متعلق قائد اعظم نے فرمایا۔ میں سندھ اس لئے آیا ہوں کہ مسلم لیگ کو الیکشن لڑنے میں ہر ممکن مدد دے سکوں۔ میں ابھی آیا ہوں اور ابھی تک اپنا پروگرام نہیں بنا سکا ہوں، لیکن ہم نے ہر نشست جیتنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ سو فی صدی کامیابی ہمارا منتہائے نظر ہے اور میں یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا۔ اسی طرح سندھ میں پائیدار حکومت قائم ہو سکتی ہے، سندھ اسی طرح پنپ سکتا ہے۔ یہ نہ صرف احمقانہ بلکہ خطرناک بھی ہے کہ سندھ کے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی اور کٹھ پتلی

وزیر اعظم اور وزراء بنانے کی کوشش کی جائے۔ جو ہندوؤں کے اشاروں پر ناچیں جن کے ووٹ اور جنکی امداد انہیں ان کے منصب پر قائم رکھ سکتی ہے۔ میں غیر اقوام کے ہر سمجھدار انسان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کی حوصلہ افزائی سے باز رہیں جس سے مسلمانوں میں مختلف طریقوں سے تفرقہ اندازی کی جائے[1] آخر میں قائد اعظم نے اقلیتوں کے متعلق مسلم لیگ کے طرز عمل پر روشنی ڈالی اور کہا: میں اس پر زور دینا اور اسے دہرانا چاہتا ہوں کہ ہم مسلم لیگ کے اس بنیادی اصول سے کبھی منحرف نہیں ہونگے کہ اقلیتوں کو ہر تحفظ اور ضمانت دی جائے

۱۔ گوپی ناتھ باردولائی آسام کے وزیر اعظم تھے۔ کابینہ وفد کی اسکیم کی رو سے آسام کو بنگال کے گروپ میں شریک ہونا تھا لیکن پنڈت نہرو نے بہ حیثیت صدر کانگرس انہیں ہدایت کی کہ وہ اس گروپ میں شریک نہ ہوں۔

۲۔ ان حالات میں یہ دعویٰ کہ کانگرس نے کابینہ اسکیم قبول کر لی ہے، اعلیٰ درجہ مضحکہ خیز تھا۔ پنڈت نہرو کے پشت پناہی گاندھی جی کر رہے تھے، ان کا فرمان بھی یہی تھا کہ آسام کو بنگال گروپ میں نہ شامل ہونا چاہیئے۔

۳۔ بہار میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا لیکن پنڈت نہرو بضد تھے کہ کانسٹی ٹیوٹنٹ اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد منعقد کر کے ہندوستان کا دستور اساسی تیار کر لیا جائے۔

۴۔ میرٹھ کے اجلاس کانگرس میں پنڈت نہرو نے کہا کہ مسلم لیگ "کنگس پارٹی ہے" انگریزوں کی حامی اور آزادیٔ ہند کی مخالف ہے، حالانکہ خود نہرو، لارڈ ویول وائسرائے ہند کے نامزد وزیر اور ان کی ایگزیکٹو کونسل کے نامزد وائس پریذیڈنٹ تھے۔

۵۔ پٹیل نے اسی اجلاس میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے مسلم لیگ اور قائد اعظم کو جی بھر کے

گالیاں دیں پھر فرمایا:-

"تلوار کا جواب تلوار سے دیا جائے گا۔

یہ ذہنیت صرف پٹیل ہی کی نہیں تھی، چند لوگوں کو مستثنیٰ کر کے سارے کانگرسی اسی رو میں بہے جا رہے تھے ——— نے ہاتھ باگ پر تھا نہ پا تھا رکاب میں!!

ھ سردار پٹیل نے سندھ کے بعض مسلم لیگی لیڈروں کو توڑ لیا تھا اور مسلم لیگ سے منحرف کر کے اپنا ساتھی بنا لیا تھا، چنانچہ مسٹر سید جو بڑے سرگرم مسلم لیگی اور پاکستانی تھے، یہاں تک کہنے لگے کہ "پہلے ہندوستان کی آزادی، پھر پاکستان!"

پھر عین وقت پر سید صاحب لیگ سے الگ ہوئے، اور ایک نئی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے میدان میں نمودار ہو گئے۔ تاکہ لیگ انتخاب میں کامیاب نہ ہو سکے ——— لیکن بالآخر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے:

حکمران قوم کو قائدِاعظم کا آخری انتباہ

اہلِ انگلستان سے خطاب

۱۳ دسمبر ۱۹۴۶ء

ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے انعقاد سے چند روز پہلے وزیرِاعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی نے جو "لیڈرس کانفرنس" طلب کی تھی، وہ ناکامی پر ختم ہوئی۔ کانفرنس ختم ہونے کے فوراً بعد، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ، ہندوستان واپس آگئے، کیونکہ وہ دستور ساز اسمبلی کے انعقاد میں تاخیر، تعویق یا التوا کسی طرح بھی پسند نہیں کرتے تھے، قائدِاعظم نے چونکہ مسلمان ممبران کو اس کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا تھا، اس لئے کوئی مسلمان ممبر اس میں شریک نہیں ہوا۔

تاریخ کا یہ کتنا بڑا، الم انگیز اور حسرت خیز المیہ ہے کہ سنہ ۱۹۴۶ء میں حالت یہ تھی کہ بڑی سے بڑی رشوت بھی مسلمان کو خرید نہیں سکتی تھی، مرکزی اسمبلی میں کونسل آف اسٹیٹ میں اور صوبائی مجالسِ آئین ساز میں جتنے مسلمان ممبر تھے، یہ فرشتے نہ تھے، اپنے وقت کے جنید و بایزید نہ تھے۔ جاہ و منصب کی طرف ان کا دل بھی راغب ہوتا تھا عہدے اور سربلندی کی تمنا ان کے دل میں بھی چٹکیاں لیتی تھی، اقتدار و اختیار کی طلب انہیں بھی تھی، لیکن قائدِاعظم کی قیادت نے ان میں وہ کردار پیدا کر دیا تھا، جو شعلہ مستعجل کی طرح اپنی جھلک دکھا کر ختم ہو گیا، ان مسلمان ممبروں کے سامنے وزارت پیش کی جاتی تھی، لیکن یہ ٹھکرا دیتے تھے، جاہ و منصب کی پیشکش ہوتی تھی، لیکن یہ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے، اقتدار و اختیار کا لالچ بار بار انہیں دیا گیا، مگر کیا مجال ہے کہ انہوں نے ادھر توجہ بھی کی ہو، یہ اپنے قائد کے فرماں بردار تھے، نہ انہیں وزارت مطلوب تھی نہ اقتدار نہ انگریز انہیں خرید سکا، نہ کانگریس اور صرف قائدِاعظم کی وفات کے صرف سات سال بعد، یہی لوگ تھے، جو جاہ منصب کی طرف اس طرح لپکتے تھے، جیسے شکر پر مکھی گرتی ہے ڈاکٹر

خان صاحب کی ری پبلکن پارٹی نے کیسے کیسے مسلم لیگیوں کو نہیں توڑ لیا؟

لیکن میں کہہ کچھ رہا تھا، کہنے کچھ لگا، اس قصے کو چھوڑیئے، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ پنڈت نہرو نے دستور ساز اسمبلی کا التوا منظور نہیں کیا واپس آ گئے۔ قائد اعظم کے حکم سے مسلمان ممبروں نے اس کا مقاطعہ کیا، ایک مسلمان بھی شریک نہیں ہوا۔

اب تک اہلِ انگلستان ہندوستان کی سیاست سے صحیح طور پر واقف ہی نہیں ہوئے تھے اُن کے سامنے تصویر کا صرف ایک رخ تھا۔ وہ کانگرس ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک کانگرس ہی کو ہندوستان کی نمائندگی کا حق حاصل تھا۔ جس جمہوری ماحول میں وہ پلے تھے، اس کے مطابق وہ اکثریت اور اقلیت کا مفہوم لیتے تھے، یہ بات وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ ہندوستان میں اکثریت اور اقلیت کا وجود سیاسی اور طبقاتی بنیاد پر نہیں، مذہب کی بنیاد پر ہے۔ طبقاتی اور سیاسی اکثریت کبھی اقلیت بھی بنجاتی ہے، لیکن مذہبی اکثریت ہر حالت میں قائم رہتی ہے یہی وجہ تھی کہ انگلستان کے لوگ پاکستان، اسکے مضمرات و داعیات اور اسباب و محرکات کو سمجھ ہی نہیں پاتے تھے۔

قائد اعظم واپس نہیں آئے انہوں نے اپنی واپسی چند روز کے لئے ملتوی کر دی، مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے تعلیم یافتہ اصحاب اور طبقۂ خواص کو اس بارے میں ضروری معلومات فراہم کر دیئے جائیں، تاکہ وہ اصل حقیقت کو سمجھ سکیں۔

قائد اعظم کی چند تقریروں اور بیانوں سے اس پروپیگنڈے کا اثر زائل نہیں ہو سکتا تھا جو مدتِ مدید سے کانگرس کرتی چلی آتی تھی، پھر بھی اس زہر کا تریاق کسی حد تک بہرحال قائد اعظم کی تقریروں اور بیان سے ہو گیا۔

قائد اعظم نے ذیل کی تقریر، کنگسوے ہال میں ارشاد فرمائی تھی، اس تقریر میں کابینہ وفد کی غلط کاریوں کو بھی بے نقاب کیا تھا۔ رئیس احمد جعفری

میں خوش ہوں کہ مجھے ہندوستان کے متعلق صحیح واقعات پیش کرنے کا موقع دیا گیا ہے
دراصل یہ ایک طویل داستان ہے یہاں چند دنوں کے قیام میں میں نے اخبارات کے مطالعہ سے
یہ اندازہ لگایا ہے کہ گذشتہ سات آٹھ ماہ کے دوران میں جب مزدور حکومت ہندوستانی
مسائل کو حل کر رہی تھی۔ یہاں کے عوام محوِ خواب رہے ہیں۔ لیکن اب ان میں کچھ تبدیلی نظر آرہی
ہے، اور حقیقتاً یہ ایک نیک فال ہے۔

مجھے اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ ایک عام ناشر اپنے کاروبار میں مصروف ہے،
اور صحیح نتائج پر پہنچنے کے لئے نہ تو اس کے پاس اتنا وقت ہے اور نہ ہی اسے صحیح واقعات
کا علم ہے۔ اس لئے پریس آپ کی زیادہ مدد نہیں کرسکتا، مجھے خوشی ہے کہ صحیح حد تک انگریز
اب بیدار ہو چکے ہیں۔ یہ چیز انگریز قوم میں ایک روایتی حیثیت رکھتی ہے کہ جب کبھی
واقعی خطرہ ہوتا ہے تو وہ خوابِ غفلت سے چونک اٹھتے ہیں۔

وزارتی مشن کے اراکین مارچ میں ہندوستان آئے۔ انہوں نے وہاں کے معاملات کو
سمجھنے کی کوشش کی اور طویل گفت و شنید اور بحث و تمحیص کے بعد انہوں نے دو تجاویز
پیش کیں۔ طویل المیعاد سکیم، قلیل المیعاد سکیم[1]۔

کانگریس نے صحیح معنوں میں طویل المیعاد سکیم کو کبھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے ذہنی
تحفظات کے ساتھ اپنی تشریحات پر زور دیا اور اس اسکیم کی سب سے اہم اور ضروری دفعہ
"گروپ بندی" کی اپنی جداگانہ تعبیر پیش کی[2]۔

ہمیں یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ اس پر وزارتی مشن نے نہایت تعجب انگیز طرزِ عمل کا
ثبوت دیا۔ انہوں نے انہی تعبیرات کو منظوری سمجھ لیا[3]۔ اور اسی بات کا ساری دنیا میں چرچا کر دیا
حقیقتاً انہوں نے یہ بتا کر کہ کانگریس نے طویل المیعاد سکیم کو منظور کر لیا ہے۔ برٹش پارلیمنٹ
کو ایک غلط راہ پر ڈال دیا۔

پہلے انہوں نے یہ کہا کہ ہماری بنیادی تجویز ۵ : ۵ : ۲ کی ہے لیکن اب اس تجویز کو

۵ : ۵ : ۳ کی شکل میں تبدیل کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ یعنی پانچ مسلمان، پانچ ہندو، ایک سکھ ایک عیسائی اور ایک پارسی۔ اس تجویز کا اصل منشا محض کانگرس کو خوش کرنا تھا۔ ایک عام انگریز جسے ہندوستان میں کافی عرصہ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ ان وجوہات کو آسانی کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا۔

وزارتی مشن اور جناب وائسرائے نے اب یہ خیال کیا کہ اگر وہ ایک پارسی کو لے لیں تو کانگریسی خوش ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ تقریباً طے شدہ بات تھی کہ پارسی ممبر کانگرس کی طرف ہی جھکے گا۔ لیکن کانگرس نے رضامندی کا اظہار نہ کیا اور اس تجویز کو بھی رد کر دیا۔

اس کے بعد ہمیں یہ بتایا گیا کہ وزارتی مشن کے اراکین اور جناب وائسرائے اپنی تجاویز کا اعلان کریں گے۔ یہ تجاویز ۱۶۔ جون کو منصۂ شہود پر آئیں اور قلیل المیعاد سکیم کے نام سے مشہور ہیں۔

ہمیں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ آخری تجاویز ہیں اور ان کی منظوری یا نامنظوری دونوں جماعتوں یعنی مسلم لیگ اور کانگرس کے اختیار میں ہے۔ حضرات! آپ سن کر حیران ہونگے کہ کانگرس نے ان تجاویز کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ یہ آخری تجاویز ۵ : ۵ : ۴ کے فارمولا پر مشتمل تھیں۔

قائداعظم نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ "جب ممبران کے نام بتائے گئے تو کانگرس نے کہا کہ جن ممبران کا آپ نے انتخاب کیا ہے وہ ہمیں منظور نہیں ہیں۔ ہم ان میں رد و بدل چاہتے ہیں، علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی منظور نہیں کہ مسلمانوں کو کسی قسم کے تحفظات دیئے جائیں"۔

"اہم فرقہ وارانہ معاملات کے تصفیہ کے سلسلہ میں یقین دلایا گیا۔ اور اس کا تعلق صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے ساتھ تھا۔ یعنی کوئی اہم فرقہ وارانہ مسئلہ ہو اور اس پر دونوں قوموں کو اختلاف ہو اور ہندوؤں یا مسلمانوں کی

اکثریت اس کے خلاف ہو تو اس فیصلہ کو قابلِ قبول نہ سمجھا جائے"!

"انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس تجویز کو نامنظور کرنے کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں ایہ قلیل المیعاد تجویز جس کا آپ نے اعلان کیا ہے اور جس کو آپ آخری تجویز کہتے ہیں، ہمیں منظور نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۵۔ جون کو اس تجویز کو رد کر دیا۔ اور اسی دن ہم نے اس اسکیم کو منظور کر لیا۔

"اس کے بعد ایک اور حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ انتہائی کوشش کے باوجود میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آسکی کہ کن اثرات کے ماتحت وزارتی مشن نے اس اسکیم کی نہ صرف دھجیاں اڑا دیں، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کوئی بھی غیر جانبدار یہی فیصلہ دے گا کہ وزارتی مشن نے پیرا ۸ کے صحیح مطالب کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اور اس معاملہ پر تازہ گفت و شنید شروع کرنے کا اظہار کر دیا۔

میں آپ پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس نے طویل المیعاد سکیم کو بھی کبھی قبول نہیں کیا۔ لیکن بہ ایں ہمہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ کانگریس نے اس سکیم کو تسلیم کر لیا ہے۔ میرے لئے سخت مشکل ہے کہ میں اپنے الفاظ میں آج آپ کے سامنے اس طرزِ عمل پر کچھ اظہار کر سکوں۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ایک کھلی بدعہدی تھی۔

لے قلیل المیعاد اسکیم یعنی عارضی قومی حکومت،
طویل المیعاد اسکیم، یعنی دستور ساز اسمبلی کا قیام، دستورِ ہند کی تدوین۔

ملے کابینہ وفد نے یہ تصریح کر دی تھی کہ دستور بننے سے پہلے کوئی صوبہ مجوزہ گروپ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، لیکن صدر کانگرس (پنڈت نہرو) اور گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی لیڈر کہتے تھے، دستور بننے سے پہلے بھی ہر صوبہ جس گروپ میں چاہے شرکت کر سکتا ہے اس پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی، مطلب یہ کہ آسام، بنگال کے گروپ

میں نہیں شریک ہو سکتا۔

۲ے کانگریس کے اس اعلان سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا تھا، کہ وہ کابینہ وفد کے سفارشات کو تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن کابینہ وفد نے خوش فہمی سے کام لیا اور اُسے صرف کانگریس کی غلط فہمی قرار دیا، ورنہ اسکے نزدیک کانگریس نے یہ اسکیم "تسلیم" کر لی تھی۔

اہلِ امریکہ سے خطاب

۱۳۔ دسمبر ۱۹۴۶ء

وزیرِ اعظم برطانیہ کی دعوت پر قائدِ اعظم، اور پنڈت نہرو وغیرہ لندن پہنچے تو وہاں امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی سے اہلِ امریکہ کو مخاطب کر کے آپ نے ذیل کی تقریر ارشاد فرمائی۔

(رئیس احمد جعفری)

ہندوستان میں موجودہ صورتِ حال نہایت خطرناک ہے۔ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ اور جداگانہ قومیں ہیں اور زندگی کے ہر اہم شعبہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگر اس المناک سانحہ کا جس میں ہندوستان چند مہینوں سے مبتلا ہو چکا ہے، جلد از جلد سدِ باب نہ کیا گیا اور برطانوی حکومت اسی پالیسی پر کاربند رہی تو ہندوستان خانہ جنگی میں گرفتار ہو جائے گا۔ اور اس کی صدائے بازگشت ساری دنیا میں گونج کر رہے گی۔ صرف صوبہ بہار میں ہی ہندوؤں کے منظم گروہ تیس ہزار مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار چکے ہیں اور پندرہ ہزار مسلمان تباہ حال اور خانماں برباد ہو چکے ہیں۔

اس مختصر سی تقریر میں میں تفصیلات میں نہیں جا سکتا۔ لیکن پورے غور و فکر کے بعد میں اسی نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس مسئلہ کا صرف ایک ہی حل ہے، اور وہ یہ کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ پاکستان میں مسلمانوں کی آبادی سات کروڑ ہوگی اور ہندوؤں کے مقابلہ میں وہ ۷۰ فی صدی اکثریت میں ہوں گے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت ہے

کے مقابلہ میں وہ ۷۵ فی صدی اکثریت میں ہوں گے۔

جتنی جلدی برطانوی حکومت اعلان کرکے اس امر کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ ظاہر کردیگی اتنی ہی جلدی ان ہولناک بربادیوں سے بچ کر نکلنے کی صورت پیدا ہوسکے گی جن کو میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں کئی سالوں سے "وحدتِ ہند" کے حق میں کوششیں جاری ہیں۔ اور ہر دفعہ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ کیونکہ یہ سراسر غیر ممکن چیز ہے۔ ہندوؤں کو کوئی وجہ شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ انہیں ہندوستان کا ایک چوتھائی حصہ مل رہا ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اس برِ اعظم کا صرف ایک چوتھائی حصہ ملے گا۔

مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے "وحدتِ ہند" اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے تغلب اور تسلط کے ماتحت ایک دوامی غلامی ہے۔ اور مسلم ہندوستان اس کے لئے کبھی رضامند نہ ہوگا۔

آج بالآخر برطانوی حکومت ہندوستان میں موجودہ حالات کی نزاکت کا احساس کر رہی ہے اور صحیح واقعات سے روشناس ہو رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ اس مسئلہ کے صحیح خد و خال کا مطالعہ کرسکیں گے۔ اور ان کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرینگے۔

مجھے اس حقیقت کا پورا علم ہے کہ ہمارے خلاف بے پناہ پروپیگنڈہ جاری ہے۔ اور مسلم ہندوستان کی غلط نمائندگی کرکے مسلمانوں کو بدنظام کیا جا رہا ہے آزادی کی تڑپ ہمارے دلوں میں سب سے زیادہ ہے۔ ہم بھی برطانوی تسلط سے استخلاص کے متمنی ہیں۔ مگر ہم اس بات پر کبھی رضامند نہیں ہوسکتے کہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کی غلامی میں منتقل کر دیئے جائیں۔ ہم ایک آزاد اور خود مختار پاکستان چاہتے ہیں۔ اور اپنے ہمسایہ ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔

مجھے اس بات پر کامل یقین ہے کہ ہندو اس حقیقت کو محسوس کریں گے کہ دس کروڑ مسلمانوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانا ایک غیر ممکن چیز ہے۔ وہ اقلیت نہیں ہیں بلکہ

وہ ایک قوم ہیں "

۱؎ یہ محتاط ترین اندازہ تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقتولین، مجروحین اور تباہ حال لوگوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی

۲؎ پاکستان کا مطالبہ جب بھی قائد اعظم نے دوہرایا، ہندوستان کے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کی تمنا اور آرزو کا اظہار ضرور کیا۔

لندن میں ایک تقریر

۱۴- دسمبر ۱۹۴۶ء

قیام لندن کے دوران میں ایک پریس کانفرنس سے قائداعظم کا خطاب!

۱۴ دسمبر کو لندن میں ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے تفصیلی طور پر یہ بتایا کہ کس طرح وزارتی مشن اور برطانوی گورنمنٹ نے مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ دوران گفتگو میں اس کی وقعت کو گرانا چاہا، پاکستان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔

جب آپ سے ایک پریس کے نمائندے نے سوال کیا کہ کیا پاکستان سے مراد مکمل آزادی ہے۔ آپ نے جواب میں کہا: پھر ہم کس لئے لڑ رہے ہیں۔ مکمل آزادی کا ہی دوسرا نام پاکستان ہے۔

ایک دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر فیڈرل کورٹ برطانوی حکومت کے ۶ر دسمبر والے بیان کے خلاف فیصلہ دے دے تو ملک معظم کی حکومت کیا رویہ اختیار کرے گی۔ کیا برطانوی حکومت فیڈرل کورٹ کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے گی۔ میں کہتا ہوں ایسے حالات میں مسلم لیگ کسی طرح بھی نمائندہ اسمبلی میں شریک نہ ہو گی۔

ایک جرنلسٹ کے سوال پر کہ آخر لیگ فیڈرل کورٹ سے فیصلہ لینے کے کیوں خلاف ہے۔ قائد اعظم نے فرمایا:- کہ کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ عدالت نہیں کرتی۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں۔ فیڈرل کورٹ کا بار بار سوال اٹھانا بیکار دھندہ ہے۔ گروپنگ کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بلکہ یہ تو ساری اسکیم کی جڑ ہے۔

یہ

خود وزارتی مشن جو اس پلان کے خالق ہیں اس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے - اگر کسی کے دل میں اب بھی شک ہے تو میں صاف صاف الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کے سوال پر کسی کورٹ کا فیصلہ ماننے کو تیار نہیں۳

ایک اور رپورٹر نے سوال کیا کہ اگر کانگرس نے برطانوی تجاویز کو قبول کر لیا تو مسلم لیگ اسمبلی میں شریک ہو جائے گی تو کیا ایسی حالت میں مسلم لیگ کانفرنس سے متفق ہو جائے گی کہ نمائندہ اسمبلی ایک آزاد جمہوری ادارہ ہے جس میں باہر کی طاقت کو کوئی دخل نہیں ہوگا -

قائد اعظم نے سوال کے پہلے حصے کے جواب میں کہا کہ اگر کانگریس برطانوی حکومت کے ۶ دسمبر والے بیان کو بغیر کسی اگر مگر کے تسلیم کرے تو وہ فوراً نئی دہلی میں اپنی کونسل کا جلسہ طلب کر لیں گے لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کونسل کا فیصلہ نمائندہ اسمبلی میں شریک ہونے کے متعلق کیا ہوگا۔ ۴

سوال کے آخری حصے کا جواب دیتے ہوئے قائد اعظم نے جرنلسٹ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے یہ سوال کر کے کافی اہم معاملہ پیش کر دیا - انہوں نے کہا کہ اس کا جواب کانگریس کا آئندہ طرز عمل دے گا - لیکن جس جمہوریت کا راگ اکثر گایا جاتا ہے - اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس مجلس آئین ساز میں کانگریس کے ۲۹۲ ممبر ہیں شاید دو ایک کم شریک ہوں - وہاں مسلمانوں کی گنتی صرف ۷۵ ہے - ہندو اور مسلمان کے درمیان کوئی جمہوریت نہیں بن سکتی - وہاں تو ایک قوم کے مشترکہ مطالبہ کو بھی ٹھکرایا جا سکتا ہے - اور محض اس بنا پر کہ اس کے نمائندے ۷۹ ہیں اور کانگرس کے ۲۹۲ -

مسلمان ہرگز نمائندہ اسمبلی میں کسی بیرونی طاقت کا دباؤ نہیں چاہتے ، بلکہ وہ تو اسکیم کو بنیادی طور سے اس طرح عمل میں لانا چاہتے ہیں جس سے ایک قوم دوسری قوم کی دست برد سے محفوظ ہو جائے -

لیکن ایک طرف اسمبلی کی خود مختاری کا دعویٰ کرنا اور دوسری طرف مسلمانوں کو نظر انداز کرنا۔ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک خطرناک حرکت ہے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کے کسی قطعہ زمین میں کوئی آئین کامیاب ہو گیا ہو۔ جب تک کہ اس کو ملک کے بڑے بڑے طبقوں کی تائید حاصل نہ ہوئی ہو مشین بھی اس وقت تک ٹھیک کام نہیں کرتی جب تک کاری گروں کی پوری ہمدردی اور اشتراک عمل نہ ہو۔

یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان اکثریت کے خلاف ویٹو استعمال کرتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ اکثریت سے کیا مراد ہے؛ اگر اکثریت کا مطلب ہندو ہیں تو انہیں کون اپنا آئین بنانے سے روکتا ہے وہ جلد سے جلد اپنا آئین تیار کر لیں، ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ ہم پاکستان کا آئین خود تیار کر لیں گے۔

جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مسلم لیگ پاکستان کے لئے اپنی علیحدہ نمائندہ اسمبلی بنانا چاہتی ہے تو قائداعظم نے فرمایا "میں نے ہمیشہ ایسا کیا ہے۔"

قائدِ اعظم نے کانگرس کے موجودہ رویہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے عارضی حکومت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ کانگرس نے صاف طریقہ سے یہ اعلان کر دیا ہے کہ عارضی حکومت ایک کیبنٹ کی طرح مشترکہ ذمہ داری سے کام کرے گی۔ اور وہ اسمبلی کے سوائے اور کسی دوسری طاقت کے سامنے جوابدہ نہ ہوگی۔ اس اسمبلی میں جہاں ان کی بھاری اکثریت ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تو ہم کو سرکاری پارٹی اور برطانوی حکومت کے پٹھو کہا کر بدنام کیا جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس وقت جبکہ آئندہ کے آئین بنانے کا سوال طے نہیں ہوا، عارضی حکومت ایسے اقدامات کر رہی ہے جو ہمارے مطالبہ پاکستان کے لئے تارپیڈو ثابت ہو رہے ہیں۔

قائداعظم نے آخر میں کہا کہ ۶ دسمبر کے برطانوی بیان میں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستان کی پارٹیاں فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنا چاہیں تو نتیجہ نکلنے تک آئین سازی کو روک دینا چاہیئے

ہیں نہیں کہہ سکتا کہ کانگرس دانائی کا ثبوت دیتے ہوئے فیڈرل کورٹ کے فیصلہ تک اسمبلی کے سیشن کے اجلاس کو ملتوی کردے گی ۵

---

۱ کابینہ مشن خود بالاتفاق بار بار کہہ چکا تھا کہ "گروپنگ" اس اسکیم کا لازمی جزو ہے مگر گاندھی جی اور پنڈت نہرو فرماتے ہیں۔ نہیں تم غلط کہتے ہو۔ گو تم اس اسکیم کے مصنف ہو لیکن اپنی اسکیم کے مغز و معنیٰ سے ذرا بھی واقف نہیں آؤ فیڈرل کورٹ سے فیصلہ کرالیں، جسکے چیف جسٹس ہمارے دوست اور تمہارے ہم وطن سرمارس گائر ہیں۔

۲ گروپنگ کا ایک فائدہ یہ تھا کہ آسام مسلم علاقے میں آجاتا تھا لیکن یہ کتنی بڑی دھاندلی تھی کہ کانگرس آسام کو مسلم علاقے میں عارضی طور پر بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی، لیکن سارے پاکستانی علاقے کو مستقل اور دائمی طور پر اپنے حلقے میں فیڈرل کورٹ سے فائدہ اٹھا کر لے لینے پر بضد تھی۔

۳ ظاہر ہے ایسا مسئلہ کبھی عدالت کے ذریعہ بھی طے نہیں ہو سکتا۔

۴ قائداعظم گو مسلم لیگ کے صدر تھے اور لوگ انہیں مسلم قوم کا آمر اور مسلم لیگ کا آقا بھی کہتے تھے، لیکن کسی مرحلہ پر بھی انہوں نے اپنی ذات کو، اپنی جماعت سے بالا نہیں رکھا، ہمیشہ اپنی رائے اسی کے تابع رکھی۔

۵ اور واقعی کانگرس اس کے لئے تیار نہیں ہوئی!!

قاہرہ میں ایک تقریر

پاکستان نہ ملا تو مصر بھی غلام ہو جائے گا

۲۰ر دسمبر ۱۹۴۶ء

کانگرس نے کابینہ وفد کی اسکیم نہیں مانی، آسام کو بنگال کے گروپ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ یہ اعلان نہیں کیا کہ جن حدود کے اندر رہ کر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کام کر سکتی ہے ان سے تجاوز نہیں کرے گی۔

وائسرائے نے کانگرس کے دباؤ سے مجبور ہو کر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ مقرر کر دی، قائداعظم نے اسکے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

ہندوستان کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کام کر رہی ہو، ہندوستان کا دستور اساس بن رہا ہو۔ اور اس میں ایک مسلمان نمائندہ بھی نہ شریک ہو، اور اس دستور کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے۔ اس دھاندھلی پر برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی بھی اپنی ہندو نوازی اور کانگرس دوستی کے باوجود تیار نہ ہو سکے۔

دستور ساز اسمبلی کے اجلاس سے صرف چند روز پہلے اٹیلی نے لندن میں ایک کانفرنس بلائی تاکہ اب بھی مفاہمت ہو جائے، اور ایک ہی دستور ساز اسمبلی پر یعنی ہندوستان کے تقسیم نہ ہونے پر اتفاق ہو جائے۔ اس کانفرنس میں قائداعظم، لیاقت علی خان، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ شریک ہوئے، لیکن یہ کانفرنس بھی کامیاب نہ ہوئی، پنڈت جی اپنی ضد پر اڑے رہے یعنی آسام بنگال کے گروپ میں شریک نہ ہوگا، دستور ساز اسمبلی جو چاہے گی کرے گی۔ اس پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو سکتی، قائداعظم بھی اپنی بات پر جمے رہے، مسلمانوں کی دستور ساز اسمبلی

اسمبلی الگ ہو گی، اور وہ مسلم علاقوں کا دستور اساسی بنائے گی۔

لندن سے واپسی پر قاہرہ میں قائد اعظم چند روز مصر میں ٹھہرے، شاہ فاروق نے پرتپاک استقبال کیا، معانقہ اور مصافحہ کی رسم ادا ہوئی، پھر مسلمانانِ ہند اور عالم اسلام کی سیاست پر طویل گفتگو ہوئی، اخوان المسلمین کے زعیم کبیر حسن البنا نے بھی قائدِ اعظم سے شرف نیاز حاصل کیا۔ پھر ایک پریس کانفرنس میں قائد اعظم نے یہ بیان دیا۔ (رئیس احمد جعفری)

قائد اعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے پریس کانفرنس میں بالتفصیل یہ بتایا کہ کیوں مسلم لیگ نے مجلس دستور ساز میں شرکت نہیں کی آپ نے کہا کہ ہم نے برطانیہ کی پیشکش کو قبول کر لیا۔ جو اس نے مجلس دستور ساز میں شرکت کرنے کے لئے کی تھی، ہم نے اس میں کوئی ذہنی تحفظ نہیں رکھا تھا، لیکن کانگرس نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ برطانوی تجویزوں کی بابت وہ اپنی تشریح پیش کرے، اس لئے سخط مسلم لیگ کی نہیں ہے بلکہ کانگریس کی ہے کہ اس نے ہندوستان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی۔ سوال کیا گیا کیا آپ اس معاملہ کو فیڈرل کورٹ کے سامنے کرنے کے لئے تیار ہیں تو قائد اعظم نے جواب دیا کہ اس قسم کی تجویز کے قبول کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا گروپنگ کی بابت برطانوی تجاویز قطعی واضح اور طے شدہ ہیں، اور ان میں شک و شبہ کی گنجائش پیدا نہیں ہوتی، میں کھل کر فیڈرل کورٹ کے خیال کا مذاق اڑاتا ہوں، یا کسی بھی کورٹ کا جو کانگرس اور لیگ کے درمیان مسئلہ کو طے کر سکے۔ یہ سوال کیا گیا اگر کانگریس آئین سازی کے کام کو برابر جاری رکھتی ہے تو مسلم لیگ کیا کرے گی، قائد اعظم نے جواب دیا کہ میں ابھی سے کچھ کہنے کو آمادہ نہیں ہوں اس کا فیصلہ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کرے گی کہ وہ کیا قدم اٹھائے گی۔ مگر حالت کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ ہم گروپنگ کی بابت کانگریس کے نقطہ نظر کو نہیں مان سکتے۔ قائد اعظم نے ایک اور بیان میں مصر اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلمانانِ ہند کی اس جدوجہد میں امداد کریں۔ جو وہ ہندوستان میں کر رہے ہیں۔ لبرل آئینی پارٹی کی طرف سے قائد اعظم کو ایک پارٹی دی

گئی جس میں قائداعظم نے کہا کہ اگر ہندو شہنشاہیت قائم ہو گئی تو تمام مسلمان ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے۔ اور مآل کار برطانی ملوکیت کے غلام ہو جائیں گے۔ ہمارے لئے پاکستان زندگی اور موت کے سوال کی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے گھروں میں آزاد ہیں تو آپ کو ہمارے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہیئے، قائداعظم نے اعلان کیا کہ اس وقت کوئی بھی ایسی مسلم حکومت موجود نہیں ہے جو صحیح معنی میں آزاد ہو۔ ایران جو کبھی صدیوں سے آزاد تھا غلام ہو گیا، اسوقت تک مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں آزاد نہ ہوں گی، جب تک پاکستان قائم نہ ہو گا۔ اسلئے جو شخص ہندوستان پر اقتدار رکھتا ہے وہی مشرق وسطیٰ پر اقتدار رکھتا ہے، آپ نے ضیافت کے شرکاء سے کہا کہ اگر ہندوستان میں ہندو شہنشاہیت قائم ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان سے اسلام ختم ہو گیا، بلکہ ہندوستان ہی سے نہیں، دوسرے اسلامی ملکوں سے بھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ مذہبی اور روحانی رشتے ہمیں اور مصریوں کو ایک رشتہ میں باندھے ہوئے ہے اگر ہم ڈوبے تو سب ڈوب جائیں گے۔

اپنے دورے کا مقصد بتاتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ میں یہاں عرب لیگ کا مہمان ہوں میں یہاں اسلئے آیا ہوں کہ مصر کی سیاسی حالت کا مطالعہ قریب سے کر سکوں مجھے اس بات کی فکر ہے کہ اہل مصر یہ سمجھیں کہ مسلم ہندوستان کس مقصد کے لئے جدوجہد کر رہا ہے، اور یہ بات مصر کے لئے کتنی اہم ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند حصولِ پاکستان میں کامیاب ہوں اور یہ بات اہلِ مصر کے لئے کتنی خطرناک ہو گی، اگر ہم اس مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔ قائداعظم نے انکشاف کیا کہ جب لندن جا رہا تھا تو مصر سے گذرتے ہوئے میرے اوپر یہ بات منکشف ہوئی کہ کانگریسی ایجنٹوں نے کتنا وسیع پروپیگنڈا مصر میں کر رکھا ہے۔ میں نے بہت کم سنا اور دیکھا، لیکن اس مختصر سے تجربے سے ہی میں نے یہ بات محسوس کر لی کہ کانگریسی ایجنٹوں نے مصریوں کو ہندوستان کے حالات اور حقائق کی بابت کس حد تک گمراہ کر رکھا ہے۔ میں ہر اس مصری سے جو اپنے

ملک اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے سوالات پر گہری نظر سے غور کرے۔ اس کے بعد مصری یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ ہندو راج کا خطرہ کتنا قوی ہے جو اپنے نیچے مشرقِ وسطیٰ تک پھیلنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ اگر ہم حصول پاکستان میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۔ کیونکہ قوموں اور ملتوں کے مستقبل کے فیصلے عدالتیں نہیں کیا کرتیں۔

۲۔ قائد اعظم کی جمہوریت پسندی کا سب سے بڑا ثبوت۔

۳۔ یعنی آسام کو بنگال کے گروپ میں شریک ہونا پڑے گا۔ اگر کانگرس اتنی سی بات گوارا نہیں کر سکتی تو ہم سارا پاکستان اُسے کیسے دے دیں؟

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں!

اقبالؔ

۱۹۴۷ سنہ ع

جب پاکستان بن گیا

جب مشرقی پنجاب میں، "ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو، !"

جب ہر وقت سقوطِ پاکستان کا خطرہ لگا ہوا تھا،

جب قائداعظم کے تدبر، عزمِ راسخ، ہمتِ بلند، خود اعتمادی، اور اعتماد علی اللہ نے

اس گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا،

کیونکہ

پائے او محکم بہ رزم خیر و شر

ذکرِ او شمشیر و فکرِ او سپر

تاجروں سے قائدِ اعظم کا خطاب

۲۷- مارچ سنہ ۱۹۴۷ء

میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے ایک اجتماع میں قائدِ اعظم کی حیات آفرین تقریر! مستقبل قریب میں پاکستان کے اندر کسی قسم کے بحران سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا - ایسا ہونا بہت غیر ممکن سا واقعہ ہے، آپ اپنی حکومت میں معاشرتی عدل و انصاف اور اشتراکی نظام کے قیام میں کافی حد تک ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ معاشرتی انصاف اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصّہ ہے - ہر حکومت میں ایسا ہونا چاہیئے تاکہ وہ حکومت دنیا کو بتا سکے کہ وہ اقتصادیات اور معاشرتی انصاف میں کامل یقین رکھتی ہے -

بہت سی دوسری قومیں جن میں ہندوؤں کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جھوٹے پروپیگنڈے پھیلا کر لاتعداد غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہیں - اُن کو اتنا بدظن کر دیا گیا ہے کہ وہ ہمیں مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی ہیں - اور وہ یہ سمجھ رہی ہیں کہ ہم ان کے خلاف کوئی معاندانہ لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں - ہمیں پاکستان قائم کرنا ہے اور اس میں صرف مسلمانوں کی بھلائی ہی نہیں ہو گی، پاکستان کا مطلب ہے آزادی کسی خاص ایک قوم کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے آزادی پاکستان کا مطلب دونوں کے لئے آزادی ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، کہ میرے دل میں عظیم الشان ہندو قوم کی بہت عزت ہے - اُن کا اپنا دھرم ہے - اپنا فلسفہ ہے - وہ اپنا تمدن رکھتے ہیں عین اُسی طرح جس طرح مسلمان اپنا ایمان، فلسفۂ حیات اور تمدن رکھتا ہے - لیکن دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔[1]

میں پاکستان کے لئے لڑ رہا ہوں۔ کیونکہ ہمارے مسائل کا یہی ایک عملی حل ہے اتحاد ہندوستان کا تصور اور پارلیمانی خطوط پر طرز حکومت ایک لایعنی خواب ہے، اور ایک غیر ممکن شے ہے۔ ہندوستان نہ تو ایک ملک ہے۔ اور نہ ہی ایک قوم، اس میں بیسیوں قومیں ہیں۔

میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے ذہنوں میں یہ تصور کس نے راسخ کیا؛ ہندوستان ایک رہے یا تقسیم ہو جائے، آخر انگریزوں کا اس سے کیا واسطہ ہے؛ اسکے متعلق وہ کیوں پریشان ہو رہے ہیں؛ وہ کیوں اُمیدوں کے خلاف حوصلہ افزائی کر کے ملک کی قیادت کے لئے کچھ اور راہیں پیدا کر رہے ہیں انگریز جا رہے ہیں انہیں یہاں سے جانا ہی پڑیگا۔ لیکن وہ متحدہ ہندوستان کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں۔ وہ اس راز کو خود ہندوستانیوں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ان کی نجات ہی اسی میں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب تک وہ متحدہ ہندوستان پر مصر رہیں گے، تباہی و بربادی اور قتل و خون کا دور دورہ قائم رہے گا۔ انگریزوں کی یہی چال رہی ہے اور اب جبکہ وہ ہندوستان چھوڑ رہے ہیں مسلح کیمپ میں جوش و خروش پیدا کر رہے ہیں،

میں مسلمانوں ہندوؤں اور دیگر اقوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ حالات کا بغور مطالعہ کریں اور خوابوں کی دنیا میں بسنے کی کوشش نہ کریں۔

آیئے اب عملی آدمیوں کی طرح قدم اُٹھائیں اور اصول تعلیم کو تسلیم کر لیں۔ ہم پاکستان میں رہیں گے اور آپ ہندوستان میں۔ ہم ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کریں گے ہمیں غیر ملکیوں کی ضرورت نہیں۔ ہم دوستوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ ہم صنعت و تجارت میں دوست رہیں گے اور دو بھائیوں کی طرح رہیں گے۔ یہی پاکستان ہے[۱]۔

حقیقت ایک کھلا راز ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لئے کتنی دولت صرف کی جا چکی ہے۔ دس سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور ہم اس آزمائش اور امتحان میں پورے اترے ہیں۔ آج مسلمان ایک متحد و منظم قوم ہیں۔ اور پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانی کے

لئے تیار ہیں۔ یقیناً ہم پاکستان قائم کر کے رہیں گے۔ کیونکہ پاکستان کے سوا ہمارے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے پاکستان کی منزل روز بروز قریب آ رہی ہے۔ لہٰذا آیئے اب مطالبہ پاکستان کو تسلیم کر کے التوائے جنگ کا اعلان کر دیں الگ الگ رہ کر ترقی کی منازل طے کرنا ایک جگہ رہ کر غلامی کی زندگی بسر کرنے اور ہر چیز کو تباہ و برباد کرنے سے کہیں بہتر ہے متحدہ ہندوستان سے اسی بربادی پر منتج ہو گا۔ آخر یہ تباہی و بربادی کیوں ہو؛ اس کا جواب بہت مشکل نہیں ہے۔

اکھنڈ ہندوستان کا مطلب ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر حکومت کرے گی متحدہ ہندوستان کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کے تین ووٹ ہوں گے۔ اور مسلمانوں کا ایک اسلئے ایک قوم اپنی بیہمانہ اکثریت کے بل بوتے پر حکومت کر کے دوسری قوم پر اپنے تصورات مسلط نہیں کر سکتی۔

مجھے کامل یقین ہے کہ یہ دونوں عظیم قومیں ہندوستان اور پاکستان میں دوستوں کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گی اور پاکستان اور ہندوستان میں رہنے والے عظیم الشان ہندو اور مسلمان دنیا کو بتا دیں گے کہ ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لئے ہے۔

"میں مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی اور معاشری ترقیوں کے لئے بہت سے پلان پر غور کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں مسلم تاجروں کی بہتری کا سوائے اسکے اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اقتصادی تنظیم پیدا کریں کہ مسلمانوں کو ٹاٹا جیسی مہم جویانہ اور جرأت آمیز صنعتی صنعتوں کی ہمسری کرنی چاہیئے[3] اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اور تعلیمی ادارے کھولنے چاہئیں[4] ہمیں اپنی قوم کو منظم کرنا ہو گا۔ دوسری قومیں شاید اس کو پیش دستی کہیں۔ اور ہماری اس تنظیم کو فرقہ وارانہ جذبات پر محمول کریں یہ قومیں صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ اور مستقبل میں بھی زندہ رہیں گی۔

پاکستان ایک ایسی حکومت ہو گی جس میں سب قوموں کو زندگی کی تمام آسائشوں کا حصہ ملے گا۔

اسلئے اب تمام مسائل حل کر لیجئے۔ پاکستان ایک ایسی حکومت ہوگی جہاں ذات پات کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ آخر مجھے کسی فرقہ کے خلاف جو اپنے افراد کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے لئے کوشاں ہے۔ کیوں شکایت ہونی چاہیئے ایسی کوششوں کو فرقہ واریت کہنے کا کوئی فائدہ نہیں جتنی جلدی آپ حقائق کا سامنا کرنے کی کوشش کریں گے اتنی ہی جلدی آپ موجودہ مسائل کا حل تلاش کرلیں گے۔

قائدِ اعظم نے تبدیلی آبادی کے مسئلہ پر تبصرہ اور نواکھالی میں مسٹر گاندھی کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مسٹر گاندھی نے دو سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ تبدیلی آبادی کے حق میں ہیں قائداعظم نے فرمایا کہ جس وقت تبدیلی آبادی کی تجویز میں نے پیش کی تھی۔ اس وقت یہ ایک جرم شمار کیا گیا تھا، اور اس کے خلاف شور و غوغا بھی بلند ہوا تھا۔[6]

قائداعظم نے ستمبر ۱۹۴۴ء میں مسٹر گاندھی کے ساتھ گفتگوئے مفاہمت اور خط و کتابت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے مسٹر گاندھی نے یہ سوال اٹھایا تھا۔ میں پورے غور و فکر کے بعد یہی کہتا رہا ہوں کہ تبدیلی آبادی نہایت ضروری ہے اور یہ ہوکر ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کام ایک پرائیویٹ انجمن کا نہیں ہے جو کچھ آج کل ہو رہا ہے، وہ محض معمولی سی علامتیں ہیں، سندھ اسمبلی میں پوچھا گیا کہ ہندو اقلیت ہندو اکثریت کے صوبوں میں تبدیلی کیوں چاہتے ہیں، آج کل ہندوؤں اور مسلمانوں میں دونوں طرف ایسے جذبات بہت تیزی سے پیدا ہو رہے ہیں، مسلمان پاکستانی علاقوں میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہندو ہندوستان کے علاقوں میں یہ غیر دوستانہ تعلقات کا کھلا ہوا ثبوت ہے لیکن اگر وہ پاکستان میں رہنا چاہیں تو ہم ان کی مدد کریں گے۔

ہم ہندوؤں کو کامل یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور برادرانہ سلوک کیا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں ہماری تاریخ شاہد ہے، اسلامی تعلیمات نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ یاد رکھئے کہ جو حکومتیں عوام کے اعتماد

پر قائم نہیں ہیں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ جمہوریت مسلمانوں کے رگ و ریشہ میں ہے اور ہم نے ہمیشہ مساوات، اخوت اور استقلال کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ اسلام میں کوئی ایسا موقع محل نہیں ہے جہاں کوئی فرد واحد اپنی من مانی کارروائی کر سکے ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ ایک شخصی حکومت کے مقابلہ میں ہمارے طرزِ حکومت میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔

قائداعظم نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :- اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔

---

۱ قائداعظم ہندو قوم کی عظمت اور اسکے فلسفہ حیات کی بلندیوں کے ہمیشہ قائل رہے اُن کی زبان سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں نکلی جس سے ہندو قوم کی اہانت کا پہلو نکلتا ہو،

۲ پاکستان ایک ضرورت تھی، ایک مطالبہ تھا، ایک حقیقت تھی لیکن اس کے یہ معنی، قائداعظم کے ذہن میں کبھی نہیں آئے کہ پاکستان ہندوستان کا دشمن ہوگا، وہ ہمیشہ یہی چاہتے رہے کہ یہ دونوں ملک دوست اور بھائی کی حیثیت سے رہیں۔

۳ قائداعظم کی یہ آرزو پوری ہوگئی، آج صنعت و حرفت کے میدان میں پاکستان کے اصحابِ عزم بہت آگے نکل چکے ہیں۔

۴ لیکن قائداعظم کی یہ حسرت ابھی تک پوری نہیں ہوسکی۔ شاید کچھ عرصہ بعد ہمارے سرمایہ دار اس ضرورت کو محسوس کر سکیں۔

۵ اس لئے کہ پٹنہ اور نواکھالی میں مبینہ طور پر ہندو ہدفِ ستم بنے تھے۔

۶ جب تک صرف مسلمان پٹتے رہے اس کی مخالفت کی گئی۔

۷ اشارہ ہے اسلام کی جمہوریت پسندی کی طرف۔

ہندوستان تقسیم ہو گیا

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد!
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

نگاہِ مردِ مومن کا کرشمہ

پاکستان بن گیا!

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

قائدِ اعظم

جہاں ہم خشتِ خم رکھ دیں بنائے کعبہ پڑتی ہے
جہاں ساغر ٹپک دیں چشمۂ زمزم اُبلتا ہے

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں!

اقبال

لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے خطاب

۱۳ اگست ۱۹۴۷ء

ہندوستان تقسیم ہو گیا،

پاکستانِ عالم وجود میں آگیا ———— حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند!

ایک ناممکن بات ایک ٹھوس حقیقت بن گئی!

پاکستان کا تصور نیا نہیں تھا، سرسید سے لے کر قائد اعظم تک کی تقریباً سو سالہ مدت میں یہ لفظ تو نہیں لیکن یہ مفہوم متعدد مواقع پر مسلم اکابر کی زبان سے ادا ہوا۔

دو قومی نظریہ کے اصلی خالق سرسید احمد خان تھے، انہوں نے بار بار اپنی تقریروں اور بیانات میں اعلان کیا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں، اور وہ اپنی انفرادیت کا تحفظ چاہتے ہیں، درحقیقت پاکستان کی خشتِ اوّل یہی تھی۔

پھر، آغا خان اور محسن الملک کی سرکردگی میں جو وفد لارڈ منٹو وائسرائے ہند سے ملا تھا اس نے پوری شدت اور اصرار کے ساتھ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا، ظاہر ہے ———— جداگانہ انتخاب کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا تھا، اگر مسلمان ایک جداگانہ قوم نہ ہوتے، اس وفد نے اپنے معروضات میں اقلیت اور اکثریت کی مستقل اور دائمی حیثیت پر بھی بحث کی تھی، اگر مسلمانوں کو اپنی جداگانہ قومیت کا احساس نہ ہوتا تو نہ اس وفد کی ضرورت تھی نہ ملی انفرادیت کے تحفظ اور بقا کے لئے مطالبات پیش کرنے کی۔

نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ اور دوسرے بزرگوں کی مساعی سے جب تقسیم بنگال عمل میں

آتی، یعنی ہندو بنگال اور مسلم بنگال دو جداگانہ صوبے قرار دیئے گئے تو یہ پاکستان کی طرف پہلا قدم تھا لیکن مسلمان اس وقت تک اتنے مضبوط اور منظم نہ تھے کہ اس تقسیم کو قائم رکھ سکتے، چنانچہ ہندو دہشت پسندوں سے مرعوب ہو کر حکومت نے تقسیم بنگال کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مسلمان کچھ نہ کر سکے، نواب سلیم اللہ کی اشک شوئی کے لئے ایک بڑا سا خطاب دے دیا گیا ایک اقامتی، اور نیم اسلامی درسگاہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے نام سے قائم کر دی، اللہ اللہ خیر صلاّ بات ختم ہو گئی۔

قائداعظم جب صرف محمد علی جناح تھے، تب بھی وہ ہندو مسلم قومیت کے جداگانہ تصور کے حامل تھے، چنانچہ ۱۹۱۶ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین ایک معاہدہ صدر مسلم لیگ مسٹر جناح کی وساطت سے ہوا۔ جو لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے، یہ درحقیقت کانگرس کی طرف سے اس بات کا اعتراف تھا کہ وہ ہندوؤں کی نمائندہ ہے، اور مسلم لیگ مسلمانوں کی کیونکہ اس پیکٹ کی بنیاد مجالس آئین ساز میں ہندو مسلم نشستوں کی تعیین تھی۔

"ہندو انڈیا" اور "مسلم انڈیا" کی اصطلاح اگر مولانا محمد علی کی ایجاد نہیں تھی تو رائج کردہ ضرور تھی، انہوں نے کبھی یہ بات تسلیم نہیں کی کہ مسلمان اقلیت ہیں، مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیراعظم برطانیہ کو انہوں نے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے جو طویل خط ہندوستان کی سیاسی کشمکش سے متعلق لکھا تھا، اس میں بڑے بپھرے ہوئے لہجہ میں اس شخص کو عقل سے عاری قرار دے دیا تھا، جو مسلمانوں کو اقلیت سمجھتا ہو، انہوں نے نہایت شدت کے ساتھ اصرار کیا تھا کہ مسلمان ہرگز اقلیت نہیں ہیں، ہر قومی اور بین الاقوامی اصول کے اعتبار سے ایک مستقل قوم ہیں، یہ واقعہ ۱۹۳۰ء کا ہے۔

اور ۱۹۳۰ء ہی میں رحمت علی صاحب متعلم کیمبرج یونیورسٹی نے پاکستان کے نام سے ایک اسکیم کا خاکہ مرتب کیا، اور اس کا نام پاکستان رکھا، اور اس کی تقسیم و تشہیر کی سعی بھی کی، لیکن اس خاکے میں بنگال شامل نہ تھا۔

پھر ۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال نے مسلم لیگ کا خطبۂ صدارت (بمقام الہ آباد) دیتے ہوئے تقسیم ہند کی طرف اشارہ کیا۔

۱۹۳۹ء میں چودھری خلیق الزمان نے لارڈ زٹ لینڈ وزیر ہند کے سامنے تقسیم ہند یعنی مشرقی پاکستان و مغربی پاکستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا لیکن یہ نجی سکیم تھی، اب تک قائد اعظم متحدہ ہندوستان سے مایوس نہیں تھے، وہ صرف تحفظ حقوق مسلمین کے لئے لڑ رہے تھے، اب اُن کے سامنے یہ اسکیم ان کے ایک رفیق کار نے پیش کی تو سنجیدگی سے انہوں نے غور کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کا تحفظ واقعی تقسیم ہند کے بغیر نہیں ہو سکتا،

اب تک جتنی اسکیمیں بھی تقسیم ہند سے متعلق پیش ہوئی تھیں، وہ نظریاتی اور علمی حیثیت رکھتی تھیں۔ اب پہلی مرتبہ یہ اسکیم ایک مردِ میدان، ایک قائد اعظم۔ اور ایک سالارِ کارواں نے پیش کی، فوراً ہی یہ نعرہ ساری قوم کا مطالبہ بن گیا، اور بغیر کسی خوں ریزی، خانہ جنگی اور قتل و غارت کے صرف سات سال کی مدت میں، اس مطالبے نے عملی صورت اختیار کر لی، کیا یہ واقعہ دُنیا کی تاریخ میں انوکھا، بے مثل اور لافانی نہیں ہے ؟

ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماونٹ بیٹن، پنڈت نہرو کے دستِ راست کانگرس کے سرپرست اور ذہنی طور پر پاکستان کے سخت مخالف تھے لیکن حالات سے مجبور تھے بادلِ نخواستہ، انتقال اختیارات اور حکومت کی سند دینے دہلی سے کراچی تشریف لائے۔

اسی تقریر میں انہوں نے قائد اعظم کو شہنشاہ اکبر کی پیروی کرنے کی تلقین کی، مطلب یہ کہ جس طرح وہ روادار تھا اور ہندوؤں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتا تھا، اسی طرح آپ بھی کیجئے، قائد اعظم نے برجستہ جواب دیتے ہوئے فرمایا، ہمارے سامنا اسلام کے درخشاں اور تاباں روایات ہیں، اور یہ روایات صرف رواداری ہی کی نہیں بلکہ غیر مسلموں سے فیاضانہ سلوک کے متقاضی ہیں۔

یہ جواب باصواب سُنکر لارڈ ماؤنٹ بیٹن دم بخود رہ گئے۔

جواب میں قائدِ اعظم نے جو تقریر کی، وہ لفظی اور معنوی ہر اعتبار سے نہایت اہم ہے، اس تقریر میں کوئی تلخی نہیں، بلکہ پوری عالی ظرفی کے ساتھ متعلقہ مسائل پر اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

"ہم ہمیشہ اس چیز کی کوشش کرتے رہیں گے کہ دولتِ برطانیہ اور اپنی ہمسایہ حکومت ہندوستان[1] اور دوسری قوموں سے ہمارے تعلقات دوستانہ رہیں اور ہم دنیا میں امن و خوشحالی قائم کرنے میں اُن کی مدد کر سکیں۔

عظیم المرتبت ملکہ وکٹوریہ جس نے سو سال پہلے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تھی، اور وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کو اختیارات سنبھالنے کے لئے تیار کیا جائے گا اور وقت آنے پر آزادی بخش دی جائے گی۔ آج سو سال پہلے کے وعدے ملکہ کے پوتے جارج کے عہد میں پورے ہو رہے ہیں، اور اسکے نتیجہ کے طور پر ۲ دو آزاد حکومتیں پاکستان اور ہندوستان ظہور میں آرہی ہیں۔

انگریزوں نے اپنے عہدِ حکومت میں بہت سی چیزیں ایسی کیں جو نہیں کرنی چاہیئے تھیں[2] اس میں شک نہیں کہ انگریزوں کا اثر ہندوستان کی زندگی کے بعض شعبوں پر بہت گہرا اور خوشگوار پڑا ہے، مثال کے طور پر انگریزوں کی قائم کردہ عدالتوں کو لیا جاسکتا ہے، جن کی مدد سے لوگوں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچایا گیا اور امن کا دور دورہ شروع ہوا[3]

انگریزوں کا رضاکارانہ طور پر چلا جانا، دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک ہی واقعہ ہے، ہندوستان برطانیہ کے تاج کا سب سے روشن ہیرا سمجھا جاتا تھا، آج یہ ہیرا اپنے ہی ہاتھوں دوسروں کو دیا جارہا ہے[4]

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان اور پاکستان کے لوگ برطانیہ کے اس اچھے فعل کی بڑائی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اس کی بجا طور پر تعریف کرتے ہیں، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج جو کچھ

پاکستان اور ہندوستان دونوں برطانوی قوموں کی برادری کا حصہ ہیں۔[۵]

لارڈ مونٹ بیٹن نے تین جون کی اسکیم کو عملی جامہ جس قابلیت اور عمدگی سے پہنایا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ آپ ہندوستان کے آخری وائسرائے ہیں، لیکن ہندوستان اور پاکستان آپ کو بہت دنوں تک یاد رہیں گے۔ یہی نہیں آپ کا نام دُنیا کی تاریخ میں بہت زمانے تک یاد رہے گا۔[۶]

قائدِ اعظم نے فرمایا ہم برطانیہ کے وزیرِ اعظم مسٹر اٹیلی برطانیہ کی پارلیمنٹ اور برطانیہ کے لوگوں کے بھی ممنون ہیں کہ اُنہوں نے ہمارے مطالبہ آزادی کو سمجھا اور اسی طرح دو آزاد حکومتوں یعنی پاکستان اور ہندوستان کا قیام عمل میں آیا۔

۱۔ اس موقع پر بھی کہ باہمی تعلقات حد درجہ تلخ تھے، قائدِ اعظم نے ہندوستان کے ساتھ دوستی کی تمنا کا اظہار کیا، نہایت اخلاص کے ساتھ اُن کی آرزو تھی کہ یہ دونوں ملک آپس میں دوست رہیں۔

۲۔ اشارہ ہے ان زیادتیوں کی طرف جو اُنہوں نے اپنی سامراجی حکومت قائم رکھنے کے لئے ہندوستان پر بالعموم اور مسلمان قوم پر بالخصوص روا رکھی تھیں۔

۳۔ اشارہ ہے اس فرسودہ نظامِ عدالت کی طرف، جو منظم حکومت قائم ہونے سے پہلے رائج تھا، اور عہدِ زوال کی یادگار تھا۔

۴۔ قائدِ اعظم نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ انگریزوں کے اس کردار کو تسلیم کیا ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ پورے تدبر سے کام لے کر اُنہوں نے اپنے مقبوضات کو آزادی دے دی ورنہ فرانس، ہالینڈ، اور بلجیم، اور دوسری سامراجی حکومتیں آج بھی اپنے مقبوضات پر قبضہ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہیں، اور اس سلسلے میں کوئی ظلم ایسا نہیں ہے جو روا نہ رکھتی ہوں کانگو کے واقعات ابھی جاری ہیں اور بزرتا میں جو

ہو رہا ہے اس سے بھی دنیا ناواقف نہیں، ان مثالوں کی موجودگی میں انگریزوں کا خود سے
چلا جانا واقعی ایک شاندار کارنامہ ہے۔

۵ برطانوی کامن ویلتھ کی طرف اشارہ ہے۔

۶ لیکن تقسیم کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بہ حیثیت گورنر جنرل آف انڈیا ریڈ کلف ایوارڈ کو نافذ کرکے، اور کشمیر کا ہندوستان سے الحاق کرکے، اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام پر خاموش رہ کر جو کارنامہ انجام دیا ہے، وہ بھی جناب موصوف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یادگار چیز بنا چکا ہے۔

پاکستانی قوم سے خطاب

۱۷- اگست ۱۹۴۷ء

پاکستان کو عالم وجود میں آئے ہوئے ابھی صرف چند دن ہوئے ہیں کہ جمعۃ الوداع کا دن آتا ہے - اس موقع پر قائدِ اعظم کے جذبات متحرک ہوتے ہیں، اور وہ اپنی قوم کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتے ہیں،

وہ اپنی قوم کو بتاتے ہیں کہ اس نئے ملک کے قیام سے اس کی ذمہ داریوں میں گراں بار اضافہ ہو گیا ہے، اگر وہ عزّت اور وقار کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے تو ان ذمہ داریوں سے اسے ہر حال میں عہدہ برآ ہونا پڑے گا، اور ان اہم ذمہ داریوں میں سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری پاکستانی اقلیتوں کا تحفظ ہے!

قائداعظم کی یہ تقریر جمعۃ الوداع کے دن لاہور، ڈھاکہ اور پشاور سے نشر کی گئی۔

(رئیس احمد جعفری)

"نہایت مسرت اور شادمانی کے ساتھ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، ۱۵ اگست پاکستان کی آزاد اور خود مختار سلطنت کی پیدائش کا دن ہے، یہ مسلمانوں کے مقصد کی تکمیل کا دن ہے جس کے لئے انہوں نے ماضی کے چند سالوں میں بڑی قربانیاں دی ہیں کہ انہیں اپنی حکومت میں رہنے کی جگہ مل جائے - اس اہم موقع پر میرے تمام خیالات ان بہادر مجاہدین کی طرف لگے ہوئے ہیں، جنہوں نے خندہ پیشانی اور استقامت سے ہمارے اس مقصد کے حصول کے لئے اور پاکستان کے قیام

کے لئے اپنا سب کچھ اور اپنی پیاری زندگی تک کو قربان کر دیا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان ان کا ممنون و مشکور رہے گا اور ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی، جنھوں نے اس مقصد کے لئے اپنی جانیں دیں، اور وہ اب موجود نہیں ہیں[۱]۔ سلطنت پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کے شہریوں پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہو گئی ہے، انہیں یہ موقع ملا ہے کہ وہ دُنیا کو دکھا دیں کہ مختلف عناصر کی ایک قوم کس طرح امن و محبت کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہے اور بلا امتیاز مذہب و ملت تمام شہریوں کے بہبود کے لئے کام کر سکتی ہے۔ اندرونی اور بیرونی[۲] امن ہمارا مقصد ہونا چاہیئے۔ ہمیں امن سے رہنا چاہیئے، اپنے پڑوسیوں[۳] سے دوستانہ تعلقات اور ساری دُنیا سے خوشگوار معاملات رکھنا چاہئیں، ہم کسی کے خلاف جارحانہ جذبہ نہیں رکھتے[۴] متحدہ اقوام کے چارٹر کے ہم پابند ہیں[۵] اور ہم دُنیا کے امن اور خوشحالی کے لئے پوری پوری کوشش کریں گے مسلم انڈیا نے دُنیا پر یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ ایک متحد قوم ہے اُس کا مقصد انصاف پر مبنی ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ہمیں اس نعمت کے لئے آج خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے، اور ہمیں اس سے دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں اس انعام کے لائق بنا دے آج کے دن نے ہماری قومی تاریخ کی نا اُمیدی کی صورت بدل دی، اور آج کے دن سے ہمیں نئے قابل احترام باب کا اضافہ کرنا چاہیئے۔

ہمیں اقلیتوں پر اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کر دینا چاہئے کہ جب تک وہ پاکستان کے وفادار شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتی رہیں گی، انہیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا[۶]۔ میں حریت پسند قبائل کو اور اپنے حدود سے باہر والی ریاستوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان اُن کے موجودہ معیار کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اور امن قائم رکھنے کے لئے دوستانہ طور پر ان کی مدد کرے گا، ہماری اس سے

زیادہ کوئی خواہش نہیں ہے کہ خود بھی عزت سے رہیں اور دوسروں کو بھی عزت سے رہنے دیں
آج رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کا دن ہے جس پر نہ صرف اس کو چک برّ اعظم کے مسلمان
بلکہ ساری دنیا کے مسلمان خوشی مناتے ہیں، مسلمانوں کو ہزار ہا کی تعداد میں مسجد میں جمع ہو کر
عجز و انکساری کے ساتھ خدا کے سامنے جھک جانا چاہیئے، اور اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیئے
اور اس کے دائمی عنایت اور فضل و کرم کا ملتجی بھی ہونا چاہیئے کہ وہ پاکستان کو عظیم سلطنت اور
ہمیں اچھا شہری بنانے کے کام میں ہماری مدد اور رہنمائی کرے، اور آخر میں مجھے کہنا ہے کہ
میرے شہری بھائیو، پاکستان کی سرزمین میں مخفی خزانے ہیں مگر اس ملک کو مسلم قوم کے
شایانِ شان بنانے کے لئے اپنی قوت کا ایک ایک ذرہ صرف کرنا پڑے گا، اور مجھے امید ہے
کہ تمام لوگ اس کام میں دل و جان سے حصہ لیں گے۔

۱ے قائد اعظم نے ہندو اکثریت کے صوبوں کو ایثار و قربانی پر ابھارا تھا، اور وہ اپنے
قائد کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، قیام پاکستان کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے تھے
پھر جب پاکستان بن گیا تو دفعتہً انہیں نشانۂ جور و ستم بنایا گیا انہیں قتل کیا گیا۔
لوٹا گیا اور جلاوطن کر دیا گیا، لیکن ان کے عزم و استقامت میں کوئی فرق نہ آیا، آج
قائدِ اعظم کو وہ گشتگانِ وفا بھی یاد آرہے تھے، جنھوں نے ایک اسلامی ملک کے قیام
کے لئے اپنی جانیں قربان کر دی تھیں ——— !

۲ے اندرونی امن پر قائد اعظم نے خاص طور پر زور دیا کہ بغیر اسکے حکومت کامیابی کے ساتھ
چل ہی نہیں سکتی۔

۳ے پڑوسیوں سے اشارہ ہے ہندوستان کی طرف!

۴ے قائد اعظم نے کبھی بھی ہندوستان کے خلاف کوئی جارحانہ اور انسانیت سے
گرا ہوا جذبہ نہیں رکھا۔

۵ اقوام متحدہ کے میثاق پر کسی قوم نے شاید ہی اتنی دیانتداری کے ساتھ عمل کیا ہو، جتنا پاکستان نے کیا ۔

۶ اور ہر طرح کے اندرونی خلفشار کے باوجود پاکستان نے اپنے بانی اور معمار کی یہ بات ہمیشہ یاد رکھی، اس نے کبھی اقلیتوں کو نہیں ستایا، نہ دہشت زدہ کیا، نہ گردن کاٹی، نہ لوٹا ۔

مسلمانانِ ہند کے قتلِ عام اور کشت و خون کی المناک داستان

جب خون کا دریا بہہ رہا تھا!

۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء

پاکستان عالم وجود میں آگیا، اس طرح کہ خون کا ایک قطرہ بھی اس جدوجہد میں نہیں گرا، یہ تاریخ سیاستِ عالم کا انوکھا اور حد درجہ حیرت انگیز واقعہ تھا،

لیکن پاکستان بنتے ہی، عقوبت اور تعزیر اور انتقام کا سلسلہ شروع ہوگیا،

پاکستان کا بنانا جرم تھا، اس جرم کی سزا دی جارہی تھی۔

ٹرینیں روک روک کر مسافروں کو اُتارا جاتا تھا، اور بے تحاشا اُنہیں قتل کر دیا جاتا تھا ماؤں کے سامنے بچّوں کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے، بوڑھے باپ کے سامنے اس کا جوان لختِ جگر ذبح کر دیا جاتا تھا، بوڑھی عورتیں مار ڈالی جاتی تھیں، اور جوان عورتیں قبضہ میں لے لی جاتی تھیں، جو قافلے پا پیادہ آرہے تھے اُن پر بھی یہی گزر رہی تھی، بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ ——

مشرقی پنجاب کے یہ جگر فگار، زہر گداز، اور لرزہ خیز واقعات، مغربی پنجاب کے مسلمانوں پر بھی اثر انداز رہے وہ بھی ہوش و حواس کھو بیٹھے اور انہوں نے ان ہندوؤں اور سکھوں سے انتقام لینا شروع کیا، جو یہاں رہتے تھے، اور جن کا مشرقی پنجاب کے فسادات میں کوئی حصّہ نہ تھا۔

قائدِ اعظم سچے مسلمان تھے، کھرے قائد تھے، با اصول سیاست داں تھے، ان کا دل مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر خون کے آنسو رو رہا تھا، لیکن مغربی پنجاب میں غیر مسلموں کا بے تحاشہ قتل اور لوٹ مار بھی وہ گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

فسادات کی خبریں جب متواتر اور تسلسل کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچیں تو وہ دارالحکومت کراچی سے اپنی گرتی ہوئی صحت اور ضعف کے باوجود تھے — لاہور تشریف لے گئے کہ بچشم خود حالات کا مشاہدہ کریں، مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں اور ہندوؤں پر زیادتی کرنے سے روکیں اور مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے لٹے ہوئے اور پٹے ہوئے جو قافلے آرہے تھے، اُن کے دُکھ درد کا مداوا جس حد تک بھی ممکن ہو کریں۔

قائداعظم پاکستان کی یہ تقریر ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوئی تھی!!

(رئیس احمد جعفری)

پنجاب کی رُوح فرسا خبروں کو سُن کر، اور حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر مسلمانانِ پنجاب کی دعوت پر ۲۸ اگست کو میں لاہور پہنچا، خبروں کی سچائی کو پرکھنے اور ان کی تہ تک پہنچنے کے لئے مجھے تمام سرکاری ذرائع حاصل کرنے پڑے، مجھے افسوس ہے کہ مشرقی پنجاب میں وحشت اور بربریت کی جو اطلاعات مجھے ملی تھیں، وہ درست ثابت ہوئیں، اب جبکہ میں آپ حضرات کو مخاطب کر رہا ہوں، میرا دل رنج والم سے بھرا ہوا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں پاکستان حاصل ہو چکا ہے، پاکستان کے حاصل کرنے کے لئے ہم نے کوئی خونی جنگ نہیں شروع کی تھی، ہماری لڑائی دماغی اور اخلاقی قوت پر مبنی تھی۔ ہم نے ثابت کر دیا کہ قلم کی طاقت تلوار کی طاقت سے زیادہ ہے ہمیں اپنا مقصد (پاکستان) حاصل ہو گیا ہے، یہ نہ صرف مسلمانوں کی نجات کا راستہ تھا، بلکہ ہندوستان کی سیاسی گتھیوں کا واحد حل بھی تھا، لیکن مجھے افسوس ہے کہ غیظ و غضب اور بہیمیت کے طوفان برپا کر دیئے گئے۔ انسانی خون سے ہولی کھیلی گئی۔ ہزاروں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور لاکھوں کو اپنے آبائی دیہات سے نکل کر مفلسی ناداری، اور بھوک کی سختیاں سہنا پڑیں۔ لوگوں کے دکھ درد

اور مصیبت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے لیکن دنیا کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب پاکستان ایک مسلّمہ حقیقت بن چکا ہے، اب اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا، برِاعظم منیر پر تاریخی مہر لگ چکی ہے۔ ہندوستان تقسیم ہو چکا ہے اور اب اس فیصلہ کو بدلا نہیں جا سکتا، اس برِاعظم کی سیاسی حالت جس حد تک بگڑ گئی تھی، اسی کا واحد حل پاکستان تھا[2]

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیسی کیسی بے انصافیاں اور زیادتیاں روا رکھی گئی ہیں تقسیم کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اور ہمارے علاقے کو جتنا کم کیا جا سکتا تھا کم کر دیا گیا۔ باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ نہ صرف غیر منصفانہ ہے، بلکہ بد نیتی پر بھی مبنی ہے، اُسے قانونی فیصلہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ سیاسی فیصلہ ہے[3] بہر حال اب فیصلہ ہو چکا ہے، ہم نے جو وعدے کئے ہیں انہیں پورا کرنا ہے[4] اور ایک باعزت قوم کی طرح اس پر گامزن ہونا ہے۔ ہم اپنے الفاظ پر قائم ہیں۔ ہمیں اُمید کا دامن نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اب لڑائی جھگڑوں سے کچھ فائدہ نہیں، آیئے اب پاکستان کی تعمیر کی تدبیریں سوچیں۔

پاکستان نہ صرف دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے، بلکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ تمام دُنیا کی سب سے بڑی پانچویں ریاست ہے، اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اُسے دُنیا کی سب سے بڑی قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لئے رات دن کام کرے، ہمارے ہاں قابل لوگ موجود ہیں۔ ہمیں خدا نے ترقی کی دولتیں بخشی ہیں، اور ترقی کے ان گنت ذرائع اور دولت سے فائدہ اُٹھائے، اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ امن قائم رکھا جائے۔ اس وقت سب سے زیادہ ضروری چیز پنجاب میں امن کا قیام ہے ۲۹ اگست کو اقلیتوں کی حفاظت کا جو مقدس عہد کیا گیا ہے، اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی جائے[5] یہ کام ہندوستان اور پاکستان دونوں حکومتوں کا

ہے، دونوں اپنے اپنے علاقے میں اقلیتوں کی حفاظت کریں، لاہور میں دفاع کونسل کا جو اجلاس ہوا تھا، اس میں ٹھوس طریقے طے کئے گئے ہیں[۶] ان کے علاوہ کچھ طریقے بھی استعمال کئے جائیں گے باؤنڈری فوج کو توڑ دیا گیا ہے اور آئندہ دونوں حکومتیں امن کی ذمہ دار ہوں گی۔ باؤنڈری فوج امن قائم کرنے میں ناکام رہی، فساد اس کے زیراثر علاقوں سے گزر کر دیہاتی علاقوں میں بھی پھیل گیا تھا، جہاں امن قائم کرنا اس فوج کے لئے ناممکن تھا، اسی لئے اس فوج کو توڑ دیا گیا

پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی حکومتیں امن قائم کرنے کا مکمل ارادہ رکھتی ہیں میرا یہ مطالبہ ہے کہ ظالموں اور فسادات کے لئے ذمہ دار حضرات کے ساتھ فولادی ہاتھ سے برتاؤ کیا جائے، بربریت کا مظاہرہ پرلے درجے کی حماقت ہے، بربریت سے پنجاب کو بہت نقصان پہنچا ہے، خاص کر بے گناہ لوگوں کا بہت خون بہایا گیا ہے، لاکھوں بے گناہ بے گھر ہو گئے ہیں۔ اور انہیں فاقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کے علاوہ وسیع پیمانے پر جائیداد کو نقصان پہنچا ہے۔

اب یہ حکومت کے ذمہ دار لوگوں اور لیڈروں کا کام ہے کہ وہ ہر ممکن کوشش امن قائم کرنے کی کریں۔ پاکستان کے لوگوں کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ اپنے اندر ہمت اور جوش پیدا کریں اسلام کی تاریخ بہادری اور مضبوط ارادوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے، ہمیں چاہیئے کہ ہم مصیبتوں کی پرواہ نہ کریں، ہمارے راستے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آرہی ہیں، اب آپ کا کام ہے کہ ان رکاوٹوں کو دور کریں، آپ کا فرض ہے کہ اپنی ساری توجہ کام پر لگا دیں، اور برابر کام کرتے رہیں۔

اتحاد، تنظیم اور ایمان یہ تین جذبے ہمارے لئے مشعل راہ بنے رہیں گے۔

اب تک میں انگریزی میں تقریر کرتا رہا ہوں، اب آپ اس کا اردو میں ترجمہ سنیئے۔ اس انگریزی تقریر کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ بیرون پاکستان کے اکثر لوگ جو پاکستان سے دلچسپی رکھتے ہیں، ہماری آواز سن سکیں اب میں چند جملے اردو میں بھی کہوں گا۔ (پاکستان زندہ باد)

۱؎ یہ کوئی خانہ جنگی نہ تھی، ایک اصولی مطالبہ تھا۔

۲؎ دراصل ان فسادات کا اصل مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو مرعوب اور دہشت زدہ کر دیا جائے۔ سردار پٹیل اور بعض دوسرے کانگرسی لیڈروں کا خیال تھا کہ (ملاحظہ ہو مولانا آزاد کی کتاب "انڈیا ونس فریڈم") پاکستان کے وسائل و ذرائع اتنے کم ہیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا، ان وسائل و ذرائع کو مفلوج کرنے کے لئے ہندو سرمایہ کار پاکستان سے ہجرت کر گئے۔ اور پاکستانی عوام کا حوصلہ توڑنے کے لئے فسادات کا ہیبت ناک سلسلہ شروع کر دیا گیا، تاکہ پاکستان جلد از جلد ختم ہو جائے، لیکن قائداعظم اپنی قوم کے مزاج، اس کی استقامت اور عالی حوصلگی سے واقف تھے، چنانچہ اُنہوں نے بتایا کہ پاکستان بن چکا، اور اب اُسے کسی طرح بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔

۳؎ تقسیمِ ہند کے وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو اعلان کیا تھا، اس کے مطابق گورداسپور کا ضلع پاکستان میں شامل تھا، یہ شامل رہتا تو بھارت کے پاس کشمیر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا اسی طرح مرشد آباد کا ضلع بھی مشرقی پاکستان میں شامل رکھا گیا تھا جو ہر اعتبار سے مناسب تھا، لیکن سرحدوں کی تعیین کے لئے ریڈکلف کو ثالث بنایا گیا، اور ان ثالث بالخیر صاحب نے بہ یک جنبشِ قلم گورداسپور کا ضلع اور مرشد آباد کا ضلع بھارت کو دے دیا، جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کشمیر تک پہنچنے کا بھارت کو راستہ مل جائے، چنانچہ وہ مل گیا، اسی بنا پر قائداعظم نے اُسے بددیانتی پر مبنی قرار دیا ہے۔

۴؎ لیکن پاکستان نے یہ ثالثی قبول کر لی تھی، لہٰذا شرافت اور اصول کا تقاضا یہ تھا کہ گو یہ فیصلہ کتنا ہی الم انگیز اور تکلیف دہ ہو، لیکن اُسے قبول کر لیا جائے۔

۵؎ مشرقی پنجاب کے حوادثِ خونین نے اگرچہ قائداعظم کو حد درجہ مضطرب کر رکھا تھا، لیکن وہ اس عہد کو صداقت، خلوص اور سچائی کے ساتھ پورا کرنے پر بضد تھے، جو

غیر مسلم اقلیتوں کے تحفّظ کے لئے انہوں نے کیا تھا۔ اور بلاشبہ وہ اس امتحان صعب میں پورے اُترے۔

ےلیکن ہندوستان نے جو "ٹھوس" طریقے فسادات کو روکنے کے لئے سوچے تھے، ان کا غیر فانی نمونہ چند ہی روز بعد دہلی میں نظر آ گیا۔ جب ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو وہاں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا، اور حکومت ہند کچھ نہ کر سکی۔

ممالکِ اسلامیہ اور پاکستان کے باشندوں سے خطاب

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پاکستان کی پہلی عید الضحیٰ کے موقع پر قائدِ اعظم کا خطاب، عالمِ اسلام کے مسلمانوں، اور پاکستان کے باشندوں سے! (رئیس احمد جعفری)

"خداوند تعالےٰ اپنے محبوب بندوں کا اکثر امتحان لیا کرتا ہے، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی اپنی محبوب ترین چیز کی قربانی طلب کی تھی، حضرت ابراہیم نے اس پر لبیک کہا اور اپنے فرزند کی قربانی بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دی، خدائے ذوالجلال آج بھی ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے، اس نے ہم سے بڑی قربانی طلب کی ہے - دشمنوں نے ہماری نوخیز ریاست کو زخمی کر دیا اور ہمارے زخموں سے خون بہہ رہا، ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اس جرم میں کہ انہوں نے قیام پاکستان میں مدد کی تھی، مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اس وقت ہمیں سیاہ گھٹاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، لیکن ہم اس سے خوفزدہ نہیں ہیں کیونکہ مجھے یقین ہے اگر ہم قربانی کی اسی رُوح کا مظاہرہ کریں جس کا ثبوت حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دیا تھا، تو اللہ تعالےٰ ان گھٹاؤں کو چھانٹ کر ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش ضرور کرے گا، جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم کے ساتھ کیا تھا -

آیئے ہم عید الضحیٰ کے دن جو اسلامی جذبۂ قربانی کا یادگار دن ہے، یہ عہد کریں کہ بڑی سے بڑی آزمائش، قربانی اور مصیبت ہم کو اس نصب العین سے منحرف نہیں کر سکتی کہ ہم اپنے اصولوں کے

مطابق آزاد حکومت بنائیں، اور یہ عہد کریں کہ اپنی تمام قوت اور تمام ذرائع اس گوہر مقصود کو حاصل کرنے میں لگا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ موجودہ مصائب پر ہم قابو پالیں گے، جیسا کہ ہماری طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا ہے، اور ہم اپنے دشمنوں کی کوششوں کے باوجود رنج و آلام کی اس تاریک عہد سے فتحیاب اور قوی ہو کر نکلیں گے، اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ ہمارا مقصد صرف زندگی بسر کرنا نہیں، بلکہ اچھی زندگی بسر کرنا ہے، اس مقدس دن میں دنیا بھر کے برادران اسلام کو اپنی اور پاکستان کے باشندوں کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔

ہم پاکستانیوں کے لئے اس شکر گزاری اور شادمانی کے اس دن پر مشرقی پنجاب اور اس کے قرب و جوار کے پچاس لاکھ مسلمانوں کے مصائب کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، مجھے امید ہے کہ دنیا میں جس جگہ بھی مسلمان عورتیں اور مرد اس روز سعید کو جمع ہوں گے، وہ اپنی دعاؤں میں ان بد نصیب مردوں عورتوں اور بچوں کو نہیں بھولیں گے جن کے پیارے اس دنیا سے سدھار گئے ہیں جن کے گھر بار ان سے چھوٹ گئے ہیں۔ اور جو ان مصائب اور اذیتوں میں مبتلا ہیں جن کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان کثیر التعداد انسانوں کے دکھ درد کے نام پر میں ایک بار پھر ہر جگہ کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خطرے اور حاجت کی اس گھڑی میں ہماری طرف برادرانہ ہمدردی حمایت اور تعاون کا ہاتھ بڑھائیں دنیا کی کوئی طاقت بھی پاکستان کو ختم نہیں کر سکتی، ہمیں جتنی بڑی قربانیاں دینی پڑیں گی، سونے کی طرح اس آگ سے اتنا ہی زیادہ خالص اور پاکیزہ بن کر نکلیں گے۔

لہٰذا آپ سب کو میں امید جرأت اور اعتماد کا پیغام دیتا ہوں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام ذرائع کو ایک منظم طریقے پر جمع کر کے ان نازک اور اہم مسائل کا سامنا ایک عظیم قوم کی شایان شان طریقے سے عزم راسخ اور مکمل ضبط و نظم کے ساتھ کریں۔ (پاکستان زندہ باد)

سنہ ۱۹۴۸ء

جب مسلمانانِ ہند کے قتلِ عام سے مشتعل ہو کر اچی میں ہندو مسلم فساد ہوا، اور قائدِ اعظم نے چند لمحات میں اسے فرو کرا دیا۔

جب کاروباری اعتبار سے ہندوؤں کے ترکِ وطن کے باعث پاکستان دیوالیہ ہو گیا تھا اور قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو کاروبار پر اکسایا،

جب سرحد میں ڈاکٹر خان کی وزارت غداری کے جرم میں برطرف کی گئی، اور سرحد کا مردِ آہن خان عبد القیوم خان برسرِ اقتدار آیا۔

جب قائدِ اعظم خود پشاور تشریف لے گئے، اور ایک جلسۂ عام میں ولولہ انگیز تقریر فرمائی اور کہا:۔

از مقامِ ذوق و شوق آگاہ شو

ذرۂ؟ صیادِ مہر و ماہ شو

برگ و سازِ کائنات از وحدت است

اندریں عالم حیات از وحدت است

کراچی کا فساد

۹۔ جنوری ۱۹۴۸ء

کراچی اب تک بالکل محفوظ تھا یہاں ہندو رہ رہے تھے اور نہایت آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جو جانا چاہتے تھے وہ اس طرح جاتے تھے کہ مکانوں کی گراں بہا پگڑیاں بے غل و غش وصول کرتے تھے۔ خود میں نے ایک ہندو دامودر داس کو پانچ ہزار روپے نقد دے کر، فریر روڈ پر تین کمروں کا ایک مختصر سا فلیٹ حاصل کیا۔ پھر اسکے الاٹمنٹ میں جو مصارف ہوئے وہ الگ، یہ ہندو جاتے وقت گھر کی جھاڑو، سل، بٹہ اور دوسری معمولی چیزیں تک لے جاتے تھے، کسی مسلمان نے انہیں چھیڑا، نہ ان پر کسی طرح کی زیادتی کی۔

یکایک سکھوں کا ایک جتھہ نہ معلوم کس طرح کراچی لایا گیا، اور ایک ایسے علاقے کے متروکہ گردوارے میں رکھا گیا، جہاں ہر طرف پناہ گزیں آباد تھے، ان سکھوں نے اشتعال انگیز نعرے لگائے، نتیجہ یہ ہوا کہ کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا، اور اس لپیٹ میں سکھوں کے علاوہ ہندو بھی آ گئے۔

فساد کے بعد زاہد حسین اور غلام محمد نے فساد زدہ رقبہ کا دورہ کیا اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ لوٹا ہوا مال واپس کر دیں، دوسرے روز سڑکوں پر سنگر مشینیں، چارپائیاں، مسہریاں ریڈیو سیٹ، کراکری اور دوسری بہت سی چیزوں کے ڈھیر لگے تھے ——— یہ وہ مال تھا جو لوٹ لیا گیا تھا۔ اور اب اس اپیل کے بعد واپس کر دیا گیا تھا۔

اس موقع پر قائداعظم نے بھی ایک گشت فساد زدہ علاقے کا کیا، اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ امن شکنی کا ارتکاب ہرگز نہ کریں! (رئیس احمد جعفری)

جمعہ ۹ جنوری کو جب قائداعظم اور مس فاطمہ جناح بلوہ سے متاثر علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے کراچی میں مشن روڈ کی طرف سے لے جائے جارہے تھے، تو مسلمان مہاجرین نے جو عارضی طور سے ایک اسکول میں رکھے گئے تھے، قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

گورنر جنرل نے اپنی موٹر روک لی، اور انہیں یہ پیغام بھیجا کہ مجھے یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ بعض مہاجرین نے فساد میں حصہ لیا، اور ہندوؤں کا سامان لوٹا، یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ بعض دیگر مسلم عناصر اور پانچویں کالم والے بھی اس طرح کی غیر قانونی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میں آپ سب کو اور کراچی کے ہر باشندے کو یقین دلاتا ہوں کہ جو لوگ امن و آئین سے انحراف کرتے ہیں وہ پاکستان کے سب سے بڑے دشمن ہیں، ایسے لوگ دشمنوں کے آلۂ کار بنے ہوتے ہیں۔ میں مہاجرین کے اور ان لوگوں کے جذبات خوب سمجھتا ہوں جنہیں مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ مجھے ان سے انتہائی ہمدردی ہے مگر انہیں صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے اور ایک ذمہ دار فرد کی طرح رہنا چاہئے۔ انہیں اس مہمان نوازی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے، اور نہ انہیں آرام پہنچانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جارہا ہے میں تمام مسلمانوں سے آج پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے ہندو پڑوسیوں کو ان قانون شکن عناصر اور پانچویں کالم اور ان لوگوں سے بچانے کے لئے پوری طرح اتحاد و اشتراک عمل کیجئے، جو ان فسادات کے ذمہ دار ہیں، اور تمام فرقوں میں اعتماد اور بھروسہ قائم کیجئے۔

پاکستان پر باقاعدہ آئینی طرز سے حکومت ہونی ضروری ہے نہ کہ سازشی عناصر، پانچویں کالم والوں یا سرپھرے لوگوں کے ذریعہ اور حکومت پاکستان خطا کاروں کے خلاف

انتہائی سخت کارروائی کرے گی۔[1] مجھے ہندوؤں سے پوری ہمدردی ہے، جن میں سے بہت سے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہیں جو انہیں بعض پوشیدہ اغراض کے ماتحت سندھ سے نکل آنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔[2] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بے گناہ ہندوؤں کو سخت مصائب جھیلنے پڑ رہے ہیں۔

"اس افسوسناک فساد کے متعلق ابھی یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ سکھوں کو کراچی لانے اور سندھ کے وزیر اعظم، یا حکومت سندھ کے کسی عہدہ دار یا پولیس کو مطلع کئے بغیر گوردوارے میں رکھنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اس معاملہ کی پوری تحقیقات ہونی چاہیئے۔ ابھی یہ معاملہ کچھ صاف نہیں ہے، اگر اس کی پوری تحقیقات کی جائے گی۔"[3]

---

[1] قائد اعظم کا حکم پا کر سندھ کے وزیر اعظم مسٹر کھوڑو نے خود فساد کی روک تھام کا کام شروع کر دیا۔ اور اس مستعدی سے یہ فریضہ انجام دیا کہ چند گھنٹوں کے اندر فساد ختم ہو گیا۔ اور وہ مستعدی کیا تھی؟ ——— انہیں تباہ حال مسلمانوں سے ہمدردی بھی تھی، لیکن جس مسلمان کو شریک فساد پایا اسے یا گولی مار دی گئی، یا گرفتار کر لیا گیا۔ یہی اگر دہلی میں بھی ہوتا تو کیا وہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو سکتا تھا؟

[2] سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی نے پاکستان کی معیشت کو مفلوج کرنے کے لئے سندھ کے ہندو ساہوکاروں اسیٹھوں، اور سرمایہ داروں کو باقاعدہ ترغیب دی تھی کہ وہ ترکِ وطن کر جائیں۔

[3] یہ معمہ معمہ ہی رہا حل نہ ہو سکا۔

گاندھی جی کا قتل

۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء

گاندھی جی ان چند لوگوں میں تھے جو مسلمانوں کے قتلِ عام سے خوش نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے سابق پیرو اور جدید حریف ولبھ بھائی پٹیل کو جو وزیر داخلہ تھے، بار بار ٹوکا۔ اور ترغیب دی کہ وہ امن و امان قائم کریں، اور مسلمانوں کو اس بے دردی سے قتل نہ ہونے دیں،
لیکن پٹیل صاحب ان سے لڑ پڑے جس کی تفصیل مولانا آزاد نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "آزادیٔ ہند" میں درج کی ہے۔ آخر گاندھی جی نے جان کی بازی لگا دی اور مرن برت رکھنے کا اعلان کر دیا، پٹیل کی روش میں تو پھر بھی فرق نہیں آیا، البتہ نہرو اور راجندر پرشاد کی سعی و کوشش سے حالات ذرا سدھرے اور گاندھی جی نے برت توڑ دیا۔
ہندوؤں کا ایک طبقہ گاندھی جی سے حد درجہ ناراض تھا کہ وہ مسلمانوں کے قتلِ عام کے کیوں مخالف ہیں؟ آخر جب وہ اپنی روش پر قائم رہے، تو ایک سرپھرے شخص نے انہیں قتل کر دیا، اتنی آسانی سے یہ حادثہ اس لئے رونما ہو گیا کہ حکومتِ ہند نے یعنی مسٹر پٹیل نے گاندھی جی کی حفاظتِ جان کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا حالانکہ گمنام خطوں کے ذریعہ مسلسل یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ گاندھی جی کو، اور مسٹر شہید سہروردی کو ——— جو ان دنوں گاندھی جی کے دستِ راست بنے ہوئے تھے ——— قتل کر دیا جائے گا۔
قائد اعظم نے گاندھی جی کے حادثۂ قتل پر جو بیان دیا، وہ ان کے دل کی آواز ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

"مجھے یہ معلوم کرکے از حد صدمہ ہوا کہ گاندھی جی پر بزدلانہ حملہ کیا گیا - جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ موت کے بعد مرنے والوں سے کوئی جھگڑا نہیں رہتا -

ہمارے اور ان کے درمیان چاہے کیسے ہی سیاسی اختلافات کیوں نہ ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے مُلک کے سب سے بڑے آدمی تھے، اور ہندوؤں کے بزرگ ترین رہنما تھے اور دُنیا کے سب امن پسند طبقے ان کی عزّت و تکریم کرتے تھے، ان کی موت ایسے وقت واقع ہوئی جبکہ ہندوستان اور پاکستان کو آزادی ملی تھی اور ان کے ملک پر بڑی آزمائش کا وقت تھا، اُن کی حسرت ناک موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اُسے پُر کرنا مشکل بلکہ نا ممکن ہے، میں اس حادثۂ ہائلہ میں ہندوؤں کی عظیم قوم سے گہری ہمدردی ظاہر کرتا ہوں ؟

باشندگانِ سرحد کو انتباہ

پشاور کے عظیم الشان جلسۂ عام میں ولولہ آفریں تقریر

۲۰-اپریل ۱۹۴۸ء

پاکستان بن چکا ہے، صوبۂ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں جو کانگرسی حکومت قائم تھی، وہ ختم ہو چکی ہے۔ خان عبدالغفار خان، اور ڈاکٹر خان صاحب کے شدید اصرار پر اور کانگرس کے دباؤ ڈالنے پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے فیصلہ کیا تھا کہ چونکہ سرحد میں کانگرسی رجحان رکھنے والے لوگ بہت کافی ہیں اور وہاں کانگرسی وزارت بھی قائم ہے لہٰذا اسے پاکستان میں اس وقت تک شریک نہیں کیا جا سکتا جب تک استصواب رائے عامہ کے ذریعہ وہاں کے عوام کی رائے نہ معلوم کر لی جائے وہاں کے عوام کو حق ہو کہ خواہ پاکستان سے وابستہ رہیں یا ہندوستان سے اپنی قسمت منسلک کر لیں ان کا فیصلہ آخری فیصلہ ہو اور وہ ہر پارٹی کو قبول کرنا ہوگا۔

یہ کڑی شرط مسلم لیگ نے منظور کر لی، قائداعظم نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی، کوئی شبہ نہیں، سرحد میں خان عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب کا گہرا اثر تھا، اور انہوں نے مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف پروپیگنڈا کر کے فضا مسموم بھی کر دی تھی، لیکن خان عبدالقیوم خان اور ان کے رفقاء نے اُن کے طلسم کو توڑا اور مسلمانانِ سرحد کو صحیح صورت احوال سے واقف کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ غیر معمولی کثرت آراء سے وہاں کے عوام نے پاکستان کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

پاکستان کے عالم وجود میں آتے ہی بلاؤں، آفتوں، مصیبتوں اور قتل و غارت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قائداعظم زیادہ تر ان امور کی طرف متوجہ رہے۔ لیکن جیسے ہی ذرا فرصت

مل، فوراً پشاور پہنچے، وہاں کے لوگوں نے شاہانہ اور پُر تپاک استقبال کیا اور اپنے شہریارِ بے تاج کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر کے اپنی عقیدت کا ثبوت دیا۔

قائداعظم نے یہ تقریر ایک عام جلسے میں ارشاد فرمائی، صدرِ جلسہ سٹی مسلم لیگ کے صدر خان بادشاہ گل تھے۔

اسی جلسہ عام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تین لاکھ پٹھانوں نے شرکت کی۔ جن میں ۳۵ ہزار قبائلی رضاکار بھی تھے، اتنا عدیم النظیر اور شاندار جلسہ پشاور میں شاید ہی کبھی ہوا ہو، اتنا بڑا مجمع اور اس طرح خاموش اور پرسکون جیسے سطح سمندر، قائداعظم اس تپاک اور استقبال سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ تقریر انہی تاثرات کا آئینہ ہے!

(رئیس احمد جعفری)

"آپ لوگوں نے جس طرح میرا شاندار استقبال کیا ہے، میں اس کا شکر گذار ہوں، میں اس موقع کو کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔ یہ بدنصیبی کی بات ہے کہ آپ کے صوبے کی غلط رہنمائی کی گئی تھی[1] غلط پروپیگنڈا کیا گیا[2] لیکن مسلم لیگ نے صرف سات سال میں آپ کی آنکھیں کھول دیں[3] کانگرس نے ہمیں چیلنج کیا کہ صوبہ سرحد کی پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کے لئے رائے عامہ لی جائے۔ ہم نے اسے قبول کیا اور فتح ہماری ہوئی"[4]

اب جبکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اس کی تعمیر کا فریضہ باقی ہے، جو قیامِ پاکستان سے بھی زیادہ اہم ہے۔ خدا کی مہربانی آپ کے تعاون اور ہمارے صحیح اقدام سے مجھے اُمید ہے کہ ہم اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اب بھی خطرہ ہے، اور اس وقت بھی غلط رہنمائی کا اندیشہ ہے، اس لئے یہ آپ کا کام ہے کہ آپ غلط رہنمائی قبول نہ کریں[5]۔ آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ یہ صرف مسلم لیگ ہی ہے جس نے صوبہ سرحد سے ہندو راج کو ختم کیا۔ پس متحد ہو جاؤ۔ اور اپنے اختلافات ختم کر دو

صوبہ پرستی کو ختم کر دو[1] اور متحد ہو کر اپنی حکومت کی مدد کرو، میں ان مجرموں کو جانتا ہوں، جو رشوت لیتے ہیں، صوبہ پرست ہیں اور دیگر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا نظام اچھا ہے۔ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے ہم اُسے بدل دیں گے، لیکن اس کے لئے ہمیں وقت اور موقع دیجئے،

حکومت کا کام بہت مشکل ہے آپ کو بہت سی تکالیف ہیں، ان میں سے بہت سی کافی عرصہ سے ہیں، لیکن پاکستان کو قائم ہوئے آٹھ ماہ ہوئے ہیں، کیا آپ کسی انسان سے اُمید کر سکتے ہیں کہ وہ صرف آٹھ مہینے میں اتنا بڑا نظام بدل دے گا؛

میں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ متحد ہو کر سچے دل سے مسلم لیگ کا ساتھ دیجئے۔ اور صرف مسلم لیگ سے وابستہ رہیئے۔ اس طرح پاکستان کو قومی بنا کر حصولِ پاکستان کے مقصد کو حاصل کیجئے۔ خدا نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ خدا کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھائیں۔

انگریزی تقریر کے بعد عوام کی درخواست پر قائد اعظم نے حسبِ ذیل مختصر تقریر اردو میں کی۔

"خواتین و حضرات! آپ کی فرمائش ہے کہ میں اردو میں بولوں۔ حضرات میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرا شاندار استقبال کیا۔ آپ نے جو ہمدردی دکھائی ہے اس کا بھی شکر گزار ہوں، میں نے یہاں چند تقاریر کی ہیں، جن میں نے کچھ ہدایات دی ہیں۔ کچھ ضروری باتیں عرض کی ہیں۔ آج بھی میں نے یہی بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ میری عرض کیا ہے میری ہدایات کیا ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری ہدایات پر عمل کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں وہ ہم کر سکیں گے، اور کامیابی بھی حاصل کر سکیں گے۔

---

[1] یعنی یہاں کانگرس کے نقیب بن کر خان برادران آزادی سے کام کرتے رہے، اور صوبہ

ہے کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کے دور تک صوبہ پرستی کی وبا دبی رہی، بعد کے نالائق حکمرانوں کے دور میں ابھری اور اس نے پاکستان کو مجروح اور مفلوج کر دیا، اگر انقلاب نہ ہو گیا ہوتا تو شاید پاکستان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا،

۵ ذرا غور کیجئے۔ صوبہ سرحد کا تین لاکھ کا مجمع جس میں ۲۵ ہزار قبائلی بھی شریک ہیں اپنے گورنر جنرل اور قائداعظم سے "اردو" میں تقریر کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کے عہد تک، اردو کی قومی حیثیت ہر طرح کے شک و شبہ بالا اور پورے طور پر مسلم تھی،!

کے عوام کی غلط رہنمائی کرتے رہے، مسلم لیگ کی یہاں کوئی تنظیم نہ تھی، اس لئے بے غل و غش کانگرس کی کارفرمائیاں جاری رہیں۔

۲۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کے بارے میں نہایت تواتر اور تسلسل کے ساتھ یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ قائداعظم انگریزوں کے پٹھو ہیں، اور مسلم لیگ کا مقصد یہ ہے کہ انگریز ہمیشہ اس دیس پر راج کرتے رہیں، صرف کانگرس ہی وہ جماعت ہے جو انگریزوں کو اس ملک سے نکالنا اور آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے۔

۳۔ لیکن مسلم لیگ نے نہایت مختصر مدت میں اس غلط فہمی اور گمراہ کن پروپیگنڈے کا طلسم درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

۴۔ ہندوستان کی تقسیم جب دو قومی اصول پر ہوئی تھی، اور اسی بنا پر کانگرس نے آسام کو بنگال کے گروپ میں شرکت کی اجازت نہ دے کر کابینہ وفد کی اسکیم کو درہم برہم کر دیا تھا۔ تو صوبۂ سرحد کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل کرنے کے لئے استصواب رائے عامہ اصولی اعتبار سے وائسرائے کا بالکل غلط اقدام تھا، لیکن چونکہ مسلم لیگ اور قائداعظم کو مسلمانان سرحد کی حمیت ملی اور غیرت دینی پر اعتماد تھا، اس لئے یہ چیلنج قبول کر لیا گیا، اور مسلمانانِ سرحد نے ثابت کر دیا کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔

۵۔ مخالف دراندازی، اور سازش سے اب بھی باز نہیں آتے۔ لہٰذا اُن سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

۶۔ مسلم لیگ نے اگر کانگرس کا طلسم باطل نہ کیا ہوتا، تو آج بھی سرحد کانگرس کے قفس کا اسیر ہوتا۔

۷۔ مخالفین کا جب اور کوئی بس نہیں چلا، اور انہوں نے نہایت بے بسی کے ساتھ دیکھ لیا کہ پاکستان کا قیام عمل میں آگیا، تو وہ دوسری چال چلے، یہ تھی صوبہ پرستی کی وبا۔ قائداعظم نے متنبہ کیا کہ اگر یہ بیماری پھیلی تو پاکستان ختم ہو کر رہ جائے گا، چنانچہ یہ واقعہ

کراچی کے ایوانِ تجارت میں تقریر

۲۷ر اپریل سنہ ۱۹۴۸ء

قائدِ اعظم کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ پاکستان تجارتی اور کاروباری اعتبار سے ترقی کرے، اور دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش مصروفِ عمل ہو جائے۔ اس سلسلے میں وہ تاجروں اور سوداگروں کی ہر طرح حوصلہ افزائی فرماتے اور امکانی حد تک ان کے لئے سہولتیں فراہم کرتے تھے۔

چیمبرس آف کامرس کے سپاس نامے کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے جو تقریر فرمائی۔ وہ انہی تاثرات کی آئینہ دار ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

"ضروریاتِ زندگی پر جہاں تک اندرونی پابندیوں کا تعلق ہے، ان پر غور کرنے کے لئے حکومت نے صوبائی وزیروں کی ایک کانفرنس طلب کی ہے، یہ کانفرنس حالات کے پیشِ نظر چند پابندیوں کو دُور کرنے کی کوشش کرے گی، اور بیرونی تجارت کے لئے چند اشیا کو بلا لائسنس درآمد کرنے کی اجازت دی جا چکی ہے، حکومت اس فہرست میں اضافہ کرنے پر غور کر رہی ہے۔ آپ کو زیادہ تر برآمد ڈالر ممالک میں کرنی چاہیئے۔ جہاں لین دین ڈالر یا سکوں میں ہوتا ہو۔ اور اس طرح آپ اپنے مُلک کی بڑی خدمت انجام دیں گے، خوش قسمتی سے پاکستان کی خام اشیائے کے لئے یہ مشکل نہ ہو گا۔ اور میں اس مسئلہ میں آپ کے تعاون کا طلبگار ہوں، ان علاقوں کو برآمد کی مراعات دینے کے لئے حکومت جہاں تک ممکن ہو سکے گا، چند پابندیوں کو دُور کرے گی۔

جنابِ صدر آپ نے پاکستان کی صنعتی پالیسی کا سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اس پر تجار طبقے کے غور و خوض کی ضرورت ہے، حکومتِ پاکستان نے اس پالیسی کو مرتب کرنے میں پاکستان کے مستقبل کا خاص خیال رکھا ہے، حکومتِ پاکستان نے اپنے زیرِ اہتمام اسلحہ گولہ بارود اور ریل کے ڈبوں اور تار و وائرلیس کے آلات بنانے کا فیصلہ کیا ہے، اس کے علاوہ تمام صنعتیں پرائیویٹ سرمایہ کے لئے ہوں گی، پاکستان ایشیائی ممالک میں زراعتی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے[1]۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان اپنی زرعی دولت سے فائدہ اٹھا کر دنیائے تجارت کا علمبردار بھی بن جائے[2]، مجھے اس بات پر انتہائی مسرت ہے کہ آپ حکومت کی نئی صنعتی پالیسی سے مطمئن ہیں، قائداعظم نے بندرگاہ کراچی کو پاکستان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بندرگاہ کے حال و مستقبل سے بڑی دلچسپی لے رہا ہوں، اور مجھے توقع ہے کہ ہم بہت جلد اس کو دنیا کا جدید ترین بندرگاہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے[3]۔

مجھے آپ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرنے میں انتہائی مسرت ہے، جنابِ صدر آپ نے اپنی تقریر میں پاکستان کے قیام اور روئی کی تجارت کے متعلق بہت کچھ بیان کر دیا ہے۔ اس لئے میں ہر تفصیل پر روشنی ڈالنا ضروری نہیں سمجھتا، سب سے پہلے میں آپ کے ان الفاظ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو آپ نے حکومت پاکستان اور یہاں کے عوام کے لئے استعمال کئے ہیں، میری حکومت کے قیام کے فوراً بعد جو افسوسناک واقعات رونما ہوئے، وہ آپ سب پر واضح ہیں بہت سے صاحبِ فہم لوگوں نے بھی تخیل پاکستان کی مخالفت کی تھی، اور آپ کا فرمانا بھی بجا ہے کہ انہوں نے محض یہ سمجھ کر کہ پاکستان ایک غیر مانوس چیز ہے اس کی مخالفت شروع کر دی، جنابِ صدر آپ کے فرمانے کے مطابق اس شک و شبہ کی اب تو گنجائش ہی نہیں کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے دنیا کی قوموں کے درمیان یہ ایک نیا ملک قائم ہوا ہے

اب اپنے دلوں سے دوبارہ متحدہ ہندوستان بن جانے کا وہم و گمان نکال دو۔ اسی میں دونوں ممالک کی بہبودی اور خوشحالی کا راز مضمر ہے۔

قائداعظم نے فرمایا کراچی کو پاکستان کا دارالحکومت بنایا جائے گا۔ جہاں تک قبل از تقسیم کے دعووں کا تعلق ہے، آزادی ہند کے اعلان کی رو سے گورنر جنرل کے واجبات اور فرائض ہندوستان پر عائد ہوتے ہیں، حکومت پاکستان ۲۵ مارچ کے پریس نوٹ میں اس بات کی وضاحت کر چکی ہے اور اس مسئلہ پر حکومت ہند سے خط و کتابت ہو رہی ہے، توقع ہے کہ عنقریب ہی اس مسئلہ پر تصفیہ ہو جائے گا، کراچی میں مکانات اور دفاتر کی کمی سے عوام کو جو تکالیف ہو رہی ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا، حکومت پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کی منظوری کے مطابق، کراچی ہی کو پاکستان کا مستقل دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ داغ بیل کا نقشہ بنانے میں کچھ وقت لگے گا لیکن اس وجہ سے مکانات کی تعمیر میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے، اگر بیوپاری طبقہ کراچی میں تعمیرات کرانے کا پروگرام شروع کر دے تو اس سے میری حکومت کو بڑی مسرت ہو گی

معاشیات اور تجارت کو قوم کی شہ رگ بتاتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: میں سرکاری حکام یا کسانوں کے بغیر پاکستان میں اتنی کمی محسوس نہیں کرتا، جتنی تاجروں کے بغیر ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں ہمیشہ تجار اور سوداگروں کا خیر مقدم ہو گا، اور وہ اپنی آمدنی کے ساتھ ساتھ مساوات اور جائز کمائی کو کبھی نہ بھولیں گے۔ پاکستان میں چند ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے حکومت کو بڑی تشویش ہے، اور وہ اُن میں کمی کرنے کے طریقوں پر غور کر رہی ہے مجھے مکمل یقین ہے کہ میری حکومت آپ کے تعاون پر بھروسہ کر سکتی ہے۔ قائداعظم نے فرمایا، کہ بین الاقوامی حیثیت سے معاشیات کو تمدن سے بلند درجہ حاصل ہے اور آپ کے لئے مناسب ہی ہے کہ آپ وہ عمل اختیار کریں، جس سے پاکستان کا عظمت و وقار بالاتر ہو جائے، مجھے یقین

ہے کہ پاکستان کی معاشیات اعلیٰ تجارت کے لئے ایک موثر آلۂ کار ہو گئی، میں آپ لوگوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے مال کی شہرت قائم کرنے کے لئے حکومت پاکستان ہر ممکن کوشش کرے گی، میری خواہش ہے کہ پاکستان دنیا میں اپنے مال کی خوبی اور عمدگی میں مستند ہو جائے۔

میں آپ کی اور آپ کے چیمبر کی آئندہ کامیابی اور درازئ عمر کی دعا کرتا ہوں، خدا آپ کو اتنی توفیق عطا فرمائے کہ آپ، پاکستان کو اور دنیاوی اقوام میں ایک شاندار اور طاقت ور ملک کے درجہ تک پہنچا دیں۔ آیئے ہم سب مل کر اس خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں دعا کریں کہ وہ پاکستان کو دنیا کی خوشحالی امن اور بہبودی کے لئے کام کرنے کی قوت عطا فرمائے

۱؎ اور پھر وہی ملک زراعتی اعتبار سے سیاست والوں کی کارفرمائیوں کے باعث اتنا گر گیا کہ غذائی حیثیت سے خود کفیل تک نہ رہا، امریکہ اور دوسرے ممالک سے اناج درآمد کرنے پر مجبور ہو گیا۔

۲؎ لیاقت علی خاں کے دور تک ٹھیلوں پر، روپے کا چار سیر بہترین گیہوں کا آٹا کھلے بندوں فروخت ہوتا تھا جس کا جتنا جی چاہے لے لے، راشن کا سوال ہی نہیں تھا۔

۳؎ یہ آرزو بڑی حد تک پوری ہو گئی۔ آج کراچی دنیا کی بہترین بندرگاہ ہے۔

۴؎ ایک جماعت اب تک یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ پاکستان کا قیام عارضی ہے، اسے مجبور ہو کر پھر ہندوستان سے ملحق ہونا پڑے گا، قائد اعظم نے اپنی تقریر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۵؎ قیام پاکستان کے فوراً بعد یہ سوال اٹھا تھا کہ اس ملک کا دارالحکومت کون سا شہر ہو، کئی نام زیر غور آئے، لاہور، ملتان، پشاور، راولپنڈی، لیکن قائد اعظم نے فیصلہ کراچی ہی کے حق میں کیا، اس سلسلے میں جب انہوں نے کراچی اور اسکے نواحی علاقہ کو فیڈرل

علاقہ قرار دیا تو مسٹر کھوڑو جو سندھ کے وزیر اعظم تھے، مخالفت کا علم لے کر میدان میں آئے، لیکن بہت جلد روپوش ہو گئے۔

۶ے اس وقت مجلس دستور ساز کے ممبروں کا بھی یہی خیال تھا۔

۷ے ایک وہ زمانہ تھا کہ چند چیزیں ذرا گراں ہو گئی تھیں تو لوگ چیخ اٹھے تھے۔ اور پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ گرانی حدِ فہم و ادراک سے آگے نکل گئی، جو چیزیں قائدِ اعظم کے زمانے میں گراں تھیں، وہ آج کی انتہائی گرانی کے باعث کتنی سستی نظر آ رہی ہیں۔

ایک یادگار تقریب!

افغانستان کا پہلا سفیر!

ایوانِ گورنر جنرل میں!

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اقبال

مارشل ولی خاںؒ سے خطاب

۸ مئی ۱۹۴۸ء

اسلامی ہند اور افغانستان کے تعلقات ہمیشہ حد درجہ خوشگوار رہے، جب بھی افغانستان پر کوئی مصیبت آئی، مسلمانانِ ہند نے دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے بیش از بیش مدد کی، موجودہ فرماں روائے افغانستان کے والد کنگ نادر شاہ، جب بچہ سقہ کی بغاوت براہ ہندوستان، افغانستان روانہ ہوئے، تو یہاں کے مسلمانوں نے ہر طرح سے اُن کی مدد کی؛

لیکن جب پاکستان بنا، اور اقوام متحدہ میں اس کی ممبری کا سوال پیش ہوا تو دنیا کے تمام ممبر ملکوں نے پُر جوش تائید کی، حد یہ ہے کہ ہندوستان تک نے مخالفت نہ کی، لیکن یہ فخر صرف افغانستان کو حاصل ہوا کہ اس کے نمائندہ نے مخالفت میں رائے دی۔

اس واقعہ نے پاکستانی عوام کے قلوب کو سخت صدمہ پہنچایا تھا، اور وہ حد درجہ برہم ہوئے تھے۔

لیکن قائداعظم نے صبر و ضبط کے ساتھ اس معاندانہ روش کو برداشت کیا۔

پھر مئی میں جب مارشل شاہ ولی خاں موجودہ فرمانروائے افغانستان کے عم محترم، اپنے ملک کے سفیر کبیر بن کر پاکستان تشریف لائے اور ایوانِ گورنر جنرل میں قائداعظم کے سامنے اُنھوں نے کاغذات نمائندگی پیش کیے تو قائداعظم نے خلوص، محبت اور آشتی سے بھری ہوئی جو تقریر کی، وہ ہمیشہ یاد رہے گی، (رئیس احمد جعفری)

"افغانستان کے پہلے سفیر کی حیثیت سے آپ کا استقبال کرنے میں مجھ کو بڑی ہی مسرت

حاصل ہو رہی ہے، حکومت پاکستان اور پاکستان کے باشندے ملک معظم شاہ افغانستان کے اس اقدام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے لئے ایک ایسا سفیر مقرر کیا ہے جو شاہی خاندان سے ہے، ہمیں توقع ہے اور یقین ہے کہ آپ جیسے ممتاز اور تجربہ کار نمائندے کے تقرر سے دونوں اقوام کے درمیان رشتۂ مودت اور زیادہ مضبوط ہو جائے گا اور اس طرح دونوں ملکوں کے درخشاں اور پُر مسرت مستقبل کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

آپ نے اس قدرتی رشتہ محبت و مودت کا بالکل بجا ذکر کیا جس سے ہمارے ان دونوں ملکوں کے باشندے بندھے ہوئے ہیں، یہ پیار و محبت لازمی ہے کیونکہ ہمارے رشتہ کی بنیاد مذہب، تمدن، اور مشترکہ نصب العین پر ہے ایسے مضبوط رشتے کی موجودگی میں میرے خیال میں دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے قریب لاتے ہیں بلکہ اس سے بھی قریب تر لاتے ہیں جتنے ہم پاکستان کے قیام سے پہلے تھے، کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔

ایک نئی ریاست کی حیثیت سے پاکستان سوا دُنیا کی خیر اندیشی کے کسی اور بات کا آرزو مند نہیں ہے، اس کے باشندے اپنی نئی آزادی کے استحکام کے لئے دل و جان سے کام کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں، اور جب کہ وہ اس عظیم الشان کام میں مصروف ہیں، دوسری حکومتوں کی امداد و تعاون سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوں گے، خصوصاً اس موقع پر قائداعظم نے آخر میں افغانستانی سفیر کو یقین دلایا کہ دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات کو مضبوط کرنے میں میری حکومت ہر ممکن کوشش کرے گی۔ اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گی۔ آپ کا مسلم قوم کے نمائندے کی حیثیت سے آنے پر ہم خیر مقدم کرتے ہیں، اور توقع کرتے ہیں کہ آپ نے پاکستان کے لئے جن جذبات اور خوشنودی کے خیالات کا اظہار کیا ہے اُن کی روشنی میں آپ اپنے فرائض کامیابی سے انجام دیں گے، مجھے اُمید ہے کہ کراچی میں آپ کا قیام پُر مسرت اور آرام دہ ہو گا۔[1]

سلہ شاہ ولی خاں معاملہ فہم اور دُور اندیش شخص تھے، اُنھوں نے صدقِ دل سے افغانستان اور پاکستان کے تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، حکمران طبقہ نے ان کی ان کارروائیوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بددل ہو کر واپس چلے گئے، اور پھر سیاست ہی سے کنارہ کش ہو گئے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

اقبالؔ

مختصرات

قائدِ اعظم کی تقریروں اور بیانوں اور خطبوں سے

اِقتباسات

○

پور آذر کعبہ را تعمیر کرد
از نگاہے خاک را اکسیر کرد

شذرات

قائدِ اعظم نے ایک بکھرے ہوئے شیرازے کو ایک منظم آزاد اور خود مختار قوم بنا دیا
——— وہی قوم جس کے لئے اقبال نے کتنے سوز و گداز اور درد و حسرت کے ساتھ
کہا تھا ؎

وائے قومے کشتۂ تدبیرِ غیر
کارِ او تخریبِ خود تعمیرِ غیر

اس بکھرے ہوئے شیرازے کو ایک منظم، آزاد اور خود مختار قوم بنانے کے سلسلے میں قائدِ اعظم کو بڑی بڑی کٹھنائیوں، حوصلہ شکن دشواریوں اور زہرہ گداز زحمتوں سے سابقہ پڑا، لیکن وہ ان سب مرحلوں سے گذرتے چلے گئے ——— پوری کامیابی اور پوری کامرانی کے ساتھ!

اس مرحلہ کو سر کرنے میں قائدِ اعظم نے بہت سی تقریریں کیں، بہت سے بیانات بھی دیئے بہت سے خطبے بھی ارشاد فرمائے۔

ان ارشادات عالیہ کا ایک معتد بہ حصہ ——— جہاں تک بھی اپنے محدود ذرائع اور وسائل کے باوجود فراہم کر سکا ——— آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کتاب کافی ضخیم ہو چکی ہے، اب تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ ضخامت میں مزید اضافہ کیا جائے، لہٰذا اگلے صفحات میں بعض اہم تقریروں کا جوہر اور عطر پیش کرتا ہوں، جو "اقوال دانش" سے ماخوذ ہے۔

اگر حالات نے اجازت دی، تو انشاء اللہ حالات کے سازگار ہونے کی صورت میں قائد اعظم کی جملہ تقریروں کا مجموعہ مرتب کروں گا ——— وما توفیقی الا باللہ

(رئیس احمد جعفری)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبالؔ

سنہ ۱۹۴۷ء

پاکستان بن جانے کے بعد گورنر جنرل
کی حیثیت سے قائداعظم نے متعدد اور
مختلف مواقع پر تقریریں کیں ، ان کا اہم
اقتباس
اور
ضروری خلاصہ

جاگی جاگی سحرِ نو کی کرن
اے خوشا دولتِ بیدار وطن
اُجلے اُجلے سے کہا یہ رو دمن
شبِ مہتاب میں جیسے گلشن،
یہ غزالوں کی زمیں رشکِ ختن
یہ زمیں، پاک زمیں میرا وطن

"مزدوروں کی فلاح سے غفلت جرم ہے!"

کیونکہ

وہ زمانہ گزر گیا جب

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد
آبروئے دخترِ مزدور بُرد
در حضورش بندہ می نالد چو نے
بر لبِ او نالہ ہائے پے بہ پے
نے بہ جامش بادہ و نے در سبوست
کاخ ہا تعمیر کرد و خود بکوست

"مجھے امید ہے کہ آپ نے اپنے کارخانہ کا پلان تیار کرتے وقت کاریگروں کے لئے مناسب رہائشی مکانات اور دوسری آسائشوں کا خاص طور پر اہتمام کیا ہوگا۔ کیونکہ کوئی صنعت اس وقت تک حقیقتاً فروغ نہیں پا سکتی۔ جب تک اس کے مزدور مطمئن نہ ہوں"

والیکا ٹیکسٹائل مل کے افتتاح کے موقعہ پر

۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

اکبرؔ کی رواداری تعلیمِ اسلام کا نتیجہ تھی!

○

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکّہ جان و دل پر تھا

○

"شہنشاہِ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کیا۔ وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسول نے کر دی تھی۔ انہوں نے زبان سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ اُن کے ساتھ رواداری برتی۔ اور اُن کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی حکمران رہے۔ ایسے ہی رہے۔ اُن کی تاریخ دیکھی جائے۔ تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم المرتبت اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہو گی۔ جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیئے۔"

مجلسِ دستور ساز میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو
لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں

"پاکستان کے ہندو ہر طرح آزاد ہیں"

کیوں کہ

"لکم دینکم ولی دین"!

اسلام کی تعلیم ہے!

○

"آپ آزاد ہیں۔ اپنے مندروں۔ مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جانے کے لئے آپ پاکستان کی مملکت میں بالکل آزاد ہیں۔ آپ کسی مذہب، فرقہ، عقیدہ سے تعلق رکھیں۔ اس کا کاروبار سلطنت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے اپنے نظام کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں۔ اور مساوی الحیثیت۔ ہمیں اس مسلک کو اپنے نصب العین کے طور پر سامنے رکھنا چاہیئے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا۔ نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان۔ مذہبی اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقائد کا معاملہ ہے۔ بلکہ سیاسی لحاظ سے ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہو جائیں گے"

مجلس دستور ساز پاکستان سے خطاب
۱۱۔ اگست ۴۷ء

"خیانتِ منصبی اور اقربا نوازی لعنت ہے!"

ہمیشہ حق کا ساتھ دو

ہمیشہ سچّی بات کہو!

ہمیشہ دیانت اور صداقت پر عمل کرو

کہ

اِسلام نے یہی حکم دیا ہے

"اچھی اور بُری دیگر چیزوں کے ساتھ خیانت منصبی اور اقربا نوازی کی لعنتیں بھی ہمارے حصے میں آئی ہیں ہمیں ان برائیوں کو بے دردی سے کچل دینا چاہیئے میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خیانتِ منصبی اقربا نوازی بالواسطہ یا بلا واسطہ مجھ پر اثر ڈلوانے کی کسی کوشش کو میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ جہاں مجھے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ایسا ہو رہا ہے، تو پھر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا یا چھوٹا کیوں نہ ہو" اُسے ہرگز نہیں بخشوں گا۔

خطبۂ صدارت مجلس دستور ساز
۱۱/ اگست ۱۹۴۷ء

"پاکستان میں نسل و عقیدے کا سوال نہیں"

○

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

○

"اگر آپ لوگ باہمی تعاون سے کام کریں۔ ماضی کو بھول جائیں۔ اور گذشتہ راصلوٰۃ پر عمل کریں۔ تو یقیناً کامیاب ہونگے۔ اگر آپ مل جل کر اس جذبہ کے تحت کام کریں۔ کہ ہر شخص خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ ماضی میں آپ کے تعلقات ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی رہے ہوں۔ اس کا رنگ نسل۔ مذہب کچھ ہی ہو۔ اولاً۔ ثانیاً۔ آخراً اسی مملکت کا شہری ہے۔ اس کے حقوق۔ مراعات اور ذمہ داریاں مساوی و یکساں ہیں تو ہم بیحد ترقی کر جائیں گے۔ ہمیں اس جذبہ کے تحت کام شروع کر دینا چاہیئے۔ پھر رفتہ رفتہ اکثریت اور اقلیت کے مسلمان فرقہ اور ہندو فرقہ کے تمام اختلافات مٹ جائیں گے۔"

مجلس دستور ساز سے خطاب
۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء

"متحدہ ہندوستان کا تخیّل ہرگز قابلِ عمل نہ تھا"

○

مردِ حُر محکم ز وردِ لا تخف
ما بہ میدان سر بہ جیب او سر بہ کف
مردِ حُر از لا الٰہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

گرمی طبع تو از صہبائے اوست
جوئے تو پروردۂ دریائے اوست

○

"مجھے معلوم ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو ہندوستان کی تقسیم اور بنگال و پنجاب کے بٹوارے سے پوری طرح متفق نہیں ہیں۔ اس کے خلاف بہت کچھ کہا جا چکا۔ لیکن اب جبکہ یہ فیصلہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس پر نہایت وفاداری۔ اور سچے دل سے قائم رہیں۔ اور اس معاہدے پر جواب قطعی بھی ہے اور جس کی پابندی ہم سب پر لازم ہے، باعزت طریقہ سے عمل پیرا ہوں۔

جہاں ایک جماعت اکثریت میں اور دوسری اقلیت ہو وہاں دونوں جماعتوں کے افراد کے جذبات کیسے ہوں گے اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت جو کچھ بھی کیا گیا ہے۔ کیا اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ ممکن اور قابلِ عمل ہو سکتا تھا۔ تقسیم تو بہر حال ہونی تھی۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ممکن ہے اس فیصلے سے متفق نہ ہوں اور اُسے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے ہوں لیکن میرے خیال میں اس مسئلہ کا اس کے علاوہ اور کوئی حل تھا ہی نہیں۔

مجھے یقین ہے کہ مستقبل کی تاریخ کا فیصلہ بھی اسی کے حق

میں ہو گا اور اس سے زیادہ یہ کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا، عملی تجربہ سے یہ بات واضح ہوتی جائے گی کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا حل سوائے تقسیم کے اور کچھ نہ تھا۔ متحدہ ہند کا تخیل ہرگز قابل عمل نہ ہوتا۔ اور میری رائے میں وہ ہمیں زبردست تباہی کی طرف لے جاتا۔"

مجلس دستور ساز میں تقریر
۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اقبالؔ

ہندوستان کی مسلمان اقلیت فراموش نہیں کی جاسکتی!

کہ یہ سعادت قدرت نے اسی کو بخشی ہے:

نے مغاں را بندہ نے ساغر بدست
گل تہی پیمانہ او مست الست
چہرۂ گل از نم او احمر است
زآتش ما، دودِ او روشن تر است

"ہمارے وہ بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔ اطمینان رکھیں کہ ہم نہ اُن کو فراموش کر سکتے ہیں۔ نہ اُن کی طرف سے لاپروا ہو سکتے ہیں۔ ہماری دلی ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں۔ اُن کی اعانت اور بہتری کے لئے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیونکہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اس برصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے۔ جنہوں نے ہمارے محبوب نصب العین پاکستان کے لئے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سربلند کیا۔"

پیغام عید
۱۸۔ اگست ۱۹۴۷ء

انتقام لو ــــ تلوار سے نہیں رواداری سے!"

آں حضرتؐ

نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی یہی

سلوک کیا تھا، جس کا نتیجہ تسخیر عرب و عجم کی صورت

میں ظاہر ہوا!"

"میں پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت سے کہتا ہوں۔
کہ وہ اپنے موجودہ غم و اندوہ کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں۔ اُنہوں
نے اپنی قومی سلطنت قائم کرنے کے لئے بہت دکھ اُٹھائے ہیں۔
اور قربانیاں دی ہیں۔ اب یہ انہی کا کام ہے کہ اس کی تعمیر
کریں۔ تاکہ بہت جلد وہ دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کہلانے
کے اہل ثابت ہوسکیں اور اقوام عالم میں اپنے لئے ایک معزز
مقام پیدا کرسکیں۔ صرف اسی صورت سے ہم اس قتل و غارت گری
کا جو ہمارے آدمیوں کے ساتھ دوسری طرف کی گئی ہے۔ بہترین
بدلہ لے سکتے ہیں۔ فوری جذبات سے مغلوب ہو کر جسمانی انتقام اور
بدلہ کے لامحدود ویرانہ میں بھٹک کر نہیں۔

بیان ۲۴ ؍ اگست ۱۹۴۷ء

پاکستان کو صنعتی مُلک بناؤ!

تاکہ

پاکستان ترقی کر سکے

اور

دُوسرے ملکوں کے مصنوعات کا محتاج نہ رہے

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

"اگر پاکستان کو اپنی وسعت اپنی آبادی اور اپنے وسائل کے مطابق دُنیا میں کوئی شایانِ شان مقام حاصل کرنا ہے تو اُسے چاہیئے کہ زراعت کے ساتھ ساتھ اپنے صنعتی امکانات کو بھی فروغ دے اور اپنی اقتصادی زندگی میں صنعتی رجحانات پیدا کرے۔

سردست پاکستان ایک زرعی ملک ہے، مصنوعات کے لئے وہ باہر والوں کا محتاج ہے۔ اگر ہم اپنی مملکت کو صنعتی بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیں تو ہم نہ صرف اپنے ہزاروں باشندوں کو روزی مہیا کر سکیں گے۔ بلکہ اپنے وطن کے وسائل میں بھی اضافہ کرینگے۔ صنعت و حرفت کے کام کی بہت سی خام اشیاء ہمیں قدرت نے عطا کر رکھی ہیں، اب ہمارا کام یہ ہے کہ اُنہیں مملکت اور اُسکے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام میں لائیں ؂

ولیکا ٹیکسٹائل مل کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے
۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

پاکستان کیوں قائم ہوا؟

کیونکہ حالات یہ ہو گئے تھے کہ:

دِل بہ تدریج از میان سینہ رفت
جوہر آئینہ از آئینہ رفت
اقتدار و عزم و استقلال رفت
اعتبار و عزّت و اقبال رفت

زورِ تن کاہید و خوفِ جاں فزود
خوفِ جاں سرمایۂ ہمت ربود!

○

"قیامِ پاکستان جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے جد و جہد کر رہے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اپنے لئے ایک مملکت قائم کرنا۔ یہی ہمارا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ یہ ذریعہ تھا حصولِ مقصود کا۔ خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے بر سرِ عمل آنے کا موقعہ حاصل ہو"۔

افسرانِ حکومت سے خطاب
۱۱۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پاکستانی اقلیت کی ہر طرح حفاظت کی جائیگی!

کہ اسلام کی تعلیم

اور

اسوۂ نبیؐ کا حاصل یہی ہے

"پاکستان کے نظامِ حکومت کی بابت میں پھر یہ کہوں گا۔ اور نہایت پر زور طریقے سے کہوں گا کہ ہم نے اس سلسلہ میں جو پالیسی طے کی ہے اس پر پوری طرح کاربند رہیں گے۔ پاکستان میں جو اقلیتیں ہیں اُن کی جان و مال کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ اور ان کے ساتھ انصاف کریں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ پاکستان سے چلے جانے پر مجبور کر دیئے جائیں۔ جب تک یہ لوگ حکومت کے وفادار و وفا کیش رہیں گے۔ اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ جیسا پاکستان کے اور شہریوں کے ساتھ

چونکہ حکومت کی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری عمّالِ حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے یہ دیکھنا ان کا فرض ہے کہ اس پر کماحقہٗ عمل ہو رہا ہے یا نہیں تاکہ ہم پر یہ الزام نہ آئے۔ کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں۔ اس پر عمل نہیں کرتے۔ آپ لوگ ہی عوام کو حکومت کی نیک نیتی کا یقین دلا سکتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ عمّالِ حکومت ہمیں اس سلسلہ میں مایوس نہ کرینگے۔"

افسرانِ حکومت سے خطاب

۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء

ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کے وفادار رہیں!"

تاکہ

جبر و تعدّی سے محفوظ رہ سکیں

کیونکہ

ان کی قربانیاں انہیں غیر فانی بنادینگی

اور

ایک روز دنیا اس مردِ مسلم کے لئے کہہ اُٹھے گی

در جہانِ بے ثبات اورا ثبات
مرگ او را از مقاماتِ حیات

"ہندوستان میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ
یہی مشورہ دوں گا کہ وہ جس مملکت میں رہیں۔ اس کے ساتھ پوری پوری
وفاداری کا ثبوت دیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی چاہیئے۔ کہ اپنی
تنظیم کریں۔ اور صحیح قسم کی قیادت پیدا کریں۔ جو اس پُر آشوب
زمانہ میں اُن کی ٹھیک رہنمائی کر سکے۔"

۱۱۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء

پاکستان اور ہندوستان اب ایک نہیں ہو سکتے

کیوں کہ

اب مسلمان اپنی خودی سے واقف ہو چکا ہے

اور

وہ دور گزر چکا ہے جب اس کے لئے کہا جاتا تھا،

ولئے آں دریا کہ موجش کم تپید
گوہر خود را ز غواصاں خرید!

○

"میں نے بار بار یہ بات کہی ہے کہ اب جبکہ دونوں مستعمرات کے درمیان باضابطہ سمجھوتہ کے مطابق ہندوستان تقسیم ہو چکا ہے ہمیں چاہیئے کہ ماضی کو بھول جائیں۔ یہ مصمم اِرادہ کرلیں کہ باوجود پچھلی باتوں کے ہم ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔

میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کبھی اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ دونوں آزاد مملکتیں ایک مشترک مرکز کے تحت آئینی طور پر ایک ہو جائیں۔

پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اور قائم رہے گا۔ لیکن ہم ہندوستان کے ساتھ دو آزاد۔ مساوی الحیثیت اور خود مختار مملکتوں کی طرح ہمیشہ سمجھوتہ اور مفاہمت کے لئے تیار ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم کسی اور غیر قوم سے معاہدہ دوستی یا سمجھوتہ کرلیں۔"

رائٹر کے نمائندے ڈنکن ہوپر سے ارشاد

۲۳- اکتوبر ۱۹۴۷ء

"قربانی دو، آزمائش میں پورے اُترو، مشکلات کا مقابلہ کرو!"

جو قومیں سربلند ہیں

اور

اگر خواہی حیات اندر خطر زہ "

اور میدان ارتقا میں گامزن ہیں ان کا یہی شعارِ حیات ہے

"خدا جن لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ان کو امتحان اور آزمائش میں بھی ڈالتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ جو شے آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہو۔ اس کی قربانی دیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے عزیز بیٹے کی قربانی پیش کی۔ آج بھی خداوند کریم پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کا امتحان لے رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہم سے بہت ہی بڑی بڑی قربانیاں طلب فرمائی ہیں۔ ہماری نوزائیدہ مملکت دشمنوں کے لگائے ہوئے زخموں سے چوُر ہے۔ ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم توڑے جا رہے ہیں اور بدلے لئے جا رہے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور اُنہوں نے پاکستان کے قیام میں مدد دی تھی۔ اور اس سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ چاروں طرف سے تاریک بادلوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ مگر ہم ان کے خوف سے رُک نہیں سکتے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ اگر ہم نے قربانی کا وہی جذبہ پیش کیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا۔ تو مصیبتوں کے بادل پھٹ جائیں گے اور اللہ تعالےٰ حضرت ابراہیم کی طرح ہم پر بھی اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔"

آیئے آج عید الضحےٰ کے دن جو اسلام کے اس جذبہ ایثار اور

قربانی کا مظہر ہے۔ جس کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ یہ عہد کریں کہ ہم اپنے تصوّرات کے مطابق اس نئی مملکت کی تخلیق میں بڑی سے بڑی قربانی دینے اور آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ کرنے میں پیچھے نہ رہیں گے۔ اور ہم اپنی ساری قوتیں اور سارے وسائل اس مقصد کے حصول پر صرف کر دینگے۔

یہ وقت ہر چند کہ بہت نازک ہے۔ مگر مجھے پختہ یقین ہے کہ ہم اس پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ ہم اپنی طویل تاریخ کے دوران میں ایسے بہت سے طوفانوں کے منہ پھیر چکے ہیں۔ گو دشمن اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم آلام و مصائب کی اس تاریک رات سے کامران ہو کر نکلیں گے۔ اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ یہ مملکت محض زندگی کے لئے نہیں بلکہ اچھی زندگی گذارنے کے لئے بنی ہے۔

پیغام عید
۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات

عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

اقبالؔ

"پاکستان کے لئے سب کچھ قربان کر دو!"

عزّت، وقار، سرافرازی

انہی قوموں کو حاصل ہوتی ہے، جو زندہ رہنے کے لئے

موت کا استقبال کر سکیں

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

"اس وقت میں آپ سے صرف اس بات کا طلبگار ہوں -
کہ میرا یہ پیغام جس جس شخص کے پاس پہنچے - وہ اپنے دل میں اس
بات کا عہد کرے کہ ضرورت پڑنے پر وہ پاکستان کو اسلام کی پشت پناہ
اور دنیا کی عظیم ترین قوم بنانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دے گا
ایک ایسی قوم بنانے کے لئے جس کا نصب العین امن و آشتی ہو
اندرون ملک بھی - اور بیرون ملک بھی -
مسلمان کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نجات نہیں ہو سکتا -
کہ وہ حق کی خاطر شہید ہو جائے -

تقریر لاہور
۳۰- اکتوبر ۱۹۴۷ء

سنہ ۱۹۴۸ء

اس سال اپنی علالت کے باعث
قائدِ اعظم کم تقریریں کر سکے، پھر بھی
اُنہوں نے مختلف موقعوں پر جو ولولہ خیز
اور رُوح پرور خیالات ظاہر فرمائے، وہ
ایک قیمتی متاع ہیں۔

اب اندھیروں میں چراغاں ہونگے
ہم سویروں کے نگہباں ہونگے
شب کے اجزا جو پریشاں ہونگے
کتنے خورشید درخشاں ہونگے

دورِ سلطانیِ جمہور آیا!
اک کلیم اور سرِ طور آیا!

"پاکستان کے ہندوؤں کی حفاظت کیجئے!"

یہ ہمارا اسلامی، دینی

اور

مذہبی فریضہ ہے!"

"یہ امر میں تمام مسلمانوں کے ذہن نشین کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے ہندو ہمسایوں کو غنڈوں ۔ پانچویں کالم والوں ۔ اور فسادات برپا کرنے والوں سے محفوظ رکھنے اور تمام فرقوں میں دوبارہ اعتماد اور بھروسہ پیدا کرانے کے سلسلہ میں حکومت اور افسران کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں ۔"

فسادات کراچی کے بعد بیان
۱۰ جنوری ۱۹۴۸ء

صنعت و حرفت

اقتصادی استحکام کا مؤثر ذریعہ ہے

"ہر نیا مل اور کارخانہ ہمارے ملک کے اقتصادی استحکام اور عوام کی
خوش حالی کی راہ میں ایک قدم ہے۔"

بنگال آئل مل کے افتتاح کے موقع پر
۲ر فروری ۱۹۴۸ء

ہمیں آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیئے!

کیونکہ

بہ مصطفےٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اُس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے ۔ جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔

شاہی دربار سبی، بلوچستان میں تقریر
۱۴ ؍فروری ۱۹۴۸ء

اور اِسلامی جمہوریّت کے لئے وقف ہو جاؤ!

کہ اِسلام کی جمہوریّت یورپ کی جمہوریّت نہیں ہے،

تختۂ دکّاں، شریکِ تاج و تخت
از تجارت نفع و از شاہی خراج
آں جہاں بانے کہ ہم سوداگر است
بر زبانش خیر و اندر دل شرّ است
بے نیاز از کارگاہ او گزر
در زمستاں پوستینِ او مخر

"ہم نے پاکستان کی جنگِ آزادی جیت لی ہے۔ مگر اُسے برقرار رکھنے اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی سنگین ترین جنگ ابھی جاری ہے۔ اور اگر ہمیں ایک بڑی قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنی ہوگی۔ فطرت کا اٹل اور سفاک قانون ہے۔ "بقائے اصلح" ہمیں خود کو اس نئی آزادی کا اہل ثابت کرنا ہے۔ فاشیت کے خطرات سے دُنیا کو بچانے اور اُسے جمہوریت کے لئے محفوظ بنانے کی خاطر کرۂ ارض کے دُور دراز حصوں میں جا کر آپ نے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت حاصل کی ہے۔ مگر اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت اسلامی معاشری عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔ آپ کو اُن کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا۔ ہمہ تن ہوشیار۔ ستانے کا موقع ابھی نہیں آیا ہے۔ یقین محکم، ضبط و نظم اور ادائیگی فرض کی دھن۔ ایسے اصول ہیں کہ اگر آپ اُن پر کاربند رہے تو کوئی شے ایسی نہیں جسے آپ حاصل نہ کرسکیں"

افواج پاکستان کے سامنے

۲۱ فروری سنہ ۱۹۴۸ء

"بین الاقوامی امن اور خوش حالی ہیں ہمارا حصّہ"

کیونکہ

اب ہم آزاد ہیں، اور مسلمان اگر مسلمان بن جاتا ہے تو غریب ہی کیوں نہ ہو

مگر

پادشاہاں در قباہائے حریر
زرد رو از سہمِ آں عریاں فقیر
سرِّ دیں مارا خبر، او را نظر
او درونِ خانہ ما بیرونِ در

"پاکستان کے لوگ کسی ایسی چیز کے طالب نہیں جو اُن کی اپنی نہ ہو۔ وہ دُنیا کی تمام آزاد اقوام سے خیر سگالی اور دوستی رکھنے سے زیادہ کسی اور بات کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ہم پاکستانی اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں۔ کہ اب جبکہ ہم نے اپنی مدتوں کی کھوئی ہوئی آزادی کو حاصل کر لیا ہے۔ ہم نہ صرف اپنی مملکت کو مستحکم و مرفہ حال بنانے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ بلکہ بین الاقوامی امن و خوشحالی کے لئے بھی جہاں تک ممکن ہو گا پوری مدد کرینگے"

"پاکستان کے لوگ کسی ایسی چیز کے طالب نہیں جو ان کی اپنی نہ ہو وہ دُنیا کی تمام آزاد اقوام سے خیر سگالی اور دوستی رکھنے سے زیادہ کسی اور بات کے خواہش مند نہیں ہیں، ہم پاکستانی اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں۔ کہ اب جبکہ ہم نے اپنی مدتوں کی کھوئی ہوئی آزادی کو حاصل کرلیا ہے۔ ہم نہ صرف اپنی مملکت کو مستحکم و مرفہ حال بنانے کی انتہائی کوشش کرینگے۔ بلکہ بین الاقوامی امن و خوش حالی کے لئے بھی جہاں تک ممکن ہوگا پوری مدد کریں گے۔"

امریکی سفیر کی تقریر کا جواب

۲۶ رفروری ۱۹۴۸ء

پاکستان

سرحد پار کے بھائیوں کے لئے سب کچھ کرے گا

"جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آپ کی وفاداری، اعانت۔ اور مواعید و اعلانات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے وزیرستان سے اپنی فوجیں ہٹالی ہیں اور یہ اس بات کا واقعی ثبوت ہے کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور سرحد پار بسنے والے آپ حضرات کو اپنا مسلمان بھائی سمجھتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ آپ خودوار لوگوں کی طرح اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ اپنے ملکی وسائل کو ترقی دیں اور اپنی خوبیوں کو اجاگر کریں۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ صوبہ سرحد اپنی آمدنی سے اپنا خرچ پورا نہیں کر سکتا۔ مگر ہمیں اس کی چنداں فکر نہیں ہے، پاکستان اپنے سرحد پار کے قبائلی بھائیوں کی معاشی اور معاشرتی حالت سدھارنے کی خاطر مالی یا اور کسی قسم کی ہر ممکن مدد کرنے کے لئے تیار رہے گا۔"

قبائلی جرگہ پشاور کے سامنے تقریر
۱۷۔ مارچ ۱۹۴۸ء

"سن لیجئے پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہوگی"!

قائدِ اعظم

کا

فیصلہ کن اِعلان

"میں آپ کو صاف طور پر بتا دوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی۔ اور صرف اُردو۔ جو کوئی آپ کو غلط راستہ پر ڈالے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک مشترک قومی زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے"

ڈھاکہ میں تقریر
۲۱ر مارچ ۱۹۴۸ء

نہ کوئی بنگالی ہے نہ پنجابی، نہ سندھی نہ بلوچی

سب پاکستانی ہیں!

اسلام کا پیام:

بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ — !

"میں صاف طریق پر آپ کو ان خطرات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں۔ جو پاکستان کو خصوصاً آپ کے صوبہ کو اب تک لاحق ہیں۔ پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اپنی شکست سے پریشان ہو کر پاکستان کے دشمن اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کوششوں نے اب صوبہ پرستی کو ہوا دینے کی صورت اختیار کی ہے۔

جب تک آپ اپنی ملکی سیاست سے اس زہر کو نکال کر نہیں پھینک دینگے۔ اس وقت تک آپ خود کو ایک حقیقی قوم میں نہیں ڈھال سکتے۔ اور نہ ویسا جوش اور ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی، پٹھان وغیرہ کی باتیں نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک سلطنت اپنے لئے بنائی ہے۔ ایک وسیع وعریض سلطنت۔ یہ آپ سب کی ہے یہ نہ پنجابی کی ہے۔ نہ بنگالی کی۔ نہ سندھی کی۔ نہ پٹھان کی۔ یہ آپ کی ہے"

ڈھاکہ

۲۱۔ مارچ سنہ ۱۹۴۸ء

بنگالی طلبا سے خطاب

کسی سیاسی جماعت کے آلۂ کار نہ بنو

"میرے نوجوان دوستو - طلباء جو اس وقت یہاں موجود ہیں،
مجھے ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو دس سال تک محبّت و خلوص
اور وفاکیشی کے ساتھ آپ کی خدمت کرتا رہا ہے، کچھ کہنے کی اجازت
دیجئے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی سیاسی پارٹی کا
آلۂ کار بن گئے تو یہ آپ کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہوگی - یاد رکھئے
کہ ایک انقلابی تبدیلی رونما ہو چکی ہے، اب ہماری اپنی حکومت
ہے - ہم ایک آزاد اور خود مختار مملکت بنا چکے ہیں - اس لئے
اب ہمیں آزاد لوگوں کی طرح ہی عمل کرنا چاہیئے اور اسی طریقہ
پر اپنے معاملات کا انتظامی حل کرنا چاہیئے کیونکہ اب کسی غیر ملکی
طاقت کے زیر اثر ہم پر کوئی دباؤ یا تشدّد نہیں ہے - ہم نے
غلامی کی زنجیریں توڑ دی ہیں اور قید کی بیڑیاں کاٹ چکے ہیں۔

ڈھاکہ
۲۱ - مارچ ۱۹۴۸ء

"پاکستان کی قومی زبان صرف اُردو ہوگی!"

قائداعظم

کا

اعلانِ حق!

"پاکستان کی مشترکہ قومی زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام وتفہیم کا ذریعہ ہو صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ اُردو ہے۔ اُردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔

ملک کی سرکاری زبان بھی ظاہر ہے اُردو ہی کو ہونا چاہیئے یہ وہ زبان ہے جسے برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں نے پرورش کیا ہے اور اُسے پاکستان کے اس سرے سے اُس سرے تک سمجھا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اُردو میں دوسری صوبائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی تہذیب وثقافت کا بہترین سرمایہ پایا جاتا ہے اور اُردو ہی دوسرے اسلامی ملکوں کی زبانوں کے قریب تر ہے"

ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں تقریر
۲۴ ۔ مارچ سنہ ۱۹۴۸ء

"مُساوات اور رواداری ہمارے مذہب کی بنیاد ہیں"!

کیونکہ

اسلام کی تعلیم ہے

"اُعدلوا ھو اقرب للتقویٰ"!

"جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد عمرانی عدل اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے تو بنی نوع انسان کی اخوت اور مساوات پر زبردست زور دیتے ہیں تو آپ محض میرے اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور اسی طرح جب آپ ہر شخص کے لئے مساوی مواقع مانگتے ہیں تب بھی آپ میرے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ترقی کے ان مقاصد کے متعلق پاکستان میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ کیونکہ ہم نے پاکستان اس لئے طلب کیا تھا اس کی خاطر جدوجہد کی تھی اور اسے اس لئے حاصل کیا تھا کہ ہم اپنی روایات کے مطابق اپنے معاملات کو حل کرنے میں جسمانی اور روحانی طور پر قطعاً آزاد ہوں۔ اخوت۔ مساوات اور رواداری۔ یہ ہیں ہمارے مذہب، تہذیب اور تمدّن کے اساسی نقطے۔ ہم نے پاکستان کے لئے اس واسطے جنگ کی تھی کہ اس برِ عظیم میں ہمیں اِن انسانی حقوق سے محروم کر دیئے جانے کا خدشہ تھا"

چاٹگام

۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء

"مشرقی پاکستان ترقی کریگا!"

کیونکہ

وہ ہمارا حصہ ہے

ہمارا دست و بازو ہے

ہماری جان و تن ہے،

المومن للمومن کالبینان اشد بعضہ بعضا

"ہر چند کہ مشرقی پاکستان نے ابھی ترقی کے مدارج طے نہیں کیے۔ مگر اس کے صنعتی امکانات، خام اشیاء کی فراوانی اور پانی سے بجلی پیدا کرنے کے وسائل بہت وسیع ہیں۔ چٹاگانگ کو اوّل درجہ کی بندرگاہ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور ایک وقت وہ آئیگا کہ اس کا شمار دُنیا کی اعلیٰ ترین بندرگاہوں میں ہوگا۔ اگر حالات پُرامن رہے اور ہر طبقہ کے لوگوں نے ہمارے ساتھ پُورا تعاون کیا تو ہم اس صوبہ کو پاکستان کا سب سے خوشحال خطّہ بنا دیں گے۔"

ڈھاکہ

۲۸ مارچ سنہ ۱۹۴۸ء

صوبائی عصبیت ترک کر دو!

★

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی، نہ افغانی!

"مجھے یقین ہے کہ آپ یہ بات بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ کہ پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کے لئے جس کے دو حصّے ہوں اور وہ بھی کافی فاصلہ پر۔ آپس کا میل جول اس کے شہریوں کا خواہ وہ کسی حصّہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ باہمی اتحاد و یک جہتی نہ صرف اس کی ترقی کے لئے بلکہ اس کی بقا کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ پاکستان مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر ہے اور اُسے ایسا ہی رہنا چاہیئے۔ سچّے مسلمانوں کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے۔ کہ جی جان سے اُس کی پاسبانی اور حفاظت کریں۔ اگر ہم یہ سمجھنے لگیں کہ ہم پہلے بنگالی۔ پنجابی۔ سندھی وغیرہ ہیں۔ اور مسلمان و پاکستانی محض اتفاقیہ تو جان لیجئے کہ پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

ڈھاکہ

۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء

"آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے!"

○

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

○

"اپنے ووٹ کو ذاتی مفاد کے حصول کی خاطر بیچ نہ ڈالیئے
بلکہ اسے قوم کی امانت سمجھئے"

اہالیان ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے خطاب
۱۷-اپریل ۱۹۴۸ء

پاکستان کی تجارت

کاروباری دیانت کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہونی چاہیئے

"تجارت کی حیثیت ثقافت سے زیادہ بین الاقوامی ہے۔ اسلئے آپ کا فرض ہے کہ آپ وہ طرزِ عمل اختیار کریں جس سے پاکستان کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو، مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تجارت کاروباری دیانت کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کا بہت مؤثر ذریعہ ثابت ہوگی۔ اگر ہم اپنے ملک کی چیزوں کا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدا ابھی سے ہونی چاہیئے۔

حضرات! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مقصد کے حصول کے لئے میری حکومت سے جو کچھ ہو سکے گا وہ کرے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ دُنیا کی تجارتی منڈیوں میں لفظ پاکستان "مال کی عمدگی اور اعلیٰ معیار کا مترادف ہو جائے"

ایوانِ تجارت کراچی میں تقریر
۲۷۔ اپریل ۱۹۴۸ء

تجارت میں دِل کھول کر حصّہ لو!

ارشادِ نبوی ہے :-

"الکاسب حبیب اللہ!"

" تجارت اور کاروبار قومی زندگی میں حیات بخش خون کے مانند ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک بغیر تاجروں کے پاکستان کا تصور ویسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے بغیر کاشت کاروں اور سرکاری نوکروں کے مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں تاجروں اور کاروباری لوگوں کو خوش آمدید کہا جائے گا اور یہ لوگ بھی اپنے فائدے کے ساتھ ساتھ ہر شخص سے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ایمانداری کا برتاؤ کر کے اپنی معاشرتی ذمہ داری نہیں بھولیں گے"

ایوانِ تجارت کراچی سے خطاب
۲۷ اپریل سنہ ۱۹۴۸ء

"صرف پاکستانی کہلائے جانے پر فخر کیجئے!"

معمارِ پاکستان کی نصیحت

پاکستانی قوم کو!

بلوچستان آزاد اور بہادر انسانوں کی سرزمین ہے۔ اس لئے آپ کی نظروں میں قومی آزادی عزّت اور طاقت کے الفاظ کی خاص قدر و قیمت ہونی چاہیئے۔ یہ "مُلکی" اور غیر مُلکی کی باتیں نہ ملک کے لئے مفید ہیں نہ آپ کے شایانِ شان ہیں۔ اب تو ہم سب پاکستانی ہیں، ہم نہ بلوچی ہیں نہ پٹھان ہیں، نہ سندھی ہیں، نہ بنگالی نہ پنجابی، ہمارے احساسات اور طرزِ عمل بھی پاکستانیوں جیسے ہونے چاہئیں اور ہمیں چاہیئے کہ بجائے کسی اور نام کے صرف پاکستانی کہلائے جانے پر فخر محسوس کریں۔

کوئٹہ میں شہری سپاسنامہ
۱۵۔ جون ۱۹۴۸ء

قدرت نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہیں!

اِن سے فائدہ اُٹھایئے

ایک نوزائیدہ قوم سے

معمارِ پاکستان کی مؤثر اور دلگداز اپیل!

جس سمت بھی چاہے صفت سیل چلا چل

صحرا یہ ہمارا ہے وہ دریا بھی ہمارا

"اہلِ پاکستان! آج ہم اپنی آزادی کی پہلی سالگرہ منا رہے ہیں، آج سے پورے ایک سال پہلے پاکستان کے لوگوں کو کامل اختیارات تفویض ہوئے تھے۔ اور حکومت پاکستان نے موجودہ ترمیم شدہ دستور کے تحت مملکت کے امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تھی ہم نے سال بھر کے حوادث کا مقابلہ حوصلہ اور عزم سے کیا۔ دشمن کے وار جن کا ذکر بار بار کیا جا چکا ہے، خصوصاً مسلمانوں کو بحیثیت قوم ختم کرنے کی منظم سازش کے خلاف جو کامیابی ہم نے حاصل کی وہ حیرت انگیز ہے۔ ہمارے تعمیری کام کا نتیجہ ہمارے عزیز ترین دوستوں کی توقعات سے بڑھ چڑھ کر نکلا۔ میں آپ سب کو وزیرِ اعظم اور ان کی قیادت میں اپنے وزراء کو دستور ساز اسمبلی اور مجالس قانون ساز کو اور مختلف انتظامی محکموں کے افسران اور افواج پاکستان کو ان کارناموں پر جو انہوں نے اس تھوڑے عرصہ میں انجام دیئے مبارکباد دیتا ہوں اور میں اہلِ پاکستان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور ہمارے پہلے سال کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی ہر کوشش میں ہمارا ساتھ دیا۔

مگر یہ کافی نہیں۔ یاد رکھئے، پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں مل سکتی یہ دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے اور اگر ہم نے دیانتداری، تندہی اور

بے غرضی کے ساتھ کام کیا تو یہ بھی سال بہ سال شاندار خدمات سرانجام دیتی رہے گی۔ مجھے اپنے عوام پر کامل بھروسہ ہے اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی تاریخ، شان و شوکت اور روایات کے مطابق عمل پیرا ہوں گے۔

ان لاکھوں مہاجرین کی داستان جنہیں سرحد کے اس پار سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر پاکستان میں پناہ گزین ہونا پڑا سب کو معلوم ہے۔ یہ المناک حادثہ اس وقت پیش آیا جب ہماری مملکت پوری طرح قائم بھی نہ ہونے پائی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ خود ہمارے عمالِ حکومت کا ایک بڑا حصّہ جسے حکومت کے نظام کو قائم کرنا تھا اس لپیٹ میں آگیا۔ میں جانتا ہوں ہمارے ان بے گھر ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے جتنا کچھ ہونا چاہیئے تھا نہ ہو سکا۔ ابھی تک ان میں سے بیشتر کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مہاجرین کی جتنی بڑی تعداد اپنے نئے گھروں میں بسائی جا چکی ہے وہ بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اگر اہلِ پاکستان اخوت کے اس جذبہ کا اظہار نہ کرتے جو انہوں نے کیا اور عوام اور حکومت ان زبردست مشکلات کا مقابلہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اس ہمت سے نہ کرتے جس کا انہوں نے ثبوت دیا تو مملکت کی ساری عمارت زمین پر آ رہتی۔

اس نوزائیدہ مملکت کو پیدا ہوتے ہی دیگر طریقوں سے گلا گھوٹنے کی ناکام کوشش میں ہمارے دشمنوں کو یہ اُمید تھی کہ اُن کا دلی منشا اقتصادی چالبازیوں سے پُورا ہو جائے گا۔ ان تمام دلائل و براہین سے کام لے کر جو بغض و عداوت کی بنا پر تراشی جا سکتی ہیں۔ پیشگوئیاں کی جانے لگیں کہ پاکستان دیوالیہ ہو جائے گا۔ اور دشمن کی شمشیر و آتش جو مقصد حاصل نہ کر سکی وہ اس مملکت کی مالی تباہی سے حاصل ہو جائے گا۔ مگر ہماری بُرائی چاہنے والے ان نجومیوں کی تمام پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں اور ہمارے پہلے بجٹ ہی میں بچت ہوئی۔ ہماری تجارت کا توازن ہمارے حق میں ہے اور اقتصادی میدان میں بھی مجموعی حیثیت سے باقاعدہ ترقی ہوتی رہی ہے۔

کسی ملک کے مستقبل اور اس کی ترقی کے متعلق کوئی قطعی اور یقینی اندازہ لگانے کے لئے ایک سال کی مدت بہت ہی قلیل ہے لیکن جس طرح ہم نے زبردست مشکلات پر قابو پایا ہے اور پچھلے بارہ مہینوں میں ترقی کی ہے۔ اس کی بنا پر ہم خوش آئندہ تصورات قائم کر سکتے ہیں۔ نظامِ مملکت کو لیجئے۔ مرکزی حکومت میں ہمیں سب انتظام نئے سرے سے کرنا پڑا اُدھر مغربی پنجاب میں تو مملکت قائم ہوتے ہی انتظامِ حکومت درہم برہم ہو گیا۔

مگر میں نہایت مسرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے ان تمام خطرات کو جو استحکام اور یک جہتی کو لاحق ہوئے کامیابی کے ساتھ دُور کر دیا اور وقت کے بعض بڑے بڑے مسائل کے بارے میں پاکستان نے نہ صرف اپنے عزم و استقلال کا ثبوت دیا۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ ان عالمگیر مسائل سے جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہیں۔ خوش اسلوبی کے ساتھ نبٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قدرت نے آپ کو سب کچھ بخشا ہے۔ آپ کے وسائل لا محدود ہیں آپ کی مملکت کی بنیادیں پڑ چکی ہیں، اب یہ آپ کا کام ہے کہ ان بنیادوں پر جلد از جلد اور اچھی سے اچھی عمارت کی تعمیر کریں۔ لہٰذا بڑھے چلئے خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

قوم کے نام قائدِ اعظم کا پیغام
۱۴۔ اگست ۱۹۴۸ء

انوارِ صوفیہ

یعنی

اخبار الاخیار

از

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

ترجمہ

محمد لطیف فریدی ایم۔ اے

قیمت: دس روپے

ناشر: شعاع ادب چوک انارکلی مسلم مسجد لاہور